

مصنفین دہلی کا علمی و دینی ماہنامہ

برپاک

مترتب
سعید احمد کسرا بادی

اردو زبان میں ایک عظیم الشان مذہبی اور علمی ذخیرہ قصص القرآن

قصص القرآن کا شمار ادارہ کی نہایت اہم اور مقبول کتابوں میں ہوتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے حالات اور ان کے دعوت حق اور پیغام کی تفصیلات پر اس درجہ کی کوئی کتاب کسی زبان میں شائع نہیں ہوئی پوری کتاب چار ضخیم جلدوں میں مکمل ہوئی ہے جس کے مجموعی صفحات ۷۸۴ ہیں۔

حصہ اول: حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام تک تمام پیغمبروں کے مکمل حالات و واقعات۔ قیمت آٹھ روپے۔

حصہ دوم: حضرت یوشع علیہ السلام سے لے کر حضرت یحییٰ تک تمام پیغمبروں کے مکمل سوانح حیات اور ان کی دعوت حق کی حقائق و تشریح و تفسیر۔ قیمت چار روپے۔

حصہ سوم: انبیاء علیہم السلام کے واقعات کے علاوہ اصحاب الکہف و الرقیم اصحاب القہر اصحاب السبت اصحاب الرس بیت المقدس اور یسوع و اصحاب الاخذ و اصحاب الفیل اصحاب البز و القرنین اور سکندر کی سب اور سیل عرم وغیرہ باقی قصص قرآنی کی مکمل و مفقود تفسیر۔ قیمت پانچ روپے آٹھ آنے۔

حصہ چہارم: حضرت عیسیٰ اور حضرت خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکمل و مفقود حالات۔ قیمت آٹھ روپے۔

کال سٹ قیمت فی جلد ۲۵/۵ - جلد ۲۹/۵

مطبعہ کاپٹن، مکتبہ برہان اردو بازار جامع مسجد دہلی

برہان

جلد ۵۳ | صفر المظفر ۱۳۸۴ھ مطابق جولائی ۱۹۶۴ء | شمارہ ۱

فہرست مضامین

۲	نظرات	سعید احمد اکبر آبادی
۵	واقعات سیرتِ نبویؐ میں توقیفی تضاد اور اس کا حل	از جناب مولوی اسحق البنی صاحب علوی رام پور
۳۱	ہندی مسلمانوں کے فلسفیانہ افکار	ڈاکٹر کے سچید رائے مورتی
		ترجمہ: پروفیسر صفی الدین صاحب صدیقی
		مذہب فلسفہ و نفسیات گورنمنٹ کالج آرٹس اینڈ سائنس اورنگ آباد
۴۹	میر کا سیاسی اور سماجی ماحول	جناب ڈاکٹر محمد عمر حبیب، استاد جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی
	احکامیات :-	
۶۰	غزل	جناب قمر مراد آبادی
۶۰	گلیچیں سے	جناب سعادت نظیر
۶۱	تبصرے	(س)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نظرات

شری لال بہادر شاستری دیرینہ تجربہ کار اور مخلص قومی کارکن ہیں ان کی سمجھ بوجھ بے لوثی اور سادگی و عوام پسندی معلوم و مشہور ہے اس لئے پندت جواہر لال نہرو کی قائم مقامی کے لئے ان کا انتخاب بہم وجہ موزوں ترین انتخاب ہے اور یہی وجہ ہے کہ ملک کے اندر اور باہر ہر جگہ اس کو استحسان کی نظر سے دیکھا گیا اور اس کا خیر مقدم کیا گیا ہے۔ ہم بھی اس کا دل سے خیر مقدم کرتے ہیں یہ انتخاب جس عہدگی اور اتفاق و ہم آہنگی کے ساتھ ہوا ہے اس کا کریڈٹ جس طرح شاستری جی کی شخصیت کو پہنچتا ہے اتنا ہی بلکہ اس سے زیادہ مسٹر کامراج کو پہنچتا ہے جنہوں نے بے زبانی کے باوجود چند روز میں ہی کانگریس کے جسم میں زندگی کی ایک نئی روح پھونک دی ہے۔

اب جبکہ شاستری گورنمنٹ کے قیام کے بعد سے ملک میں ایک نئے دور کا آغاز ہو رہا ہے ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ شاستری جی اور ان کی گورنمنٹ کو ان اہم معاملات و مسائل کی طرف متوجہ کریں جو آج ملک کو درپیش ہیں اور جن کے سدھرنے پر ملک کے مستقبل کا بہت کچھ انحصار اور دار و مدار ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ پندت جی اپنے غیر معمولی اوصاف و کمالات کے باعث دنیا کے اُن بڑے لوگوں میں سے تھے جو تاریخ میں روز و روز پیرا نہیں ہوتے لیکن کون کہہ سکتا ہے کہ انہوں نے اپنی طویل وزارتِ عظمیٰ کے زمانہ میں غلطیاں نہیں کیں، البتہ اُن کی شخصیت اس درجہ بلند اور حاوی تھی کہ وہ ان غلطیوں کے لئے پردہ پوش بن جاتی تھی اور دل اور دماغ کے جن اعلیٰ کمالات اور خوبیوں کے مالک تھے وہی بعض اوقات اُن کے اڈمنسٹریشن کی کامیابی کے لئے رکاوٹ ثابت ہوئے، انہوں نے اپنی عظیم شخصیت، بلند کردار، انتھک محنت اور بے لوث و مسلسل جدوجہد کے ذریعہ ملک کی جو خدمت کی ہے اسے ہندوستان کا کوئی مؤرخ نظر انداز نہیں کر سکتا۔ بین الاقوامی دنیا میں

آج ہندوستان کا جو مرتبہ و مقام ہے اور اندرونی طور پر ملک نے صنعت و حرفت، تعلیم، سائنس و ٹیکنالوجی میں جو ترقی کی ہے ان سب کا شمار پندت جی کے کارناموں میں ہونا چاہئے، لیکن جہاں تک کہ ملک کے اندرونی حالات کا تعلق ہے ان کو قابلِ اطمینان ہرگز نہیں کہا جاسکتا، یہ موقع اسباب و عوامل پر گفتگو کرنے کا نہیں ہے۔ لیکن کوئی بالغ نظر انسان اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ پندت جی دنیا سے اس حالت میں رخصت ہوئے ہیں جب کہ ملک میں رشوت ستانی اور خیانت کا زور ہے، اشیائے خوردنی کی قیمتیں روز بروز بڑھ رہی ہیں، اشیاء میں ملاوٹ کی گرم بازاری ہے اور عوام کو امن و سکون نصیب نہیں ہے، پھر ایک ملک کے استحکام و بقا اور اس کے عروج و ارتقاء کے لئے سب سے مقدم اور ضروری یہ چیز ہے کہ اختلافِ مذہب و رنگ و نسل کے باوجود اس ملک کے شہریوں میں مکمل یک جہتی اور قومی یگانگت ہو، ایک کو دوسرے سے ہیر نہ ہو، ان میں اخلاقی نظم و ضبط اور ڈسپلن پایا جائے لیکن یہ چیز ایک ملک کی سالمیت کے لئے جس قدر ضروری اور اہم ہے اسی قدر یہ اس ملک میں مفقود بھی ہے۔

ملک کو آزاد ہوئے سترہ برس ہو گئے لیکن فرقہ دارانہ فسادات کا سلسلہ ہے کہ برابر جاری ہے اور اب عالم یہ ہے کہ ٹھیک اُس زمانہ میں جب کہ چین کا خطرہ سر پر منڈلا رہا ہے اور اس بنا پر سخت ضرورت تھی کہ ملک کے تمام لوگوں میں مکمل یکجہتی ہو، مغربی بنگال، بہار اور اڑیسہ میں اس قدر ہولناک فسادات ہوئے کہ پچھلے فسادات بھی ان کے سامنے ماند ہو گئے، ذرا سوچنے کی بات ہے کہ جس ملک کے عوام اپنے ہی پڑوسیوں پر محض اختلافِ مذہب کی بنیاد پر اس قدر عظیم تباہی و بربادی کا سبب بنیں کیا ان سے توقع ہو سکتی ہے کہ جب وقت پڑے گا تو وہ اپنے ملک کی طرف سے بہادر انسانوں کی طرح مدافعت کر سکیں گے؟ پھر جو اڈمنسٹریشن ان فسادات کی روک تھام کر کے کیا اُس سے امید ہو سکتی ہے کہ وہ کسی بیرونی طاقت کے حملہ کے وقت ملک میں امن و امان اور ضبط و نظم قائم رکھ سکے گا؟ حقیقت یہ ہے کہ ملک سازی سے پہلے قوم سازی کی ضرورت ہوتی ہے اور اس پہلو سے جب ہم ملک کے حالات کا جائزہ لیتے ہیں تو بڑی مایوسی ہوتی ہے۔

عرب ممالک میں جا کر دیکھئے! ایک ایک عربی ممالک اسرائیل کے خون کا پیا سا ہے، اپنی تحریروں اور تقریروں میں برطانیہ اس کا اظہار کرتے ہیں، اسی طرح امریکہ اور برطانیہ اور فرانس ان تینوں ملکوں کے خلاف بھی ان کے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نظرات

شری لال بہادر شاستری دیرینہ تجربہ کار اور مخلص قومی کارکن ہیں ان کی سمجھ بوجھ بے لوثی اور سادگی و عوام پسندی معلوم و مشہور ہے اس لئے پنڈت جواہر لال نہرو کی قائم مقامی کے لئے ان کا انتخاب بہم و جوہ موزوں ترین انتخاب ہے اور یہی وجہ ہے کہ ملک کے اندر اور باہر ہر جگہ اس کو استحسان کی نظر سے دیکھا گیا اور اس کا خیر مقدم کیا گیا ہے۔ ہم بھی اس کا دل سے خیر مقدم کرتے ہیں یہ انتخاب جس عمدگی اور اتفاق و ہم آہنگی کے ساتھ ہوا ہے اس کا کریڈٹ جس طرح شاستری جی کی شخصیت کو پہنچتا ہے اتنا ہی بلکہ اس سے زیادہ مسٹر کامراج کو پہنچتا ہے جنہوں نے بے زبانی کے باوجود چند روز میں ہی کانگریس کے جسم میں زندگی کی ایک نئی روح پھونک دی ہے۔

اب جبکہ شاستری گورنمنٹ کے قیام کے بعد سے ملک میں ایک نئے دور کا آغاز ہو رہا ہے ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ شاستری جی اور ان کی گورنمنٹ کو ان اہم معاملات و مسائل کی طرف متوجہ کریں جو آج ملک کو درپیش ہیں اور جن کے سدھرنے پر ملک کے مستقبل کا بہت کچھ انحصار اور دار و مدار ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ پندرہ جی اپنے غیر معمولی اوصاف و کمالات کے باعث دنیا کے اُن بُرے لوگوں میں سے تھے جو تاریخ میں روز بروز پیدا نہیں ہوتے لیکن کون کہہ سکتا ہے کہ انہوں نے اپنی طویل وزارتِ عظمیٰ کے زمانہ میں غلطیاں نہیں کیں، البتہ اُن کی شخصیت اس درجہ بلند اور حاوی تھی کہ وہ ان غلطیوں کے لئے پردہ پوش بن جاتی تھی اور دل اور دماغ کے جن اعلیٰ کمالات اور خوبیوں کے مالک تھے وہی بعض اوقات اُن کے اڈمنسٹریشن کی کامیابی کے لئے رکاوٹ ثابت ہوئے، انہوں نے اپنی عظیم شخصیت، بلند کردار، انتھک محنت اور بے لوث مسلسل جدوجہد کے ذریعہ ملک کی جو خدمت کی ہے اسے ہندوستان کا کوئی مؤرخ نظر انداز نہیں کر سکتا۔ بین الاقوامی دنیا میں

آج ہندوستان کا جو مرتبہ و مقام ہے اور اندرونی طور پر ملک نے صنعت و حرفت، تعلیم، سائنس و ٹکنالوجی میں جو ترقی کی ہے ان سب کا شمار پنڈت جی کے کارناموں میں ہونا چاہئے، لیکن جہاں تک کہ ملک کے اندرونی حالات کا تعلق ہے اُن کو قابلِ اطمینان ہرگز نہیں کہا جاسکتا، یہ موقع اسباب و عوامل پر گفتگو کرنے کا نہیں ہے۔ لیکن کوئی بالغ نظر انسان اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ پنڈت جی دنیا سے اس حالت میں رخصت ہوئے ہیں جب کہ ملک میں رشوت ستانی اور خیانت کا زور ہے، اشیائے خوردنی کی قیمتیں روز بروز بڑھ رہی ہیں، اشیاء میں ملاوٹ کی گرم بازاری ہے اور عوام کو امن و سکون نصیب نہیں ہے، پھر ایک ملک کے استحکام و بقا اور اُس کے عروج و ارتقاء کے لئے سب سے مقدم اور ضروری یہ چیز ہے کہ اختلافِ مذہب و رنگ و نسل کے باوجود اس ملک کے شہریوں میں مکمل یک جہتی اور قومی یگانگت ہو، ایک کو دوسرے سے پر نہ ہو اُن میں اخلاقی نظم و ضبط اور ڈسپلن پایا جائے لیکن یہ چیز ایک ملک کی سالمیت کے لئے جس قدر ضروری اور اہم ہے اسی قدر یہ اس ملک میں مفقود بھی ہے۔

ملک کو آزاد ہوئے سترہ برس ہو گئے لیکن فرقہ وارانہ فسادات کا سلسلہ ہے کہ برابر جاری ہے اور اب عالم یہ ہے کہ ٹھیک اُس زمانہ میں جب کہ چین کا خطرہ سر پر منڈلا رہا ہے اور اس بنا پر سخت ضرورت تھی کہ ملک کے تمام لوگوں میں مکمل یکجہتی ہو، مغربی بنگال، بہار اور اڑیسہ میں اس قدر ہولناک فسادات ہوئے کہ پچھلے فسادات بھی اُن کے سامنے ماند ہو گئے، ذرا سوچنے کی بات ہے کہ جس ملک کے عوام اپنے ہی پڑوسیوں پر محض اختلافِ مذہب کی بنیاد پر اس قدر عظیم تباہی و بربادی کا سبب بنیں کیا اُن سے توقع ہو سکتی ہے کہ جب وقت پڑے گا تو وہ اپنے ملک کی طرف سے بہادر انسانوں کی طرح مدافعت کر سکیں گے؟ پھر جو انٹرنیشنل ان فسادات کی روک نہ کر سکے کیا اُس سے امید ہو سکتی ہے کہ وہ کسی بیرونی طاقت کے حملے کے وقت ملک میں امن و امان اور ضبط و نظم قائم رکھ سکے گا؟ حقیقت یہ ہے کہ ملک سازی سے پہلے قوم سازی کی ضرورت ہوتی ہے اور اس پہلو سے جب ہم ملک کے حالات کا جائزہ لیتے ہیں تو بڑی مایوسی ہوتی ہے۔

عرب ممالک میں جا کر دیکھئے! ایک ایک عرب سلطان اسرائیل کے خون کا پیا سا ہے، اپنی تحریروں اور تقریروں میں برملا وہ اس کا اظہار کرتے ہیں، اسی طرح امریکہ اور برطانیہ اور فرانس ان تینوں ملکوں کے خلاف بھی اُن کے

حزبات دوستانہ نہیں ہیں لیکن اس کے باوجود ان عرب ممالک میں عرب مسلمان عرب عیسائیوں اور عرب یہودیوں کے ساتھ دوستانہ و برادرانہ تعلقات رکھتے ہیں، فرقہ دارانہ فسادات تو کیا ایک عرب مسلمان کی جرأت نہیں ہے کہ وہ کسی اپنے ہم وطن عیسائی یا یہودی کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھ سکے اچھے بُرے کہاں جیتیں ہوتے، وہاں بھی یقیناً سماج دشمن عناصر ہوں گے جو مذہب کے اختلاف کو اپنی من مانی کرنے کا ذریعہ بنانے کی کوشش کرتے ہوں گے، مگر ان کو ایسا کرنے کا حوصلہ اسی لئے نہیں ہوتا کہ وہ حکومت کے تیور کو پہچانتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ حکومت قانون شکنی اور دستور کی خلاف ورزی کو کبھی برداشت نہیں کر سکتی۔

لیکن بدقسمتی سے ہمارے ملک کا حال کیا ہے؟ یہاں مسلمانوں کے متعلق ہندو فرقہ پروروں کی جارحانہ ذہنیت گزشتہ برسوں میں کم نہیں ہوئی، بلکہ روز بروز بڑھتی اور ترقی کرتی رہی ہے۔ اور اُس کی وجہ یہ ہے کہ ان رجحانات کو ختم کرنے کے لئے پنڈت جی نے زبان سے سب کچھ کہا مگر عمل کچھ بھی نہیں کیا، ہندو اخبارات نے مسلمانوں کے خلاف زہرا گلا، ہندو فرقہ پروروں نے ان کے خلاف زہریلی تقریریں کیں، بے بنیاد الزامات لگائے، سخت پروپیگنڈا کیا اور پھر ان سوراؤں نے بے گناہ مسلمانوں کو قتل و غارت گری کا نشانہ بنایا، یہ سب کچھ ہوا، اور مسلسل ہوتا رہا۔ مگر واہ ری سکولرزم اور صد آفریں ہماری جمہوریت! نہ اخبارات سے باز پرس ہوئی، نہ اشتعال انگیز مقررہوں کو قدغن! اور نہ مجرموں اور قاتلوں کو سزا! اور سنئے! اُلٹے گرفتار ہوتے ہیں تو مسلمان اور مقتدات چلتے ہیں تو ان پر! غرض کہ شری لال بہادر شاستری کو معلوم ہونا چاہئے کہ بحالات موجودہ یہ ہے ملک کا اڈمنسٹریشن اور یہ ہے قوم میں یکجہتی اور اخلاقی دسپلن کا عالم! ملک اور قوم کی تعمیر و ترقی فلسفہ کی ادبچی دنیا میں پرواز کرنے سے نہیں ہوتی، بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ اصل حقائق کو ان کے اصلی رنگ میں دیکھا جائے اور پھر جو ان کا مطالبہ ہو اُسے غم دہمت اور طاقت و قوت کے ساتھ پورا کیا جائے!

قسط سوم۔

واقعات سیرت نبویؐ میں وقتی تقاضا اور اس کا حل

از

جناب مولوی اسحق الہی صاحب علوی، رام پور

ان لغوی شہادتوں کے علاوہ جو اگرچہ انتہائی اہم ہیں، اور واقعاتی تاریخ سے زیادہ مرتبہ رکھتی ہیں مارگولیتھ (MARGOLIOUTH) نے قدیم یونانی مصنفین کی شہادت سے بیان کیا ہے کہ عرب جاہلی دور میں تین خریف (AUTUMN) کے مہینے اور ایک مہینہ فصل بہار کا حرام قرار دیا جاتا تھا، جس میں جنگجو قبائل ہتھیار اتار دیتے تھے، اور ہر قسم کی خونریزیاں رک جاتی تھیں، چنانچہ نانوسس (NONNOSUS) اور پروکوپیس (PROCOPIUS) نے ان محترم مہینوں کی صراحت ان الفاظ میں کی ہے۔

”دو ماہ انقلاب صیفی کے بعد اور ایک مہینہ وسط بہار کا (محترم خیال کیا جاتا تھا)“
اس صراحت سے بھی متذکرہ بالا نقشہ کی حرف بھرت تائید ہوتی ہے، انقلاب صیفی (SUMMER SOLSTICE)

۲۱ جون کو ہوتا ہے، اور نقشہ بالا کے بموجب ذی قعدہ اور ذوالحجہ بالترتیب جولائی اور اگست سے مطابق

۱۰ مارگولیتھ کے الفاظ ملاحظہ ہوں: FOR THREE AUTUMN MONTHS AND ONE

SPRING MONTH A TURCE OF GOD WAS ABSERVED BY MANY

TRIBES WHO THEREIN LAID DOWN THERE ARMS OF SHED

NO BLOOD”

اور اسی جگہ حاشیہ پر مذکور ہے:

NONNOSUS AND PROCOPIUS “TWO MONTH AFTER THE SUMMER

SOLSTICE AND ONE IN MID SPRING” (MARGOLIOUTH RESE P 5)

ہوتے ہیں اسی طرح ایک مہینہ وسط بہار کا نقشہ بالا کے مطابق رجب آتا ہے جو مارچ اور اپریل سے مطابق ہونا چاہیے،
 ولہذا ان نے بھی رجب کو بہار (SPRING) اور محرم کو خریف (AUTUMN) سے مطابقت دی ہے۔
 اس کی تائید بعض روایات سے بھی ہوتی ہے، بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے۔
 کہ پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا ہے۔

”ذو القعدة“ کوئی چیز ہے، نہ ”عقیرہ“۔ ”ذو القعدة“ اونٹ کے پہلے بچے (اول الناج)
 کو کہتے تھے جس کو وہ موتوں کے لئے ذبح کرتے تھے اور ”عقیرہ“ کی قربانی بھی رجب کے
 مہینے میں کی جاتی۔ (بخاری)

عقیرہ بکری یا بھیڑ کے پہلے بچے (اول ما یمنج) کو کہا جاتا تھا،^۱

لسان العرب کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب ”ذو القعدة“ یعنی اونٹ کے پہلے بچے کی قربانی
 اس درجہ ابتدائی عمر میں کرتے کہ اس کا گوشت منور لبدا ہوتا اور پوست سے چھڑانا مشکل ہوتا۔^۲
 ڈانی (DOUGHTY) کا بیان ہے کہ عرب میں اونٹ کا تولیدی زمانہ (CALVING TIME)
 فردری اور مارچ کا ابتدائی حصہ ہے۔^۳ رابرٹسن اسمتھ (ROBERTSON SMITH) کے بیان کے
 بموجب یہ تخصیص صرف اونٹ کے بچوں کے لئے نہیں، بلکہ عرب میں ہر چھوٹے بڑے جانور کا تولیدی زمانہ
 تقریباً یہی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ فردری اور مارچ میں جتنے بھی ”اول الناج“ ہوتے وہ عام
 دستور کے مطابق رجب کے مہینے میں دیوتاؤں کی نذر کر دیئے جاتے، نیز یہ کہ رجب کا مہینہ بھی اس تولیدی
 زمانہ کے بالکل متصل ہوتا، کیوں کہ ذیل میں جو صراحتیں ملتی ہیں ان سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ
 یہ قربانیاں تقریباً وسط یا آخر مارچ تک ہو جاتیں۔

۱۔ ENCYCLOPIA DIA OF ISLAM VOL II P. ۱۰

۲۔ لسان العرب ۶/۲۱۰ نیز دیکھئے نہایہ غریب الحدیث ۳/۲۶۵ ۳۔ لسان العرب ۱۰/۱۲۰ نیز دیکھئے: نہایہ

غریب الحدیث ۳/۱۹۵ ۴۔ THE CALVING TIME FOR CAMELS IS IN

FEBRUARY AND EARLY MARCH W.R. SMITH RELIGIONS OF SMITES
 1810 ۵۔ 465

غالباً اسی بنیاد پر ولہا دزن نے اسرائیلیوں کے مشہور تیوہار فصیح کو جواہر نسان میں منایا جاتا "رجب" کے تیوہار سے مطابقت دی ہے۔ کیوں کہ یہودی بھی اپنا یہ تیوہار تقریباً اسی زمانے میں مناتے جبکہ سورج برج حمل میں ہوتا۔ اور اپنی پیداواروں کے پہلے حاصل (FIRST FRUITS) اور بھڑوں اور بکریوں کے بچسار بچے لیواہ کی نذر کرتے۔

اگر یہ مطابقت ٹھیک ہے تو اس سے یہ اہم نتیجہ نکلتا ہے کہ عہد جاہلیت میں یہودی اور عربی تقویم تقریباً ایک ہی نقطہ و فصل سے شروع ہوتی کیونکہ "رجب" کی طرح یہودیوں کا ماہ نیساں بھی ساتواں مہینہ شمار کیا جاتا تھا اور دونوں مہینوں کا تعلق آغاز بہار سے تھا۔

علاوہ ازیں تاریخ کی مضبوط ترین شہادتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ دونوں قوموں کا پہلا مہینہ یعنی محرم، اور تشری بھی ایک ہی نقطہ و فصل سے شروع ہوتے۔

اس سلسلے میں سب سے زیادہ مستحکم دلیل عاشورے کی روایتیں ہیں جن کو میں یہاں کسی تفصیل سے پیش کرنا ضروری سمجھتا ہوں، کیوں کہ یہی روایتیں حقیقتاً میرے پورے نظریہ تقویم کا مرکزی نقطہ ہیں اور سچ پوچھئے تو انھیں نے میری رہنمائی اس جدید نظریے کی طرف کی ہے، اور میں پورے دثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں، کہ یہی احادیث پوری جاہلی تقویم کے لئے قول فیصل کا حکم رکھتی ہیں۔

مشہور واقعہ ہے کہ آنحضرتؐ نے مدینے پہنچ کر یہود کو عاشورے کا روزہ رکھتے دیکھا، تو مسلمانوں کو بھی اس کا حکم دیا، یہودی یہ روزہ اپنی تقویم کے مطابق ماہ تشری کی تاریخ کو رکھتے تھے، جو ہمیشہ ستمبر اور اکتوبر کے متوازی رہتا، ابن عباسؓ فرماتے ہیں:-

"آنحضرتؐ مدینے تشریف لائے، تو آپ نے یہودیوں کو عاشورے کا روزہ رکھتے دیکھا، اس پر آپ نے فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ کہنے لگے، کہ یہ وہ صبح دن ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو دشمنوں کے ہاتھ سے نجات دی تھی اس لئے موسیٰؑ نے اس روزہ رکھا تھا، آنحضرتؐ نے فرمایا کہ تمہارے مقابلے میں ہم اس کے زیادہ

اس سلسلے میں حضرت ابن عباسؓ کی ”وَالْفَجْرِ“ کی تفسیر اور عبید بن عمرؓ کی محرم کے متعلق تصریحات قابلِ لحاظ ہیں۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں ”وَالْفَجْرِ وَلَيَالٍ عَشْرٍ“ سے مراد محرم ہے، جو ”فجر السنۃ“ ہے، گویا یالی عشر سے مراد عاشورے تک کی دس راتیں ہیں۔
عبید بن عمرؓ سے روایت ہے:-

محرم الہی مہینہ ہے، اور وہ سنہ کی ابتدا ہے، جس میں بیت اللہ پر غلاف چڑھایا جاتا ہے، اور جس سے وگ شمارِ ایام کرتے ہیں۔

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے، کہ عاشورے کا روزہ یہود مدینہ کی تقلید کا نتیجہ نہ تھا بلکہ قریش بھی زمانہ جاہلیت میں اس دن کی تقدیس کرتے، اور روزہ رکھتے، ہاں ہجرت سے پہلے مدینے کے لوگوں میں عاشورے کا رواج قطعاً نظر نہیں آتا، حتیٰ کہ عین عاشورے کے دن صبح تک اہل مدینہ بے خبر تھے کہ آج انہیں روزہ رکھنا ہے، اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ یہاں کے باشندے نسلاً جو بنی عرب سے تعلق رکھتے تھے۔

ایک مدنی صحابی سلمہ بن کواع کہتے ہیں:-

”آنحضرتؐ نے عاشورے کے دن لوگوں میں اعلان کی غرض سے، ایک آدمی روانہ کیا کہ جس کسی نے کچھ کھالیا ہے، وہ کچھ نہ کھائے اور روزہ رکھے، ورنہ جس نے کچھ نہیں کھایا وہ اب نہ کھائے“ (بخاری)

ایک اور مدنی روایت جو ربیع بنت معوذ سے ہے، ملاحظہ ہو جس سے یہ بات طے ہو جاتی ہے کہ یہ اعلان صرف نصار کی بستیوں تک محدود تھا، فرماتی ہیں:-

”بنی علیہ السلام نے عاشورے کی صبح کو نصار کی بستیوں میں کہنا بھیجا کہ جس نے بغیر روزے کے صبح کو ہوا وہ باقی دن بلا کچھ کھائے پئے پورا کرے اور جس شخص نے روزے

کی حالت میں صبح کی ہودہ روزہ رکھے۔ (بخاری)

ان دونوں مدنی روایتوں کو پیش نظر رکھ کر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اہل مدینہ میں باوجود یہودی اثر و رسوخ کے عاشورے کا تیوہار موجود نہ تھا، اور پیغمبر اسلام کی ہجرت کے بعد عین عاشورے کے دن صبح کو یہ فیصلہ کیا گیا، کہ مدینے کے لوگ بھی یہ تیوہار منائیں، چنانچہ ان کی بستیوں میں اعلان کی ضرورت پڑی، اور کہنا بھیجا گیا، کہ آج کوئی شخص نہ کچھ کھائے، نہ پیئے بلکہ روزہ رکھے۔

متذکرہ بالا تمام روایات اس بات کی شاہد ہیں، کہ عاشورے کا روزہ بیشتر اسی روز رکھا جاتا تھا، جس روز یہودی یوم عاشورہ مناتے، پیغمبر اسلام نے جب اس روزے کا حکم دیا تو اسی دن کا لحاظ رکھا، ہاں بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں اسی حکم میں اتنی ترمیم کر دی گئی، کہ مسلمانوں کو یہ روزہ یہودیوں سے صرف ایک دن پہلے یا بعد رکھنا چاہئے، چنانچہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں، "رسول اللہؐ نے فرمایا، کہ عاشورے کا روزہ رکھو، اور اس میں یہودیوں کی مخالفت کرو، اور یا تو ایک روز قبل رکھو یا ایک دن بعد"۔

یہ روایت اس بات کی سب سے بڑی دلیل ہے کہ عہد رسالت میں عربوں کا ماہ "محرم" اور یہودیوں کا ماہ "تشری" بالکل یا اکثر و بیشتر متوازی ہوتے، اور مسلمانوں اور یہودیوں کے روزے میں زیادہ سے زیادہ صرف ایک دن کا فرق رہتا، چنانچہ ابن عباسؓ کی ایک دوسری روایت سے بھی یہی اندازہ ہوتا ہے۔۔۔

الحکم بن الاعرج کہتے ہیں کہ میں ایک بار عبداللہ بن عباسؓ کے پاس آیا تو وہ زمزم سے تکیہ ملے معلوم نہیں کہ اہل مدینہ کو اس روزے سے اس درجہ اجنب کیوں تھا، اس سے کہ امیر معاویہ کے زمانے میں پھر ایک بار یہی سوال اٹھا، تو انھوں نے علمائے مدینہ کو جیلج کیا، اور انھیں اس حدیث سنائی۔ "حمید بن عبد الرحمن بن عوف کہتے ہیں کہ جس سال امیر معاویہ نے حج کیا تو عاشورے کے دن وہ مہر پر چڑھے اور فرمایا: اے اہل مدینہ تمہارے علماء کہاں ہیں؟ میں نے رسول اللہؐ سے سنا آپ اس دن کو عاشورے کا دن فرماتے تھے اور فرماتے تھے کہ (اگرچہ) یہ روزہ تم پر فرض نہیں ہے لیکن میں روزہ دار ہوں، تو جس کا جی چاہے روزہ رکھے اور جس کا جی چاہے نہ رکھے (موطا، صیام یوم عاشورہ) ۲۱۵۴/۴

لگائے بیٹھے تھے، میں بھی بیٹھ گیا، اور ان سے عاشورہ کے متعلق سوال کئے:

”میں نے کہا یوم عاشورہ کے متعلق مجھے بتائیے؟ فرمایا کہ اس کے متعلق کیا دریافت کرتے ہو
میں نے کہا اس کے روزے کے متعلق، فرمایا جب تم محرم کا چاند دیکھو تو اس سے حساب
لگاؤ اور جب نو کی صبح ہو جائے تو اسی صبح کو روزہ رکھو، میں نے عرض کیا کہ کیا رسول اللہ
یوں ہی روزہ رکھتے تھے، فرمایا، ہاں۔“

ان احادیث پر مجموعی نفاذ کرنے سے یہ بات سامت ہو جاتی ہے کہ عربی تقویم کا ماہ محرم جس میں یہ روزہ
مسنون ہے عہد رسالت میں اگر ہمیشہ نہیں تو اکثر و بیشتر یہودیوں کے ماہ تشری سے مطابق رہتا۔
جو بغیر اس صورت کے ممکن نہیں کہ ہم رسول کبیرہ کے تحت عربی تقویم کی ابتداء ہمیشہ اعتدال خریفی سے کریں۔
اس سلسلے میں یہ خیال کہ صرف ہجرت کے پہلے سال ماہ محرم پیکر کاٹ کر یہودیوں کے ماہ تشری کے
مطابق ہو گیا تھا، از روئے حساب بالکل غلط ہے۔ اور اسی بنا پر البیرونی نے متذکرہ بالا تمام احادیث صحیحہ
کو حسابی قاعدے سے باطل قرار دیا ہے۔

البیرونی کے پورے استنتاجات تقالہ اول پر پیش کئے جا چکے ہیں، مجھے یہاں صرف یہ عبارت
دوبارہ پیش کرنا ہے:-

... لیکن یہ روایت صحیح نہیں کیونکہ تثنائی شہادتیں سالِ خدمت میں روزہ، جس طرح
کہ ہجرت کے سال پہلے ہی میں جمعہ کا دن اور پنجوار سنہ سکندر کے ۲ تاریخ بتتی، مگر
جب ہم حساب لگاتے ہیں تو اس سال پہلے سال کے سنہ کا تاریخ ۱۲ ربیع الاول کو ہوا تھا
جو ۱۱ صفر کے بعد میں تھا۔ اس حساب سے عاشورہ کا دن شنبہ ۹ ربیع الاول کو پڑا
... مگر عرب اس کا روضہ یا ذرا ساں سے کئی برس پہلے ممکن ہے، یا کچھ دیر
میں برس بعد جو ہوا تھا، تو یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ نبی غیبی، اسلام نے اس لئے عاشورہ

کا روزہ رکھا کہ اس سال دسویں (محرم) کے مطابق تھا...“

۱۔ مسند احمد ۲/ ۲۳۱۳ یزدتجی ۲۵۷ ۲۔ بیرونی آثار ۳۳۔ یہ بخلاف ہے کہ نفاذ اول تھا
میں، بیرونی کی اس عبارت کا ترجمہ سید اذکے تخریجی ترجمہ پر مبنی ہے اور مذکورہ بالا ترجمہ اصل عربی سے براہ راست کیا گیا ہے۔

ابیر دنی کا یہ خیال اگرچہ قمری حسابات کی بنیاد پر بظاہر ٹھیک معلوم ہوتا ہے، لیکن جب وہ خود تسلیم کرتے ہیں کہ عہد رسالت میں "قمری شمسی" سال استعمال ہوتا تھا، اور عربی فصول کی ابتداء ہمیشہ اعتدالِ خریفی سے ہوتی تھی نیز یہ کہ عربی مہینے انہیں فصول چارگانہ پر بٹے ہوئے تھے تو پھر کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ احادیث صحیحہ کو غلط قرار دیا جائے۔

اس پر اثنا اور اضافہ کیجئے، کہ نہ صرف اہل مکہ بلکہ شاید پورے مشرق وسطیٰ کے سینین کی ابتداء (بحر عراق اور ایران کے) اعتدالِ خریفی ہی سے ہوتی تھی، چنانچہ مرزدقی نے عربی تقویم کی خریف سے ابتداء ہونے پر یہی دلیل پیش کی ہے، اُن کا بیان ہے :-

"اور منجملہ ان قوموں کے جنہوں نے اسے خریف سے شروع کیا ہے، شام کے سریانی بھی ہیں، کیا آپ اس پر غور نہیں کرتے، کہ ان کے سنہ کا آغاز تشرینِ اول (اکتوبر) سے ہوتا ہے، جو صدر خریف ہے، ابتدائی موسمِ برشگال کا آغاز ہے، اور شاید عرب بھی اپنی تقریم اسی نقطہ سے شروع کرتے تھے، اور انہوں نے اس کا آغاز ابتدائی موسمِ برشگال (دوسری) کو قرار دیا تھا جس طرح کہ وہ زمانے اور انوار (منازلِ قمر) کی تقسیم میں مقدم رہتا ہے، بنا بریں وہ شروع برسات کو مقدم کرنے میں اپنے پرانے رسوم پر قائم رہے" لے

مرزدقی کے اس بیان سے جہاں یہ ظاہر ہوتا ہے، کہ اُن کی رائے میں عربی تقویم بھی ہر دی قوموں کی طرح ہمیشہ "خریف" سے شروع کرتی تھی، وہیں یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ عربوں کے نزدیک فصول اور انوار کا آغاز و اختتام بھی اسی نقطہ فعلی سے ہوتا تھا، گویا اُن کی تقویم اور انوار اسی طرح لازم و ملزوم تھیں، جس طرح ہندوؤں کے پنشنر اور مہینے۔

بنا بریں میری رائے میں سُنئے کی جہاں تقویم کی بازیافت اب چند اشکال نہیں رہی، بلکہ اگر دیکھا جائے تو بڑی حد تک سامنے آ چکی ہے، اور اب صرف یہ کام باقی ہے کہ "دائرۃ انوار و ہرودت" کو پیش نظر رکھ کر حبانی قاعدوں کی مدد سے عہد رسالت کے ایسے چاندوں کا انتخاب کر لیا جائے جن کی رویت سورج کے برج

میزان میں داخل ہونے سے کچھ پہلے یا بعد نقطہ اعتدال خریفی کے متصل تر ہوئی ہو اور جس کے دوران میں چاند بحالت بدر برج حمل میں رونما ہو سکے۔ ایسے مہینوں کو کی تقویم کا پہلا مہینہ یعنی محرم قرار دے کر سال کے باقی مہینوں کو اسی حساب سے نامزد کر دیا جائے۔

اس سلسلہ میں ایک سہل تر طریقہ اختیار کیا جاسکتا ہے، کہ عام قمری تقویم سے صرف ایسے قمری مہینوں کا انتخاب کر لیا جائے جن کی رویت قمر نقطہ اعتدال خریفی (۲۲ ستمبر) کے متصل ہوئی ہو، خواہ یہ چاند ستمبر میں ہوئے ہوں یا ابتدائی اکتوبر میں اور ان مہینوں کو سال کا پہلا مہینہ قرار دے کر پوری تقویم مرتب کر لی جائے کیوں کہ عہد رسالت میں از روئے حساب سورج تقریباً اسی زمانے میں برج میزان میں داخل ہوتا تھا، اور آغاز خریف کا زمانہ سمجھا جاتا تھا۔

اس طریقے کے تحت سنہ ۴ سے لے کر سنہ ۴ تک صرف چار کبیسہ سالوں کا اضافہ کرنا پڑیگا۔ کیوں کہ دس شمسی سالوں کے دن (3652) ہوتے ہیں، اور دس قمری سالوں کی تعداد ایام (3543) ہوتی ہے گویا (۱۰۹) دن یا با لفاظ دیگر تین ماہ اکیس یوم کا فرق پڑتا ہے، جس کو قمری شمسی تقویم میں صرف اسی صورت سے پورا کیا جاسکتا ہے، کہ پورے چار ماہ کا اضافہ کر دیا جائے جس کے نتیجے میں گیارہویں سال خود بخود شمسی اور قمری تقویم کی تعداد ایام تقریباً مساوی ہو جائے گی۔

آپ اور پڑھ چکے ہیں کہ البیر دنی اور البیر دنی کے بعد سر ویم میور (Muir) کو اس بات پر پورا اصرار تھا، کہ اہل مکہ نے اپنا طریقہ "نسی" یہودیوں پر مبنی سے حاصل کیا تھا، اس خیال کے اگرچہ تردید کی جا چکی ہے، مگر اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ یہودی اور کی تقویم کی ابتداء (اگر ہمیشہ نہیں تو اکثر بیشتر) ایک ہی نقطہ فصل سے ہوتی، اور غائبی ہی مشابہت تھی، جس کو پیش نظر رکھ کر البیر دنی یا اس کے کسی ابتدائی ماوی کو اتنا عظیم دھوکا ہوا، تاہم اس اصول کی روشنی میں کہ عہد رسالت میں یہودی اور عربی تقویم (ایک حد تک) متوازی چل رہی تھی، مکے کی گم شدہ تقویم کی بازیافت کا ایک طریقہ یہ بھی ممکن تھا کہ خود یہودیوں کی تقویم کی مدد سے جو ہنوز زندہ ہے، عربوں کی مُردہ تقویم میں جان ڈالی جائے مگر میری رائے میں یہ طریقہ اس لئے مناسب نہ تھا کہ ظہور اسلام کے وقت اس میں موجودہ یکسانیت اور

ہم آنگلی نظر نہیں آتی، اور مختلف مقامات پر کبیسہ سالوں کے بالکل مختلف فارمولے رائج ملتے ہیں، البیرینی نے بڑی صراحت کے ساتھ ان اختلافات کو بیان کیا ہے، جس کو دیکھ کر غصیدہ دشوار ہو جاتا ہے، کہ مدینے اور حجاز میں کون سا فارمولا رائج تھا، اور حیرت ہوتی ہے کہ ایک چھوٹی سی قوم میں بھوڑے بھوڑے فاصلے پر اتنے مختلف اصول کس طرح قابل عمل تھے۔

بنا بریں میری رائے میں سب سے زیادہ سہل اور محفوظ طریقہ یہی ہے۔ کہ عام حسابی قاعدوں کی مدد سے سنہ دار ایسے چاندروں کا انتخاب کر لیا جائے جن کی رویت نقطہ اعتدال خریفی (۲۲ ستمبر) کے متصل ہوئی ہو، اور ان کو سال کا پہلا مہینہ شمار کر کے پورا کلینڈر مرتب کر لیا جائے۔

قری تقویم کے بموجب یہ چاند حسب ذیل ہو سکتے ہیں۔

۱	یکشنبہ	۱۲ ستمبر ۶۲۲
۲	ہفتہ	۱ اکتوبر ۶۲۳
۳	پنجشنبہ	۲۰ ستمبر ۶۲۴
۴	دو شنبہ	۹ ستمبر ۶۲۵
۵	ہفتہ	۲۸ ستمبر ۶۲۶
۶	پنجشنبہ	۱۷ ستمبر ۶۲۷
۷	چار شنبہ	۵ اکتوبر ۶۲۸
۸	دو شنبہ	۲۵ ستمبر ۶۲۹
۹	جمعہ	۱۴ ستمبر ۶۳۰
۱۰	چار شنبہ	۲ اکتوبر ۶۳۱

یہ جملہ چاند ایسے ہیں جن کی ۴۴ تاریخ کو سورج یقیناً برج میزان میں اور چاند بحالت بدر اس کے مقابل برج حمل میں ہونا چاہئے، ان میں صرف ۱۰ سال ایک ایسا سال ہے جو مردجہ یہودی تقویم کے اصول پر پورا نہیں اترتا، مگر میرے نزدیک اہل مکہ چونکہ محرم کی ابتدا ہمیشہ ایسے چاند سے کرتے تھے،

جس کی رویت نقطہ اعتدال خریفی سے نزدیک تر ہوتی، اور سورج مہینے کے بڑے حصے یا کم سے کم نصف ماہ تک برج میزان میں رہتا۔ اس بنا پر ظاہر ہے کہ اہل مکہ ۵ ستمبر کی رویت ہلال کو حرم کا داخل کسی طرح نہیں قرار دے سکتے تھے، کیوں کہ یہ نقطہ اعتدال (۲۲ ستمبر) سے اتنے فاصلے پر ہے کہ نصف ماہ گزرنے کے بعد بھی نقطہ اعتدال خریفی سے پیچھے رہے گا، اور چاند بجا الت بدر بجائے برج حمل کے برج حوت میں ہوگا، وجوہ بالا میری رائے میں کی تقویم کی ابتداء صرف ان چاندوں سے ممکن تھی جن کی فہرست میں نے اوپر دی ہے۔

اب صرف یہ مسئلہ رہ جاتا ہے کہ سلسلہ ہجری سے سلسلہ ہجری تک کن کن سالوں کو کبیسہ اور کن کن کو غیر کبیسہ قرار دیا جائے اور کبیسہ مہینے سال کے آخر میں بڑھائے جائیں یا وسط سال میں جیسا کہ یہودیوں میں یہ دستور تھا۔

یہ مسئلہ نہایت مشکل ہے، اس لئے کہ تاریخ میں ایسی کوئی مثبت شہادت نہیں جس کو قاعدہ کلیہ کے طور پر پیش کیا جاسکے، بعض سیانات سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مہینے سال کے آخر میں بڑھتے اور بعض مؤرخوں کا بیان ہے کہ شروع سال میں بڑھائے جاتے، جس سے صرف اس قدر اندازہ ہو سکتا ہے کہ فساء عرب کبھی ۷۰۰ سال میں ان کا فناء کرتے، کبھی شروع سال میں اور ایک دور ریتیں درمیان سال کی بھی ملتی ہیں۔

مثلاً شہرستانی کا بیان ہے:-

”اور ان میں کچھ لوگ وہ تھے جو مہینوں میں ”نسی“ کرتے تھے، اور وہ ہر دو سرے برس

میں ایک ماہ اور ہر تیس برس میں ایک مہینے کا اضافہ کیا کرتے، اور جب اس سال حج کرتے

تو خطبہ روک لیتے کہ یہ یوم ترمذیہ، یوم عرفہ، یوم نحر ذی الحجہ کے مہینے میں قرار دیں، یہاں تک

کہ اسی بڑھائے ہوئے مہینے کی تصویر تاریخ کو یوم نحر قرار دیتے“ (شہرستانی/۲۲۳)

مسعودی نے اپنی کتاب الفہرست والاشراف میں شہرستانی کے مقابلے میں زیادہ واضح

الفاظ استعمال کئے ہیں:-

”اور وہ ہر تین سال میں ایک مہینے کی اس طرح پیشی کرتے کہ سال میں سے ایک مہینہ گرا دیتے، اور اگلے مہینے کو اس بڑھائے ہوئے مہینے کا نام دے دیا کرتے، اور یوم ترویہ اور یوم عرفہ اور یوم النحر کو اس مہینے کی آٹھ، نو اور دس تاریخ کو مناتے تھے، پس سال کے باقی مہینوں میں بھی یہی صورت دورہ کرتی رہتی اور وہ اس طرح دوسری امتوں سے ان کے شمسی سال کی مدت اور وقت میں قریب آ جاتے “

وہ لوگ یہی کرتے رہے، تا آنکہ اسلام ظاہر ہوا اور رسول اللہ نے مکہ فتح کیا، اس کے بعد ابو بکرؓ کو آنحضرتؐ نے ہجرت کے نویں سال حج کو بھیجا، اور انھوں نے لوگوں کے ساتھ حج کیا، اور یہ مشرکوں کا آخری حج تھا، (التبیین والاشرف / ۲۱۹)

شہرستانی اور مسعودی کے ان بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ کسی کا یہ مہینہ ہر دوسرے تیسرے سال ہمیشہ ذوالحجہ کے بعد بڑھایا جاتا، بلکہ اس سال خاص حج کی تین بڑی رسمیں جو یوم ترویہ، یوم عرفہ اور یوم النحر کو ہوتیں، روک لی جاتیں، اور ان رسوم کو اس بڑھائے ہوئے مہینے کی آٹھویں، نویں اور دسویں تاریخ کو، دیا جاتا، تاکہ آنے والے مہینے کا نام محرم رکھا جاسکے اور سال پھر محرم کے مقدس مہینے سے شروع ہو کر ذوالحجہ پر ختم ہو۔

نیز ان سے یہ نتیجہ بھی نکالا جاسکتا ہے، کہ نساء عرب کبیسہ کے مہینے کو ہمیشہ ذوالحجہ کا مہینہ قرار دیتے، جو حرام مہینہ شمار ہوتا تھا، مگر یہ بات صحیح نہیں معلوم ہوتی، کیوں کہ قرآن مجید میں صراحت ہے کہ کبھی اس مہینے کو حلال قرار دیا جاتا اور کبھی حرام ”يُحِلُّونَہُ عَامًا وَ يُحَرِّمُوْنَہُ عَامًا“ بنا بریں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ قدامت ہمیشہ اس مہینے کو ذوالحجہ کا نام دینے کے پابند تھے، بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ کچھ درجہ بھی اصول مقرر تھے جس سے یہ مہینہ حلال ہو جاتا،

متعدد علماء کا خیال ہے کہ ایام جاہلیت میں ماہِ حرم کا حقیقی نام ”صفر“ تھا، جب یہ مہینہ حرام کیا جاتا تو اس کو محرم کہتے در نہ صفر ہی کے نام سے پکارا جاتا، چنانچہ بلوغ العرب میں ہے کہ ایام حج میں قلنس جمرۃ العقبہ کے پاس کھڑے ہو کر اعلان کرتا کہ :-

”میں نے اس سال صفر کے دو مہینوں میں سے آخری صفر کو حرام قرار دیا ہے اور پہلے صفر کو حلال کر دیا اور اس طرح دونوں رجبوں (رجب اور شعبان) کے درمیان عمل کرتے“ (بلوغ العرب ۲/۲۹۸)

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی کبھی یہ مہینہ محرم اور صفر کے درمیان بڑھایا جاتا اور گاہ گاہ رجب اور شعبان کے درمیان بھی، مرتد وقت کی بھی یہی رائے معلوم ہوتی ہے، کہ یہ مہینہ محرم، و صفر کے درمیان بھی بڑھتا۔

”اور ذوالحجہ میں جب عرب حج کے لئے جمع ہوتے، تو اعلان کرنے والا کھڑا ہوتا، اور اعلان کرتا کہ اے لوگو! ہم نسی کرنا چاہتے ہیں، اور اس کو فرض کر دینا چاہتے ہیں، اے لوگو! محرم صفر ہے اور صفر محرم اکبر ہے تو محرم میں قتال وغیرہ حلال کر دیتے اور صفر میں حرام کر دیتے“ (المردق) گویا جب نسی کے مہینے کو حلال کیا جاتا، تو اس کو ذوالحجہ کے بعد بڑھا کر اس کا نام صفر رکھ دیتے اور اس کے بعد کے مہینے کو محرم قرار دے دیا جاتا، و رجب اس حرام کرنا مقصود ہوتا، تو اس کا نام ذوالحجہ یا ”محرم“ ہی ہوتا اور محرم کے بعد، لے لے کر نسی کو بھی محرم قرار دیا جاتا۔

دہا دزن (Wahdan) کہ بجریہ رنے ہے، کہ یہ مہینہ محرم اور صفر کے درمیان بڑھایا جاتا، لیکن مسعودی اور شہرستانی کے بیانات کی روشنی میں جو، دہر گزر چکے ہیں، دہا دزن کے اس خیال کو قاعدہ کلیہ حقیقت نہیں دے سکتی، اس پر ابن حبیب کے مندرجہ ذیل بیان کا اور انسافہ کیجئے۔

”پس ان قلمسوں میں سے ایک فلس ایام تشریق میں حجر میں کھڑا ہوتا، اور ان کو فتویٰ دیتا، اس کے سوا وہ کسی اور شخص سے سوال نہیں کیا جاتا، پس ان میں ایک شخص کعبہ کے دروازے کے پاس کھڑا ہوتا، و رد مسراجریا پھر ان میں سے ہر ایک کہتا ہے اذالذی لا اعاب ولا حاب ولا حد فصر پھر اگر اس کے پاس کچھ لوگ ایسے آتے جو محرم میں لوٹ کھسوٹ جانتے، وہ اس سے محرم کو کچھ بٹا دے گی درخواست کرتے

جس پر وہ ان کی خاطر حساب لگانا اور کہتا کہ اس سال صفر اول رہے گا، اور یہ بات وہ اُس حساب سے کہتا جس پر سنہ کا دورہ نہ ہوتا، اور وہ سال چاندوں سے شروع نہ ہوتا تھا، اور نہیں جانا جاتا تھا کہ یہ مہینہ کیا ہے۔ تو لوگ اس پر عمل درآمد کرتے، اور محرم پیچھے ہٹا دیا جاتا، اور صفر مقدم کر دیا جاتا، اس طرح ایک سال محرم کو حلال اور دوسرے سال حرام کر دیتے۔
(ابن حبیب / ۷۷۷)

ابن حبیب نے اگرچہ جاہلی نساء پر بہت کچھ الزام لگانے کی کوشش کی ہے، تاہم اس بیان سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ عرب جاہلیت کے تقویمی حسابات کا مدار حقیقتاً رویتِ قمر پر نہیں تھا، وکالت لانہ اخذ بنی لاہلۃ ولا تدری ما ذلک۔ بلکہ روایات قمر کو حسابوں کے مطابق کرنا پڑتا۔ بہر حال مندرجہ بالا بیانات پر مجموعی نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ نساء عرب کبھی تونسہ کا مہینہ سال کے آخر میں بڑھاتے اور کبھی شروع سال میں جس کا اعلان بہر صورت ذوالحجہ ہی میں کیا جاتا، جب یہ مہینہ سال کے آخر میں بڑھایا جاتا تو اسی سال حج کا تین بڑی رسمیں رد کی جاتیں، جو اس بڑھائے ہوئے مہینے میں ادا کی جاتیں۔ اس طرح جب یہ مہینہ شروع سال میں بڑھایا جاتا تو نساء کو اختیار ہوتا کہ وہ اس مہینے کو صفر قرار دیں یا محرم، گویا یہ بات نساء کمر کے ہاتھ میں تھی، کہ نارین حج کی واپسی بہ امن قاشتی ہو جائے یا اس پر وائے امن کو واپس لے لیا جائے، جو نہ ہنسے انکی سہولت کے لئے جاری کیا تھا۔

میری رائے میں "يُحِلُّونَهُ عَاقًا وَيُحَيُّهُنَّ عَاقًا" کا فتویٰ ہو سکتا ہے کہ بعض نکلے حسابات اور اجرائی دین کے محرکات پر مبنی ہو، لیکن اس میں نساء کمر کی انراض بھی وابستہ ہو جاتیں، اور ان کے اختیارات تیزی کے غلط راستوں پر ڈال دیتیں۔

بہر حال یہ مسئلہ ہنوز تشنہ ہے کہ سلسلہ ہجری سے سلسلہ ہجری تک نسی کے مہینے سال کے آخر میں بڑھائے گئے تھے یا ابتداء سال میں زیادہ کون سا سنہ تھا، جس میں یہ مہینہ ختم میں بڑھایا گیا تھا۔ اور کس سنہ کی ابتداء نسی سے کی گئی تھی، اس سلسلے میں مجھے یہ اعتراف کرنا ہے کہ تلاش و کوشش کے

باوجود بھی ادراکِ تاریخ میں کوئی اشارہ نہ مل سکا، جس کی بنا پر کوئی اصول یا قاعدہ کلیہ پیش کیا جاسکے، ہاں اتنی بات یقینی معلوم ہوتی ہے کہ جس سال یہ اضافہ سال کے آخر میں ہوتا، اس سال مکہ میں زائرین اور حجاج کا اجتماع ایک مہینے زیادہ رہتا، کیوں کہ حج کی تین بڑی رسمیں یعنی یومِ ترویہ، یومِ عرفہ اور یومِ النحر اس سالِ نسبی کے مہینے میں ادا کی جاتیں، اور غالباً یہی وجہ تھی کہ اس کو حرام مہینہ قرار دیا جاتا، لیکن جس سال نسبی کا مہینہ ابتداء سے سال میں یعنی محرم و صفر کے درمیان بڑھایا جاتا اس سال ایامِ حج قدر تا ٹھیک وقت پر آتے اور حجاج کو زیادہ زحمت انتظار نہ کرنا پڑتی۔

میرا خیال ہے کہ سال کے آخر میں اضافہ پر وہ ہتوں، تاجروں اور مذہبی علماء کی مقدس اور مذہبی لوٹ کے لئے ایک پروانہ بجا رہتا تھا، جس کو نساء مکہ جب چاہتے لکھ سکتے تھے، بہر صورت میں نے یہ کیا ہے کہ ابتدائی دو سالوں یعنی ۱۰۰۰ء اور ۱۰۰۱ء کے آخر میں اور آخری دو سالوں یعنی ۱۰۰۲ء اور ۱۰۰۳ء کی ابتداء میں یہ اضافہ اس طرح کئے ہیں، کہ ہوں محرم ہمیشہ، اعتدالِ خریفی کے متصل رہے اور ایامِ حج سورج کے برج سنبلہ میں ہونے کی حالت میں آئیں۔ اور میری رائے میں یہ اضافہ شاید ہوتے ہی اسی طرح تھے۔ ۱۰۰۰ء کا اضافہ بالبداء ہفت شنبہ کے ایامِ حج میں کیا گیا ہوگا، کیوں کہ مشرکین قریش کا یہ آخری حج تھا، اس طرح ۱۰۰۱ء کا اضافہ شنبہ کے ایامِ حج میں ہوا ہوگا، ان اصولوں کے ماتحت اگر ۱۰۰۰ء سے لے کر ۱۰۰۳ء تک جداولِ تقویم بنائی جائیں تو وہ حسب ذیل ہوں گی۔

۱۰۰۰ء	۱۰۰۱ء	۱۰۰۲ء	۱۰۰۳ء	۱۰۰۴ء
محرم	محرم	محرم	محرم	محرم
۱۳ ستمبر ۹۲۲ء - ۲۲ ستمبر ۹۲۳ء	۱۰ ستمبر ۹۲۵ء - ۲۵ ستمبر ۹۲۶ء	۲۱ ستمبر ۹۲۷ء - ۵ اکتوبر ۹۲۸ء	۳ اکتوبر ۹۲۹ء - ۱۷ اکتوبر ۹۳۰ء	۱۳ ستمبر ۹۲۲ء - ۲۷ ستمبر ۹۲۳ء
صفر	صفر	صفر	صفر	صفر
۱۳ اکتوبر ۹۲۳ء - ۲۷ اکتوبر ۹۲۴ء	۱۰ اکتوبر ۹۲۶ء - ۲۴ اکتوبر ۹۲۷ء	۲۰ اکتوبر ۹۲۸ء - ۴ نومبر ۹۲۹ء	۳۰ اکتوبر ۹۲۹ء - ۱۳ نومبر ۹۳۰ء	۱۳ اکتوبر ۹۲۳ء - ۲۷ اکتوبر ۹۲۴ء
ربیع الاول	ربیع الاول	ربیع الاول	ربیع الاول	ربیع الاول
۱۱ نومبر ۹۲۳ء - ۲۵ نومبر ۹۲۴ء	۸ نومبر ۹۲۷ء - ۲۲ نومبر ۹۲۸ء	۱۹ نومبر ۹۲۸ء - ۳ دسمبر ۹۲۹ء	۳۰ نومبر ۹۲۹ء - ۱۴ دسمبر ۹۳۰ء	۱۱ نومبر ۹۲۳ء - ۲۵ نومبر ۹۲۴ء

سنہ ۱	سنہ ۲	سنہ ۳	سنہ ۴	سنہ ۵
ربیع الآخر	ربیع الآخر	ربیع الآخر	ربیع الآخر	ربیع الآخر
۱۱ دسمبر، شنبہ	۷ دسمبر، شنبہ	۸ دسمبر، شنبہ	۲۹ دسمبر، پچشنبہ	۲۶ دسمبر، جمعہ
جمادی الاولیٰ	جمادی الاولیٰ	جمادی الاولیٰ	جمادی الاولیٰ	جمادی الاولیٰ
۹ جنوری ۱۹۲۳ء یکشنبہ	۶ جنوری ۱۹۲۶ء دوشنبہ	۱۷ جنوری ۱۹۲۵ء پچشنبہ	۲۸ جنوری ۱۹۲۲ء شنبہ	۲۴ جنوری ۱۹۲۴ء شنبہ
جمادی الاخریٰ	جمادی الاخریٰ	جمادی الاخریٰ	جمادی الاخریٰ	جمادی الاخریٰ
۸ فروری، شنبہ	۴ فروری، شنبہ	۵ فروری، جمعہ	۲۶ فروری، یکشنبہ	۲۳ فروری، دوشنبہ
رجب ۵	رجب	رجب	رجب	رجب
۹ مارچ، چہار شنبہ	۶ مارچ، پچشنبہ	۷ مارچ، یکشنبہ	۲۷ مارچ، شنبہ	۲۴ مارچ، شنبہ
شعبان	شعبان	شعبان	شعبان	شعبان
۸ اپریل، جمعہ	۴ اپریل، جمعہ	۱۵ اپریل، دوشنبہ	۲۵ اپریل، چہار شنبہ	۲۳ اپریل، پچشنبہ
رمضان	رمضان	رمضان	رمضان	رمضان
۷ مئی، شنبہ	۴ مئی، یکشنبہ	۱۵ مئی، چہار شنبہ	۲۵ مئی، جمعہ	
شوال	شوال	شوال	شوال	شوال
۶ جون، دوشنبہ	۲ جون، دوشنبہ	۱۳ جون، پچشنبہ	۲۴ جون، یکشنبہ	۲۳ مئی، شنبہ
ذیقعدہ	ذیقعدہ	ذیقعدہ	ذیقعدہ	ذیقعدہ
۵ جولائی، شنبہ	۲ جولائی، پہار شنبہ	۱۳ جولائی، شنبہ	۲۴ جولائی، شنبہ	۲۱ جولائی، شنبہ
ذوالحجہ	ذوالحجہ	ذوالحجہ	ذوالحجہ	ذوالحجہ
۴ اگست، پچشنبہ	۳۱ جولائی، پچشنبہ	۱۱ اگست، یکشنبہ	۲۲ اگست، چہار شنبہ	۲۰ اگست، پچشنبہ
ذوالحجہ نسئ	ذوالحجہ نسئ محرم			
۲ ستمبر، جمعہ	۳۰ اگست، شنبہ	xxxxxxx	xxxxxxx	xxxxxxx

ان جدولوں کو میں نے اس اصول پر مرتب کیا ہے، کہ قمری تاریخوں میں ہفتے کا جودن

(DAY OF THE WEEK) متداولہ تقویموں میں تسلیم کر لیا گیا ہے، وہ علیٰ حالہ برقرار ہے، اس سلسلہ میں کنگھم (Cunningham) اور وِسٹنفلڈ (Wustanfeldts) کی تقویموں سے مقابلہ کر کے دیکھ لیا گیا ہے، جن کو بین الاقوامی شہرت حاصل ہے۔

عام تقویمی قاعدہ یہ ہے کہ قمری سنین میں محرم کے تیس^۱ اور صفر کے اونتیس^۲ دن شمار کئے جاتے ہیں، اسی طرح ایک مہینہ تیس^۳ کا درودوسرا^۴ دن تیس^۵ کا مانا جاتا ہے، مگر ان جدولوں میں مذکورہ بالا اصول کے تحت اس طریقے کی خلاف ورزی کرنا پڑی، تاکہ بین الاقوامی تقویموں سے بہر حال مطابقت رہے۔ مثلاً سنہ کے محرم کو تیس دن کا، اور صفر کو اونتیس دن کا شمار کرنا پڑا ہے تھا، جس کے حساب سے صفر سنہ ۲۷۳۳ شمبہ یکم ذیہر سنہ ۲۷۳۳ کو شروع ہوتا، مگر وِسٹنفلڈ کی تقویم میں ایک قمری مہینہ دو شنبہ ۳۱، اکتوبر کو شروع ہو رہا تھا، جو میرے نظریہ کے بموجب مکی صفر سنہ سے مطابق تھا، اس لئے میں نے سفر کی پہلی تاریخ بجائے یکم ذیہر کے ۳۱ اکتوبر برقرار دی ہے تاکہ مسند تاریخوں اور دونوں سے پوری مطابقت رہے، یہی طریقہ دوسرے مہینوں کے لئے اختیار کیا گیا ہے، اس لئے ہو سکتا ہے کہ کہیں کہیں تاریخوں کو ایک دن کا فرق محسوس ہو، لیکن یہ فرق ایسا نہیں جو کسی طرح بھی قابلِ غلط سمجھا جائے، کیوں کہ قمری تقویموں میں اس قسم کا یکروزہ فرق کوئی معنی نہیں رکھتا، اور اکثر و بیشتر بتاریخ کی کتاب میں نظر آتا ہے، جس کے مختلف اسباب ہوتے ہیں، کبھی یہ فرق اختلافِ رویت کی وجہ سے ہوتا ہے، اور کبھی تقویمی اصولوں کے اختلاف کے باعث بھی، ایسا بھی ہوتا ہے کہ واقعہ نگار کو صحیح تاریخ نہیں معلوم ہوتی، یہ غلط فہمی ہو جاتی ہے، بہر حال یہ مسئلہ ایسا نہیں جو زیادہ قابلِ بحث ہو۔

مقالہ گذشتہ میں چند در چند مثالیں دے کر یہ بات پیش کی گئی تھی کہ واقعاتِ سیرۃ کی تقریباً ۲/۳ روایت مروجہ تقویمی اصولوں پر پوری نہیں، ترتیب کبھی دن تاریخوں سے مطابقت نہیں کرتے، کبھی مہینے موسموں سے، جس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اس قسم کے جمہ واقعات کے گم شدہ تقویم کے مطابق ریکارڈ کئے گئے تھے، اس تقویم کا اکتشاف کریں جو اسے تو یہ تضاد دور ہو سکے،

اب جبکہ میرے دعوے کے بموجب اس گم شدہ تقویم کی بازیافت کرنی گئی ہے، تو اصولاً ان تمام واقعات کی توقیفی صراحتوں کو مجموعی طور پر ان جدولوں پر پورا اترنا چاہئے، دو چار تاریخوں کی درستی کے معنی اتفاقات بھی ہو سکتے ہیں۔

اس سلسلہ میں مجھے یہ گزارش کرنا ہے کہ ان جدولوں کی پوری افادیت تو مقالہ چہارم میں قارئین کے سامنے آئے گی جہاں دو تقویمی نظریے کا ہر پہلو پیش کیا جائے گا، اور سیرۃ کی تقریباً جملہ توقیفی شہادتوں کی روشنی میں اس کو پرکھنے کی کوشش کی جائے گی، تاہم قارئین اگر چاہیں تو بطور خود ان جدولوں کی ابتدائی آزمائش فرما سکتے ہیں، میں دو ایک مثالیں دے کر طریقہ و عمل کی وضاحت کئے دیتا ہوں،

مقالہ اول میں راقم بحروف نے قسموار توقیفی تضادات کی مثالیں پیش کی ہیں، انہیں مثالوں سے ابتدائی تین قسموں کی جانچ فرما کر دیکھئے۔ مثلاً

ہجرت کی مجمع علیہ تاریخ دو شنبہ ۱۲ ربیع الاول سلسلہ بیان کی گئی ہے، جو عام قمری تقویموں پر پوری نہیں اُترتی، اس کے سب سے میری سلسلہ کی جدول میں ربیع الاول ملاحظہ فرمائیے جو پچھلے دن شروع ہو رہا ہے، اس حساب سے ۱۲ ربیع الاول کو دو شنبہ ہی پڑے گا۔

اسی طرح دوسرے واقعات کی تاریخوں اور دنوں کا متحین کیا جاسکتا ہے، ان میں بعض ریکارڈ ایسے بھی ملیں گے جن میں ایک دن کا فرق محسوس ہوگا، لیکن اس فرق کو نظر انداز کر دینا چاہئے۔

موسمی مطابقت کا اندازہ انگریزی مہینوں سے لگایا جاسکتا ہے جو ہر قمری مہینے کے نیچے لکھ دیئے گئے ہیں، مثلاً: بدر، احد، فتح مکہ اور حنین وغیرہ تمام غزوات کا تعلق اردو کے روایات موسم گرما سے معلوم ہوتا ہے، مگر عام تقویمی اعتبار سے یہ سرانی واقعات سمجھے جاتے تھے ان جدولوں سے معلوم ہوگا کہ یہ غلط فہمی محض کی تقویم کو فراموش کر دینے کا نتیجہ تھی کیوں کہ ان جملہ واقعات کی تاریخیں سنی، جون، اور جولائی سے مطابق ہو جاتی ہیں اسی طرح سرانی واقعات مثلاً سریہ ذات سلاسل، سریہ علقمہ بن مجزز وغیرہ کی تاریخیں سرانی مہینوں سے پوری طرح مطابقت کرتی ہیں۔

۲۷ جنوری ۱۹۳۲ء کا سورج گرہن جو ابراہیم بن رسول اللہ کے انتقال کے روز ہوا تھا بیچ لائن

سے اور خسرو پر دین کی تاریخ قتل فردری ۱۲۸۵ء جمادی السنہ سے عین مطابق ہے۔ میں مقالہ چہارم میں پوری تفصیل سے ان مطالبات کو پیش کر دوں گا۔ اس لئے اس سرسری مطابقت سے یہ نتیجہ نہیں نکالنا چاہئے کہ واقعات سیرۃ کے تو قیقی تضاد پوری طرح حل ہو چکے ہیں، اور ہمیں اپنی تحقیقات کو ختم کر دینا چاہئے۔

مدنی کلینڈر (۳)

میں نے اپنے نظریہ میں جہاں واقعات سیرۃ پر مکی تقویم کی اثر اندازی کا اظہار کیا ہے، وہیں یہ بات بھی پیش کی ہے، کہ سیرت کے بہت سے واقعات کی تو قیقی صراحتوں پر ایک خالص قمری تقویم کی کارفرمائی محسوس ہوتی ہے، جو میری رائے میں مدنی تقویم کے نام سے موسوم ہونا چاہئے۔

اس سلسلے میں یہ بات بھی پیش کی جا چکی ہے، کہ اگرچہ یہ دونوں تقویمیں اصولی اور بنیادی طور پر مختلف تھیں، لیکن ان کے مہینے قطعاً مشترک الاسم معلوم ہوتے ہیں۔

اور اق گذشتہ میں مکی تقویم کی بازیافت کے بعد اب یہی دو مسئلے (یعنی مدنی تقویم اور اس کے مشترک الاسم مہینے) قابل غور رہ جاتے ہیں۔

جہاں تک مدنی تقویم کی جداگانہ حیثیت کا تعلق ہے، تو تاریخ سے ثابت ہوتا ہے، کہ مدینے میں مکی یا کوئی اور بیرونی سنہ بجز یہودی سنہ کے رائج نہ تھا، نیز یہ کہ مدینے کا سنہ مکی سنہ سے بالکل مختلف تھا، مسعودی کا بیان ہے، کہ زمانہ جاہلیت میں اہل مدینہ اپنے ”آطام“ سے شمارِ ایام کیا کرتے تھے، اور البیرونی کی شہادت کے مطابق مدنی لوگوں میں شاہیر کے نام سے سین چلانے کا دستور بھی موجود تھا۔

اس سلسلے میں میرا خیال ہے، کہ اہل مدینہ کے سنہ ہمیشہ قمری ہوتے، اور ان میں قمری شمسی (Solamensis) سین کا رواج مطلق نہ تھا۔

زمانہ قدیم میں قمری شمسی تقویم کی ابتدائی غرض اور حقیقی افادیت بجز اس کے اور کچھ نہ تھی، کہ اسکے ذریعہ مرکزی معبودوں پر ہرایا اور زرعی پیداواروں کے اولین حاصل ٹھیک وقت پہنچ سکیں۔

ظہور اسلام کے وقت حجاز کے تین بڑے شہروں یعنی مکہ، طائف اور مدینے میں صرف مدینہ ہی ایسا شہر تھا، جہاں کوئی بڑا یا مرکزی معبد نظر نہیں آتا، قرب و جوار میں جو چند چھوٹے چھوٹے مندر ملتے ہیں، ان کی اور باقی تاریخ میں کوئی اہمیت نہیں، قبول اسلام سے پہلے مدینے کے لوگ "منوۃ" کے خاص طور پر پرستار تھے، لیکن اس دیوی کا مندر بھی مدینے میں نہ تھا، بلکہ مکہ کے قریب شل میں تھا۔ سال میں صرف ایک بار جب مدینے کے حاجی مکہ پہنچتے، تو اس مندر کی زیارت بھی کرتے، اس سے ظاہر ہوتا ہے، کہ اہل مدینہ کو اپنی عام ضروریات میں قمری شمسی تقویم کی چنداں ضرورت نہ تھی۔ اس خیال کو مزید تقویت توں ہوتی ہے، کہ جن مقامات پر قمری شمسی تقویم کا رواج ہوتا، وہاں اس کے حسابات کو درست رکھنے کے لئے مستقل عہدے دار مقرر کئے جاتے، چنانچہ رومیوں، یہودیوں اور خود اہل مکہ کے متعلق آپ پڑھ چکے ہیں، کہ ان میں "نساء" کے محکمے بالکل مستقل تھے، مدینے کے لوگ اگرچہ مذہباً اہل مکہ سے بہت کچھ مختلف اور آزاد تھے، تاہم تاریخ میں ایسی کوئی شہادت نہیں، کہ ان کے یہاں بھی یہ محکمہ یا "نسی" کرنے والوں کا عہدہ موجود تھا، حالانکہ اس شہر کے متعلق ظہور اسلام کے زمانے کے حالات کافی محفوظ ہیں۔

قطع نظر اس سے خود واقعات سیرت کی توفیقی شہادتوں سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ظہور اسلام کے وقت مدینے میں ایک خاص قمری تقویم رائج تھی، میں نے مقالہ گذشتہ میں متعدد واقعات ایسے پیش کئے ہیں جو ایک خاص قمری تقویم کے مطابق ریکارڈ کئے ہوئے معلوم ہوتے ہیں، جن کو سامنے رکھ کر کہا جاسکتا ہے کہ اگر مدینے میں کوئی خاص قمری تقویم رائج نہ تھی، تو یہ ریکارڈ کہاں سے آئے؟ اور کس نے کئے؟ کیوں کہ مہاجرین مکہ کا سنہ حبیب کہہ بین کیا جا چکا ہے قمری شمسی تھا۔ یہ تمام شہادتیں اس بات کے حق میں بیان کی جاتی ہیں، کہ ظہور اسلام کے وقت مدینے میں جو تقویم رائج تھی، وہ خاص قمری تھی، لیکن اس کے ساتھ یہ بات بھی یقینی معلوم ہوتی ہے کہ اس تقویم میں جو مہینے اور دن رائج تھے، ان کے نام وہی تھے جو مکی تقویم میں استعمال ہوتے تھے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ مورخین نے بڑی صراحت کے ساتھ متعدد جہلی سنین اور شہور کے

نام گناہے ہیں جو مختلف قبائل میں رائج تھے، اور یہ نام عربی تقویم کے مرد و جناموں سے بالکل مختلف بھی ہیں، بلکہ ان کے دنوں تک کے نام الگ الگ نظر آتے ہیں، لیکن ایسی کوئی شہادت نہیں ملتی کہ یہ نام مدینے میں بھی رائج تھے،

اہل مدینہ سے سیکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں روایتیں منقول ہیں، اور مدنی صحابہ نے اپنی روایتوں میں بڑی کثرت سے مہینوں اور دنوں کے نام بھی لئے ہیں، لیکن سیرت اور حدیث کی کتابوں میں شاید ایک روایت بھی ایسی نہیں، جس میں مرد و جناموں کے علاوہ کوئی اور نام لیا گیا ہو۔

یہ بالکل سامنے کی بات ہے کہ اگر مدینے میں مہینوں اور دنوں کے کچھ اور نام رائج ہوتے تو کبھی نہ کبھی کسی مدنی راوی کی زبان سے وہاں کا مرد و جنام ضرور نکلتا، بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ ان ناموں کا تذکرہ اکثر و بیشتر رواۃ کی زبان پر ہوتا۔

پیغمبر اسلام کے آخری خطبہ حج، یعنی حجۃ الوداع میں بلاشبہ جب ”مُضَر“ کا نام آیا ہے، جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اس نام کا کوئی اور مہینہ دوسرے قبائل میں جو دھکا، آپ نے تخصیص کی خاطر ”مُضَر“ کا اضافہ کر کے اس اشتباہ کو دور کر دیا لیکن اگر دیکھئے تو اس کے معنی بھی یہی ہوتے ہیں۔ کہ اہل مکہ کے اثر سے ان کے مہینے دُور اور نزدیک قبائل میں مقبول کر لئے گئے تھے،

مختلف النوع سنین اور ان کے مشترک الاسم مہینے تاریخ میں کوئی عجوبہ شے نہیں، آپ اوپر پڑھ چکے ہیں کہ ”یہودی“ اور ”مشریانی“ سنین کی بنیاد میں بنیادی فرق ہے، یہ دونوں سنین ہنوز زندہ ہیں، اور ایک سنہ آج بھی قمری شمسی اصولوں پر چل رہا ہے، جبکہ دوسرا خالص شمسی سنہ ہے حالانکہ دونوں سنوں کے مہینے تقریباً مشترک الاسم ہیں، یہی کیفیت بکرمی، فصلی اور ہنگامہ سنہ کی ہے جس کے مہینے مشترک لیکن اصول تقویم جدا ہے۔

میرا خیال ہے کہ اہل مدینہ نے اپنے قمری سنہ کے مہینوں کے نام اسی طرح اہل مکہ سے لئے تھے جس طرح شام کے مسیحیوں نے اپنے کلینڈر کے مہینے یہودی تقویم سے۔

بہر صورت وہ قعات سیرت کی نوعیتی شہادتیں بتاتی ہیں کہ عہد رسالت میں مدینے کے اندر دو قسم

کی تقویمیں کارفرما رہیں، جن میں ایک خالص قمری تھی، اور دوسری قمری شمسی، مگر ان دونوں کے مہینوں اور دنوں کے نام قطعاً مشترک تھے۔

یہ تقویمیں کم سے کم ۱۰۰۰ تک پہلو بہ پہلو چلتی رہیں، حتیٰ کہ سنہ تک کی تقویم کو مسلمانوں کی دینی تقویم کا مرتبہ بھی حاصل رہا۔ اور تمام مہاجر و انصار اسی کے ماہِ محرم میں صوم عاشورہ اور اسی کے ماہِ رمضان میں روزے رکھتے رہے۔ سنہ کے بعد اور سنہ کی ابتداء میں جب پیغمبر اسلام نے اس تقویم کی تشریح کا اعلان فرمایا، تو مسلمانوں کا مذہبی سنہ بجا مے کی کے مدنی بن گیا، جو آج تک اسی طرح قمری چلا آ رہا ہے۔

مدنی سنہ کو اسلامی سلطنت کی قبولیت کا شرف خلیفہ ثانی کے عہد کا واقعہ ہے، اور اسی زمانے میں اس کا نام ہجری سنہ قرار دیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ عہد رسالت میں اس سے نسبتاً کم واقعات ریکارڈ کئے گئے تھے،

ہجری سنہ میں صرف بارہ قمری مہینے ہوتے ہیں، ایک قمری مہینہ چوں کہ 29.53 دن کا ہوتا ہے، اس لئے بارہ قمری ماہ یا ایک قمری سال 354.36 دن کا ہوا، لیکن عملی طور پر ایک سال 353 دن سے کم اور 355 دن سے زیادہ کا نہیں ہو سکتا، زیادہ سے زیادہ تین متواتر ماہ انتیس^{۲۹} دن کے ہو سکتے ہیں، اور چار متواتر ماہ تیس^{۲۳} دن کے۔

منجہیں حساب کی آسانی کے لئے محرم کو تیس^{۲۳} دن کا اور صفر کو انتیس^{۲۹} دن کا شمار کرتے ہیں اسی طرح یک مہینہ تیس^{۲۳} دن کا اور دوسرا انتیس^{۲۹} دن کا قرار دیا جاتا ہے، ہر ۳۰ سالہ دور میں گیارہ سال ذوالحجہ کو بھی ۳۰ دن کا شمار کرتے ہیں۔ لیکن یہ سب حسابی طریقے ہیں، یہ ہے کہ حسابی رویت و حقیقی رویت میں عمل فرق پڑتا رہتا ہے جس کی وجہ سے عموماً توقیتی غلطیاں ہو جاتی ہیں، چاند ہوتا ہے، در نظر نہیں آتا، چاند نہیں ہوتا ہے اور ہم مان بیٹے ہیں بہر حال میں یہاں سنہ ۷ سے بیکر سنہ ۸ تک کی جدول تقویم پیش کرتا ہوں جن میں ہر مہینے کی پہلی تاریخ کا دن اور عیسوی تاریخ لکھ دی گئی ہے، ان جدولوں کو میں کے کنگھم اور دستغفہ کی تقویموں کے مقابلہ کر کے دیکھ لیا ہے۔ (باقی آئندہ)

۱۵ مئی ۲ / ۱۵ سنہ ۱۱۰۰ میں دیکھے میرا انتقال جو ماہنامہ زندگی نامہ پورہ جون سنہ ۱۱۰۰ میں شائع ہو رہا ہے اور جس میں سنہ ہجری کے مداخل کے استخراج کے طریقے اور عیسوی سنہ سے مطابقت کے اصول پوری تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں، میں نے ۴

۱	۲	۳	۴	۵	۶
محرم ۱۶ جولائی ۱۲۲۲	محرم ۵ جولائی ۱۲۲۲	یکشنبہ ۲۳ جون	پنجشنبہ ۱۳ جون	دو شنبہ ۲ جون	محرم ۲۳ مئی
یکشنبہ ۱۵ اگست	پنجشنبہ ۴ اگست	دو شنبہ ۲۳ جولائی	دو شنبہ ۱۳ جولائی	چهار شنبہ ۲ جولائی	دو شنبہ ۲۲ جون
ربیع الاول ۱۳ ستمبر ۱۲۲۲	ربیع الاول ۲ ستمبر	چهار شنبہ ۲۳ اگست	یکشنبہ ۱۱ اگست	پنجشنبہ ۳۱ جولائی	ربیع الاول ۲۱ جولائی
ربیع الآخر ۱۳ اکتوبر	ربیع الآخر ۲ اکتوبر	جمعہ ۲۱ ستمبر	ربیع الآخر ۱۰ ستمبر	ربیع الآخر ۳۰ اگست	ربیع الآخر ۲۰ اگست
جمادی الاولیٰ ۱۱ نومبر	جمادی الاولیٰ ۳۱ اکتوبر	جمادی الاولیٰ ۲۰ اکتوبر	جمادی الاولیٰ ۹ اکتوبر	جمادی الاولیٰ ۲۸ ستمبر	جمادی الاولیٰ ۱۸ ستمبر
جمادی الاخریٰ ۱۱ دسمبر	جمادی الاخریٰ ۳۰ نومبر	جمادی الاخریٰ ۱۹ دسمبر	جمادی الاخریٰ ۸ دسمبر	جمادی الاخریٰ ۱ اکتوبر	جمادی الاخریٰ ۱۸ اکتوبر
رجب ۹ جنوری ۱۲۲۳	پنجشنبہ ۲۹ دسمبر	دو شنبہ ۱۸ دسمبر	دو شنبہ ۷ دسمبر	چهار شنبہ ۲۶ نومبر	دو شنبہ ۱۶ نومبر
شعبان ۸ فروری	شعبان ۲۸ جنوری ۱۲۲۳	پنجشنبہ ۱۴ جنوری ۱۲۲۳	دو شنبہ ۶ جنوری ۱۲۲۳	شعبان ۲۶ دسمبر	چهار شنبہ ۱۶ دسمبر
رمضان ۹ مارچ	یکشنبہ ۲۶ فروری	جمعہ ۱۵ فروری	رمضان ۳ فروری	رمضان ۲۳ جنوری	رمضان ۱۳ جنوری ۱۲۲۳
شوال ۸ اپریل	شوال ۲۴ مارچ	یکشنبہ ۱۴ مارچ	پنجشنبہ ۶ مارچ	شوال ۲۳ فروری	شوال ۱۳ فروری
ذیقعدہ ۷ مئی	چهار شنبہ ۲۵ اپریل	دو شنبہ ۱۵ اپریل	جمعہ ۳ اپریل	ذیقعدہ ۲۳ مارچ	ذیقعدہ ۱۳ مارچ
ذوالحجہ ۶ جون	جمعہ ۲۵ مئی	چهار شنبہ ۱۵ مئی	ذوالحجہ ۴ مئی	ذوالحجہ ۲۳ اپریل	ذوالحجہ ۱۳ اپریل

۱۲	۱۱	۱۰	۹	۸	۷
	محرم یکشنبہ ۲۹ مارچ	محرم دو شنبہ ۹ اپریل	محرم جمعہ ۲۰ اپریل	محرم دو شنبہ یکم مئی	پہار محرم ۱۱ مئی
	صفر دو شنبہ ۲۸ اپریل	صفر یکشنبہ ۴ مئی	صفر یکشنبہ ۲۰ مئی	صفر چهار شنبہ ۳۱ مئی	جمعہ ۱۰ جون
	ربیع الاول چهار شنبہ ۲۴ مئی	ربیع الاول جمعہ ۴ جون	ربیع الاول دو شنبہ ۱۸ جون	ربیع الاول یکشنبہ ۲۹ جون	ربیع الاول دو شنبہ ۹ جولائی
	ربیع الآخر جمعہ ۲۶ جون	ربیع الآخر یکشنبہ ۴ جولائی	ربیع الآخر چهار شنبہ ۱۸ جولائی	ربیع الآخر دو شنبہ ۲۹ جولائی	ربیع الآخر دو شنبہ ۸ اگست
	جمادی الاول دو شنبہ ۲۵ جولائی	جمادی الاول دو شنبہ ۵ اگست	جمادی الاول یکشنبہ ۱۶ اگست	جمادی الاول یکشنبہ ۲۴ اگست	جمادی الاول یکشنبہ ۶ ستمبر
	جمادی الآخر دو شنبہ ۲۲ اگست	جمادی الآخر چهار شنبہ ۲۴ ستمبر	جمادی الآخر دو شنبہ ۱۵ ستمبر	جمادی الآخر یکشنبہ ۲۶ ستمبر	جمادی الآخر یکشنبہ ۶ اکتوبر
		رجب یکشنبہ ۳ اکتوبر	رجب یکشنبہ ۱۷ اکتوبر	رجب چهار شنبہ ۲۵ اکتوبر	رجب جمعہ ۴ نومبر
		شعبان دو شنبہ ۲ نومبر	شعبان دو شنبہ ۱۳ نومبر	شعبان جمعہ ۲۲ نومبر	شعبان یکشنبہ ۴ دسمبر
		رمضان یکشنبہ یکم دسمبر	رمضان چهار شنبہ ۱۲ دسمبر	رمضان دو شنبہ ۲۳ دسمبر	رمضان دو شنبہ ۲۹ جنوری
		شوال دو شنبہ ۳۱ دسمبر	شوال دو شنبہ ۱۰ جنوری	شوال دو شنبہ ۲۲ جنوری	شوال چهار شنبہ ۱ فروری
		ذیقعدہ چهار شنبہ ۲۹ جنوری	ذیقعدہ دو شنبہ ۹ فروری	ذیقعدہ دو شنبہ ۲۰ فروری	ذیقعدہ یکشنبہ ۲ مارچ
		ذوالحجہ جمعہ ۲۸ فروری	ذوالحجہ دو شنبہ ۱۱ مارچ	ذوالحجہ یکشنبہ ۲۳ مارچ	ذوالحجہ دو شنبہ ۱ اپریل

ہندی مسلمانوں کے فلسفیانہ افکار

ڈاکٹر کے سچیدانند مورتی

ترجمہ :- پردیسر صفی الدین صاحب صدیقی

(صدر شعبہ فلسفہ و نفسیات گورنمنٹ کالج آف آرٹس اینڈ سائنس اورنگ آباد)

(ڈاکٹر کے سچیدانند مورتی آندھرا ریونیورسٹی کے شعبہ فلسفہ سے متعلق ہیں، موصوف کا یہ مقالہ بربان انگریزی دی انڈو ایشین کلچر (نئی دہلی) کے چوتھے شمارے اپریل ۱۹۶۳ء میں شائع ہو چکا ہے، محترم ڈاکٹر سید وحید الدین صدر شعبہ فلسفہ و معارف نے اس مقالے کا سلیس اردو زبان میں ترجمہ کیا ہے۔

اس مقالے کے مطالعہ سے قاری پر یہ ضرور واضح ہوگا کہ ایک ایسے عام نے ہندی مسلمانوں کے فکری سرمائے کا جائزہ لیا ہے جو خود تو امت مسلمہ کا فرد نہیں ہے لیکن جس نے نہایت خلوص کے ساتھ مسلمان علمائے عظام کے افکار کو اپنے نقطہ نظر سے سمجھنے اور پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ ضرور ہے کہ پردیسر صاحب موصوف نے اکثر جگہوں پر انہیں خیالات سے اتفاق کیا ہے جنہیں اکثر مسلمان اپنی تصنیفوں میں دہرا چکے ہیں اور جس سے کہ مسلمان محقق با مکیہ طور پر متفق بھی نہیں ہیں، ہمارے آج کل کے مسلمان اصحاب علم کا یہ حال ہے کہ وہ اپنے بزرگوں کے فکری سرمائے پر غور کرنے اور اس کا تقابلی مطالعہ کرنے میں جھجک محسوس کرتے ہیں، تحقیقی مقالے لکھنے اور چھپوانے کی بات تو بہت دور کی ہے، اس لحاظ سے ہم پردیسر مورتی کی کوشش کو قابل قدر محسوس کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ ہمارے اسی علم، جس جہیت میں مزید کچھ لکھنے کی زحمت گوارا کریں گے۔

(صفی الدین صدیقی)

ہم کوئی سا بھی نقطہ نظر اختیار کریں لیکن یہ ماننا پڑے گا کہ مسلمان ہندوستان کی کل آبادی کا ایک اہم حصہ ہیں، ۱۹۵۶ء کی مردم شماری کی رو سے ہندوستانی مسلمانوں کی تعداد چالیس ملین سے کچھ اوپر ہی پہنچتی ہے، اگر یہ نکتہ پیش نظر رہے کہ مصر ترکی اور ایران میں سے ہر ایک ملک کی آبادی بیس ملین کے لگ بھگ ہے۔ صرف پاکستان اور انڈونیشیا میں سے ہر ایک مملکت کی آبادی ستر ملین سے کچھ زیادہ ہی ہے تو پھر یہ واضح ہو جائے گا کہ موجودہ اسلامی دنیا میں ہندوستانی مسلمانوں کی کیا اہمیت ہو سکتی ہے، قطع نظر اسکے ہندوستانی مسلمان ایک ہزار سال سے چلی آنے والی عظیم روایات کے حامل ہیں، ان کے درمیان بڑی بڑی شخصیتوں نے جنم لیا ہے، سیاست کی جدید صورتوں کی انھوں نے تشکیل کی ہے۔ انھوں نے عظیم ادب پیدا کیا ہے، زندگی کے نئے طور طریقوں کی بنیاد ڈالی ہے اور سب میں بڑھ کر فن کے زندہ جاوید نمونوں کو جنم دیا ہے، دنیا کے نقشہ میں کہیں پر بھی ہم کو ایسی مملکت دکھائی نہیں دیتی کہ جہاں پر مسلمانوں کی اتنی بڑی تعداد ایک غیر مذہبی جمہوری حکومت کے زیر سایہ مختلف النوع مذاہب کے ملنے والے اتنے کثیر عوام کے دوش بدوش زندگی گزار رہی ہو، تواریخی روایات، تعداد اور پھر ہندوستانی مسلمانوں کا موجودہ موقف یہ چند ایسے عناصر میں جو ہم کو ان کے فکری سرمائے پر توجہ دینے پر اکساتے ہیں۔

اس سے پہلے کہ ہم انیسویں اور بیسویں صدی کے اندر داخل ہوں یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ قرونِ ماضیہ کی ان چند تحریکوں پر نظر ڈالیں جو مسلمانوں کے جدید فکری ڈھانچے کے لئے پس منظر کا کام دیتی ہیں، عہدِ وسطیٰ کے اسلامی ہندوستان میں ہم کو خاص افسانہ افکار یا مذہبی اجتہاد کے کوئی نشانہ نہیں ملے، اگر ہم ان افکار کا مقابلہ ابن سینا، الغزالی اور ابن رشد کے عظیم کارناموں سے کریں تو انکی اہمیت اور بھی گھٹ کر رہ جاتی ہے، البتہ اکبر اور داراشکوہ یہ دو استثنائی صورتیں ہیں کیوں کہ ان دونوں نے جدت کی طرف عملی قدم بڑھایا تھا، اکبر نے جیسا کہ ہم جانتے ہیں ایک نئے دین کی بنیاد رکھنی چاہی تھی جو کہ وحدانیت پر مبنی تھا اور جس کے اندر متصوفانہ زہد بھی شامل تھا، اکبر کے مذہب میں سورج کی پرستش کو اس سے داخل کر لیا گیا تھا کہ وہ 'نورِ عقل' کا اعلا میہ ہے، علاوہ ازیں اس نئے مذہب کا مقصد ایک خاص اخلاقی ضابطہ کو بھی روشناس کرنا تھا (دبستانِ مذاہب، محسن قانی) اس سلسلے کا ایک دوسرا نقطہ نظر یہ بھی ہے کہ

اکبر نے اسلام کے اندر شرک کو داخل کیا تھا) اکبر کے پر پوتے داراشکوہ نے کئی کتابیں تصنیف کیں جن میں وہ اس امر پر زور دیتا ہے کہ روح انسانی خدا کی ذات میں جذب ہونا چاہتی ہے (توحید) داراشکوہ ایک ایسے تصور خدا کا قائل ہے کہ جو قادرِ مطلق ہے اور جس کے اندر کائنات کی ہر چیز شامل ہے جس طرح کہ ایک بحر بیکرں عبارت ہوتا ہے، امواج، قطرات اور تباہوں کے مجموعہ سے (رسالہ حق نما) داراشکوہ نے اپنشدوں کا بشطرِ عمیق مطالعہ کیا تھا، وہ انھیں قدیم ترین آسمانی صحائف اور وحدانیت کے خزینے مسموٰۃ کرتا ہے، بلاشبہ یہ ایسا تصور ہے جو کہ قرآن کی تعلیمات سے بھی ہم آہنگ ہے۔ بدقسمتی سے اکبر کی تمام عقلی کوششیں، مذاہب کو ایک مرکز پر لانے کی اس کی تمنا، اس کے علاوہ داراشکوہ کا وحدت الوجود کا بنیادی نظریہ (بعض صوفیائے کہا، جیسے کہ ابن عربی اس نظریہ کے حامل ہیں) اور داراشکوہ کا یہ دعویٰ کہ اپنشدوں اور قرآن نے ایک ہی حقیقت کی طرف نشان دہی کی ہے۔ ان تمام عقائد نے بالآخر اکثر مسلمانوں کو محنت پر آمادہ کر دیا۔ اس پر مستزاد یہ کہ ہندوؤں نے بھی ان خیالات کی پشت پناہی نہیں کی، شیخ احمد سرہندی (۱۵۶۴-۱۶۲۴) جن کا مولد پنجاب ہے، جنھوں نے اکبر اور جہاں گزرا مار دیکھا ہے نظریہ وحدت الوجود کی شدید مخالفت پر آمادہ ہوئے، شیخ سرہندی خود ایک پایہ کے صوفی تھے، انھوں نے خدا کی ازلی ماورائیت کے تصور پر زور دیا، ملا عبدالحکیم سیالکوٹی عہدِ شاہجہانی کے مشہور عالم گزرے ہیں، اس کے علاوہ فرنگی محل اور خیر آباد نام کے دو فکری دبستانوں کا ذکر کیا جانا بھی ضروری ہے، دبستان فرنگی محل کے مشہور علماء میں مہاتپب لادین شہید (وفات ۱۶۹۱) ملا نظام الدین (وفات ۱۷۴۷) اور مولانا عبدالحی علی بہاؤ العلوم (وفات ۱۸۱۹) کا شمار ہوتا ہے، دبستان خیر آباد کے علمائے کبار میں فضل امام خیر آبادی (وفات ۱۸۲۷) فضل حق خیر آبادی (وفات ۱۸۶۱) کے نام گنوائے جاسکتے ہیں، ان کے علاوہ اودھ کے قاضی مبارک (وفات ۱۷۴۸) ملا محمود جون پوری (وفات ۱۶۵۱) حمید اللہ سندھوی (وفات ۱۷۴۷) ملا محب اللہ بہاری (وفات ۱۷۰۷) غلام یحییٰ بہاری (وفات ۱۷۱۵) کا ذکر بھی کیا جاسکتا ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے، حکماءِ اسلام (مصنف عبدالمجید دوم))

لہٰذا بی، حسرت، داراشکوہ: حیات اندکار نامے و شواہد بھارتی ۱۹۵۳ء

۱۔ قرآن کا یہ دعویٰ ہے کہ رسول اور ہادی ہر امت اور ہر قوم میں بھیجے گئے، قرآن ۱۷، ۱۵، ۲۵، ۲۴، ۲۵، ۵۷، ۲۵،

دولتِ مغلیہ کے عہدِ زوال میں شاہ ولی اللہ دہلوی (۱۷۰۳-۱۷۶۲) نے مذہبِ اسلام کو غیر اسلامی عناصر سے پاک کرنے کی مہم چلائی۔ آپ نے عام مذہبی بیزاری اور تصوف کے اندر ناجائز اور ناپسندیدہ اشغال کو روارکھنے کے خلاف علمِ جہاد بلند کیا، شاہ صاحب کا سب میں بڑا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے تصوف اور عقائدِ سنت و الجماعت کی تطبیق کی، شاہ ولی اللہ اسلامی شان و شوکت کا احیا چاہتے تھے، شاہ صاحب کی وجہ سے مذہبی جماعتوں اور فرقوں کے درمیان اختلافات و مناقشات کا بازار ٹھنڈا پڑ گیا، اس کا باعث یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اورنگ زیب کے بعد سیاسی سطح پر شورشیں برپا تھیں۔

شاہ ولی اللہ کے فرزند شاہ عبدالعزیز اور ان کے پوتے شاہ اسماعیل (۱۷۸۱-۱۸۳۱) نے ان کے انکار کو عمرانی و سیاسی تحریک کی شکل دیدی، اس تحریک کے ہدف اگر ایک طرف بے دینی، اندرونی خلفشار اور امتِ مسلمہ کے زوال کے اجزاء تھے تو دوسری طرف پنجاب میں سکھوں، بنگال میں انگریزوں اور دکن میں مراہٹوں کی جارحانہ کارروائیاں بھی تھیں۔ پنجاب اور شمال مغربی ہند میں سیر احمد بریلوی نے اور بنگال میں فرانیوں نے اس تحریک کو ایک عسکری تنظیم کی صورت دیدی۔ مصر میں جمال الدین افغانی (۱۸۳۹-۱۸۹۷) نے جہاد اور حرکت کے ایک ایسے نظریہ کا پرچار شروع کیا کہ جس کی بنیاد انھوں نے قرآن حکیم کی اس آیت پر (بے شک اللہ تعالیٰ افراد کی حالت اُس وقت تک نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اپنے نفوس میں تبدیلی نہ لائیں۔) رکھی تھی، وہ امتِ مسلمہ کے اندر بیداری کے خواہاں تھے، وہ یہ چاہتے تھے کہ مسلمان تقدیر پر تکیہ نہ کریں اور دُنیاوی جاہ و ثروت کے پیچھے نہ دوڑیں تاکہ ایک ایسی اسلامی سوسائٹی کا قیام ممکن ہو جائے جس کی انھیں خواہش تھی، اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ شاہ ولی اللہ سے لے کر بعد کے ادوار کی اسلامی تحریکوں میں عقلی رجحان کے کوئی نشانات نہیں ملتے، جمال الدین افغانی نے جس وقت حرکت اور جہاد کا نظریہ پیش کیا تو یہی مسلمانوں کے لئے ایک شمالی نظریہ بن گیا۔ مشرعیف رحمان کے خیال میں اسی کے نتیجے کے طور پر اسلام جدید میں فکری و ذہنی زوال پذیری کے نشانات نظر آتے ہیں۔

پھر پھر ہند میں سب سے پہلے ہندوؤں نے مغربی اثرات کی اہمیت کو تسلیم کیا اور وقت کے تقاضوں کو سمجھتے ہوئے وہ ایک نشاۃ ثانیہ جدید کے موجب بنے، اس کے برخلاف ہندوستانی مسلمانوں کی طرف سے کوئی مثبت ردِ عمل ظاہر ہونے میں کافی دیر لگی کیوں کہ برطانیہ کو مسلمان اپنا حریف سمجھتے تھے۔

برطانیہ ہی کی وجہ سے ہندوستان کی شاندار اسلامی حکومت کا خاتمہ ہو گیا تھا، یہی باعث تھا کہ برطانوی سامراج نے ہندوؤں کی بہ نسبت مسلمانوں کے ساتھ نہایت ہی سفاکانہ رویہ اختیار کیا اور انہیں ہر طرح کی مراعات سے محروم کر دیا۔

سید احمد خان (۱۸۱۷-۱۸۹۸) وہ پہلے ہندوستانی مسلمان ہیں جنہوں نے اپنی قوم کو ناامیدی اور شکست خوردگی کے خواب سے جھنجھوڑ کر جگایا، وہ بڑے کشادہ دل اور عقلیت پسند انسان واقع ہوئے تھے، فرقہ پرستی کی اسپرٹ ان کے اندر نہیں تھی، ان کا یہ ايقان تھا کہ تمام ہندوستانی خواہ وہ ہندو اور مسلمان ہوں یا عیسائی ایک ہی ملک کے باشندے ہیں اور ایک قوم کے افراد کہلاتے ہیں، سرسید یہ چاہتے تھے کہ مغربی فکر کے بہترین عناصر کے انجذب سے ایک نئی ہندو اسلامی تہذیب کی بنیاد ڈالی جائے۔ انہوں نے ہندی مسلمانوں کو انگریزی تعلیم سے روٹھنا سکھایا، علی گڑھ کالج کی بنیاد رکھی جو بعد کو چل کر یونیورسٹی میں تبدیل ہو گیا، ان کی رو سے صحیفہ فطرت (شیخ) اور خدا کے کلام میں کوئی تناقض نہیں پایا جاتا۔ سرسید نے ان اعمال اور عقائد کی شدت کے ساتھ مذمت کی جو غیر عقلی اور غیر فطری ہوں، اور جن کی اساس قرآنی تعلیمات پر نہ رکھی گئی ہو، سائنسی اور حکمتی، ہر کی حد تک قرآن میں کوئی صراحت نہیں ملتی، البتہ قرآن میں اخلاقی امور پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔

(آخری مضامین) لیکن انہی خیالات کی اشاعت کی وجہ سے سرسید کے خلاف اعتراضات کا ایک طوفان برپا ہو گیا۔ مغربی تعلیم، جدید سائنسی طرزِ فکر اور قرآنی تعلیمات کے درمیان تطبیق کے اس عمل کو ان کی قوم کے افراد نے سخت ناپسند کیا۔ یہ لوگ چاہتے تھے کہ قرآنی تعلیمات کو اس طرح کی آمیزش سے پاک رکھا جائے جسے اپنی قوم کے جسم میں آزاد خیالی اور عقلیت پسندی کی روح پھونکنے میں سرسید ناکام رہے۔

سید چراغ علی اور نواب محسن الملک نے سرسید کی عقلیت پسندی کی حمایت کی لیکن یہ حضرات آگے چل کر سرسید کے خیالات سے پوری طرح متفق نہیں رہے، اردو شاعر خواجہ الطاف حسین حالی، عالم دین شبلی نعمانی اور نذیر احمد (جنہوں نے قرآن کا سلیس اردو میں ترجمہ کیا تھا) سرسید کے حامیوں میں تھے۔ آزادی افکار کی صحیح اسپرٹ ہم کو سید امیر علی (۱۸۴۹-۱۹۲۸) مصنف دی اسپرٹ اسلام، عبید اللہ سندھی (۱۸۴۲-۱۹۲۲) اور ابوالکلام آزاد (۱۸۸۸-۱۹۵۸) کے ہاں ملتی ہے۔ اگر ایک طرف سرسید اور امیر علی نے یورپ سے اثر قبول کیا تھا تو دوسری طرف عبید اللہ سندھی اور ابوالکلام آزاد اسلام کے شاندار ماضی سے متاثر ہوئے تھے۔

امیر علی اس بات پر زور دیتے تھے کہ قرآن کو عملاً کی تعبیر و تفسیر کا مرہون منت ہوئے بغیر پڑھنا چاہیے اور پھر اس کی تشریح اپنے ذاتی تنقیدی شعور کی بنا پر کی جانی چاہیے۔ امیر علی نے تعددِ ازدواج اور پردے کی شدت کے ساتھ مذمت کی، سوائے اس ایک امر کے کہ عیسائی حضرت مسیحؑ کو خدا کا بیٹا مانتے ہیں، اسلام اور عیسائیت کے درمیان کوئی بنیادی فرق نہیں ہے۔ جس طرح برہمن سماج نے آریہ سماج جیسی تحریک کو جنم دیا تھا بالکل اسی طرح سرسید کی آرزو خیالی اور علی گڑھ کالج نے ان طاقتوں کو پیدا کیا جو ذات پرستی کی حامل تھیں، اس کا رد عمل دارالعلوم دیوبند (روپڑ) کی شکل میں نمودار ہوا جس کا مقصد برائی روایتی تعلیمات کا احیاء تھا۔

شبلی نعمانی (۱۸۵۷-۱۹۱۴) آغاز میں سرسید کے پیرو تھے لیکن بعد کو انھوں نے لکھنؤ میں ندوۃ العلماء کی بنیاد ڈالی جو قدامت پسندی اور جدیدیت جیسے انتہا پسندانہ تقابلی نظر کی درمیان شکل کا نام تھا، شبلی نعمانی کہتے ہیں کہ قدامت پسندی پر عقلیت کے ذریعہ رد کی جاسکتی ہے۔ (دیکھئے شبلی علم لکھام) شبلی کے مذہبی عقائد نے بڑی حد تک کٹر رپس اور انتہا پسندانہ جدیدیت کے درمیان توازن قائم رکھنے کا کام انجام دیا۔ شبلی کی تحریک کو سید سلیمان ندوی، در عبداللہ ندوی نے آگے بڑھایا۔

مرزا غلام احمد (۱۸۳۹-۱۹۰۸) نے جن کا یومِ پٹیاب ہے، اپنے مہدی موعود ہونے کا دعویٰ کیا۔

تاکہ وہ اسلام کی تطہیر کا کام انجام دے سکیں، یہ نظریہ کہ جب بھی دین و مذہب افتراق و بحران کا شکار ہوتا ہے تو ملین مخالف دین فزوں سے نبرد آزما ہونے کے لئے ایک مہدی کا ظہور ہوتا ہے، بہت پرانا یہودی نظریہ ہے جو کسی نہ کسی طرح ان حدیثوں میں جگہ پا گیا جو پیغمبر اسلام سے منسوب کی جاتی ہیں۔ لیکن اسلام کے تاریخی ادوار میں جن صحاب نے بھی اس قسم کا دعویٰ کیا وہ سیاسی حیثیت سے طاقتور نہیں تھے، یہی باعث ہے کہ اس طرح کے دعووں اور فتنوں کو نہایت سختی کے ساتھ دبا دیا گیا۔ غلام احمد نے مسلمانوں کی ایک خاصی تعداد کو اس بات پر ہموار کر لیا کہ وہ مہدی ہیں، اس طرح فرقہ احمدیہ کی بنیاد پڑی اور قادیانی تحریک (اس تحریک کا نام پنجاب کے ایک قریہ قادیان کی وجہ سے پڑا ہے) دنیا کے مختلف حصوں میں پھیل گئی، پاکستان کے اندر ۱۹۵۳ء میں قادیانیوں کے خلاف منافرت کا ایک زبردست طوفان اٹھ کھڑا ہوا جس کے نتیجے کے طور پر کچھ سر پھرے مسلمانوں نے نہ صرف لوٹ مار کا بازار گرم کیا بلکہ سیکڑوں احمدیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

سر محمد اقبال (۱۸۷۳-۱۹۳۸) پنجاب میں پیدا ہوئے جرمنی اور کیمبرج میں انھوں نے فلسفہ اور قانون کی تحصیل کی، کچھ عرصہ کے لئے وہ ماہور کالج میں معلمی کے فرائض بھی انجام دیتے رہے، بعد ازاں اقبال نے معلمی ترک کر دی اور ایک آزاد پیشہ وکیل کی حیثیت میں کام کرنے لگے، ننٹے برگساں جمال الدین رومی (ترکی کے زبردست صوفی مفکر) اور جمال الدین افغانی کی تعلیمات کا ان پر بہت گہرا اثر پڑا۔

اقبال انفعائیت اور جمہود کے سخت مخالف تھے، وہ سمجھتے تھے کہ مسلمانوں کے زوال کا اصل باعث بے عملی کا وہ فلسفہ ہے جس کو چند بر خود غلط صوفیوں نے عام کر رکھا ہے، اقبال کی رو سے عشق ہی خیر برتر ہے، آدمی کے اندر عقل کو ارفع ترین صلاحیت تسلیم نہیں کیا جاتا چاہے، زندگی عمل سے عبارت ہے، شر سے نبرد آزما ہونے ہی سے زندگی کا مفہوم سمجھ میں آ سکتا ہے، اقبال ابتدا میں قوم پرست تھے لیکن بعد کو انھوں نے اس پر زور دیا کہ مسلمان کا حق کسی ایک قوم سے نہیں ہے بلکہ تمام دنیا کے مسلمان خواہ وہ کہیں کے رہنے والے ہوں نسب اور نسل کے امتیاز کے بغیر امت مسلمہ سے منسلک ہیں۔ ان کا آبائی وطن اسلام کے علاوہ کچھ نہیں، جو کوئی فرد خدا اس کے احکام اور خیر کے معیارات کو تسلیم کرتا ہے،

وہ مسلمان ہے، امت مسلمہ کے اندر کسی بھی فرد کو برتری اس کے مرتبے، نسب اور امارت کی وجہ سے حاصل نہیں ہے بلکہ وہ اپنے اعمالِ حسنہ کی وجہ سے برتر و بزرگ گردانا جاتا ہے، صداقت کا نزدل خواہ کہیں پر بھی ہو وہ اسلام ہے، وہ صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس تھی کہ جس نے اس صداقت کو مکمل ترین حالت میں اور نبی آخر الزماں کی حیثیت میں قبول کیا، اقبال اپنے آخری زمانے میں اشتراکی خیالات سے بھی متاثر ہوئے تھے۔

اسرارِ خودی، رموزِ بیخودی اور اسلامی الہیات کی تشکیلِ جدید اقبال کے نہایت اہم فلسفیانہ کارنامے ہیں، اول اندر کتابیں ان کی فلسفیانہ شاعری کے نمونے ہیں، اقبال کی رو سے وجود کی تمام صورتیں خودی کے عمل کا نتیجہ ہیں، جو کچھ دکھائی دیتا ہے وہ خودی کے اسرار میں سے ہے۔ خودی کی ذات میں سیکڑوں جہان مستور ہیں، جب خودی اپنے خواب سے بیدار ہو کر شعور کی سطح پر آتی ہے اور اپنا اثبات کرتی ہے تو انکار کی دنیا جاگ اٹھتی ہے، غیر خودی کے چہرے سے نقاب اٹھ جاتی ہے، عمل کی خاطر خودی طرح طرح کے روپ بھی دھارتی ہے، وہ کبھی موضوع ہے تو کبھی مغز و عن کبھی ذریعہ ہے تو کبھی اسباب و علل، زمان خودی کا چوگان ہے، چون کہ زمان ازلی وابدی ہے، جس کا آغاز ہے نہ انجام اس لئے خودی سے جو عمل بھی سرزد ہوتا ہے اس کی کبھی نہ ختم ہونے والی اہمیت ہوتی ہے، تاریخ کے آئینہ ہی میں خودی کو اپنی ذات کی معرفت ہوتی ہے، زندگی تسلسلِ شعور کی موج کا نام ہے، زمان کہہ اور اس کی دائمیت کو پہچاننا ہی دراصل جادواں زندگی کے راز سے واقف ہونا ہے۔ آرزو اور مقصد سے حیات کا تحفظ ہوتا ہے، آرزو ہی اصل حیات ہے اور اسی سے مقصدِ حیات کا تعین ہوتا ہے، آرزو اور مقصد سے معرا آدمی مردہ کہہ تا ہے، آرزو نہ صرف حیات کی تعمیر کرتی ہے بلکہ حیات کو مالا مال بھی کرتی ہے، تمام انسانی مساعی کا مدار آرزو کی تکمیل پر ہے۔ خودی اپنے معنوم کی تکمیل تک اسی وقت پہنچ سکتی ہے جبکہ وہ ملت سے ربط پیدا کرتی ہے، ایک ایسی مت کہ جس کی اساس محکم، اصولوں پر رکھی گئی ہے، عشق ہی کے ذریعہ خودی کا مکمل نشو و نما ممکن ہے، عشق، عمالِ صحیحہ اور عالم کی اساس ہے، عشق سے خودی زندہ و تابندہ ہے، خودی کا وجود عشق ہی سے متمیز ہے اور عشق ہی کے ذریعہ اس کے امکانات کا نشو و نما ممکن ہے،

عشق سے اقبال یہ مراد لیتے ہیں کہ خدا سے والہانہ ربط پیدا کیا جائے جو جملہ مقاصد اور اعمال کا مبداء ہے، عشق حق آخر میں سرتاسر حق بن جاتا ہے۔

اقبال یہ چاہتے ہیں کہ مسلمان یورپی افکار کا مطالعہ کریں اور پھر ان کی روشنی میں الہیات اسلامی کی تشکیل جدید کریں، اقبال تقدیر کے نام نہاد تصور کو سختی سے رد کرتے ہیں، ان کا کہنا یہ ہے کہ چسند موقہ پرستوں نے اپنے ذاتی مفاد کے لئے اس نظر یہ کی حمایت کی ہے۔ جنت و جہنم اقبال کے نزدیک مقامات نہیں بلکہ احوال ہیں، بہشت مرکز گریز قوت پر فتح حاصل کرنے کی مسرت کا نام ہے۔ اس کے برخلاف جہنم ایک فرد کی اپنی ناکامی کے دردناک احساس کا نام، دوزخ و بہشت آئندہ تخلیقی امکانات کی طرف ہماری رہبری کرنے ہیں، سقوطِ آدم اصل میں ایک کنایہ ہے۔ جس کے اندر یہ مضمر ہے کہ کس طرح جتنی شہوات سے، دپر اٹھنے کے بعد آدم کو ایک آزاد انا کے حصول کا شعور ہوتا ہے، کس طرح اس کے اندر شک و انکار کی صلاحیتیں پیدا ہوتی ہیں اور بالآخر کس طرح ایک منہا ہی انا (FINITE EGO) کے اندر تمیز کی صلاحیت کا بروز ہوتا ہے، انسانی انا یا تخلیقی آزادی کا حامل ہے، چنانچہ اقبال کے یہ خیالات ایسے ہیں کہ جن کو بعض کٹر مسلمان خطرناک حد تک حضرت رساں خیال کر سکتے ہیں۔

ہندوستانی قومیت کا ہندو اذہ نقطہ نظر اور پھر ہندی مسلمانوں کے اندر پایا جانے والا جذباتی خلا و رپان اسلام اور خلافت کے تصورات اس صدی کی تیسری دہائی میں بے معنی ہو چکے تھے جب کہ دیگر اسلامی ممالک نے اپنی علیحدہ قومیت کی بنیاد رکھنی چاہی (یہ وہ سبب تھے کہ جس کے باعث ہندوستانی مسلمان قومیت کے تصور سے کٹ کر کسی اور سمت میں بہنے لگے، اقبال کے یہ خیالات کہ مسلم وحدت کا تصور دراصل دینِ فطرت سے ماخوذ ہے۔ امتِ مسلمہ یک جان و قالب ہے اور یہ کہ مسلمان قیودِ مقام سے آزاد ہے، انھوں نے ہندوستانی مسلمانوں کو اپنے بارے میں ایک الگ قسم کی آگہی بخشی، اس کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ ہندوستانی مسلمان دوسرے مذاہب کے پیروؤں کے مقابلے میں خود کو خیال و عمل کی حد تک جدا محسوس کرنے لگے، ۱۹۳۰ء کے اواخر میں، اقبال ایک علیحدہ مسلم ریاست کی باتیں کرنے لگے تھے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ یہ تصور مختلف وجوہات کی بناء پر جس میں، اکثریتی طبقے کی غلطیاں بھی شامل ہیں،

جیسے کہ بعض ہندو رہنماؤں کی حد سے زیادہ مذہب پرستی، اس کے علاوہ مسلمانوں میں جدید طرز فکر سے متاثر ہونے والے ایک ہاشمور طبقہ متوسط کی عدم موجودگی، مسلم عوام پر چاگیر دارانہ تہذیب کی گرفت، بہر حال ان سب باتوں نے پاکستان کے قیام کے لئے زمین ہموار کر دی،

اقبال ایک عظیم شاعر اور مفکر ہیں، دورِ جدید کے وہ سب میں بڑے اسلامی مفکر ہیں، پاکستان کے فلسفیوں پر ان کی تعلیمات کا بہت گہرا اثر نظر آتا ہے، یہ بات نہایت سودمند ہوگی اگر ہم اقبال کے نظریہ خودی کا ویدانت کے نظریہ آتم واد سے مقابلہ کریں اور اس کی روشنی میں اقبال کی تصویریت کا نئے سرے سے تنقیدی جائزہ لیں۔

جہاں ادین افغانی اور اقبال دونوں ہی حرکت و عمل کے دلدادہ تھے، جہاں چہ ان کی تعلیمات کی ایک رخی تفہیم کا نتیجہ بہ برآمد ہوا کہ حرکت و عمل کے ایسے فلسفہ کو لازماً سراہا گیا، جس پر نہ تو عقلی طور پر سوچے سمجھے مقصد اور نہ کسی قسم کے مذہبی ایقان کی چھاپ تھی۔ پنجاب اور صوبہ سرحد میں خاکساروں اور حیدر آباد دکن میں رضا کاروں نے انھیں رجحانات کی نمائندگی کی تھی، موجودہ، اسلامی دنیا میں اسی مجنونانہ نقطہ نظر کے عقل قتل و غارتگری اور غیر مسلموں کے مال و متاع کو لوٹنے کی چوردارات پیش آتی رہتی ہیں وہ بڑی حد تک ان فلسفوں کی ایک رخی تعلیمات کی عکاسی کرتی ہیں، ظاہر ہے کہ ایک ایسا فلسفہ جس کی بنیاد برگساں خٹشے اور بدوس کی اشتعالی سرگرمیوں پر رکھی گئی ہو اور پھر امتہ انساں کے جذبات کو اسلام کے شان دار ماضی کی یاد دہلا کر براہِ نگہداشتہ کیا ہو، ان افراد کو یقیناً متاثر کرے گا جو جاہ و منصب کے حریص اور طاقت کے بھوکے ہوتے ہیں۔

ابو سکلام آزاد (۱۸۸۸-۱۹۵۸) عظیم آزاد خیال عالمِ دین تھے، ان کے سلامیات کے مطالعہ پر جدید نقطہ نظر اور عامانہ سمجھ کی چھاپ نظر آتی ہے، اپنی تصنیفوں و رتذ کردہ ترجمان القرآن، اور خیابِ خاطر میں وہ ایک عظیم، شان خطیبانہ انداز میں واضح کرتے ہیں کہ اسلامی فکر کو ایک نئی رہ گزر کی ضرورت ہے۔ آزاد نے غلط تعبیروں اور تاویلوں کے غیر ضروری انبار کو رد کر کے قرآنی تعلیمات کی سچی روح کو دنیا کے سامنے پیش کیا ہے، افسوس تو یہ ہے کہ ان کی عالمانہ اور محققانہ تصنیفس دنیا کی کسی بڑی زبان میں منتقل نہ ہو سکیں،

البتہ ان کی تفاسیر کے کچھ حصے ڈاکٹر سید عبداللطیف اور اشفاق حسین کی کوشش سے انگریزی تراجم میں شایاں ہو جاتے ہیں، ان کے علاوہ آزاد کی کچھ یادداشتیں بھی انگریزی میں مل جاتی ہیں۔

سید ابوالاعلا مودودی نے ۱۹۳۲ء کے لگ بھگ حیدرآباد اور اس کے بعد پٹھان کوٹ سے اپنا رسالہ ترجمان القرآن نکالنا شروع کیا (مودودی بعد کو پاکستان ہجرت کر گئے حالانکہ وہ تحریک پاکستان کے حامی نہیں تھے) بعض مصنفوں کی رائے میں وہ اسلام جدید کے سبب میں زیادہ منظم مفکر ہیں وہ اسلام کو ایک ایجابی نظام کی صورت بخشنا چاہتے ہیں، اور اس امر پر زور دیتے ہیں کہ اسلام اپنے اندر تمام انسانی مسائل کا حل رکھتا ہے، بعض مصنفوں کی رد سے مودودی کا نظام فکر ذہنی اعتبار سے منضبط ہے اور کافی حد تک وسیع و کشادہ، وہ یہ چاہتے ہیں کہ مغرب کی سمت سے آنے والے دعائیات کو یک نخت روک دیں، انھوں نے مسلمانوں کو مغرب کی غلامی سے آزاد کرانے کا بیڑا اٹھایا ہے، انکا غشادہ یہ ہے کہ ایک خالص اسلامی سوسائٹی کا قیام ٹمس میں لایا جائے، مودودی کی رائے میں گو اسلامی قانون تیرہ سو برس پیشتر پیش کیا گیا تھا لیکن اس میں ایجاد کی کیفیت کبھی پیدا نہیں ہوئی کیوں کہ یہ آئین اسلامی سوسائٹی کا جزو یا منفک ہے۔ قرونِ ماضیہ میں ایسی مسکنیں معرض وجود میں آچکی ہیں کہ جن کے نظم و نسق کا انحصار اسی قانون اور آئین پر ہوا ہے۔ ہذا یہ کہا جاسکتا ہے کہ اسلامی دستور نے ہمیشہ بدلتے ہوئے انسانی حالات کا ساتھ دیا ہے اور اسی کی روشنی میں اس دستور کا ارتقا ہوا ہے، اس آئین میں بڑی بڑی صلاحیتیں پوشیدہ ہیں۔ اجتہاد، اجماع اور قیاسی دلائل کی بنیاد پر اب بھی اسلامی فقہ کا نشوونما ممکن ہے اور اس طرح تمام جدید مسائل کا حل ڈھونڈھا جاسکتا ہے، اسلامی دستور اور فقہ کے سرچشموں میں قرآن، سنت، سلف سے راشدین کے دور کی روایات و فقہاء کی رائے کا شمار کیا جاسکتا ہے۔ مودودی اس بات کی تمنا کرتے ہیں کہ اسلامی مکتب س ہتہ زلزل میں انقلاب لایا جائے کہ جس کے باعث مغربی تصورات کی بنیاد پر کھڑا ہوا یہ ڈھاپہ ڈھے پڑے اور اس کی جگہ پر ایسی عمارت کھڑی کی جائے جو اسلامی آئین و دستور پر مبنی ہو اور جس کا سرچشمہ اوپر کے گن سے ہوئے چار

ماخذ ہوں۔ مودودی نے ۱۹۴۱ء میں جماعت اسلامی کی بنیاد رکھی، اس تنظیم کا لائحہ عمل انہیں خیالات کی تبلیغ اور انہیں مقاصد کا حصول ہے۔

اسلام کے لئے مودودی کی حیثیت بالکل وہی ہے جو کہ ویدک مذہب کے لئے یمانا کاؤں کی ہو سکتی ہے، مودودی کے آئین کے چار ماخذوں کا مقابلہ خستری، سمرتی، سدا چار اور براہمن دانشوروں کی آراء سے کیا جاسکتا ہے، اس طرح اسلامی فقہ کے نشوونما (تادیل، قیاس، اجتہاد اور استحسان) کا مقابلہ یمانا کے دلائل سے بڑا دل چسپ اور معلومات آفریں ثابت ہوگا۔

پاکستان کے قیام سے قبل ام، م، شریف، سی ڈی یونیورسٹی میں پروفیسر تھے، آج کل وہ لاہور کے ادارہ ثقافت اسلامیہ کے ڈائریکٹر ہیں، پاکستان کے نفسیاتی حلقوں میں پروفیسر شریف کا مقام کافی اونچا ہے شروع میں وہ تجربی تصویریت (EMPERICAL IDEALISM) کے حامل تھے لیکن کیمبرج پہنچ کر انہوں نے رسل اور مور کے خیالات سے اثر قبول کیا، آگے چل کر پروفیسر شریف نے جس نظریے کی تشکیل کی اسے جدلی مونادیت (DILECTICAL MONADISM) کا نام دیا جاسکتا ہے۔ فلسفہ نام ہے حکمت اور تجربے کے منضبط رجحان کا۔ حقیقت اور ذات معلوم دونوں کا علم ممکن ہے۔ زمان و مکان سے ماوراء حقیقیوں کا علم قیاس کے ذریعہ ممکن ہے، ہر فرد بذات خود ایک موناد ہے، چونکہ مونادات ایک دوسرے سے مربوط ہیں اور اپنے اعمال میں ایک دوسرے سے مشابہت بھی رکھتے ہیں، اس لئے ان کو جوں کہا جاتا ہے، اپنے اعمال کے ذریعہ مونادات چند مقاصد کے لئے سرگرداں ہیں اور ان مقاصد کو نڈار (VALUES) کا نام دیا جاتا ہے، اقدار کا سرچشمہ خدا کی ذات ہے جس سے کہ ہم ایمان کے ذریعہ منسلک ہیں، چنانچہ یہ پروفیسر شریف کے افکار کا خلاصہ ہے۔

ہندوستان کے مسلمان فلاسفہ آج کل یہ تو ایسے مختصر رسالے لکھنے میں مصروف ہیں جن میں اسلام کے کلیسیائی فلسفہ کی محسوس روایتی انداز میں تشریح کی جاتی ہے یا پھر وہ یورپی فلاسفہ کے افکار پر تنقید میں لکھنے پر اکتفا کرتے ہیں، ایسے مسالے نہ ہونے کے برابر ہیں کہ جن میں مغربی فلسفیوں کے افکار کا مقابلہ اسلامی

مفکروں کے ساتھ کیا گیا ہو، ہندو اور بودھی فلسفہ کے ادکار کا تقابلی مطالعہ سرے ہی سے نہیں کیا جاتا۔ تخلیقی تصانیف کا فقدان ہے، ایسے مضامین بھی بہت کم دیکھنے میں آتے ہیں کہ جن میں اسلامی فلسفہ کے مہتمم باستان مسائل کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہو، یہ صورت حال قریب قریب تمام اسلامی دنیا میں پائی جاتی ہے۔ محمد حسین الزیات لکھتے ہیں کہ موجودہ زمانے میں اسلام کے چند بنیادی نظریے بھی ایسے ہیں کہ جو ارتقا اور رد و بدل کی منزلوں سے گزر رہے ہوں، فلسفہ مذہب کے اندر بھی نشوونما کے کوئی آثار دکھائی نہیں دیتے۔^۱ موجودہ صدی میں اسلام کے بنیادی نظریوں کا نہ تو انتقادی جائزہ لیا جاتا ہے اور نہ ہی اس ضمن میں مذاکرات منعقد کئے جاتے ہیں بلکہ

ان گٹے چنے اصحاب علم میں جنہوں نے کہ اسلامی تصورات کی جدید نقطہ نظر سے تشریح کی ہے۔ حیدر آباد کے ڈاکٹر سید عبداللطیف کا نام یہ جاسکتا ہے، ان کی کتاب 'دی مائنڈ القرآن بلڈس' ایک قابل قدر تصنیف ہے جس میں انہوں نے ایک نہایت ہی سلجھا ہوا نقطہ نظر پیش کیا ہے۔ ڈاکٹر سید عبداللطیف نے ۱۹۵۶ء میں اکیڈمی آف اسلامک اسٹڈیز بنیاد رکھی، اس ادارے کے ذریعے وہ ایسے خیالات و افکار کی اشاعت و ترویج میں کوشاں ہیں کہ جن کا ماخذ قرآن اور حدیث ہے اور جن کا جائزہ عقلی، صوریوں پر لیا جانا چاہئے، وہ اس بات پر بھی زور دیتے ہیں کہ ایسی احادیث پر اعتماد نہ کیا جائے جو بے معنی تفسیروں سے مملو ہوتی ہیں، اس جہت میں کافی اچھ کام ہو رہا ہے۔

دہلی کی جامعہ ملیہ اسلامیہ نے بھی قابل قدر کام انجام دیئے ہیں، ڈاکٹر ذاکر حسین اس ادارے سے قریبی تعلق رکھتے ہیں، فلسفہ تعلیم پر گاندھی جی کے تصورات سے اثر قبول کرنے کے بعد انہوں نے بنیادی تعمیری پروگرام مرتب کیا تھا، اس پروگرام کے بے ہنگم طریقے پر نماندگی جانے والی پاپسی پر کچھ غرصہ قبل انہوں نے کڑی تنقید بھی کی تھی، ملک کی یک جہتی و تعمیری ترقی کے سلسلے میں سنی مذہب کے اس پائندہ اور صوبہ بہار کے گورنر کی حیثیتوں میں ڈاکٹر ذاکر حسین نے غیر معمولی خدمات انجام دی ہیں، وہ عوام الناس میں

۱۔ اسلام دیباچے جدید میں، ایڈیٹر ڈی، ایس فراکس واشنگٹن ۱۹۵۱ء میں دیکھے فضل الرحمن ایسی تصنیفیں

۲۔ کینتھ کراگ: اسلام اور مغرب، ایڈیٹر آرن جفری، ۱۹۵۷ء سے
The Mind of Muslim
Builders

اپنے بے انتہا خلوص، علمیت، بصیرت اور کشادہ دلی کے باعث حد درجہ مقبول ہیں، بلاشبہ وہ مشرق کے سب سے بڑے تعلیمی ماہر ہیں، بنیادی تعلیم کے تصورات کی اشاعت اور توضیح کے سلسلے میں پروفیسر کے جی سیدین کا اعتراض نہایت ضروری ہے، وزارت تعلیم کے سکریٹری کی حیثیت میں اور اپنی تصانیف کے ذریعہ سیدین نے آزاد ہندوستان کے تعلیمی مسائل کا خاطر خواہ حل ڈھونڈ ڈکالا ہے، یہ کتنی عجیب بات ہے کہ آزاد ہندوستان میں تعلیمی ڈھانچے میں رد و بدل کرنے، تعلیم کی نئے سرے سے تنظیم کرنے اور اس کے اندر سترقی جرئت و تجربے کی روح پھونکنے والے چار مسلمان اصحاب ہی ہیں، ادیب چار ماہر آزاد، ذاکر حسین، کبیر اور سیدین ہیں۔ جدید ہندوستان میں مسلمانوں کے تعلیمی فلسفوں کی تشریح و توضیح اور ان کا مناسب جائزہ بننے کے لئے ایک علیحدہ مضمون کی ضرورت ہے۔

علی گڑھ اور عثمانیہ یونیورسٹی جیسے اداروں میں اسلامی فلسفہ کی تدریس کا انتظام ہے اور اس مضمون کی حد تک ریسرچ کی سہولتیں بھی میسر کی جاتی ہیں، عثمانیہ یونیورسٹی کے ڈاکٹر میرولی الدین، تصوف کے زبردست ماہر ہیں، تاہم انہیں بلکہ اگر کسی شخص نے متصوفانہ نقطہ کا مکمل نمونہ پیش کیا ہے تو وہ ڈاکٹر سرولی الدین ہیں، ان کے بے شمار مضامین اور ان کی کتاب قرآن اور تصوف اس موضوع پر ایک قابل قدر اضافہ ہیں، موصوف کی نگرانی میں ڈاکٹر سیٹ کرنے والے طلباء کی تعداد بھی خاصی ہے، ڈاکٹر ولی الدین حایہ الدین فلاسفیکل کانگریس کے صدر بھی منتخب ہوئے ہیں اور یہ ایک ایسا اعزاز ہے کہ جس کے وہ بجا طور پر مستحق ہیں، علی گڑھ کے پروفیسر عمر الدین ایک قابل سکالر اور محقق ہیں اور ان کے رفیق کار سفر، حمد صدیقی نے بھی کافی مضامین لکھے ہیں۔

عثمانیہ یونیورسٹی کے ڈاکٹر سید وحید الدین ماربرگ (جرمنی) کے تحصیل یافتہ ہیں، موصوف ان بہترین عسکریوں میں سے ہیں کہ جن سے کچھ ملاقات کا شرف حاصل ہوا ہے، میرے خیال میں ہندوستان کے اندر بہت ہی کم صحاب ایسے ہیں گے کہ جنہیں یورپی افکار کے اصل جرمنی اور انگریزی ماخذوں پر اتنے عبور حاصل ہو گا جتنا کہ ڈاکٹر وحید الدین کو ہے۔ وہ نہایت ہی شرمیلے اور سادہ طبیعت کے انسان ہیں، چنانچہ ان کے دواں میں نہیں ہوتا، اس لئے وہ علمی صقوں میں بہت کم

متعارف ہیں، فلسفہ مذہب اور مابعد الطبیعات ان کے پسندیدہ موضوعات ہیں، ڈاکٹر عابد حسین کی تصنیف 'گاندھی جی اور نہرو کی راہیں' ان دو شخصیتوں کے فلسفوں کو بڑے موثر انداز میں پیش کرتی ہے، ڈاکٹر عابد حسین جامعہ ملیہ اسلامیہ اور علی گڑھ سے بھی فلسفہ کے رہنما ہیں۔

پروفیسر عہا یوں کبیر (پیدائش ۱۹۰۶ء) کے ذکر کو میں نے آخر کے لئے اٹھا رکھا ہے، عہا یوں کبیر ایک اور بھتل مفکر ہیں، ویسے اپنے نظریوں کو وہ مبادیات کی صورت میں پیش کرتے آئے ہیں غالباً انہیں اتنا وقت نہ مل سکا کہ ان نظریوں کو وہ منضبط طریقے پر پیش کر سکتے، پروفیسر کبیر کی تصنیفی زندگی کا آغاز کانت کے ترجمے سے ہوا تھا، اپنی تصنیف 'ہندوستانی میراث' میں انھوں نے ہندی کلچر کا بہترین تاریخی جائزہ لیا ہے۔ اس کے بعد پروفیسر کبیر نے مزید تین کتابیں شائع کیں جو ان کے خطبات اور مضامین کا انتخاب پیش کرتی ہیں، 'سائنس جہوریت اور اسلام' پروفیسر کبیر کی ایک قابل قدر تصنیف ہے۔ وہ یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ اسلام کے بنیادی مقورات سائنس اور جہوریت کے مقورات سے ہم آہنگ ہیں، اور ان کی ہمت افزائی کرتے ہیں۔

چوں کہ کبیر پرفیسر ہندوستان جدید اور دیگر عالمی مسائل سے دوچار ہیں اس لئے ان کے نزدیک سب میں زیادہ اہم فلسفیانہ مسئلہ یہ ہے کہ اس جوہر انتشار سے کیوں کر باہر نکلا جاسکتا ہے جس کے اندر دنیا آج اپنے آپ کو مبتلا پاتی ہے، سوسائٹیوں اور افراد کی ماہیت کو سمجھنے بغیر اس مقصد کا حصول ممکن نہیں، موجودہ انتشار کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ اصل میں افراد اور جماعتوں کے درمیان پایا جاتا ہے۔ دوسرے نقطوں میں یہ اقتدار اور آزادی کو ایک دوسرے سے ہم آہنگ کرنے کی سعی ناکام کا نتیجہ ہے انسان ایک سماجی وجود ہے اس لئے کہ وہ ذی عقل (RATIONAL) ہے، ذی عقل کہلانے کے معنی یہ ہیں کہ وہ انفرادی نقطہ نظر سے بالاتر ہو جائے، انتشار کی اقتصادی اور سیاسی توجہات کو محض سادہ تفہیمیں کہنا چاہئے جو، انسانی عقلیت کو مبالغہ آمیز انداز میں پیش کرتی ہیں اور جن کا مقصد یہ ہے کہ

۱۔ ہندی فلسفہ کے معاصر مذاہب (۱۹۵۲ء) صفحہ ۳۵۷-۳۵۸

یہ مضمون پروفیسر کبیر کی کتاب 'سائنس و نیوکریسی اور اسلام' میں بھی شامل ہے (ص ۶۰-۸۰)

انسان منظم طریقہ پر کام کرنے کا عادی ہے، حالانکہ یہ اصل واقعہ نہیں کیوں کہ انسان اپنے اندر غیر عقلی عناصر بھی رکھتا ہے، واضح رہے کہ اس طرح کی تشریح کے ذریعہ ہم کو انسانی عمل کے کسی مخصوص جبلتی نظریہ تک نہیں پہنچ چاہئے کیوں کہ اس کے معنی یہ ہوں گے کہ دوسری توضیحات کے ناکام ہونے پر ایک مخصوص انسانی فضل کی توجیہ کے لئے ہم کسی خاص جبلت کو تسلیم کر رہے ہیں۔

پروفیسر کبیر کا خیال ہے کہ آزادی اور اقتدار کے باہمی تضادم کے نتیجے کے طور پر سماجی مظاہر، بے استقلال کی کیفیت سے دوچار ہوتے رہتے ہیں اور اس بے استقلی کو بڑھاوا محض سماجی نظام اور سماجی مواد (COVTEUL) کے درمیان عدم مطابقت کی وجہ سے ملتا رہتا ہے، تمام سماجی تبدیلیوں کا بھی یہی باعث ہے، ایک روشن خیال پالیسی کا مقصد ایسے حالات پیدا کرنا ہے کہ جس کے تحت سماجی حیات کے تسلسل کو پر تشدد مظاہروں کی ضرورت محسوس کئے بغیر تبدیلیاں لائی جاسکیں۔

انسان کو سماجی وجود تسلیم کرنے کے باوجود پروفیسر کبیر اس بات پر زور دیتے ہیں کہ انسان ابدیت کے راستہ کا تنہا مسافر بھی ہے۔ فرد کی حیثیت ایک UNIQUE UNIVERSAL کی ہے اور اس کی UNIQUENESS کی تشکیل تخیل کے نفوذ کی وجہ سے ہوتی ہے، جب تک کہ ہم تخیل، فنی شعور اور اخلاق کا تنقیدی نقطہ نظر سے جائزہ نہیں لیتے، اس وقت تک فرد کو سمجھ محال ہے، اس طرح کے علم کے بغیر سوسائٹیوں کی نیچر اور موجودہ مسائل کو سمجھنے میں ہمیں کامیابی نہیں ہو سکتی۔ اسی وقت تخیل کے ذریعہ ایک مکمل سماج کی تعمیر کرتا، متوازن طریقے پر اس کے امکانات کا جائزہ لینا، موجودہ سماجی انواع کی تنقید کرنا (تاکہ ان کے ذریعہ عمل کا ایک ایسا پروگرام مرتب کیا جاسکے جو تبدیلیوں کی روشنی میں تدریجی طور پر سماج کی تشکیل کر سکے) آج کے فلسفہ کا اہم عمل ہونا چاہئے۔ اگلے تین مضامین میں پروفیسر کبیر نے ویلفیر اسٹیٹ (WELFARE STATE) انسانی حقوق، جمہوریت کے مفہوم کو متعین کرنے کی کوشش کی ہے۔

۱۔ ہندی فلسفہ کے محققین (۱۹۵۲ء) (ص ۳۶) ۲۔ ایضاً ص ۳۶۷۔

۳۔ ایضاً ص ۳۶۳ ۴۔ ایضاً ص ۳۷۱ ۵۔ ایضاً ص ۳۷۵۔

اور پر کے مباحث سے یہ صاف روشن ہے کہ پروفیسر مہاریں کبیر سماجی فلسفہ کا ایک منضبط خاکہ پیش کرنا چاہتے ہیں، ان تصورات کو اگر مزید نشوونما کا موقع ملے تو بلاشبہ یہ جدید ہندوستان کا ایک عظیم سماجی فلسفہ ہوگا۔ پروفیسر کبیر کے خیالات کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ ان کی فکر پر افلاطون، کانٹ اور دائٹ ہیڈ کا بہت زیادہ اثر ہے، ان کے تعلیمی فلسفہ پر دائٹ ہیڈ کا اثر بہت زیادہ نمایاں ہے۔

سماجی اور سیاسی افکار کے میدان میں اسے، ایس، ایوب نے قابل قدر اضافے کئے ہیں۔ ان کی مارکسی انتقادیات، ذہنوں کو اگسانے والی چیز ہے۔

عرب مسلمان پہلی صدی ہجری میں ہندوستان میں ساحل ملیازنک پہنچ چکے تھے، تجارتی روابط کو، انھوں نے اس قدر توسیع دی کہ ساتویں صدی عیسوی کے آخر تک جنوبی ہند میں وہ اپنی نوآبادیاں قائم کر چکے تھے، سترہویں صدی میں وہ قاتخوں کی حیثیت میں سندھ میں داخل ہوئے، افغان ترک اور مغل مسلمانوں نے ہندوستان میں غیر معمولی فتوحات حاصل کیں اور یہاں پر وہ حاکموں کی حیثیت میں آباد ہوئے جس طرح کہ ویدک آریائی، پارٹھین، سیٹھین اور ہن ابتدائی زمانوں میں یہاں آکر آباد ہوئے تھے، مسلمانوں کو ہندوستان میں رہتے ہوئے تیرہ سو برس کا عرصہ ہوتا ہے، محض چند افراد کے سوا دور متوسط اور آج کل کے مسلمان یہی سمجھتے ہیں کہ اسلامی نظام اپنی مکمل حالت کو پہنچ چکا ہے۔ یہ کہ بہت عرصہ قبل تمام مسائل کا حل دریافت کیا جا چکا ہے۔ قرآن میں ہر سوال کا جواب موجود ہے،

یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت اپنے پڑوسیوں کے کلچر کے ساتھ سرمدہری برتنی ہے اور ان کے عظیم مفکروں کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتی، ہمارے ہندوستانی مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ ہندو فلسفہ کے قتل سے ابیردنی، ابوالفضل اور فیضی کی طرح ادویونی فلسفہ کے تعلق سے عظیم عرب فلسفیوں کی طرح اپنے پڑوسیوں کے کلاسیکی اور جدید فکری سرمایہ اور یورپی فلسفہ کی طرف توجہ دیں،

یہاں پر اس امر کا اظہار نہایت ضروری ہے کہ ہمارے ہندو حضرات بھی اسلامی افکار سے سرمدہری برتنے ہیں، اور کبھی اسلامی مفکر دور کے خیالات سے متفق ہونے کی کوشش نہیں کرتے، ایسے ہندو مفکر بہت ہی کم ہیں گے جنہوں نے اسلامی فلسفہ کا مطالعہ اس کے ذیلی، خدوں کی حد تک ہی کیا ہوگا (باقی صفحہ پر)

ہندو جیسے مسائل اور عالمی مسائل سے اغماض نہ برتیں، ان کو چاہئے کہ عظیم اسلامی میراث اور اس کی روایات کے حامل ہوتے ہوئے بھی اپنے افکار کا نئے سرے سے جائزہ لینے کے لئے تیار رہیں، ہندوستانی جمہوری دستور نے قدامت پسند طاقتوں اور نام نہاد علماء کی لادہ لائی پالیسیوں اور خیالات کی عدم موجودگی نے، جدید دنیا کی دیگر مسلم جماعتوں کے مقابلے میں ہندوستانی مسلمانوں کو غیر معمولی اہمیت کا حامل بنادیا ہے، ان کا ايقان زیادہ طاقتور، زیادہ صحیح اور ترقی پسند اصولوں پر مبنی ہے، اور یہ خصوصیت دوسری جگہوں کے مسلمانوں میں شاید ہی پائی جاتی ہوگی۔ لہٰذا پروفیسر اسمتھ کہتے ہیں کہ دنیا کے اسلام میں بشمول ترکی کے کہیں پر بھی ایک مسلمان کو اتنی آزادی نصیب نہیں ہے جتنی کہ ہندوستان میں، یہاں پر وہ ایمان داری اور خلوص کے ساتھ فہمی مسائل پر اپنے ذہن کو مرکوز کر سکتا ہے، بڑھ کر گفتگو کر سکتا ہے، اس کو اپنے افکار کی اشاعت و ترویج کی آزادی بھی میسر ہے۔ چنانچہ اس آزادی اور ان مواقع کے نتائج کا دنیا کو انتہا ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۷) ہندو اور مسلم معرکوں کا ایک دوسرے سے نباؤ اور خیال، ان کے فلسفوں کو سمجھنے کی باہمی کوشش فلسفیانہ فکر کے لئے ایک نیا ماحول پیدا کر سکتی ہے، اس سے ایک بڑا مقصد یہ حاصل ہوگا کہ ہم اپنی غیر فہمی جہودی روایات کو مضبوط کر سکیں گے اور ایک آزاد خیال نقطہ نظر کے لئے مناسب فضا ہموار ہو جائے گی۔ کیتی شرم کی بات ہے کہ ہندوؤں کے درمیان ابیرہنی، ابراہمفل اور دارا سکھ جیسی بیک بھی مشاں نہیں ملتی، بڑا مبارک ہوگا وہ دن جبکہ ہمارے ہندو حضرات عربی اور فارسی زبانوں کی تفصیل کریں گے۔ ابن سبنا اور الفزالی کو ان کے اہل ماخذوں کے ذریعہ سمجھنے کی کوشش کریں گے۔ لہٰذا اسمتھ ایضاً ص ۳۵۸ لے اسی تصنیف میں ص ۲۸۹

ہندوستان میں اسلام

اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغمبر کی صداقت کو سمجھنے کے لئے اپنے انداز کی یہ بالکل جدید کتاب ہے جو خاص طور پر غیر مسلم یورپین اور انگریزی تعلیم یافتہ اصحاب کے لئے لکھی گئی ہے، جدید ڈیزائن، قیمت ایک روپیہ

لے کا پتہ :- مکتبہ بڑھان اردو بازار حیدر آباد دہلی

قسط سیزدہم^{۱۳}

تیمبرکاسیاسی اور سماجی ماحول

جناب ڈاکٹر محمد عمر صاحب، استاذ جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی
گزشتہ سے پیوستہ

مصحف آرسی کی رسم

دکھا مصحف اور آرسی کو نکال ۶ دھرا تیچ میں سر پر آنچل کو ڈال ۷

اب دہن کے گھر کا منظر ملاحظہ ہو

ادھر کا تو یہ رنگ تھا اور یہ راگ ۶ محل میں ادھر گھڑیاں اور سہاگ
وہ گہر سی شادی بارک وہ ڈھول ۶ وہ ٹوٹے سلونے وہ میٹھے سے بول
اُترنے کی داں سمدھنوں کی پھین ۶ کھلیں پھول جیسے چن در چن
گلوں میں پھانا وہ ہنس ہنس کے ہر ۶ شاسٹ وہ پھولوں کے چھڑیوں کی مار
دکھانا وہ بن بن کے اپنا بناؤ ۶ وہ آپس کی رسمیں وہ آپس کے چاؤ
قہا تے ہنسی شور و غل ۶ ایساں ۶ سہنی سہانی نئی گایاں ۷

۱۔ برائے تفصیل مجموعہ ثنویات میر حسن دہلوی۔ ص ۱۲۶ ۲۔ گھوڑیاں ایک قسم کا گیت جو عورتیں شادی و بیاہ کے
موقع پر گاتی ہیں۔ ۳۔ ٹوٹے سلونے ایک قسم کے گیت جو مراسم شادی میں گاتی ہیں اور وہ فحش بھی ہوتے ہیں۔
۴۔ قہقہے ۵۔ مجموعہ ثنویات میر حسن دہلوی۔ ص ۱۲۵

دولہن کا لباس وغیرہ

عروسی وہ گہنا وہ سونا لباس : وہ ہندی سولہنی وہ پھولوں کی باس
 ملا سرخ جوڑے پہ عطر وہ سہاگ : کھلے بل کے آپس میں دونوں کے بھاگ

رخصتی کے وقت دولہا یا دولہن کا بڑا بھائی دلہن کو اپنی گود میں اٹھا کر چند دل پر سوار کرتا اور دولہا گھوڑے پر سوار ہو کر روانہ ہوتا، اس کی سواری کے پیچھے پیچھے وہ چند دل ہوتا جس پر دولہن سوار کی جاتی تھی، دولہا کے گھر والے اس چند دل پر بطور پتھر در روپے پیسے پھینکتے اور بڑی شان و شوکت سے برات واپس آتی۔ بعد ازیں شب عروسی کے بعد دولہا کے گھر ولیمہ کا کھانا ہوتا، اس ضیافت میں اہل ثروت دل کھول کر خرچ کرتے تھے، اپنے لڑکوں کی شادی کے موقع پر مہابت جنگ نے بہت لذت اور قیمتی کھانے پچوائے اور ایک ضیافت کا سلسلہ ایک ماہ تک چلتا رہا۔ ایک توروہ کی لاگت پچیس روپے تھی اور اسی طرح کے ہزاروں توروے تقسیم کئے گئے تھے یہ شادی کی رسموں میں آخری رسم چوتھی کی ہوتی تھی، اس دن دولہن کو سسرال سے پہلی بار میکے لایا جاتا تھا۔

مختصر یہ کہ اس دور میں اپنے جاہ وصال کی نمائش کے لئے امراء بہت نفول خرچ کرتے تھے۔ مثلاً شجاع الدولہ کی شادی میں ساٹھ لاکھ روپے صرف کئے گئے تھے یہ آصف الدولہ نے اپنے متبنی وزیر علی خاں کی شادی میں پچاس لاکھ روپے خرچ کئے تھے۔ اس کا اثر یہ تھا کہ متوسط اور نچلے طبقے کے لوگ بھی اسراف کی وجہ سے مقروض ہو جاتے تھے۔

لباس (۱) مردانہ

(الف) بادشاہ اور امراء کے لباس : اس دور میں طبقہ امراء اور اشراف اپنے لباس میں بہت

لے موہار۔ سرخ۔ لے مجموعہ ثنویات میر حسن دہلوی۔ ص ۱۲۶ لے مجموعہ ثنویات میر حسن دہلوی۔

ص ۱۲۸، ۱۲۹۔ لے موہ دار بگال۔ لے سیر المتاخرین (فارسی) حصہ دوم ص ۵۵۲۔ برائے طعام

ولیمہ لہ خطہ ہو۔ مشوی میر عبد الجلیل بگرامی (قلمی) ص ۲۰ (الف دب) لے مجموعہ ثنویات میر حسن دہلوی ص ۱۲۸

لے تاریخ مظفری (قلمی) حصہ دوم۔ ص ۲۸ ب لے واقعات مظفری (اردو ترجمہ) ص ۸۸۔

اہتمام کرتے تھے، عام طور سے ریشم، مخمل اور کم خواب استعمال ہوتا تھا، اکبر بادشاہ کے عہد میں شاہانہ لباسوں میں یہ تمام تاریخوں میں ملتے ہیں، مٹکوچہ، پیشواز، دوتاہی، شاہ اجیدہ، سوزنی، قلبی، قبا، گدڑ۔ فرجی، فرگل، چکن، شلوار، ان میں سے ہر ایک جامہ مختلف شکل کا ہوتا تھا، علاوہ ازیں رومال، دستار، تہمد اور دوپٹہ وغیرہ بھی لباس میں شامل تھے۔ شاہ جہاں بادشاہ کے عہد تک یہی لباس استعمال ہوتے تھے، فرق صرف اتنا تھا کہ اُس کے لباس بہت قیمتی اور بھرپور کیلے ہوتے تھے اور رنگ زیب اپنے مذہبی عقائد کی وجہ سے بھرپور کیلے نہیں پہنتا تھا۔ ایک سادی پگڑی، اور کمر بند (دوپٹہ) اس کا معمولی لباس تھا اور کندھے پر ایک معمولی کشمیری شال ڈال دیتا تھا۔ شاہ جہاں اور اورنگ زیب نے موزوں اور دستانوں کا استعمال بھی ترک کر دیا تھا۔

مگر اٹھارہویں صدی میں شاہان مغلیہ نے پھر فضول خرچی اور عیاشی سے لباس میں بہت تکلف شروع کر دیا تھا۔ اس زمانے کے بادشاہوں کے لباس میں چیرہ یا دستار، جامہ، کمر بند، لگیگھیا، اور جوتے شامل تھے۔ یہ لباس بہت رنگین اور پُر تکلف ہوتے تھے، اُن کے آستینوں پر سنہری کام ہوتا تھا۔

محمد شاہ بادشاہ کو زمانہ لباس زیب تن کرنے کا بہت شوق تھا، وہ زنانی پیشواز اور چوتیا پہنا کرتا تھا۔ شاہی خاندان کے شہزادے بھی یہی لباس پہنتے تھے، یعنی پیراہن، پانجامہ، پگڑی اور جامہ۔ مگر اٹھارہویں صدی کے نصف آخر کے بادشاہ اور شہزادے اپنے آباد اجداد کی طرح بہت

۱۔ ان لباسوں کی بناوٹ وضع قطع اور اُن کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، آئین اکبری (اردو ترجمہ) ج ۱، ص ۱۶۹ تا ۱۷۲

۲۔ SOCIETY AND CULTURE IN MUGHAL AGE P. 4

۳۔ نوچی - ۳۵ - تصویر نمبر ۱۳ - نیز برنیر - ص ۹۸ - مگہ برنیر - ۹۸ - مگہ خزانہ عامرہ - ص ۳۵۵ تا ۳۵۷

نیز منوی میر عبد المجلیل واسطی یگرا می - حدیقۃ الاقالیم - ص ۴۴ - مجمع الاخبار (دہلی) ص ۴۵۳ (الف)

۴۔ خزانہ عامرہ - ص ۳۵۵ -

۵۔ تاریخ شاہ گرجانی (دہلی) ص ۷۶ -

قیمتی اور بھڑکیلے لباس نہیں پہن سکتے تھے کیوں کہ ان کی اقتصادی زیوں حالی اس بات کی اجازت نہ دیتی تھی۔

امراء کا لباس | مغل امراء اپنی طرز معاشرت میں بادشاہوں کے نقش قدم پر تھے، ٹیوننگ، اودھ کے نواب آصف الدولہ کے بھڑکیلے اور قیمتی لباس کو دیکھ کر بہت متاثر ہوا تھا، کلاہ کے ساتھ نواب سر پر گڑی باندھے ہوئے تھا اور کاندھے پر شال پڑی تھی، پیر میں جڑاؤ جوتی تھی بلکہ قبا۔ پانچامہ اور جامہ بھی امراء پہنتے تھے۔ اندرام مخلص نے لکھا ہے کہ جاڑے کے موسم میں امراء نیم آستین کا استعمال کرتے تھے جس کے کار پر لومڑی کی کھاں مع بالوں کے لگی ہوتی تھی جیسے اہل ثروت سنہری کام کی جڑاؤ جوتیاں پہنتے تھے، عام جوتیوں سے ان کا وزن بہت کم ہوتا تھا، اور اس وجہ سے صرف قالینوں پر چلنے کے کام آسکتی تھیں۔ ایک امیر کا پورا لباس، جامہ، اختی، دستار، کمر بند پر مشتمل تھا۔

عوام کا لباس | ڈیرا دیلا پیٹرو کے بیان سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عوام صاف ستھرے کپڑے پہنتے تھے لیکن اٹھارھویں صدی میں اقتصادی بد حالی کی وجہ سے ان کے لباس میں بڑی تبدیلی واقع ہو گئی تھی۔ اس زمانے کے عوام کا لباس بہت سادہ ہوتا تھا، ٹیوننگ دہلی کے باشندوں کے لباس کا بہت چھا نقشہ پیش کرتا ہے۔

”زیادہ تر لوگ ٹخنوں سے ذرا نیچے تک ایک لمبا سفید لباس پہنے ہوئے اور ایک سبوتی

سہ شاہ عام ثانی کا لڑکا، وردن عہد اکبر ثانی پانچامہ کی بجائے جاتگھیا، کمر بند کی جگہ گھی، سر پر ایک اونٹنی ہڈی، اور کلہ کے مانند، یک ٹوپی اور کندھوں پر ایک شال ڈال کر مانتھا، شہزادوں کے لباس اور زیورات کیسے ملاحظہ

ہو، مجموعہ مشنویات میر حسن دہلوی - ص ۳۶

سے اس سلسلے میں میر کا بیان ملاحظہ ہو۔ برنیر - ص ۲۲۴۔

۳ سے TRAVELS IN INDIA : TWINNING P. 167

۴ سے TRAVELS IN INDIA : TWINNING P. 278 سے مرآۃ الاصطلاح (قلمی) ص ۱۸۸ (الف)

۵ سے TRAVELS IN INDIA - TWINNING = P. 231 سے حلیۃ القایم - ص ۲۲ - ۲۵

۶ سے برائے تفصیل ملاحظہ ہو۔ ڈیلا دیلا پیٹرو - ج ۱ دل - ص ۲۳ - ۲۴

مکر بند باندھے ہوئے تھے، بہت سے لوگ روٹی کے کپڑے بھی پہنے ہوئے تھے کیوں کہ سردی کا موسم آپہنچا تھا، حالاں کہ لوگوں کے لباس اور کپڑی کا رنگ عام طور سے سفید تھا، کچھ لوگ رنگ برنگ اور طرح طرح کی پھینٹ بھی لباس کے لئے استعمال کرتے تھے ایسے نیمہ، کرتہ، تبا بھی اس دور میں عوام کا لباس تھا، یہ بدھیوں سے باندھا جاتا تھا، یہ بدھیاں ہندوستان میں دائیں طرف باندھی جاتی تھیں۔ جاڑوں میں مرزائی پہنی جاتی تھی ایسے جیسا کہ ہمیں معلوم ہے مسلمان عام طور پر نوکری کرتے اور سپاہی پیشہ ہوتے تھے اور علاوہ ازیں اٹھارہویں صدی میں نظام سلطنت کے درہم برہم ہو جانے کی وجہ سے ہر وقت جان و مال کا خطرہ رہتا تھا۔ جیسا کہ سودا نے لکھا ہے:

بزم میں شب ہر ایک پیر و جواں : بیٹھے ہیں کر کے رزم کا سامان^۱
یونگ نے دہلی کے لوگوں کو عام طور پر ہتھیار لے کر باہر نکلنے دیکھا تھا، اور وہ لکھتا ہے کہ یہی فوجی منظر شمالی ہندوستان کے دوسرے شہروں میں بھی دیکھنے میں آتا ہے۔ یہ رومال کا استعمال بہت عام تھا۔^۲

مسلمان اپنے لباس کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے، انند رام مخلص نے ایک مسلمان کا حلیہ اس طرح پیش کیا ہے:

”کپڑے ایسے تنگ اور بدن سے چپکے ہوئے کہ کمر چین سینے کے قریب تک چڑھ جاتی تھی اُس پر ایک ایک بیچ کا چیرہ۔ مکر بند اتنا طویل کہ پیٹے پیٹے بغل تک پہنچتا ہے، اس میں

^۱ TRAVELS IN INDIA - TWINNIG P. 241 مکتات الشعراء - ص ۶

تذکرہ غرارِ ابراہیم (ق) ص ۱۶۴ (الف) - کارنامہ عشق (ظلی) ص ۱۱ (الف)

^۲ کلیات سودا (نول کشور) ص ۳۸۰ - میر نے بھی اس طرف اشارہ کیا ہے۔

پاؤں پر سے اپنے میرا سر اٹھانے مت جھکو : تیغ باندھی ہے ہاں تم نے کمر میں خوش غلاف

^۳ TRAVELS IN INDIA - TWINNIG P. 242

^۴ کلیات سودا - ص ۱۶۴ - کلیات انشا - ص ۴۶

حکیم خانی کٹارا۔ وہ بھی اتنا مہیا کہ اس کی نوک ٹھوڑی سے جا ملے، ہاتھ میں سادہ رنگین یا منقوش چھڑی بھی ہوتی تھی، نادر شاہ کے حملے کے بعد ایرانیوں کی تقلید میں "چوب مختصر" بشکل چمپاق " (ڈنڈا) جس کا سر اچوگان کی طرح خمدار ہوتا تھا، عوام و خواص سب کے ہاتھ میں نظر آنے لگی، اس زمانے میں یہ "کھنڈی" کے نام سے مشہور تھی، اس کی تزیین میں بھی رنگ کافی نفاست برتتے اور اس پر بہت روپیہ صرف کرتے تھے، چنانچہ دولت مندوں کی "کھنڈی" سونے چاندی سے لدی ہوتی تھی۔ ۱۷

میر جس لباس میں لکھنؤ پہنچے تھے، اُس لباس سے دہلی والوں کا صیہ سانس آ جاتا ہے۔

اُن کی وضع قدیمانہ، کھرکی دار گپڑی، پچاس گز کے گھیر کا جامہ ایک پورا تھان پستولے کا کر سے بندھا ایک رومال پٹری دار تہ کیا ہوا۔ اس میں آویزاں مشرور کا پا جامہ، جس کی عرض کے پانچے، ناگ پھنی کی انی دار جوتی، جس کی ڈیڑھ بالشت اونچی نوک، کمر میں ایک طرف سیف یعنی سیدھی "نوار"، دوسری طرف کٹارا، ہاتھ میں جریب۔ ۱۸

سپاہیوں کا لباس | سپاہیوں کا لباس۔ انگرکھا، سفید پا جامہ اور ایک اونچی ٹوپی (کلاہ) تھا، وہ جبتہ بھی پہنتے تھے۔ ۱۹

میر کے ذیل کے اشعار میں اسی زمانے کے مردانے لباس پر روشنی پڑتی ہے، ملاحظہ ہوں :-

شال | سرد مہری کی بسک گھردنے : ادرھی ابر بہار نے شال

رومال | دیدہ تر پہ شب رکھا تھا میر : لکڑ ابر ہے میرا رومال

جب رونے بیٹھا ہوں تب کیا کسر رہے ہے : رومال دو دو دن تک جوں، برتر رہے ہے

میر یہ کیا رونا ہے جس سے آنکھوں پر رومال کھا : دامن کے ہر پاٹ کو اپنے گریہ دزاری سے دریا کیا

جامہ | کیا تجھ کو بھی جنوں تھا کہ جامے میں تیرے میر : سب کچھ بچا ہے ایک گریبان ہی نہیں

۱۷ مرآۃ الاسطلاح - سفر نامہ اندرام مختصر - ص ۱۹

۱۸ آپ حیات (لکھنؤ ایڈیشن) ص ۲۵۱ ۱۹ نالہ عنذیب - ص ۴۱۱

آلودہ کرنے مستی سے جامہ کو جسم کے ہتھیار رہ یہ عاریتی ہے لباس پاس
کیا لطف تن چھپا ہے مرے تنگ پوش کا اگلا پڑے ہے جامے سے اس کا بدن تمام
پگڑی یا دستار

یار کے بالوں کا بندھنا تھر ہے پگڑی کے ساٹھ ایک عالم دوستان اس بیچ میں مارا گیا
اگلے کیا بیچ تمہارے نہ تھے بس عاشق کو بال جو ادھر گھرنے لگے دستار کے بیچ
کیوں سر چڑھے ہے ناحق ہم سخت سیاہوں کے مت بیچ میں پگڑی کے بالوں کو گھرس ظالم
قبا سو عقدے فرط شوق سے پیش آئے دل کو یا داں بند اس قبا کے نہیں ہوتے وا ہنوز
گل پیرہن نہ چاک کریں کیوں کہ زک سے کس مرتبے میں شوخ ہے اس کی قبا کا رنگ
کلاہ سر گل نے اٹھایا تھا اس باغ میں سودیکھا کیا ناز سے یاں کوئی کج کر کے کلمہ بیٹھے

لباس (۲) زمانہ

اٹھارہویں صدی کی عورتیں سر کو دوپٹہ یا ادڑھنی سے ڈھکا کرتی تھیں مگر متول اور شاہی
گھرانے کی عورتیں ٹوپی بھی پہنا کرتی تھیں جسے جسم کے درمیانی حصے کے لئے کرتی، چوٹی، اگلیا یا سینہ بند ہوتا تھا
اس کے ساتھ پشتواز، جو مردوں کے جامہ کی طرح ہوتا تھا، بس یہ فرق تھا کہ یہ رنگین ٹل کا ہوتا تھا اور
ٹخنوں کے نیچے تک پہنا جاتا تھا، اس کے دونوں پلوں کو جگہ جگہ پر ڈوریوں سے باندھ دیا جاتا تھا۔
شراف اور امراء کی عورتیں قبا بھی پہنتی تھیں، منوچی نے لکھا ہے کہ یہ مردیوں کا لباس تھا۔

۱۷ سترھویں صدی کی عورتوں کے لباس کے لئے ملاحظہ ہو۔ ڈیلا ویلا پیٹرو۔ ج ۱۔ ص ۲۲-۲۶، اٹھارھویں صدی کی
عورتوں کے لباس کے لئے، مثنوی سحر ابیان، (زل کشور کشند) ص ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱

قبائے سامنے کے دوڑوں پلوؤں کو قیمتی اور بیش بہا پتھروں کے ٹمنوں سے جوڑا جاتا تھا، نیمہ یا نیم آستین جاکٹ کی شکل کا لباس ہوتا تھا، اور جسم کے درمیانی حصے میں پہنا جاتا تھا، غالباً اس کی شکل موجودہ زمانے کے بلوز کی سی ہوگی۔ عورتوں کی شلواریں اور پانچوائے مردوں کی طرح ہوتے تھے لیکن ان کی نسبت زیادہ رنگین اور قدرے مختلف ہوتے تھے، منوچی کے بیان سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان عورتیں ساڑھی بھی پہننے لگی تھیں، دریا کے لطافت اور دیوانِ فائز میں بھی ایسے اشارے ملتے ہیں کہ اس زمانے میں مسلمان عورتیں بھی ساڑھی پہننے لگی تھیں۔ لہنگا خاویا میں اور نچلے طبقے کی عورتیں پہنا کرتی تھیں۔

پردے کی بہت سخت پابندی تھی، صرف اہلِ حرفہ اور نچلے طبقے کی مستورات پردہ نہیں کرتی تھیں ورنہ مسلمانوں کے تمام طبقوں میں پردہ بہت سختی سے رائج تھا، اور اس کا اثر بعض ہندو خاندانوں نے بھی قبول کر لیا تھا، عورتیں گھروں سے باہر بہت کم نکلتی تھیں، اگر باہر نکلتی تو سارے استطاعت برقع، درکم، قدرت کی عورتیں چادر استعمال کرتی تھیں۔

پاپوش یا جوتی عورتوں کے پیروں کا لباس ہوتا تھا۔ ہندوستان کی مسلمان عورتیں دستانے یا موزے کا استعمال نہیں کرتی تھیں، عورتوں کی جوتیاں بہت خوبصورت اور منقش ہوتی تھیں۔ جوتیوں کی تعریف میر حسن دہلوی نے یوں کی ہے:-

مغرق جواہر سے اک جفت کفش : نہ وہ مفت پابلکہ مفت کفش

کبھی کبھی بادشاہِ وقت کی اجازت سے شہزادیاں سر پر گڑیاں بھی باندھ لیا کرتی تھیں، لیکن

۱۔ مجموعہ مشنویات میر حسن دہلوی۔

۲۔ وہ پانچوائے کا ایڑی تک ڈھلکا : مغرق کفش کا چلتے چمکنا۔ ص ۵۶

۳۔ مغرق زری کا وہ شلواری بند : ثریا سے تابندگی میں دوچند۔ ص ۶۸

۴۔ منوچی۔ ج ۲۔ ص ۳۴۱ : دریا کے لطافت (فارسی) ص ۱۳۸، دیوانِ فائز۔ ص ۲۰۲

۵۔ شہزادی سحرالبیان (نول کشور) ص ۱۶۸، نیز ملاحظہ ہو قانونِ اسلام (انگریزی) ص ۷۷

۶۔ آئینِ اکبری (اُردو ترجمہ) ج ۲۔ ص ۲۸۳ : برائے تفصیل۔ قانونِ اسلام۔ ص ۷۷ : شہزادی سحرالبیان

صرف کسی جشن کے موقع پر یہ خادائیں اور کینز سر پر پگڑی اور مکر پر پٹکا باندھنی تھیں یہ عورتیں ہوسوں کے الفاظ سے رنگین لباس زیب تن کرتی تھیں، بسنت کے زمانے میں زرد رنگ کے کپڑے ہوتے تھے یہ چنانچہ میر نے کہا ہے :-

بسنتی قبا پر تری مرگیا ہے : کفن میر کو دیجو زعفرانی
رقاص زمانے لباس پہن کر محفلِ رقص و سرود میں اپنے کرتب دکھاتے تھے، یعنی دوپٹہ، چولہا، انگرکھا، شلوار اور مفرق اور مزین جوتیاں بگھ

اٹھا رہیں عسری کے خوبصورت اور حسین لونڈے زمانہ لباسوں کی طرف مائل نظر آتے ہیں سودا کے ایک لونڈے کی اپنے والد سے خواہش کا یوں ذکر کیا ہے :

موٹے چامے سے مجھ کو ذوق نہیں : چھوٹے چیرے کا دس کو شوق نہیں
پٹکا گاڑتے کب تک باندھوں : موٹی شلوار تاکجا پہروں
جوتی چمڑے کی مجھ کو نہیں بھاتی : سوکھ کر پاؤں میں نہیں آتی
نیمہ تن زیب کا بسنا دو تم : کئی محمودیاں دلا دو تم
تو میں جامہ بھی اس کا بٹواؤں : ادبچی چولہا کا تنگ سلواؤں
پٹکا بل دار تین تھان کا ہو : تب کمر پتلی میری ہو جون ہو
چیرا میں تیس گز کا باندھوں گا : سرخ ہی باندھوں گا پہروں گا
ایک توڑا بھی دے تو منگوا کر : پر کسارے میں اس کے سوا کر
اور کم خواب ایک ہو پڑو : پھولے گلزار جس سے مانگوں پر
جفت پاروش یک تہ دار : سرخ ہنات کا نقش کار ہے

۱۔ منوچی۔ ج ۲۔ ص ۳۳۔ سے دیوں معنی (نئی ج ۶ ص ۵۴ ب نیز مثنوی بحر البیان

ص ۳۴ سے کعب بن زید۔ ص ۶۶ سے دیباچہ گفت (فارسی) ص ۵۳-۵۴

۵۔ کلیات سودا۔ ص ۱۹۷ تا ۱۹۸۔

اسی زمانے میں گھاگھرا پہنے کا بھی رواج ہو چلا تھا۔

مستورات کے لباس کے سلسلے میں تیر کے ذیل کے اشعار ملاحظہ ہوں :-

دوپٹہ | جلوہ باہر تنک بھول گیا : اُن نے سوتے میں دوپٹے سے جو مُنہ کو ڈھانکا
چولی | چولی جہاں مسکی پھر آنکھیں وہیں چکیں : جب پیرہن گل بھی اس چول سے چس جائے
گوندھ کے گویا پتی گل کی وہ ترکیب بنائی : رنگ بدن کاتب دیکھو جب چولی بھگے پسینے میں
مونڈھے چلے ہیں چولی چس ہے مہر کی پھنسی ہر بند : اس اوباش نے پہنائے کی ایسی زالی نکالی طرح
تنک چولی سو جگہ سے کسماتے ہی چلی : تنک درزی سے کبھی ملتا نہیں وہ تنک پوش
برقع | یہ چاند کے ٹے کڑے چھپتے نہیں چھپائے : ہر چہ پانے منہ کو برقع میں تم چھپاؤ
کاش کہ برقع رہے اس رخ پر تیر : مُنہ کھلے اُس کے چھپا جاتا ہے جی
سمر کا ہے جب وہ برقع تب آپے گئے ہیں : مُنہ کھولنے سے اس کے اب جی چھپا کرے ہی
پردے کے شعل تیر کے شعر ملاحظہ ہوں :

کوئی بیگانہ گر نہیں موجود : مُنہ چھپانا یہ کیا ہے پھر ہم سے
وجہ پردے کی پر چھپے درند : مئے اس کے کسو جو محرم سے
ہم سے تکلف اُس کا چھ جائے بردی : کل راہ میں ملا تھا سو مُنہ ڈھانپ کر چلا
عورتوں کے زیورات و جواہرات | ہندوستانی عورتیں ہمیشہ سے مختلف بیش بہا سونے اور چاندی کے
زیورات سے سنگا کرتی چلی آرہی ہیں۔ برافضل نے عہد اکبری کے ۳۷ زیورات کا ذکر کیا ہے۔
جہانگیر بادشاہ کے عہد میں ایک زیور ”جہانگیری“ کے نام سے ایجاد ہوا۔^۱ اٹھارہویں صدی میں

۱۔ برائے تفصیل ملاحظہ ہو: THE COSTUMES AND TEXTILES OF INDIA P.P. 37-38

۲۔ برائے تفصیل ملاحظہ ہو: رنیز، ص ۲۲۲، منوچی، ج ۳، ص ۴۰، اودنگٹن، ص ۳۲۰ - آئین اکبری (اردو ترجمہ)

۳۔ ج ۲، ص ۲۸۳ تا ۳۸۶ - برائے تفصیل، آئین اکبری (اردو ترجمہ) ج ۲، ص ۲۸۲-۲۸۶

۴۔ برائے تفصیل P ۲۵ INDIAN JEWELLERY ORNAMENTS ETC

اکیتیا غزل

☆ جناب قہر مہر دہادی ☆

نئے الم کی ضرورت ہے ہر خوشی کے لئے
جنوں طراز زمانہ نہیں کسی کے لئے
نسیم صبح پیاہم طرب تولاتی ہے
رہے گا یاد یہ دورِ حیات بھی ہم کو
زمانہ میری دن کا جواب یہ ہے کہ
نظرِ نظر کا تصادم بھی کیا تصادم ہو
تلاشِ دوست سے پتی توش بہ مقصود
دفن کی راہ سے گزرے تو یہ ہو محسوس

شعور چاہئے تعمیرِ زندگی کے لئے
یہ زندگی ہی تماشا ہے زندگی کے لئے
مٹ چیں میں ٹھہرتی نہیں کسی کے لئے
کہ زندگی میں ترسے ہیں زندگی کے لئے
حیات میں نے شادی آگاہی کے لئے
چہرے شکست مند درختِ زندگی کے لئے
ہم نے کوڑھونڈ رہے ہیں خود گئی کے لئے
کہ ہم خودی کے لئے تھے نہ بیخودی کے لئے

یہ کیا خبر تھی، نہ تھیرے اہل یڑیں گے قہر
چراغِ ہمد نے جھانپے تھے روشنی کے لئے

گلچیں سے ! == جناب سعادت نظیر

ان کو اے عالم! نہ کر محروم آغوشِ بہار
چھین تو ہرگز نہ ان معصوم غنچوں کا زکھر
ہیں یہی شہکارِ فطرت ہیں یہی جانِ چمن
ختم ہوگی ان کی بربادی سے سب شانِ چمن
کل یہی غنچے ترے گلشن کے گل ہو جائیں گے
جن کے آگے سب چراغِ برق گل ہو جائیں گے

تبصرے

تاریخی و ادبی مطالعے : از پروفیسر نذیر احمد مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، تقطیع کلاں،
 ضخامت دو سو صفحات، ٹائپ جلی درشن، قیمت چار روپے، پتہ :- شعبہ فارسی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ،
 پروفیسر نذیر احمد شاعری زبان و ادب اور قدیم دکنی و گجراتی اردو کے نامور محقق اور ماہر ہیں اور
 شب و روز کے انہماک کے باعث چند برسوں میں ہی موصوف نے اپنے موضوعات پر تحقیقی مواد و مقامات
 کا بڑا اچھا ذخیرہ فراہم کر دیا ہے، زیر تبصرہ کتاب موصوف کے اسی نوع کے آٹھ مقالات کا مجموعہ ہے جو
 مختلف مجلات و رسائل میں شائع ہو چکے ہیں، پہلا مقالہ فرقہ نقوی کے تعارف میں ہے، یہ فرقہ
 نویں صدی ہجری میں ایران میں پیدا ہوا۔ اور اگرچہ بالکل ملحدانہ اور سخت گروہ فرقہ تھا لیکن اس کے
 باوجود ایران اور ہندوستان میں اسے بڑا فروغ ہوا، لیکن سٹھ عباس صفوی نے اس فرقہ کے
 لوگوں کا قتل عام کر کے ان کی قوت ختم کر دی، پروفیسر نذیر احمد صاحب نے اس مقالہ میں اس فرقہ کے
 حالات کسی قدر تفصیل سے لکھے ہیں، ممکن ہے اگبر کے دین الہی کی ایجاد میں اس فرقہ کے اثرات کا بھی
 دخل ہو، اس کے بعد مقالات کی ترتیب یہ ہے (۱) محمود شہ قلی کے ایک فرمان کی بہت آزاد تفسیر
 کی شہادت (۲) قرسی کا مستفسر ہندوستان میں (۳) سلاطین گجرات کی ایک نادر تاریخ -
 (۴) دیوان حافظ کا ایک قدیم مخطوطہ (۵) کتاب حنہ سبیب گنج (۶) قدیم ایرانی و زرتشتی عناصر
 اردو ادب میں (۷) مونس اسرار مؤلف حمد بن محمد کل مئی۔ ان مقالات کے مضمون ان کے عنوانات
 سے ظاہر ہیں، یہ سب مقالات بڑے محققانہ اور محنت سے لکھے گئے ہیں، تازہ و ادب کے طلبہ کے
 لئے خصوصاً اور عام ارباب ذوق کے لئے عموماً ان کا مطالعہ بہت مفید ہوگا۔

قرآن پاک اور آسمانی پروازیں : از جناب معین الدین صاحب رہبر فاروقی تقطیع خورد،

نئی دہلی ۲۱۶ صفحے کتابت و طباعت بہر قیمت تین روپے - جناب مؤلف، بیرون یا قوت پورہ، محمد علی بن ہر
 ۱۰ - ۳ - ۵۴ - حیدر آباد دکن

ابھی حال میں خلا میں کامیاب پروازوں کا جو تجربہ روس میں ہوا ہے۔ اُس کو دیکھ کر ایک وہ مسلمان جس نے قرآن مجید کا مطالعہ غور سے کیا ہے اور جس کی نظر مسلمانوں کے علوم و فنون اور جدید علوم و فنون و اکتشافات مغرب کی تاریخ پر بھی ہے اس کو جدید تحقیقات و اکتشافات اور سائنس کی حیرت انگیز ترقیات پر مسرت کے ساتھ حسرت بھی ہونی چاہئے کہ دراصل دنیا میں سب سے پہلی کتاب قرآن ہی ہے جس نے انسان کو وہم پرستی اور احساس کمتری کے دلدل سے نکالا اور خالص علمی نقطہ نظر سے حقائق اشیاء کے معلوم کرنے اور نوامیس فطرت کو بے نقاب کرنے کا جذبہ پیدا کیا۔ چنانچہ مسلمانوں نے اپنے عہد عروج میں علوم و فنون اور تحقیق و اکتشاف کی دنیا میں امامت و سربراہی کا وہ مقام حاصل کیا کہ انصاف پسند مؤرخین و محققین عصر حاضر کے بیان کے مطابق موجودہ مغربی علوم و فنون کی عمارت اسی بنیاد پر کھڑی ہے لیکن مقام حسرت ہے کہ جو قومیں کل تک وہم پرستی کا شکار تھیں وہ قرآنی تعلیمات کے ہی صدقہ میں آج علم و تحقیق میں بام عروج پر ہیں اور مسلمان خود جنھوں نے دنیا کو یہ روشنی دی تھی وہ پسماندگی میں مبتلا ہیں زیر تبصرہ کتاب میں لائق تملع نے انہیں امور پر گفتگو کی ہے اور سائنس و ٹیکنالوجی کی حالیہ ترقیات کا جائزہ قرآن کے ارشادات کی روشنی میں لے کر دونوں میں تطبیق پیدا کرنے کی کوشش کی ہے، مصنف کے بعض بیانات اور تاویلات و توجیہات سے اختلاف ہو سکتا ہے، لیکن اس میں شک نہیں کہ موصوف نے ان مسائل میں کافی غور و خوض کیا ہے، اس لئے یہ کتاب دل چسپ بھی ہے اور معلومات افزا بھی، جو مسلمان سائنس کی ان ایجادات کو دین کی ضد یا اُس کیسے مفسر سمجھتے ہیں انھیں اس کا مطالعہ ضرور کرنا چاہئے۔

سرچشمہ قرآن: از جناب ابوالفداء محمد عبدالقادر صاحب تطبیع خوردنخواست ۳۴۸ صفحہ

کتابت و طباعت بہتر قیمت ۲/۲۵ پنہ: حیدر ایڈ سنس "ناجر کتب چارکمان، حیدرآباد (دکن)"

یہ کتاب جواب ہے ٹیڈل کی رسوائے زمانہ کتاب "ینا بیع الاسلام" کا جس میں اُس نے ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ اسلام کی تمام تعلیمات اور قرآنی قصص مذاہبِ قدیم کی کتابوں اور کے رسوم و قصص سے ماخوذ ہیں، اس کتاب کے محققانہ جوابات بڑی تفصیل کے ساتھ شائع ہو چکے ہیں۔

یہ کتاب بھی اسی سلسلہ کی کردی ہے، عام قارئین کے لئے اس کا مطالعہ مفید ہوگا۔

عقبریت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تقطیع خورد ضخامت ۱۲۸ صفحات کتابت و طباعت بہتر قیمت دو روپیہ، پتہ: ملک سراج الدین اینڈ سنٹر پبلشرز، کشمیری بازار، لاہور۔ ۸

مصر کے مشہور ادیب محمود عباسی العقاد نے جن کا ابھی گذشتہ مارچ میں انتقال ہوا ہے ایک مختصر کتاب "عقبریتہ محمد" کے نام سے لکھی تھی جس میں انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے مختلف پہلوؤں پر اپنے مخصوص خطیبانہ انداز میں روشنی ڈالی کر یہ ثابت کیا ہے کہ بلاشبہ آپؐ نبی برحق ہیں اور آپؐ کی رسالت حضرت ابراہیمؑ سے لے کر حضرت عیسیٰؑ تک سب کی امیدوں اور آرزوؤں کی آخری، مابجگہ تھی، زیر تبصرہ کتاب اسی کتاب کا اردو ترجمہ ہے جو فروغ احمد صاحب کے قلم سے ہے، عقاد کی تحریروں میں بلا کا جوش اور زور پایا جاتا ہے، اردو میں بعینہ اُس کو منتقل کرنا بچیدار و تاہم لائق مترجم نے ترجمہ میں اصل کے زور بیان کو کسی حد تک قائم رکھنے میں کامیابی حاصل کی ہے، اور اس بنا پر یہ کوشش قابلِ داد ہے۔

پاندان والی خالہ از جناب تخلص بھوپالی، تقطیع خورد ضخامت ۲۷۵ صفحات، کتابت و طباعت بہتر، قیمت ۲/۷۵ - پتہ: بیج بھون پبلیکیشنز، جہاں گیر آباد - بھوپال۔

تخلص صاحب بھوپالی جنھوں نے چند برسوں میں ہی مزاج و طنز نگاری میں طار موزی کی طرح مقبولیت و شہرت حاصل کر لی ہے یہ کتاب اُن کے مختلف مضامین کا مجموعہ ہے، ان میں تخلص صاحب نے خالہ کی زبان سے وہ سب کچھ کہلوایا ہے جو ملک کے موجودہ اخطا ط پذیر سماج کے متعلق بغض و اصلاح دہمردی وہ کہنا چاہتے تھے، پھر زبان و بیان کا کیا کہنا! خود شہزادی عابدہ سلطان جنھوں نے اس پر مقدمہ لکھا ہے انھوں نے اس کو بھوپال کی خواتین کی قدیم لکسالی زبان کہا ہے۔ اب چند برسوں کے بعد اس زبان کا نہ کوئی بولنے والا ملے گا، ورنہ سمجھنے والا، اس لئے اس طرح کی کتابوں کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھنا اور اُن کے مصنفین کی حوصلہ افزائی کرنا چاہئے۔

بزرگانِ دین نمبر گل خنداں: مرتبہ جناب عبدالرؤف: تقطیع خورد ضخامت ۳۹۲ صفحات، کتابت و طباعت بہتر، قیمت تین روپے پتہ: ملک سراج الدین اینڈ سنٹر پبلشرز، کشمیری بازار، لاہور۔ ۹

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے یہ خاص نمبر برصغیر ہندو پاک کے ساتھ بزرگوں کے حالات و سوانح پر مشتمل ہے، ان میں بعض مختصر ہیں اور بعض طویل، چند مضامین حوالوں کے ساتھ ہیں اور باقی دیگر حوالوں کے علمی اور تحقیقی حیثیت سے اس خاصی کے باوجود اس نمبر کا یہ فائدہ ضرور ہے کہ ساتھ بزرگان دین سے بیک وقت تعارف ہو جاتا ہے، اس مجموعہ میں مثلاً میرا دل یاد کے علاوہ متعدد نام ایسے بھی ہیں جن کو ہم نے پہلے سنا بھی نہیں تھا۔ ممکن ہے اس نمبر کو دیکھ کر بعض حضرات کو کسی ایک یا چند بزرگوں کے حالات پر تحقیقی کام کرنے کا جذبہ پیدا ہو، اگر ایسا ہو تو یہ بھی اس نمبر کا کچھ کم فائدہ نہیں ہوگا۔

سید الشہداء، نمبر : صفحات ۲۱۵ - قیمت ۱/۵۰ -

یہ بھی مذکورہ بالا رسالہ گلِ زنداں کا خاص نمبر ہے جو معرکہ کربلا اور امام حسین کی شہادت سے متعلق مضامین و مقالات اور سلام و منقبت پر مشتمل ہے، مضامین میں حتیٰ الوسع، فرط و تفریط سے احتراز کیا گیا ہے، اور خاص طور پر مورخ، بوالہسی سودودی کا مقدمہ بہت واضح، درمیان ہے، البتہ مضمون "خاندان حسین ابن زیاد کے دربار میں" جس میں نہ مصنف کا نام ہے اور نہ کسی کتاب کا جو یہ ہے نہایت رکیک اور لغو مضمون ہے جس کی نہ کوئی اصل ہے نہ بنیاد۔

پیامِ سانِ اُمت : از مولانا محمد اشرف خان، ایم، اے، تقطیع خورد۔

صفحہ مت ۸۰ - صفحات کتابت و طباعت بہتر، قیمت ۶۲ پیسے

پتہ :- ڈاکسٹنز - قصہ خوانی - پشاور۔

اس مقالہ میں اس پر منظر و درمیان گفتگو کی گئی ہے کہ مسلمانوں کو صرف اپنی ہی اصلاح کا امور نہیں کیا گیا بلکہ وہ امتِ مبعوثہ ہیں اور ان کا کام دوسری قوموں کی، اصلاح و تربیت اور دعوت الی الحق بھی ہے، اس دعوت کے فرائض و آداب اور رکان و شرائط کیا ہیں؟ اور صحابہ کرام نے اس اہم فرض کو کس طرح نبی م دیا ہے؟ اور ہمیں موجودہ حالات میں اس سلسلہ میں کیا کرنا چاہئے؟ مقالہ ہر سلسلہ کو پڑھنا چاہئے۔

برہان

جلد ۵۳ | ربیع الاول ۱۳۸۴ھ مطابق اگست ۱۹۶۴ء | شمارہ ۲

فہرستِ مضمین

نظرات	سعید احمد اکبر آبادی	۶۶
واقعاتِ سیرتِ نبویؐ میں توقیفی تضاد اور اس کا حل	از جناب مولوی سخوہ بنی صاحب علوی رام پور	۶۹
ڈاکٹر محمد اقبال کی تنقیدات و ترجیحات	جناب مول، یکیم فضل الرحمن صاحب سواتی	۹۶
مرزا حسن بیگ رفیع	ڈاکٹر سید بہار حسین صاحب مدنی (مقیم آمبود جنوبی ہند)	۱۰۶
	اسنادِ فی رسی دہلی پر روشنی	
حیر کا سنیاسی اور سلطنتی ماحول	دکتر محمد تاج الدین صاحب مدنی	۱۱۴
اکبریات		
غزل	چراغِ آفتاب	۱۲۴
تبصرے	(س)	۱۲۵

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

نظرات

جب کسی بڑے پیمانہ پر ملک میں کوئی فساد نہ ہو، اور مسلمانوں کو اس میں عظیم جانی و مالی نقصان پہنچتا ہے تو ان میں ایک حرکت کی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور وہ اپنے مسائل و معاملات پر سوچنا شروع کر دیتے ہیں، اُس کا نتیجہ جس وقت کانفرنس یا کنونشن کے انعقاد تک میں ظاہر ہوتا ہے، پانچ یا متعدد کنونشن پیسے بھی ہونچکے ہیں اور ہر ایک مشرقی اجتماع ۱۹۸۰ء، اگست کو دکن سرسید محمود کی دعوت پر کھنؤ میں ہوا ہے (ان مسطوروں کی اشاعت تک اُس کی کارروائی خراب و سب آچکی ہوئی) اور اس کے بعد گتو بہن ایک مشترکہ جمہوری کنونشن جمعہ سما، ہمدان، دعوت پر غالباً اب میں منعقد ہوگا، ان اجتماعات کا یہ مادہ ضرور ہے کہ مسلمانوں میں ایک حرکت پیدا ہوتی ہے اور انہیں اپنے مسائل و مسائل پر غور کرنے کی غرض سے سر جوڑ کر مل بیٹھنے کا بوقت مل جاتا ہے، لیکن، خوس ہے بات صرف یہیں تک محدود رہی ہے۔ اور مسلمانوں کی عام اجتماعی زندگی میں، صلح و عیر کا کوئی قدم ایسا نہیں، جس جو اس پر دلالت کرے کہ ان کا مزہ روز بروز بدلتا ہے، یا ان کے فردا کے بہتر ہونے کی توقع کی جا سکتی ہے، اگر کیوں؟

حقیقت یہ ہے کہ شدید قسم کے حالات کے پیدا ہو جانے پر کسی مشاورنی جمہور یا کنونشن کے اعضاء کا حیل پیدا ہونا ہی بدلتا خود اس امر کی دلیل ہے کہ مسلمانوں میں اس ملک کی ایک عظیم قسمت کی حیثیت سے اپنی ملک بنے مسائل اور امور کا صحیح در سمجھیدہ شعور پیدا نہیں ہوا ہے گرا نہیں اس کا شعور و دراک متوازن و یہ اجتماع آج نہیں ملک کی تسمیہ کے فوراً بعد ہونا چاہئے تھا در حضرت فسادات نہیں بلکہ انقلاب کے نذر ماحول و سبب در اس کے بہر گیر اثرات و نتائج کو سامنے رکھ کر اس پر غور کرنا چاہئے تھا کہ کس نے نقشہ میں وہ کس طرح بہ عزت زندگی بسر کرے۔ کاسب زو سامان کر سکتے ہیں، جو نہیں ہیں مغز اور دھڑلے میں ہیں وہ سبب کی آمد سے پہلے اس کا اندازہ کر لیتی اور اس کو محفوظ

رہنے کی تدابیر پر غور کر لیتی ہیں، جنگ میں اسی ملک کی حیثیت ہوتی ہے جو امن کے زمانہ میں جنگ سے عہدہ برآ ہوتا کیلئے اس کی تیاری چھل طور پر کر لیتا ہے اور جو دوسروں کے وعدہ و وعید اور ان کے قول و قرار پر بھروسہ نہیں کرنا بلکہ حالات کا تجزیہ کر کے خود ایک فیصلہ کرتا ہے اور غم و ہمت اور استقلال کے ساتھ اس فیصلہ کو عملی شکل دیتا ہے۔

مسلمانوں میں مسرید کی طرح اگر صحیح یڈر شپ ہوتی تو جس دن ملک تقسیم ہوا تھا اسی روز غور و فکر اور حالات و اوقات کے تجزیہ و مطالعہ کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچتی کہ (۱) ملک دو قومی نظریہ کی بنیاد پر تقسیم ہوا ہے اور یہ تقسیم ان تمام تلخیوں اور بد مزگیوں کا نتیجہ ہے جو اس سلسلہ میں سالہ سال مسلسل پیش آتی رہی ہیں (۲) اس تقسیم کے نتیجہ میں حکومت کے مسلمان بڑے بڑے عہدہ دار ۹۸ فی صدی اور چھوٹے عہدہ دار ۹۰ فی صدی پاکستان منتقل ہو گئے ہیں اور یہاں بھارت میں ان لوگوں سے میدان بالکل صاف ہو گیا ہے (۳) حکومت کا دستور گورنمنٹ کیوریج پر جمہوریہ ہے لیکن جس کو ڈر سناسوں کے دل سا ہمارا سال کی تلخیوں اور بد مزگیوں کے زخموں سے محض ایک ستورن، صدمہ کر دینے سے ایک بیک پاگ و صفا ہیں ہو سکتے، حالات کی اس خاص نوعیت کو پیش نظر رکھنے کے بعد اس دور کا مسرید اسی لائن پر کام کرتا جس پر ۱۸۵۷ء کے مسرید نے کام کیا تھا یعنی ایک طرف وہ اخباروں، رسالوں اور کتابوں کے ذریعہ ان تلخیوں اور غلط فہمیوں کو مٹانے کی کوشش کرتا جو ہندوؤں اور مسلمانوں میں پیدا ہو گئی تھیں، اس سلسلہ میں وہ مریدی میں سرپرست بن کر رہا، ہندی میں کرتا، اردو اور ملک کی دوسری زبانوں میں کرتا، پورے ملک کا دورہ کرنا، مسئلہ نرس کی ہمت الگ ہندوؤں اور ہندوؤں کے بھجوں میں اور ان کے خاص جلسوں میں ڈانڈ پر نچکر الگ تقریریں کرتا، وہ عید بھر عید پر اپنے ہاں ہندوؤں کو بڑا اور ہوں دیوالی کے موقع پر وہ خود ان کے ہاں پہنچتا، اس کا تعلق گورنمنٹ سے بنتی ہوتا اور پبلک سے بھی، گورنمنٹ کی ہر چ بات میں وہ دل کھول کر اس کی تائید و حمایت و راضی و موافق کرنا، ساتھ ہی غلط باتوں پر وہ اس کو نوکر اور سخت تنقید کرتا، مگر دشمنوں اور بدخواہوں کی طرح نہیں بددستور رہتا جوابوں کی مانند! اس یقین کے ساتھ کہ ملک پر ہمارا ہماری قومی حکومت ہے اور یہ ملک ہمارا وطن اور ہماری قوم ہے، علاوہ اس کی کوشش یہ بھی ہوتی کہ ہندو اور مسلمان تہذیبی اعتبار سے بھی مذہب کے حیثیت سے ہندو کے زور رہنے ہوئے ایک دستبرد زیادہ قریب آئیں، جہاں ملک بڑا کا مسلمان مسلمان ہے شہر ہندی کے بہت بڑے حاکم ہوتے اور مسلمان و جوانوں کو نہ کہہ سکتے کہ ان باتوں میں زیادہ زیادہ کیا ہوگا کہ یہ تو مسرید کے وہ کام ہوتے جن سے اقلیت کے ساتھ حکومت اور کثرت کے نقصانات و بفرمانے اور کثرت تلخیوں کی یاد کو مٹانے کی حتی الوسع کوشش کی جاتی لیکن مسرید کو یقین ہوتا کہ کون تو صرف سی طرف کی دل کی سفار کے سہارے

زندہ نہیں رہ سکتی، ایک جمہور کی نظام زندگی میں زندہ رہنے اور ترقی کرنے کیلئے ضروری ہر کہ قوم (COMMUNITY) کی دوطنی زندگی کے ہر شعبہ میں آگے بڑھے اس مقصد کے پیش نظر سرسید مسلمانوں کیلئے ایک دہ سالہ منصوبہ (PLAN) بناتے اور اس میں وہ یہ طے کرتے کہ پورے ملک میں اس مدت کے اندر اندر انہیں اتنے مسلمان انجینیئر، صنعت کار، ڈاکٹر، ایڈووکیٹ، ٹیچر اور پروفیسر انگریزی اور ہندی کے بہترین اخبار نویس، مصنف اور ادیب پیدا کرنے ہیں اور اتنے ذہین اور قابل مسلمان نوجوانوں کی تعلیم ذریعہ کر کے انہیں معاہدہ کے امتحانوں میں بھجنا ہے۔ اتنے نوجوانوں کی زیر ہدایت میں بھیگر مختلف علوم و فنون کی اعلیٰ تعلیم دلائی ہو۔ اس مدت میں مسلمانوں کے لئے کارخانے، تنی فیکٹریں اور اتنے کل محل بننے ہیں تاکہ مسلمان تقسیم کے بعد ملک کی سماجی زندگی میں جو اچھوت بن کر رہ گیا ہے اس کا یہ مرض دور ہو۔ جب یہاں زندگی کے ہر شعبہ میں مسلمان ہر جگہ اچھی خاصی تعداد میں نظر آئیں گے تو تقسیم ہندوؤں کے دماغ میں غیر شعوری یا نیم شعوری طور پر مسلمانوں کی نسبت جو تنہیت کا احساس پیدا کر دیا ہو وہ بلاشبہ دور ہوگا اور اس سے نقصانات بڑی، غرض کہ ملک شدید نقاب کی زد میں آئی ہوئی قوم کو جس کی تعداد پانچ سو لاکھ پانچ پانچ کروڑ ہو اور دوبارہ زندہ دق مابانہ کیلئے ترمیم کر کسی ایک پر نہیں بلکہ عیسائیوں میں ذہن پر کام کرنا ہوتا، تنگ نظر کہتے حکومت کا خوشامی اور ہندوؤں سے مرعوب ہے کہ جو مسلمانوں کو کہ فرقہ پرست و متعصب مسلمان ہر گز وہ بھی رہنا، وہ دنیاں کرتا، اور بھی شیریں دھڑ گزنا اور بچی کی، مان کر رہا، درست، تمکین اور کان بند کئے پی دھن میں لگا رہتا اور کسی کی مع و ذمہ کی ذرا پروا نہ کرے۔ کیونکہ اس تقسیم کا پورا ایشیہ جوتا کہ تاریخ میں جس کسی شخص نے اپنی قوم میں کوئی عظیم نقاب پیدا کیا ہو تو اس نے ہمیشہ قوم سے پہلے گایاں کی، اور ان کے ہاتھوں دکھ اور صدمے اٹھائے ہیں اور اس کی دہریہ سہنے کہ یہ انقلاب جس شخص نے ہندوؤں کو دکھ کر ایک بنانے مقوم کرنا چاہتا ہے اور چونکہ ہر مرد و عورت پرست و رستگار، اور جس کے اندر جسے بھاری مے میں اس لئے کہ جو صلہ و ظرف اس دعوتِ انقداں ہوں کہ یہ سب سب کے لئے ہے اور اس لئے کہ اس کی مدد پر کمر بستہ ہو جاتے ہیں۔ خلیفہ دفت آتا کہ اس شخص کی مسلسل ماسعی کامیابی میں در نقاب پیدا ہوتا، ہر شاہی عوام ہر کل تک اس کے دشمن تھے اس کو پناہ سب سے بڑا محسن تسلیم کر لیتے ہیں !!

جہاں کہیں کہیں گونہوں میں یہ لیدر شپ پیدا نہیں ہوتی ان کے مواضع و

میں نے اس کی طرف سے کوئی جواب نہیں دیا۔

۴۔ یہ طریقہ ممکن ہے کہ پہلے غرض سے بعض مہر و بنتوں کے باعث دیا غرض کے ساتھ بہت زیادہ اثرات کا سلسلہ جاری نہیں

واقعاتِ سیرِ نبویؐ میں توفیقی تضاد اور اس کا حل

از

جناب مولوی اسحق ابنی صاحب مولوی رام پور

”مقالہ سوم“

گذشتہ مہینے یہ دو چسپ تعاق ہوا کہ حوزہ مذہب کی بجائے سخت ضرورت تھی وہ یہیں مل گئے، یعنی پرسپول (PERCEVAL)۔ محمد پاشا علی کے ”نظریات“ جن کے دلائل دیکھ کر یہ اطمینان ہو گیا کہ میرے فکر غلط نہیں۔

پرسپول اور محمد پاشا دونوں کے اصل تصانیف فرانسیسی زبان میں شائع ہوئے تھے، جن میں دل انداز کا انگریزی ترجمہ سداک کلچر (ESLAMIC CULTURE VOL XXI - 19۷7) میں شائع ہو چکا ہے۔ محمد پاشا علی کی کتاب کا ترجمہ سب سے پہلے احمدی کی آفندی نے ”نتائج الافہام“ کے نام سے عربی میں کیا تھا، اس کتاب کو مولوی سید غنی الدین خان صاحب بیچ ہائیکورٹ (حیدرآباد) نے رد کا جامہ پہنایا، اور غلطیوں میں وہ شور مچا جس نے شائع کر۔

ان دونوں علماء کے تقریباً بیس بیس درجے پر پرسپول کے رد ایک تو ملکی سنہ ”قرنی شمسی“ تھا اگرچہ حسابات غلط تھے، اور محمد علی کی رائے میں خاص ضرورت تھا۔ مگر حجت ہوتی ہے کہ دونوں نے واقعاتِ سیرت کی تماریح کو بہت کم قابلِ غور سمجھا، اور اپنے دلائل میں صرف دو دو تین تین واقعات پیش کر کے نظریات مکمل کر لئے۔ تاہم محمد علی غیوری کی ہتھوڑے بعد درجنوں مثالیں

جدِ اجداتھیں، مگر دونوں تقویموں کے مہینے مشترک الا سم تھے۔ یہ خیال بھی بعینہ وہی ہے جو خود پیش کر رہا ہوں، بلکہ میں نے صاف غلطوں میں اعتراض کیا ہے کہ دکھڑ کے اسی تصور نے میرے ذہن میں دو تقویمی تصورات کو جنم دیا ہے، اور میرا خیال ہے کہ شاید ڈاکٹر حمید اللہ کے سامنے بھی دکھڑ کا یہی تصور تھا، کیونکہ انھوں نے بھی اسی اور مدنی تقویموں کی جداگانہ حیثیت تسلیم کی ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب اصولی طور پر ان دونوں کے تصورات تقریباً وہی تھے جو میں پیش کر رہا ہوں تو پھر میرے اور ان علماء کے نظریات میں بنیادی فرق کیا ہے؟ در کیا وجہ ہے کہ ان کے حسابات سے میرے کے تو قیستی مسائل حل نہیں ہوتے؟

اس سلسلہ میں جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں، میور اور پریموال سے تو بظہر پہنچتی ہوئی کہ انھوں نے عرب جاہلیت کی تقویمی صداہیتوں کو پورے طور پر نہیں سمجھا اور یہ راسخ و مکرر کہ جاہلی عربوں میں حب بنی کم فہمی کے باعث عہد رسالت میں ایام حج مارچ MARCH میں آنے لگے تھے، اور سال اپنی قدیم جگہ سے ہٹ گیا تھا لیکن ظاہر ہے کہ یہ تصور بنیادی طور پر صحیح نہ تھا، اس لئے اس کا تفریہ دافعت برسات کی تو قیستی ترجیح کرنے میں ناکام رہا۔

دکھڑ (WINCKLER) کے دو تقویمی نظریے کن تفصیلات میرے سامنے نہیں بہتہ ڈاکٹر حمید اللہ کا قیمتی مقدمہ عہد نبوی کے عربی رزنی تعلقات اس وقت میرے سامنے ہے جس میں فصل مقدمہ نگار نے دو تقویمی تصور کو ایک مخصوص زوایہ نگاہ سے پیش کیا ہے، اور جیسا کہ قرین مدحہ فرما چکے ہیں ایک جدوں تقویم بھی شامل کی ہے جسے میں نے مذکورہ دونوں میں بحسنہ نقل کر دیا ہے۔

جہاں تک اس بات کا حق ہے کہ عہد رسالت میں مس دورانی تقویمیں پہلو پہلو چلی رہی تھیں، میرے ورڈاکٹر حمید اللہ کے تصورات میں کوئی خدشہ نہیں ہے البتہ ایک بنیادی اور بہت ہی ہم فرق یہ ہے کہ ان کی رائے میں یہ دونوں تقویمیں سنہ میں جا کر یک ہو گئی تھیں در ذوالحجہ سنہ دونوں تقویموں کے اعتبار سے مشترک ایام میں آجاتھا جس کے کھلے معنی یہ ہوتے ہیں کہ محرم سنہ بھی مشترک ایام میں آیا ہوگا۔

اگر یہ خیال صحیح ہے کہ مکی تقویم ہمیشہ اعتدالِ خریفی سے شروع ہوتی تھی، اور اگر یہ روایتیں غلط نہیں
کہ عید رسالت میں صومِ عاشوراء ہمیشہ محرم میں رکھا جاتا تھا، جو یہودیوں کے یومِ عاشوراء سے صرف ایک دن
آگے پیچھے ہوتا تو یہ امر بالکل ناممکن ہے کہ سلسلہ میں مکے اور مدینے کی تقویموں کے ایام و شہور مشترک
ہو گئے ہوتے۔

اس سلسلہ میں البیرونی کی جرح و تنقید پہلے پیش کی جا چکی ہے اور آپ دیکھ چکے ہیں کہ اس عظیم
ریاضی داں نے احادیثِ عاشوراء کو غلط ثابت کرنے میں یہی دلیل پیش کی ہے کہ عید رسالت میں "ماہِ تشری"
اور "ماہِ محرم" ایک ساتھ نہیں آ سکتے۔

ڈاکٹر حمید اللہ کا اس ذیل میں صرف یہ استدلال ہے :

"کہ جناب رسالت مآب صلعم نے ذی الحجۃ سنہ میں سالِ کعبہ کو عربی مہینوں کے لئے ہمیشہ
کے واسطے منسوخ فرما دیا، اور خطبہ حجۃ الوداع میں اس کی قرآنی ممانعت "انما السی زیادة
فی الکفر الآیۃ" کو دہرانے کے بعد ارشاد فرمایا : "ان سرمان قد استدل اس
کھیندہ یوم خدی اللہ استنواہ و لا یصرف اور متفقہ طور پر اس کی تشریح یہ کی جاتی
ہے کہ اس وقت سنہ میں حجۃ الوداع کے واقع پر قرآن در کعبہ دونوں لحاظ سے ذی الحجۃ
بہم جمع تھے یہ"

لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اس قدر اہم نظریے کے لئے محض یہ کہہ دینا کافی نہیں، کہ متفقہ طور پر اس کی یہ
تشریح کی جاتی ہے "بخصوص اس وقت میں کہ اس مراد میں ہی کی پشت پر زبھر جیندہ لک کے تو اس وقت
کے تاریخی، واقعی، یا حسبِ شہادتوں میں سے ایک پیرائی سے چھوٹی شہادت بھی نہیں، اور بالخصوص اگر
یہ مان لیا جائے کہ سلسلہ میں مکی اور مدنی تقویمیں یک ہوئی ہیں، تو پھر ایسی تاریخی روایات، و واقعات
کے متعلق کیا فیصلہ کیا جائے گا۔ جو مردِ حق و تقویٰ کی مدد سے حل نہیں ہوتے، مثلاً اسی سنہ کے سورج گرہ
کے واقعے کو صحیحے جو روایتی طور پر ریت و قوس یا ربیع اور حر سنہ میں ہو تھا، لیکن از روئے حسابِ ہستی

لے دیکھے برہانِ حوالہ سنہ ۱۱۰۰ سے سور سنہ ۱۱۰۰

اس کی تاریخ ۲۴ جنوری ۱۹۴۷ء متعین ہوتی ہے جو ہجری کلینڈر کے بموجب ۲۸ شوال ۱۳۶۵ء سے مطابق ہونا چاہئے اور علیٰ ہذا القیاس دوسرے واقعات کی بھی یہی کیفیت ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ غلطی صرف ڈاکٹر حمید اللہی کے قلم سے نہیں ہوئی بلکہ اتنی عام ہے کہ غالباً ہر محقق کو اسی جگہ ٹھوکر لگی، مور اور پرسوال نے بھی اسی تصور کے تحت سنہ میں کی اور دینی تقویم کو ہم زبان قرار دے کر واقعات سیرت کی تو قیتمی صراحتوں کو کہیں سے کہیں رکھ دیا ہے۔

جہاں تک ان المناہات قد استدار کے صحیح مفہوم کا تعلق ہے تو میں نے اس کی تشریح مقالہ چہارم میں حجتہ اوداع کے ذیل میں کی ہے، یہاں یہ سمجھ لیجئے کہ سنہ میں کی تقویم کو منسوخ کیا گیا تھا اور مدینے کی خالہس قمری تقویم اختیار کر لی گئی تھی، جس کے باعث موسم حج پہلی بار مارچ ۱۳۳۱ء میں آیا تھا، دوسرا سوال | دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا میرے اس نظریے سے صرف قسم اول دوم اور سوم کی تو قیتمی الجھتیں ہی دور ہوتی ہیں؟ یا یہ نظریہ چوتھی اور پانچویں قسم پر بھی حاوی ہے؟ اور ایسے واقعات کے تضادات کو بھی دور کر دیتا ہے جن کی تو قیتمی میں قدیم علماء سے سیرت کو اس درجہ اختلاف تھا کہ دو مکاتب تاریخ وجود میں آگئے تھے۔ کیوں کہ اگر یہ نظریہ ان تضادات کو دور نہیں کرتا تو قوی شبہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ تصور محض ایک تاریخی دہم اور حسابی مغالطے سے زیادہ نہیں،

واقعہ یہ ہے کہ دو تقویموں کی موجودگی کے لئے صرف اثبات ثبوت کافی نہیں کہ ہم کچھ واقعات کی تاریخیں ایک جدول سے اور کچھ دوسری جدول سے درست کر دکھائیں، کیونکہ جب ایک سے زیادہ جدولوں کی مدد سے تو قیتمی گتھیاں سلجھانے کی کوشش کی جائے گی اگرچہ یہ واقعات غلط ہی ریکارڈ کئے گئے ہوں، خود بخود بڑی حد تک درست نظر آنے لگیں گے، اور قدرتا کچھ واقعات ایک جدول پر اور کچھ دوسری پر پورے اترتے محسوس ہوں گے بلکہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر کسی تیسری تقویم کا اور ادعا کر دیا جائے تو ہر تو قیتمی صراحت خواہ وہ کتنی ہی غلط ہو تو سو فیصدی صحیح ثابت ہو جائے گی۔

۱۔ پرسوال کے نظریہ کے لئے دیکھئے ۱۹۴۶ - ۲۱ - ISLAMIC CULTURE

۲۔ ان قسموں کے لئے دیکھئے "برہان" مئی ۱۹۴۷ء / ۲۶۷ ۳۔ دیکھئے برہان مئی ۱۹۴۷ء / ۲۸۳۔

دو تقویموں کی بیک وقت موجودگی، اصولاً صرف اسی وقت ثابت ہو سکتی ہے، جب ایک ہی واقعے کے متعلق دو ایسی جدا گانہ توفیقی صراحتیں مل سکیں جو علیحدہ علیحدہ کلینڈروں کے مطابق ریکارڈ کی گئی ہوں اور وہ بظاہر کتنی ہی مختلف یا متضاد معلوم ہوں، لیکن جب حساب لگایا جائے تو ان سے صرف ایک ہی زمانہ متعین ہو سکے، کیوں کہ یہ تصور قطعاً خارج از قیاس ہے کہ دو تقویموں کی موجودگی میں، واقعات کا ریکارڈ کرتے وقت ایک ہی راوی نے کبھی سچی اور کبھی مدنی تقویم استعمال کی ہوگی بلکہ اس کے مقابلہ میں معمول عقل (COMMON SENSE) یہ چاہتی ہے کہ اگر واقعی عہد رسالت میں دو تقویمیں رائج تھیں، تو ایسے روادا نے جو مکی تقویم کے عادی تھے، مکی اور جو مدنی کے عادی تھے مدنی تقویم استعمال کی ہوگی۔

دوسرا دینی تصور [ظاہر ہے کہ اس صورت میں بہت سے واقعاتی ریکارڈ ایسے بھی ہونا ضروری ہیں جو بیک وقت دونوں تقویموں کے بموجب ریکارڈ کئے گئے ہوں، گویا "دو تقویمی" نظریے کو قبول کرنے سے پہلے، اصولاً ہمیں "دو دستاویزی" تصور اختیار کرنا پڑے گا، جس کی تائید میں تاریخی شہادتیں مددگار ہوں گی حقیقت یہ ہے کہ دو تقویمی نظریے کے لئے "دو دستاویزی" نظریہ بالکل ابتدائی اور بنیادی حیثیت رکھتا ہے، اور نہیں کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ گردافات سیرت میں دو دستاویزی کا رفرمائی کا پتہ نہیں ملتا تو دو تقویموں کی موجودگی ثابت ہونا ممکن نہیں، بنا بریں اصولاً ہمیں پہلے اس مسئلے پر غور کرنا ضروری ہے۔

یہ مسئلہ اگر یہ سیرت کے ابتدائی، خدووں پر ایک سیر حاصل بحث چاہتا ہے، جس کا یہاں موقع نہیں ہے، ہم میں کوشش کریں گا کہ تفصیلات کو ترک کر کے مقالے کو محض تقویمی دائرے تک محدود رکھا جائے۔ آپ جانتے ہیں کہ سیرت کے ابتدائی ماخذ چند در چند ہیں جن کی آخری کڑیاں ایسے صحابہ سے جاتی ہیں جنہوں نے اپنا آنکھوں دیکھا یا کانوں سنا حال کسی نہ کسی پہنچ سے ابتدائی مصنفین مثلاً عبداللہ بن عباسؓ، ابان بن عثمانؓ، عروہ بن زبیرؓ، اور دوسرے علماء و مغازی تک پہنچایا، اور انہوں نے ان ذخائر کو قلمبدر کر کے والی نسروں کے حوالے کیا، لیکن یہ قدیم ریکارڈ چونکہ آج موجود نہیں اس سے متاخرین کے یہاں ان میں سے اکثر روایات کی آخری سند صرف دوائمہ مغازی یعنی ابن اسحاق، المتوفی (۱۵۰ھ)

اور واقعی المتنی (سلسلہ) کے ناموں پر جا کر ختم ہو جاتی ہے۔

ان دونوں کی منزلت کا اندازہ اس سے لگائیے کہ اول الذکر یعنی ابن اسحاق تو صحابہ کے عہد کے اتنے قریب ہیں کہ انھیں تابعی ہونے کا شرف حاصل ہے نیز انھوں نے متعدد بڑے بڑے علماء کا فیض صحبت پایا، کئی اعلیٰ پائے کے اساتذہ کے شاگرد رہے، ان کے عہد میں کئی عمدہ لائبریریاں معرض وجود میں آچکی تھیں، جن کا تعلق براہ راست کتب سیرت و احادیث سے تھا، امام زہری کے شاگرد قاص اور اس پائے کے تلامذہ میں سے تھے، جن سے خود استاد کم نے استفادہ کیا تھا۔ کہتے ہیں کہ امام زہری کے دروازے پر دربان مقرر تھا، کہ کوئی شخص بغیر اطلاع کے نہ آنے پائے، لیکن ابن اسحاق کو

لے را، مثلاً ایک ذخیرہ کتب کا پتہ مشہور صحابی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس چلتا ہے جو ابن اسحق کے وقت تک ضائع نہ ہوتا چاہے جس بن امیہ ضمری کہتے ہیں کہ میں نے ایک بار ابو ہریرہ کے سامنے ایک روایت بیان کی تو انھوں نے اس سے انکار کیا، میں نے کہا کہ یہ روایت تو میں نے خود آپ سے سنی ہے، بولے اگر تم نے یہ مجھ سے سنی ہے تو میرے پاس مکتوبی صورت میں ہوگی، اس کے بعد انھوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور گھر لے گئے، درجے رسول اللہ کی حدیثوں کی کثیر تعداد کتاب میں دکھائی، فارما کا کسا کثیرۃ من احادیث رسول اللہ (دیکھئے جامع ابن عبد البر) (۲) اسی طرح حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس بھی ایک عمدہ ذخیرہ کتب نظر آتا ہے، مشہور سیرۃ نگار موسیٰ بن عقبہ کہتے ہیں جو ابن اسحق کے معاصر بھی تھے، کہ ایک بار کربلاء میں جو ابن عباس کے آزاد کردہ غلام تھے ابن عباس کی (مملوکہ) کتابیں اس تعداد میں میرے سامنے رکھ دیں، ایک بار شتر ہوئیں، کربلاء میں بیابان کے عہد کے صاحبزادہ علی، کہ جب کسی کتاب کی ضرورت ہوتی تو وہ مجھے کچھ بھیجتے (دیکھئے جی سعد) (۳) عروہ بن ربیع سیرۃ کی سب سے بڑی سند سمجھے جاتے ہیں ایک عمدہ کتب خانے کے مالک تھے (۷۰۰-۷۰۰) کا بیان ہے کہ انھوں نے ایک اہم کتاب خانہ جمع کیا تھا جس میں گونا گوں معاین کی کتابیں تھیں، یہ کتب خانہ تاریخی اور قانونی دونوں قسم کی کتابوں پر مشتمل تھا (ENCYCLOPAEDIA OF ISLAM - VOL. IV, P. 1047) (۴) مشہور خلیفہ عربی عہد عمر بن الخطاب کے والد عبدالعزیز بن مروان (امتنی سلسلہ) کو بھی کتابیں جمع کرنے کا شوق تھا انھوں نے ایک باب کثیر میں ہیرہ کر لکھا تھا کہ تمہارے پاس رسول اللہ کے صحابیوں کی جو حدیثیں ہوں ان کی نقل مجھے بھیج دو، سوائے ابو ہریرہ کی کتاب کے کیوں کہ وہ میری پاس موجود ہے، (احمد بن ابی ہریرۃ خانہ عندنا) (۵) (جی سعد ۷/ ۱۵۴) (۵) خلیفے ابو یوسف کو سبب بات کے ساتھ ساتھ علی کاموں سے عام طور پر دور چھپی رہی، چنانچہ امیر معاویہ کے عہد میں عبداللہ بن عباس عروہ بن ربیع و سرابان بن عثمان ابوالاسود، اور وہب بن منبہہ وغیرہ جیسے عظیم سیرۃ نگاروں کے ساتھ ساتھ، کتب احبار، درہبید بن شبرہ جیسے اہل علم بھی نظر آتے ہیں، خود امیر معاویہ کے پوتے، خالد بن یزید بھی علی پایہ کے سنسٹ اور مصنفین کے فہرست میں شامل ہیں جنھوں نے ایک کتب خانہ بھی بنایا تھا، عبدالملک بن مروان نے امام زہری کو درباری کام کا مرتبہ دے کر موم کر گئے بڑھانے کی کوشش کی اور کامیاب ہوئے، عمر بن عبدالعزیز نے سرکاری طور پر حدیثیں جمع کرائیں، اور زہری کے دفتر لکھو ڈالے۔ کہتے ہیں کہ امویں کے زواہر کے بعد ان کے سرکاری کتب خانے سے جب کتابیں منتقل ہوئیں تو صرف امام زہری کی کتب ہیں گھوڑوں اور اذنوں کے ذریعے روانہ کی گئیں۔

عام اجازت تھی کہ جب چاہیں چلے آئیں سیرت میں ان کا مرتبہ یہ ہے کہ امام بخاری جیسے محتاط محدث نے ان سے استناد کیا ہے حتیٰ کہ اپنی کتاب المغازی کی ابتداء گویا کہ ان کے نام سے کی ہے۔

ثانی الذکر یعنی واقدی کو اگرچہ ایک خاص مکتب خیال یعنی "معذرت پسند" علماء نے آج کل بہت بدنام کرنے کی کوششیں کی ہیں لیکن ان کے متعلق ابن کثیر جیسے محدث کی رائے یہ ہے :-

"اور واقدی کے پاس عمدہ تفصیلات اور اکثر واقعات کی تحریر شدہ ماریخیں تھیں، اور وہ

اس فن (یعنی سیرت کے) ائمہ کبار میں تھے، اپنی ذات سے صدوق اور کثیر روایتیں بیان

کرنے والے تھے جیسا کہ میں نے اپنی کتاب تکمیل فی معرفة الثقات والضعفاء والمجاهیل

میں ان کی عدالت کے متعلق بیان کیا ہے"۔

واقدی پر سب سے سنجیدہ اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ یہ شیعہ تھے، لیکن میری رائے میں یہ اعتراض

بالکل ایسا ہی ہے جیسا ابن اسحق کے متعلق یہ خیال کہ وہ یہود و نصاریٰ سے روایت کرنا جائز سمجھتے تھے،

حالانکہ تاریخ کی نظر میں یہ دونوں باتیں عجیب نہیں۔

واقدی کے زمانہ میں مامون الرشید کا کتب خانہ کافی بہت رکھتا تھا، لیکن سیرت ہے کہ خود اس

عظیم مورخ کے ذاتی کتب خانے میں کتابوں کے چھ سو بھرے ہوئے کتاب دان بیان کئے جاتے ہیں۔

تحقیقی ذوق کا یہ عالم تھا کہ انھوں نے جب اپنی کتاب لکھی تو متعدد واقعات اور معاہدے خاص طور پر اس

کی دستاویزوں کو سامنے رکھ کر لکھے۔

ان دونوں اساطین سیرت کی مایفات پر غور کیا ہے، تو اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے پیش نظر جو

ابتدائی دسویں قس، ان میں بہت سی بقید ایام و شہور مذکور کی گئی ہوں گی، اس سے کہ دونوں کے

یہاں نہریاً تمام واقعات کو وقت کرنے کی پوری کوشش کی گئی ہے بلکہ کچھ واقعات تو ایسے ملتے ہیں جن

۱۔ مولانا شبلی سیرۃ ۲۳/۱ ۲۔ ابن کثیر بیدایہ ۳/۲۳۴ ۳۔ ابن ندیم ۱۴۲/۱

۴۔ سبھی سیرۃ ۲۳/۱ - ۵۔ ابن ندیم ۱۴۲/۱ - ۶۔ گریہ فرض کر لیا جائے کہ ایک کتاب دان میں صرف

۱۰ کتابیں رہتی تھیں ۷۰ ہزار کتابیں ہونا چاہئیں۔

نہیں دن اور تاریخ کے علاوہ گھڑی اور گھنٹہ تک کا خیال رکھا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ تاریخ و ایام کی یہ صراحتیں اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کسی مصنف کے پیش نظر کما حقہ تفصیلات نہ ہوں۔

ابن اسحق اور واقدی کی روایات کا آپس میں مقابلہ کیا جائے تو نتیجہ نکلتا ہے کہ ان میں بہت سی روایتوں کے ماخذ ایک حد تک مشترک تھے، اس لئے کہ واقعات متعلقہ کی توقیت اور دوسری تاریخی تفصیلات میں کچھ زیادہ اختلاف نہیں، مثلاً مندرجہ ذیل واقعات کی تاریخی روایتوں کے ماخذ تقریباً مشترک معلوم ہوتے ہیں۔

واقعہ ہجرت، غزوہ ابواء، غزوہ عثیرہ، غزوہ بدر، غزوہ سوہل، غزوہ احد، غزوہ حرا، الاسد، غزوہ بنو نضیر، غزوہ دومتہ الجندل، غزوہ مریسح، غزوہ حدیبیہ، فتح مکہ، حنین وغیرہ۔ اور اگرچہ ان غزوات میں سے کچھ کی تفصیلی تاریخوں میں ہمواری بہت اختلاف بھی ہے، لیکن جہاں تک مہینوں کا لفظ ہے وہ قطعاً مشترک ہیں۔

ان کے مقابلے میں مندرجہ ذیل واقعات کی تاریخوں پر نظر کیجئے تو ظاہر ہوتا ہے کہ ابن اسحق، اور واقدی کے بعض ماخذ بالکل مختلف تھے، دربارہ وجودیکہ واقدی کے سامنے ابن اسحق کی پوری کتاب موجود تھی پھر بھی انھیں اپنی تحقیق اور اس کے نتائج پر اس درجہ اعتماد بلکہ اصرار رکھا کہ انھوں نے ابن اسحق کی بیان کردہ بہت سی تاریخوں اور توقیتی صراحتوں کو چھوڑا تک نہیں اور اپنے ماخذوں کو برقرار رکھا۔

میں نے مقالہ ادل میں بھی ان واقعات کا سمری تذکرہ کیا ہے، اور یہاں بھی دوبارہ نہرت دیتا ہوں۔

واقعات	بروایت ابن اسحق	بروایت واقدی
۱۔ غزوہ کربن جابر بن ہریر	جمادی الاخری ۱۰ھ	ربیع الاول ۲ھ
۲۔ غزوہ بنی سلیم	شوال ۲ھ	محرم ۳ھ
۳۔ غزوہ ذی امر	محرم ۳ھ	ربیع الاول ۳ھ
۴۔ سرہ زید بن حارثہ	ربیع الاول ۳ھ (بدر چھ ماہ بعد)	جمادی الاخری ۳ھ

۱۔ منہ دیکھئے ابن ہشام / واقعہ ہجرت، یحییٰ بن جری / نفس خاصہ بدر و یزید کی تاریخ وغیرہ۔

واقعات

۵- غزوہٴ احد

۶- حادثہٴ رجع

۷- غزوہٴ بدر موعد

۸- غزوہٴ ذات الرقاع

۹- غزوہٴ کرزائی عربین

۱۰- غزوہٴ خیبر

بروایت ابن اسحق

شوال ۳

شوال، ذیقعدہ ۳ (احد کے بعد)

شعبان ۴

جمادی الاول ۵

جمادی الاول ۶

محرم ۷

بروایت واقدی

محرم ۳ (برایت عبدالحمید بن جعفر)

صفر ۳

ذیقعدہ ۴

محرم ۵

شوال ۶

جمادی الاول ۷

ان واقعات کے توقیتی اختلافات سے بدیہی طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے، کہ اگر ابن اسحق اور واقدی نے غیر دیانت داری سے کام نہیں لیا تھا، تو ان دونوں کے ابتدائی ماخذ بالکل جدا جدا تھے۔ اس طرح ہم سیرت کی ابتدائی تدوین میں کم سے کم دو مساوی درجے کے ماخذوں یا دستاویزوں کی کارفرمائی محسوس کرتے ہیں۔

یہاں قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان مختلف دستاویزوں میں ایک ہی واقعہ کے متعلق جو دو مختلف مہینوں کے نام لئے گئے ہیں اُس کی بنیادی وجہ کیا ہو سکتی ہے؟ کیا واقعی ابن اسحق اور واقدی کے رواۃ ان واقعات کے توقیت کے سلسلہ میں اتنے ہی زیادہ مختلف انخیال تھے کہ وہ متفقہ طور پر واقعات کا صحیح مہینہ بھی بیان نہیں کر سکتے تھے یا پھر یہ تمام ایام و شہور کی صراحتیں، محض فرضی اور صرف زبانی اسناد کے لئے سمجھی جائیں جن میں شرکاء کی عینی شہادتوں کو دخل نہ تھا۔

دو تقویمی نظریہ کی ابتداء یہی وہ نقطہ ہے، جہاں سے حقیقی معنی میں دو تقویمی نظریے کی ابتدا ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں راقم الحروف کا یہ خیال ہے کہ عہد رسالت اور عہد صحابہ میں جبکہ یہ دستاویزیں یا دوسرے الفاظ میں یادداشتیں ضبط تحریر میں آ رہی تھیں، تو ان کے رواۃ کچھ مہاجر تھے اور کچھ انصار، غالباً ہاجر کی یادداشتیں، اور روایات سب کی سب مکی تقویم کے بموجب ریکارڈ ہوئی تھیں، جن کے مقابلے میں انہ اپنی قدیم خالص قمری تقویم استعمال کر رہے تھے،

میرا خیالی ہے کہ ان یادداشتوں کو تابعین کے عہد میں جب اکٹھا کیا گیا تو اس بات کا لحاظ نہیں رہا کہ اصل دستاویزوں میں کون سی دستاویز مکی تھی اور کون سی مدنی؟ دونوں تقویموں کے مہینے چونکہ مشترک الاسم تھے اس لئے ان سب کو اُسی ایک کلینڈر کی تاریخیں سمجھ لیا گیا جو مدین کے زمانے میں جاری تھا، یہی وجہ ہے کہ نہ صرف ابن اسحق اور واقدی، بلکہ دوسرے قدیم مصنفین کے یہاں بھی مکی اور مدنی توفیق کا ایک عجیب اختلاط نظر آتا ہے۔

میرے اس دعوے کا کہ متذکرہ بالا توفیقی اختلافات محض دو دستاویزوں، اور دو تقویموں کی کارفرمائی کا نتیجہ ہیں، ایک بین ثبوت یہ ہے کہ میری مکی تقویم کے پہلو میں اگر عام قمری تقویم رکھ دی جائے تو یہ تمام اختلافات اُسی آن ختم ہو جاتے ہیں۔

قارئین کو اس کا مکمل اندازہ تو ”مقالہ چہارم“ میں ہو سکے گا، جہاں اس قسم کے تمام واقعات سے ترتیب دار اور پوری بحث کی گئی ہے، تاہم یہاں صرف مندرجہ ذیل واقعات پر ایک سرسری نظر ڈال لینا کافی ہوگا۔

(۱) غزوہ کرزین جابر نہری کے متعلق واقدی نے یہ صراحت کی ہے کہ یہ واقعہ ربیع الاول ۳۰ھ کا ہے۔ اس کے مقابلے میں ابن اسحاق نے اس کو جمادی الاخریٰ کا واقعہ قرار دیا ہے۔ جمادی الاخریٰ ۳۰ھ مدنی ۳۰ نومبر ۶۲۳ء کو شروع ہوا تھا۔ مکی جدول تقویم میں ربیع الاول ۳۰ھ بھی اسی تاریخ کو شروع ہو رہا ہے۔ گویا یہ واقعہ ۳۰ نومبر ۶۲۳ء کے بعد کا ہے۔

(۲) اسی طرح غزوہ بنو سلیم بروایت واقدی محرم ۳۰ھ کا واقعہ ہے لیکن ابن اسحاق نے اس کی تاریخ بدر کے عین بعد شوال ۳۰ھ بیان کی ہے۔ ہجری تقویم کے بموجب محرم ۳۰ھ ۲۴ جون ۶۲۳ء کے مطابق تھا۔ میری مکی تقویم کے بموجب شوال ۳۰ھ بھی عین اسی تاریخ شروع ہوا تھا۔ گویا واقدی کی تاریخ مدنی ہے اور ابن اسحاق کی مکی۔

۳۰ھ ابن ہشام ۲/۲۵۱ ۳۰ھ واقدی ۳۰ھ دیکھے برہان جولائی ۲۹ ۳۰ھ ایضاً ۲۰/۳۰ھ واقدی ۱۸۳

۳۰ھ ابن ہشام ۳/۴۶ ۳۰ھ دیکھے برہان جولائی ۲۹ ۳۰ھ برہان ۲۱/۲۱

اور میری مٹی تقویم میں شوال سنہ بھی اسی ۳۱۳ھ جون کو شروع ہو رہا ہے۔ جس سے یہ اندازہ ہوئے بغیر نہیں رہتا کہ اس غزوے کے متعلق شوال کی قوت مکی مدینہ کے مطابق کی گئی تھی۔ اور یہ روایت مدنی حسابات کی آئینہ دار ہے۔

(۶) غزوہ احد کے بعد ابن اسحق نے ایک واقعہ "یوم ریح" کے نام سے بیان کیا ہے۔ اور امام بخاری نے بھی خود ابن اسحق کے حوالے سے اس کو احد کے بعد کا واقعہ قرار دیا ہے۔ اوپر گزر چکا ہے کہ غزوہ احد متفقہ طور پر شوال سنہ کا واقعہ سمجھا جاتا ہے، اس لئے ابن حبیب نے اس کی تاریخ آخر شوال سنہ ہی بیان کی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے، کہ یہ حادثہ شروع ذی قعدہ سنہ میں پیش آیا۔ بخلاف اس کے واقعی نے اس واقعہ کی تاریخ صفر سنہ بیان کی ہے۔ جس کے نتیجے میں ابن سعد وغیرہ نے بھی اسی تاریخ کو قبول کیا ہے۔

یہ متضاد تاریخیں بھی دو تقویمی کارفرمائی کا نتیجہ معلوم ہوتی ہیں، کیوں کہ ہجری تقویم کے بموجب صفر سنہ کی ابتداء ۱۳ جولائی سنہ ۶۲۵ء کو ہوئی تھی۔ اور میری مکی تقویم کے بموجب ذی قعدہ سنہ بھی اسی تاریخ کو شروع ہو رہا ہے۔ گویا ابن اسحق کی اسناد کا ریکارڈ مکی تھا، اور واقعی کا مدنی۔

(۷) اسی طرح غزوہ "بدر مؤید" کی تاریخ واقعی کے یہاں ذیقعدہ سنہ مذکور ہوئی ہے، مگر ابن اسحق کے یہاں شعبان سنہ ملتی ہے، عام قمری تقویم کے حساب سے ذیقعدہ سنہ ۲ اپریل سنہ ۶۲۵ء کو شروع ہوا تھا۔ اس کے مقابلے میں مکی شعبان سنہ کی ابتداء بھی اسی ۲ اپریل کو ہوئی تھی۔ گویا ابن اسحق نے اس واقعہ کی مکی تاریخ بیان کی ہے، اور واقعی نے مدنی مہینے کا نام لیا ہے۔

مزید نظر دڑا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ دونوں ریکارڈوں میں صرف مہینے کا اختلاف ہے، تاریخ میں نہیں، چنانچہ ابن سعد نے صراحت کی ہے، کہ یہ ہلال ذیقعدہ کا واقعہ تھا، اس کے مقابلے میں ابن حبیب

سنہ برہان / ۲۱ سنہ ابن ہشام سنہ بخاری سنہ ابن حبیب / ۱۱۰ سنہ واقعی / ۴ سنہ ابن سعد / ۳۹

سنہ دیکھے برہان / ۲۱ سنہ ابن ہشام / ۲۹ سنہ واقعی / ۴ سنہ ابن ہشام / ۲۲۰ سنہ دیکھے برہان

جولائی سنہ ۶۲۵ء / ۲۹ سنہ برہان / ۲۱ سنہ ابن سعد / ۳۹

ان دنوں شالوں سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جس زمانے میں یہ واقعات ریکارڈ کئے گئے تھے تو مکی اور مدنی تقویمیں دوش بدوش چل رہی تھیں، اور ابتدائی رِوَاۃ اپنے اپنے طریقے پر ان واقعات کا ریکارڈ کر رہے تھے، ریکارڈ جب مختلف اساتذہ اور مصنفین کے ہاتھوں سے گزرتے ہوئے ابن اسحق اور واقدی تک پہنچے، تو ان کی کتابوں میں اختلافات کا ہونا بالکل قدرتی تھا۔

تاہم حیرت ہے کہ واقدی نے ان مآخذوں پر اتنا بھروسہ کیا کہ اپنے عظیم پیش رو یعنی ابن اسحاق کی بیان کردہ توقیت کو چھوڑا تک نہیں، حالانکہ ان کی گراں پایہ تصنیف واقدی کے سامنے رہی۔ غالباً یہ روایتیں عہد صحابہ ہی میں خلط ملط ہو گئی تھیں | سطور بالا میں جن واقعات کی تاریخوں پر امتحانی نظر ڈالی گئی ہے اگر صرف انھیں تاریخوں کو سامنے رکھ کر مزید غور کیا جائے، تو اندازہ ہوتا ہے کہ ابن اسحق اور واقدی کو جس زمانے میں یہ تاریخیں پہنچی تھیں تو مخلوط ہو چکی تھیں، یعنی یہ نہیں ہوا کہ مثلاً ابن اسحق کو صرف مکی تاریخیں ملی ہوں اور واقدی کو صرف مدنی، بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خود ابتدائی اساتذہ اور دونین سیرت یا یوں کہئے کہ ابتدائی جامعین روایات کے عہد میں یہ اختلاط ہو چکا تھا، چنانچہ نقشہ ذیل سے یہی نتیجہ نکلتا ہے۔

واقعات	ابن اسحق	واقعی
غزوہ کرز بن جابر قہری	مدنی	مکی
غزوہ بنو سلیم	مکی	مدنی
سریہ زید بن حارثہ	مکی	مدنی
غزوہ ذی امر	مکی	مدنی
غزوہ اُحُد	مکی	مدنی
حادثہ رجم	مکی	مدنی
غزوہ بدر موعد	مکی	مدنی
غزوہ ذات الرقاع	مدنی	مکی

واقعی

ابن اسحق

واقعات

مدنی

مکی

سریگز بن جابر الی عرین

مدنی

مکی

غزوہ خیبر

اس نقشے سے اگرچہ اتنا اندازہ ضرور ہوتا ہے کہ ابن اسحق اور ان کے اساتذہ کے ماخذ مشترک مکی ریکارڈ تھے اور واقعی کا سرمایہ زیادہ تر مدنی ریکارڈوں پر مشتمل تھا لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی صاف ہو جاتی ہے کہ ان اساطین سیرت کے دور سے بہت پہلے عامۃ الناس تو کیا علماء اسلام تک مکی اور مدنی تقویم کے امتیازات بھول چکے تھے اور یہ تو قیسی روایتیں آپس میں پوری طرح خلط مط ہو چکی تھیں، چنانچہ ابن اسحق کے یہاں کم از کم دو ریکارڈوں (یعنی ۸ و ۱۰) کی تاریخیں مدنی معلوم ہوتی ہیں، اور واقعی کے یہاں بھی تاریخیں مکی نظر آتی ہیں۔

سلسلے میں ایک ضروری سوال | اس نتیجے پر پہنچنے کے بعد قدرتی طور پر یہ سوال سامنے آتا ہے کہ اس قسم کا اختلاط ان مشترک تو قیسی روایات میں بھی ممکن ہے یا نہیں، جو ابن اسحق اور واقعی کے درمیان "مختلف فیہ" نہیں، اور اگر ان روایتوں میں بھی موجود ہے تو پھر اس بات کا اندازہ کس طرح لگایا جائے کہ خداں واقعہ کا ریکارڈ مکی تقویم کے بموجب ہوا تھا، اور خداں کا مدنی تقویم کے ذریعہ، کیوں کہ ان کی تاریخوں کے "متفق علیہ" ہونے کی وجہ سے ہمارے پاس بجائے "دو گواہوں" کے صرف "ایک گواہ" رہ جاتا ہے اور وہ بھی ایسا جس کے متعلق یہ قیاس مشکل ہے کہ اس کے ذہن میں کون سی تقویم تھی، گویا تاریخی طور پر جو "مختلف فیہ" روایات تھیں، وہ اس نظریے کی بدولت (توقیسی اعتبار سے) زیادہ قابلِ وثوق نظر آ رہی ہیں، اور متفق علیہ تاریخوں کے متعلق یہ فکر دامن گیر ہے کہ ان کا صحیح زمانہ کس طرح متعین کیا جائے۔

اس سلسلے میں میرا طریقہ کار حسب ذیل ہے :

۱۔ ابن اسحق اور واقعی کی "مختلف فیہ" روایات کے علاوہ عام روایتوں میں بھی جبکہ جگہ

دو تقویمی کارفرماں نظر آتی ہے، اس طرح تقریباً ۹، ۱۰، ۱۱ واقعات کا زمانہ باسانی متعین کیا جاسکتا ہے۔

(۲) کسی واقعات ایسے ملتے ہیں جن کے موسمِ گردشِ زمانہ ممکن ہیں، ان موسموں کی وساطت سے صحیح

تاریخ معلوم کی جاسکتی ہے اور پتہ چلایا جاسکتا ہے کہ رواۃ کے ذہن میں کی تقویم تھی یا مدنی۔

۳۔ کچھ واقعات ایسے ہیں جن کی تاریخیں عصری تاریخ یا علم ہیئت کی شہادت کے ذریعہ متعین کی جاسکتی ہیں، مثلاً کسری کے قتل یا چاند گرہن وغیرہ کی توقیت وغیرہ۔

۴۔ اسی طرح بہت سے واقعات کا زمانہ جو مندرجہ بالا واقعات کے متصل ظہور میں آئے تھے، خود بخود متعین ہو جائے گا۔

۵۔ تاریخ و ایام کی مطابقت اور عدم مطابقت کی شہادتیں بھی افادیت سے خالی نہیں مگر ان کو زیادہ اہمیت نہیں دی جاسکتی۔

۶۔ سب سے آخر میں ایک قیاس تاریخی رہ جاتا ہے جس پر عمل کرنا ضروری ہے۔

توقیتی اختلافات کا
واقعاتی ترتیب پر اثر

ان توقیتی اختلافات کا اثر ظاہر ہے، کہ کتب سیرت کی واقعاتی ترتیب پر ناگزیر تھا، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں، کہ ابتدائی مصنفین سیرت کے یہاں یہ ترتیبی اختلافات اتنی کثرت سے موجود ہیں کہ حیرت ہوتی ہے، اور بعض اوقات تو خود ان غبن کی روایات کا صحیح مفہوم سمجھنا دشوار ہو جاتا ہے۔

مثال کے طور پر واقعی اور ابن سعد نے صفر ۳۶ کے دو واقعات بہ ایں صراحت بیان کئے ہیں، کہ یہ ہجرت سے ۳۶ مہینے بعد ظہور میں آئے تھے اس میں سے ایک "بیرموند" اور دوسرا "رجیع" کا واقعہ ہے، رجیع کا ذکر اُدپر آچکا ہے، ان دونوں میں واقعی نے بیرموند کے واقعے کو مقدم قرار دیا ہے، اس واقعے کا حاصل یہ ہے، کہ صفر ۳۶ میں بنو عامر کا رئیس مدینے آیا، اور پیغمبر اسلام کو مشورہ دیا کہ اطراف نجد میں کچھ مبلغین روانہ کئے جائیں، اس پر آپ نے تعلیم یافتہ مبلغین کی ایک بھاری جماعت روانہ کر دی، یہ لوگ جب بنو عامر کی بستیوں میں پہنچے تو سب کے قتل کر ڈالے گئے۔ ابن اسحاق کے نزدیک بھی یہ واقعہ صفر ۳۶ ہی کا ہے، لیکن رجیع سے تقریباً تین ماہ بعد کا ہے۔

۱۔ واقعی ۳ / ۳۶۷ ۲۔ ابن سعد ۳۶ / ۳۶۷ نیز دیکھئے ابداۃ ۴ / ۷۲، طبری ۳ / ۳۳۳ ۳۔

۳۔ دیکھئے ابن ہشام ۳ / ۱۹۳۔

واقعہ رجب کے متعلق واقدی کا بیان یہ ہے کہ اسی صفر سنہ میں فضل وقارہ کے کچھ لوگ مدینے آئے اور پیغمبر اسلام سے استدعا کی کہ ان کے ساتھ کچھ ایسے افراد کر دیے جائیں جو تعلیم اسلام دے سکیں۔ اس پر کچھ چسپہ افراد ان کے ہمراہ کر دیئے گئے یہ لوگ جب بنو نضیر کی بستیوں میں پہنچے تو میزبانوں نے ہمانوں سے دھوکا کیا۔ اور تقریباً سب کو قتل کر ڈالا صرف خبیب بن عدی اور زید بن دثمنہ کو گرفتار کر کے مکے لے گئے، اور قریش کے حوالہ کر دیا۔

واقدی اور ابن سعد دونوں نے صراحت کی ہے، کہ خبیب کو قریش نے فوراً قتل نہیں کیا۔ اور یہ اس وقت تک ان کی قید میں رہا جب تک حرام مہینے (جن میں خوں ریزیاں ممنوع تھیں) نہ گزر گئے۔ واقدی کے الفاظ یہ ہیں..... "فلما انسحبت الاشهر الحرم م....." اور تقریباً یہی لفظ ابن سعد نے اختیار کئے ہیں۔ "حتى خرجت الاشهر الحرم" جو ہی یہ حرام مہینے ختم ہو گئے، قریش نے خبیب کو تنعیم میں لے جا کر قتل کر دیا اور سولی دے دی۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر واقعی خبیب کو صفر سنہ میں روانہ کیا گیا تھا، اور وہ جاتے ہی گرفتار ہو گئے تھے، تو ان تو رخوں کے نزدیک (تقضائے اشہر حرم) سے کیا مراد ہے؟ کیونکہ صفر کے بعد رجب تک کوئی حرام مہینہ نہیں آتا پھر جب بھی مہینہ ہے، وہ اشہر حرم کی شرط پوری کرنے کے لئے کچھ دور حرام مہینے درکار ہیں، جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے، کہ اگر یہ تفصیلات صحیح ہیں تو خبیب سنہ میں قتل نہیں ہوئے۔ بلکہ حرم سنہ ختم ہونے کے بعد قتل کئے گئے اور پورے ایک سال قریش کی قید میں رہے جو نہایت بعید از قیاس بات ہے۔

اس کے مقابلے میں جب کہ برین کیا جا چکا ہے ابن اسحق نے رجب کے متعلق یہ صراحت کی ہے کہ یہ واقعہ غزوہ احد سے کچھ دن بعد کا ہے۔ غزوہ احد چوں کہ شوال سنہ میں ہوا تھا، اس لئے ظاہر ہے کہ خبیب ذیقعدہ میں گرفتار ہوئے تھے جو حرام مہینہ تھا، اس لئے قریش نے ان کو قید میں ڈال دیا، اور

۱۔ واقدی / ۳۲۴، ابن سعد / ۳۹، واقدی / ۳۲۸، ابن سعد / ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲،

جب تک ذوالحجہ اور محرم کے حرام مہینے ختم نہ ہوئے، اُن کو قتل نہیں کیا گیا، غور فرمائیے کہ ان تفصیلات کو دیکھتے ہوئے واقعی کی توقیت کس درجہ مشتبہ ہو جاتی ہے، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ واقعی کو اس واقعہ کی مدنی تاریخ ملی تھی، یعنی صفر سنہ جو ذیقعدہ مکی کا متوازی مہینہ تھا، واقعی سے غلطی ہوئی، کہ انھوں نے اس "صفر" کو وہی "صفر" سمجھ لیا جس میں حادثہ "بیر معونہ" ہوا تھا، حالانکہ یہ مدنی صفر تھا، جو حرکہ اُحد کے (یعنی محرم کے) بعد آیا تھا۔

پھر اس غلطی کی بنیاد پر دوسری غلطی یہ ہوئی، کہ انھوں نے اس واقعہ کو حادثہ "بیر معونہ" سے متقدم قرار دے دیا جس کی بنیادی وجہ یہی دو تقویمی کارفرمائی تھی۔

(مزید تفصیلات کے لئے دیکھئے "مسائل چہارم" واقعہ "جمع" اور حادثہ "بیر معونہ")

ایک اور شبہ کا ازالہ | آپ نے ابھی ملاحظہ فرمایا ہے، کہ واقعی اور ابن سعد نے واقعہ "جمع" اور "بیر معونہ" کے متعلق جو توقیتی صراحت کی ہے، اُس میں یہ الفاظ استعمال کئے گئے ہیں: "علی راس ستہ و ملشین شہرا" بلکہ عام طور پر تمام غزوات و سرایا کے سلسلے میں انھوں نے اسی قسم کے الفاظ اختیار کئے ہیں اور بتایا ہے کہ یہ واقعہ ہجرت سے کتنے مہینے بعد پیش آیا تھا، جس سے یہ دھوکا ہو سکتا ہے، کہ اُن کے اصل ماخذوں میں بھی یہی الفاظ استعمال ہوئے تھے اور اصل روایت میرت نے واقعات کو بیان کرنے میں بھی یہی طریقہ اختیار کیا تھا کہ فلاں واقعہ ہجرت سے کتنے عرصے بعد کا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ الفاظ واقعی اور ابن سعد کے مخصوص طرز بیان یا طریق توقیت سے تعلق رکھتے ہیں، اصل روایتوں میں یہ لفظ نہ تھے، جس کا بت ثبوت یہ ہے کہ انھیں روایتوں کو جب ابن اسحق یا دوسرے مورخین، حتیٰ کہ کسی قدیم سے قدیم راوی نے بیان کیا ہے، تو یہ طریقہ اختیار نہیں کیا اور کسی نے یہ نہیں بتایا کہ فلاں واقعہ ہجرت سے اتنے مہینے بعد کا ہے۔

چنانچہ ابن اسحق جب کوئی واقعہ بیان کرتے ہیں، تو ان کے مہینہ کی جملوں کا الگ انداز ہوتا ہے مثلاً بدر کے بعد غزوہ بنو سلیم کی ابتدا یوں کی ہے:

سہ واقعی / ۳ - ابن سعد ۲ / ۳۹ -

”جب رسول اللہ (ﷺ) بدر سے تشریف لائے، تو صرف سات راتیں قیام فرمائے پائے تھے

کہ بنو سلیم پر بذاتِ خاص شکر کشی فرمائی۔^۱

یا اس کے بعد غزوہٴ سویق کے مہمیدی الفاظ یہ ہیں:

”جدازاں ذی الحجۃ کے مہینے میں ابوسفیان بن حرب کا غزوہٴ سویق ہے اور اس حج کا

انتظام مشرکوں کے ہاتھ میں تھا۔^۲

غزوہٴ ذی امر کا تعارف اس طرح کراتے ہیں:

”تو جب رسول اللہ غزوہٴ سویق سے واپس تشریف لائے، تو ذی الحجۃ کے باقی مہینے یا

اس کے لگ بھگ مدینے میں قیام فرمایا، اس کے بعد عطفان پر فوج کشی کی اور یہی غزوہٴ

ذی امر ہے۔^۳

ظاہر ہے کہ اصل روایوں میں اگر وہی الفاظ ہوتے جو دقادی یا ابن سعد نے بیان کئے ہیں

تو ابن اسحاق کا طرزِ بیان بھی بالکل ویسا ہی یا اس کے لگ بھگ ہوتا۔

اس طرح ابن اسحاق کے ان مہمیدی جملوں کا تعلق بھی اس روایات سے کچھ نہیں، بلکہ حقیقتاً خاص

ابن اسحاق کا طرزِ توقیت ہے، اس سے ان دونوں ائمہٴ سیرت کے مخصوص اندازِ بیان اور طرزِ توقیت سے

ہمیں اس مغالطے میں نہ پڑنا چاہیے، کہ ان کے اس ماخذوں میں اس قسم کی عبارتیں موجود تھیں، یا اصل

رواۃ سیرت کا یہی طرزِ توقیت تھا، بلکہ یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ یہ صرف ان کی ذاتی فہم اور رد

تلقویمی کا فرمائی کا منطقی نتیجہ ہے۔

واقعی کی صحیح نوعیت سمجھنے کے لئے یہاں غزوہٴ بدر موعدا اور غزوہٴ ذاتِ رقاۃ کے توقیتی اختلاف

اور خاص طور پر ترتیب پر غور فرمائیے، ابن اسحاق اور دقادی کے مکاتیب تاریخ میں یہ اختلاف دونوں سے

چھپا آ رہا ہے، کہ ان میں کون سا واقعہ مقدم ہے، اور کون سا مؤخر، چنانچہ مورخین کا ایک گروہ جو بن، مؤخر

کا ہم نوا ہے، غزوہٴ ذاتِ الرقاۃ کو مقدم سمجھتا ہے، اور دقادی کے ہم خیال عمار غزوہٴ بدر موعدا کو ایک

۱۔ ابن ہشام ۳/۲۶ ۲۔ ابن ہشام ۳/۴۷ ۳۔ ابن ہشام ۳/۴۸ نیز دیکھئے ابدا یہ د مہایہ ۲/۳

اس پر سب کا اتفاق ہے، کہ یہ دونوں واقعات غزوہ بنو نضیر کے بعد ظہور میں آئے تھے۔

میری رائے میں اس اختلاف کی بنیادی وجہ صرف یہ ہے کہ ابن اسحق کو "بدر موعد" کی مکی تاریخ یعنی "شعبان" پہنچی تھی، اور غزوہ ذات الرقاع کی مدنی یعنی "جمادی" بخلاف اس کے واقعی کو "بدر موعد" کی مدنی تاریخ یعنی "ذیقعدہ" پہنچی تھی، اور ذات الرقاع کی مکی یعنی "محرم" سے۔

ابن اسحق اور واقعی کے زمانے میں چونکہ صرف ایک تقویم پر عمل ہو رہا تھا، اور مکی تقویم عرصہ مداز سے تقویم پارینہ بن چکی تھی، اس لئے ان تمام مہینوں کو صرف ہجری مہینے سمجھ لیا گیا، اور اسی اعتبار سے روایات کو مرتب کر دیا گیا، اس قسم کی غلطیوں کو مندرجہ ذیل مثال سے سمجھئے :

فرض کیجئے کہ پڑے خطوطات کے کسی تاجر کے یہاں آپ کو تین قدیم ورق ملتے ہیں۔ ان میں سے ایک پر غزوہ بنو نضیر کا حال درج ہے، اور اس میں مذکورہ واقعے کی تاریخ ربیع الاول بیان کی گئی ہے، دوسرے پر بدر موعد کا حال اور اس کی تاریخ شعبان درج ہے، اور تیسرے پر غزوہ ذات الرقاع کی روداد کے ساتھ اس کی تاریخ "جمادی" بیان کی گئی ہے، اس کے ساتھ ساتھ ان اوراق میں کسی پر یہ صراحت بھی موجود ہے کہ یہ تینوں واقعات ۱۲ ماہ کے اندر ہی پیش آئے تھے اور ان میں "غزوہ بنو نضیر" سب سے مقدم ہے۔

اسی طرح کے تین ورق مجھے ملتے ہیں جن میں "غزوہ بنو نضیر" کی تاریخ تو وہی "ربیع الاول" درج ہے۔ مگر بدر موعد کی "ذیقعدہ" اور ذات الرقاع کی "محرم" یا نامصرحتیں تقریباً وہی موجود ہیں، جو متذکرہ بالا اوراق میں بیان کی جا چکی ہیں۔

ظاہر ہے کہ ان ورق کو سامنے رکھ کر میرے درجہ ترتیب کی درجہ خدائی ترتیب میں جس فرق ہوگا۔ آپ جب ان واقعات کو ترتیب دیں گے تو کام الف کے مطابق اور میری ترتیب کا لم "ب" کے مطابق ہوگی،

ب
غزوہ بنو نضیر
ربیع الاول

(۱) الف
غزوہ بنو نضیر
ربیع الاول

"الف"

(۲)

غزوة ذات الرقاع
۱۰۔ اربعہ جمادی الاولیٰ

"ب"

(۲)

غزوة بدر موعده
۱۰۔ شعبان

(۳)

غزوة بدر موعده
۱۰۔ شعبان

(۳)

غزوة ذات الرقاع
۱۰۔ محرم

آپؐ "غزوة ذات الرقاع" کو بدر موعده کے بعد اس لئے جگہ نہیں دے سکتے، کہ اس طرح یہ واقعہ غزوة بنو نضیر سے ۱۴ مہینے بعد چاڑھے گا، اور ایک سال کی شرط ٹوٹ جائے گی، اور میں غزوة ذات الرقاع کو بدر موعده سے اس سے مقدم نہیں کر سکتا، کہ میرے درق میں اس کی تاریخ محرم ہے۔ ایک ایسا محرم جو غزوة بنو نضیر سے بہر صورت بعد میں آیا تھا۔

بجینہ ہی مثال ابن اسحق اور داقدی کی ترتیب کی ہے، جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مکی تقویم کے فراموش ہو جانے کے بعد جب غیر مسلسل اور غیر مربوط تاریخی یادداشتیں علماء تاریخ کو ملیں، تو اس کے پاس بجز اس کے اور کوئی چارہ نہ تھا، کہ وہ محض اپنی ذہانت اور حسابات کی روشنی میں ان واقعات کو ترتیب دیں۔ مزید دستاویزیں مباحثہ گزشتہ کے بعدم اس نتیجے پر پہنچ چکے ہیں، کہ سیرت کے ابتدائی ماخذ دو قسم کی دستاویزوں پر مشتمل تھے، جن میں ایک پر مکی تقویم کی کارفرمائی تھی، اور دوسری پر مدنی کی، "دو دستاویزوں کے نفاذ سے یہ غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہے، کہ سیرت کے ابتدائی ماخذ صرف دو افراد تھے، جنہوں نے خود عہد رسالت میں مدین سیرت کا کام ختم کر لیا تھا، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ یہ خیال نہ تو تاریخی اعتبار سے صحیح ہے، اور نہ واقعاتی شہادتیں اس کا ساتھ دیتی ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ عہد رسالت کی بہت سی مکتوبی یادداشتوں کا تذکرہ اوراق تاریخ میں ہے، ان کو موجودہ اصطلاح میں کسی مستقل یا مرتب کتاب کا نام نہیں دیا جاسکتا۔ اس لئے کہ میری دست میں ان مکتوبات کا مقصد تصنیف نہ تھا، بلکہ محض نجی ضروریات کے لئے ایک قسم کے نوٹ تھے،

جو اشاعت کی غرض سے ضبط تحریر میں نہیں آئے تھے، تاہم اتنی بات کسی قدر یقین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے، کہ انھیں یادداشتوں کا سہارا لے کر متعدد صحابہ نے روایتیں بیان کی تھیں اور بعض حالتوں میں یہ انکے درثا اور شاگردوں تک بھی پہنچیں، لیکن ایسا بھی ہوا کہ کچھ ہی عرصے بعد ان کے لکھنے والوں کے نام متعین کرنا دشوار ہو گیا، مثلاً امام زہری کے زمانے میں یزید بن ابی حبیب المصری کو جو کتاب ملی تھی، اس کے مصنف کا نام اس کتاب کے مکتشف تک کو نہ معلوم ہو سکا، اس لئے ہم یہ قیاس تو کر سکتے ہیں، کہ عہد رسالت میں متفرق واقعات کی بنی یادداشتیں ضبط تحریر میں آ رہی تھیں لیکن ان یادداشتوں کو تاریخی ترتیب دینا صرف مدد میں سیرت کا کام تھا، جن کو بہت کچھ قطع و برید سے کام لینا پڑا ہوگا۔

توقینی نقطہ نظر سے ان یادداشتوں یا دستاویزوں کو اگرچہ دو ہی قسموں پر تقسیم کیا جاسکتا ہے، لیکن اگر واقعہ نویس ایک سے زیادہ تسلیم کر لئے جائیں تو ظاہر ہے کہ ایک ہی واقعے کے متعلق یہ ابتدائی یادداشتیں متعدد ہونا چاہئیں، جن میں کچھ مفصل ہو سکتی ہیں اور کچھ محمل، چنانچہ کتب سیرت کی محتاط ورق گردانی سے ہمیں اس کا پورا پورا اندازہ ہوتا ہے۔

مثال کے طور پر کسی ایک ایسے واقعے کو لیجئے جو ابن اسحق اور واقدی دونوں کے نزدیک کسی "مشترک الاسم" مہینے میں ہوا ہو، اور اس کے بعد اس واقعے کی توقینی تفصیلات پر غور کیجئے، تو اندازہ ہوتا ہے کہ یہ دونوں روایتیں بہت سی باتوں میں مختلف ہیں مثلاً غزوہ سویق جو ان دونوں کے نزدیک ذوالحجہ ۲؎ کا واقعہ ہے، بنیادی طور پر ایک ہی تقویم سے متاثر معلوم ہوتا ہے، لیکن جب مزید تاریخی تفصیلات تلاش کی جاتی ہیں، تو اندازہ ہوتا ہے کہ اس واقعے کو کم سے کم دو ابتدائی راویوں نے بیان کیا ہوگا، اس لئے کہ ابن اسحاق کے یہاں اس غزوے کا کوئی دن یا تاریخ متعین نہیں، صرف مہینے کا نام ملتا ہے، بخلاف اس کے واقدی کے یہاں اس کی پوری صراحت موجود ہے۔

"رسول اللہ یحشبنہ کے دن ۵ ذوالحجہ کو نکلے"۔

ظاہر ہے کہ اس روایت کا اگر ایک ہی راوی ہوتا تو ابن اسحق نے بھی یہی تفصیل بیان کی ہوتی،

اسی طرح فتح مکہ کے واقعہ کو یسے، ابن اسحق کے یہاں اس واقعے کے متعلق ”دن“ کی کوئی حصر نہیں ملتی، صرف ۱۰ رمضان ذکر ہے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ واقعی کے پیش نظر جو دستاویز تھی، اس میں پوری صراحت موجود تھی،

”اور رسول اللہ چار شنبے کے دن ۱۰ رمضان کو نکلتے۔“

غور فرمائیے کہ اگر تفصیل ابن اسحق کی نظر سے بھی گزرتی یا ان کی کسی سند نے اس کو بیان کیا ہوتا تو وہ اس کو کیوں قبول نہ کرتے؟

مندرجہ بالا مشاوں سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ روایاتِ سرت کے ابتدائی ریکارڈ بیشتر متفرق اور منتشر تھے، جیسے جیسے مسلمانوں میں تصنیف و تالیف کا شوق اور شعور پیدا ہوتا گیا ویسے ویسے ان کی علمی پیاس نے گم شدہ ذخائر کے سوتے تلاش کر کے پختہ پنجم دیکھتے ہیں کہ ابن اسحق کے بعد ابن ہشام اور واقعی کے بعد ابن سعد کے یہاں مزید معونات کا خزانہ بربر بڑھتا رہا۔

بن حبیب کی دستاویز | اس سلسلے میں سب سے زیادہ حیرت رکام دہ ہے جو ابن حبیب امتونی (۲۳۵ھ) کی کتاب الحجر میں نظر آتا ہے۔

ہر چند کہ ”مخبر سیرت“ کی کتاب نہیں۔ بلکہ بعض بہت ہی مفید عمدہ اور گونا گوں معلومات کا ایک چھوٹا سا کٹکول ہے جس میں پیغمبر اسلام کے خزانوں و سراپا کی بھی ایک مفصل فہرست دو علیحدہ علیحدہ بابوں میں دی گئی ہے۔

”۴۰۰ روایات النبی“ کے عنوان سے جرب ہے اس میں بیس واقعات کی ترتیب و رتبہ سے دی گئی ہے، ان واقعات میں کم از کم ۲۶ کی تفصیلی تاریخیں درج ہیں، باقی چند واقعات کے صرف جیسے معین کئے گئے ہیں۔

سراپا کے ذیل میں سرت ایک صریح (یعنی سر سرب بن عبد اللہ العینی) کی پوری تاریکی صراحت ملتی ہے۔ ”قی سرت“ کے تحت بھی فہرست کہ یہاں تامل کی گئی ہے جس میں کئی واقعات کے جیسے بھی نامزد

۱۱۴/۱۱۵/۱۱۶/۱۱۷/۱۱۸/۱۱۹/۱۲۰/۱۲۱/۱۲۲/۱۲۳/۱۲۴/۱۲۵/۱۲۶/۱۲۷/۱۲۸/۱۲۹/۱۳۰/۱۳۱/۱۳۲/۱۳۳/۱۳۴/۱۳۵/۱۳۶/۱۳۷/۱۳۸/۱۳۹/۱۴۰/۱۴۱/۱۴۲/۱۴۳/۱۴۴/۱۴۵/۱۴۶/۱۴۷/۱۴۸/۱۴۹/۱۵۰/۱۵۱/۱۵۲/۱۵۳/۱۵۴/۱۵۵/۱۵۶/۱۵۷/۱۵۸/۱۵۹/۱۶۰/۱۶۱/۱۶۲/۱۶۳/۱۶۴/۱۶۵/۱۶۶/۱۶۷/۱۶۸/۱۶۹/۱۷۰/۱۷۱/۱۷۲/۱۷۳/۱۷۴/۱۷۵/۱۷۶/۱۷۷/۱۷۸/۱۷۹/۱۸۰/۱۸۱/۱۸۲/۱۸۳/۱۸۴/۱۸۵/۱۸۶/۱۸۷/۱۸۸/۱۸۹/۱۹۰/۱۹۱/۱۹۲/۱۹۳/۱۹۴/۱۹۵/۱۹۶/۱۹۷/۱۹۸/۱۹۹/۲۰۰/۲۰۱/۲۰۲/۲۰۳/۲۰۴/۲۰۵/۲۰۶/۲۰۷/۲۰۸/۲۰۹/۲۱۰/۲۱۱/۲۱۲/۲۱۳/۲۱۴/۲۱۵/۲۱۶/۲۱۷/۲۱۸/۲۱۹/۲۲۰/۲۲۱/۲۲۲/۲۲۳/۲۲۴/۲۲۵/۲۲۶/۲۲۷/۲۲۸/۲۲۹/۲۳۰/۲۳۱/۲۳۲/۲۳۳/۲۳۴/۲۳۵/۲۳۶/۲۳۷/۲۳۸/۲۳۹/۲۴۰/۲۴۱/۲۴۲/۲۴۳/۲۴۴/۲۴۵/۲۴۶/۲۴۷/۲۴۸/۲۴۹/۲۵۰/۲۵۱/۲۵۲/۲۵۳/۲۵۴/۲۵۵/۲۵۶/۲۵۷/۲۵۸/۲۵۹/۲۶۰/۲۶۱/۲۶۲/۲۶۳/۲۶۴/۲۶۵/۲۶۶/۲۶۷/۲۶۸/۲۶۹/۲۷۰/۲۷۱/۲۷۲/۲۷۳/۲۷۴/۲۷۵/۲۷۶/۲۷۷/۲۷۸/۲۷۹/۲۸۰/۲۸۱/۲۸۲/۲۸۳/۲۸۴/۲۸۵/۲۸۶/۲۸۷/۲۸۸/۲۸۹/۲۹۰/۲۹۱/۲۹۲/۲۹۳/۲۹۴/۲۹۵/۲۹۶/۲۹۷/۲۹۸/۲۹۹/۳۰۰/۳۰۱/۳۰۲/۳۰۳/۳۰۴/۳۰۵/۳۰۶/۳۰۷/۳۰۸/۳۰۹/۳۱۰/۳۱۱/۳۱۲/۳۱۳/۳۱۴/۳۱۵/۳۱۶/۳۱۷/۳۱۸/۳۱۹/۳۲۰/۳۲۱/۳۲۲/۳۲۳/۳۲۴/۳۲۵/۳۲۶/۳۲۷/۳۲۸/۳۲۹/۳۳۰/۳۳۱/۳۳۲/۳۳۳/۳۳۴/۳۳۵/۳۳۶/۳۳۷/۳۳۸/۳۳۹/۳۴۰/۳۴۱/۳۴۲/۳۴۳/۳۴۴/۳۴۵/۳۴۶/۳۴۷/۳۴۸/۳۴۹/۳۵۰/۳۵۱/۳۵۲/۳۵۳/۳۵۴/۳۵۵/۳۵۶/۳۵۷/۳۵۸/۳۵۹/۳۶۰/۳۶۱/۳۶۲/۳۶۳/۳۶۴/۳۶۵/۳۶۶/۳۶۷/۳۶۸/۳۶۹/۳۷۰/۳۷۱/۳۷۲/۳۷۳/۳۷۴/۳۷۵/۳۷۶/۳۷۷/۳۷۸/۳۷۹/۳۸۰/۳۸۱/۳۸۲/۳۸۳/۳۸۴/۳۸۵/۳۸۶/۳۸۷/۳۸۸/۳۸۹/۳۹۰/۳۹۱/۳۹۲/۳۹۳/۳۹۴/۳۹۵/۳۹۶/۳۹۷/۳۹۸/۳۹۹/۴۰۰/۴۰۱/۴۰۲/۴۰۳/۴۰۴/۴۰۵/۴۰۶/۴۰۷/۴۰۸/۴۰۹/۴۱۰/۴۱۱/۴۱۲/۴۱۳/۴۱۴/۴۱۵/۴۱۶/۴۱۷/۴۱۸/۴۱۹/۴۲۰/۴۲۱/۴۲۲/۴۲۳/۴۲۴/۴۲۵/۴۲۶/۴۲۷/۴۲۸/۴۲۹/۴۳۰/۴۳۱/۴۳۲/۴۳۳/۴۳۴/۴۳۵/۴۳۶/۴۳۷/۴۳۸/۴۳۹/۴۴۰/۴۴۱/۴۴۲/۴۴۳/۴۴۴/۴۴۵/۴۴۶/۴۴۷/۴۴۸/۴۴۹/۴۵۰/۴۵۱/۴۵۲/۴۵۳/۴۵۴/۴۵۵/۴۵۶/۴۵۷/۴۵۸/۴۵۹/۴۶۰/۴۶۱/۴۶۲/۴۶۳/۴۶۴/۴۶۵/۴۶۶/۴۶۷/۴۶۸/۴۶۹/۴۷۰/۴۷۱/۴۷۲/۴۷۳/۴۷۴/۴۷۵/۴۷۶/۴۷۷/۴۷۸/۴۷۹/۴۸۰/۴۸۱/۴۸۲/۴۸۳/۴۸۴/۴۸۵/۴۸۶/۴۸۷/۴۸۸/۴۸۹/۴۹۰/۴۹۱/۴۹۲/۴۹۳/۴۹۴/۴۹۵/۴۹۶/۴۹۷/۴۹۸/۴۹۹/۵۰۰/۵۰۱/۵۰۲/۵۰۳/۵۰۴/۵۰۵/۵۰۶/۵۰۷/۵۰۸/۵۰۹/۵۱۰/۵۱۱/۵۱۲/۵۱۳/۵۱۴/۵۱۵/۵۱۶/۵۱۷/۵۱۸/۵۱۹/۵۲۰/۵۲۱/۵۲۲/۵۲۳/۵۲۴/۵۲۵/۵۲۶/۵۲۷/۵۲۸/۵۲۹/۵۳۰/۵۳۱/۵۳۲/۵۳۳/۵۳۴/۵۳۵/۵۳۶/۵۳۷/۵۳۸/۵۳۹/۵۴۰/۵۴۱/۵۴۲/۵۴۳/۵۴۴/۵۴۵/۵۴۶/۵۴۷/۵۴۸/۵۴۹/۵۵۰/۵۵۱/۵۵۲/۵۵۳/۵۵۴/۵۵۵/۵۵۶/۵۵۷/۵۵۸/۵۵۹/۵۶۰/۵۶۱/۵۶۲/۵۶۳/۵۶۴/۵۶۵/۵۶۶/۵۶۷/۵۶۸/۵۶۹/۵۷۰/۵۷۱/۵۷۲/۵۷۳/۵۷۴/۵۷۵/۵۷۶/۵۷۷/۵۷۸/۵۷۹/۵۸۰/۵۸۱/۵۸۲/۵۸۳/۵۸۴/۵۸۵/۵۸۶/۵۸۷/۵۸۸/۵۸۹/۵۹۰/۵۹۱/۵۹۲/۵۹۳/۵۹۴/۵۹۵/۵۹۶/۵۹۷/۵۹۸/۵۹۹/۶۰۰/۶۰۱/۶۰۲/۶۰۳/۶۰۴/۶۰۵/۶۰۶/۶۰۷/۶۰۸/۶۰۹/۶۱۰/۶۱۱/۶۱۲/۶۱۳/۶۱۴/۶۱۵/۶۱۶/۶۱۷/۶۱۸/۶۱۹/۶۲۰/۶۲۱/۶۲۲/۶۲۳/۶۲۴/۶۲۵/۶۲۶/۶۲۷/۶۲۸/۶۲۹/۶۳۰/۶۳۱/۶۳۲/۶۳۳/۶۳۴/۶۳۵/۶۳۶/۶۳۷/۶۳۸/۶۳۹/۶۴۰/۶۴۱/۶۴۲/۶۴۳/۶۴۴/۶۴۵/۶۴۶/۶۴۷/۶۴۸/۶۴۹/۶۵۰/۶۵۱/۶۵۲/۶۵۳/۶۵۴/۶۵۵/۶۵۶/۶۵۷/۶۵۸/۶۵۹/۶۶۰/۶۶۱/۶۶۲/۶۶۳/۶۶۴/۶۶۵/۶۶۶/۶۶۷/۶۶۸/۶۶۹/۶۷۰/۶۷۱/۶۷۲/۶۷۳/۶۷۴/۶۷۵/۶۷۶/۶۷۷/۶۷۸/۶۷۹/۶۸۰/۶۸۱/۶۸۲/۶۸۳/۶۸۴/۶۸۵/۶۸۶/۶۸۷/۶۸۸/۶۸۹/۶۹۰/۶۹۱/۶۹۲/۶۹۳/۶۹۴/۶۹۵/۶۹۶/۶۹۷/۶۹۸/۶۹۹/۷۰۰/۷۰۱/۷۰۲/۷۰۳/۷۰۴/۷۰۵/۷۰۶/۷۰۷/۷۰۸/۷۰۹/۷۱۰/۷۱۱/۷۱۲/۷۱۳/۷۱۴/۷۱۵/۷۱۶/۷۱۷/۷۱۸/۷۱۹/۷۲۰/۷۲۱/۷۲۲/۷۲۳/۷۲۴/۷۲۵/۷۲۶/۷۲۷/۷۲۸/۷۲۹/۷۳۰/۷۳۱/۷۳۲/۷۳۳/۷۳۴/۷۳۵/۷۳۶/۷۳۷/۷۳۸/۷۳۹/۷۴۰/۷۴۱/۷۴۲/۷۴۳/۷۴۴/۷۴۵/۷۴۶/۷۴۷/۷۴۸/۷۴۹/۷۵۰/۷۵۱/۷۵۲/۷۵۳/۷۵۴/۷۵۵/۷۵۶/۷۵۷/۷۵۸/۷۵۹/۷۶۰/۷۶۱/۷۶۲/۷۶۳/۷۶۴/۷۶۵/۷۶۶/۷۶۷/۷۶۸/۷۶۹/۷۷۰/۷۷۱/۷۷۲/۷۷۳/۷۷۴/۷۷۵/۷۷۶/۷۷۷/۷۷۸/۷۷۹/۷۸۰/۷۸۱/۷۸۲/۷۸۳/۷۸۴/۷۸۵/۷۸۶/۷۸۷/۷۸۸/۷۸۹/۷۹۰/۷۹۱/۷۹۲/۷۹۳/۷۹۴/۷۹۵/۷۹۶/۷۹۷/۷۹۸/۷۹۹/۸۰۰/۸۰۱/۸۰۲/۸۰۳/۸۰۴/۸۰۵/۸۰۶/۸۰۷/۸۰۸/۸۰۹/۸۱۰/۸۱۱/۸۱۲/۸۱۳/۸۱۴/۸۱۵/۸۱۶/۸۱۷/۸۱۸/۸۱۹/۸۲۰/۸۲۱/۸۲۲/۸۲۳/۸۲۴/۸۲۵/۸۲۶/۸۲۷/۸۲۸/۸۲۹/۸۳۰/۸۳۱/۸۳۲/۸۳۳/۸۳۴/۸۳۵/۸۳۶/۸۳۷/۸۳۸/۸۳۹/۸۴۰/۸۴۱/۸۴۲/۸۴۳/۸۴۴/۸۴۵/۸۴۶/۸۴۷/۸۴۸/۸۴۹/۸۵۰/۸۵۱/۸۵۲/۸۵۳/۸۵۴/۸۵۵/۸۵۶/۸۵۷/۸۵۸/۸۵۹/۸۶۰/۸۶۱/۸۶۲/۸۶۳/۸۶۴/۸۶۵/۸۶۶/۸۶۷/۸۶۸/۸۶۹/۸۷۰/۸۷۱/۸۷۲/۸۷۳/۸۷۴/۸۷۵/۸۷۶/۸۷۷/۸۷۸/۸۷۹/۸۸۰/۸۸۱/۸۸۲/۸۸۳/۸۸۴/۸۸۵/۸۸۶/۸۸۷/۸۸۸/۸۸۹/۸۹۰/۸۹۱/۸۹۲/۸۹۳/۸۹۴/۸۹۵/۸۹۶/۸۹۷/۸۹۸/۸۹۹/۹۰۰/۹۰۱/۹۰۲/۹۰۳/۹۰۴/۹۰۵/۹۰۶/۹۰۷/۹۰۸/۹۰۹/۹۱۰/۹۱۱/۹۱۲/۹۱۳/۹۱۴/۹۱۵/۹۱۶/۹۱۷/۹۱۸/۹۱۹/۹۲۰/۹۲۱/۹۲۲/۹۲۳/۹۲۴/۹۲۵/۹۲۶/۹۲۷/۹۲۸/۹۲۹/۹۳۰/۹۳۱/۹۳۲/۹۳۳/۹۳۴/۹۳۵/۹۳۶/۹۳۷/۹۳۸/۹۳۹/۹۴۰/۹۴۱/۹۴۲/۹۴۳/۹۴۴/۹۴۵/۹۴۶/۹۴۷/۹۴۸/۹۴۹/۹۵۰/۹۵۱/۹۵۲/۹۵۳/۹۵۴/۹۵۵/۹۵۶/۹۵۷/۹۵۸/۹۵۹/۹۶۰/۹۶۱/۹۶۲/۹۶۳/۹۶۴/۹۶۵/۹۶۶/۹۶۷/۹۶۸/۹۶۹/۹۷۰/۹۷۱/۹۷۲/۹۷۳/۹۷۴/۹۷۵/۹۷۶/۹۷۷/۹۷۸/۹۷۹/۹۸۰/۹۸۱/۹۸۲/۹۸۳/۹۸۴/۹۸۵/۹۸۶/۹۸۷/۹۸۸/۹۸۹/۹۹۰/۹۹۱/۹۹۲/۹۹۳/۹۹۴/۹۹۵/۹۹۶/۹۹۷/۹۹۸/۹۹۹/۱۰۰۰/۱۰۰۱/۱۰۰۲/۱۰۰۳/۱۰۰۴/۱۰۰۵/۱۰۰۶/۱۰۰۷/۱۰۰۸/۱۰۰۹/۱۰۱۰/۱۰۱۱/۱۰۱۲/۱۰۱۳/۱۰۱۴/۱۰۱۵/۱۰۱۶/۱۰۱۷/۱۰۱۸/۱۰۱۹/۱۰۲۰/۱۰۲۱/۱۰۲۲/۱۰۲۳/۱۰۲۴/۱۰۲۵/۱۰۲۶/۱۰۲۷/۱۰۲۸/۱۰۲۹/۱۰۳۰/۱۰۳۱/۱۰۳۲/۱۰۳۳/۱۰۳۴/۱۰۳۵/۱۰۳۶/۱۰۳۷/۱۰۳۸/۱۰۳۹/۱۰۴۰/۱۰۴۱/۱۰۴۲/۱۰۴۳/۱۰۴۴/۱۰۴۵/۱۰۴۶/۱۰۴۷/۱۰۴۸/۱۰۴۹/۱۰۵۰/۱۰۵۱/۱۰۵۲/۱۰۵۳/۱۰۵۴/۱۰۵۵/۱۰۵۶/۱۰۵۷/۱۰۵۸/۱۰۵۹/۱۰۶۰/۱۰۶۱/۱۰۶۲/۱۰۶۳/۱۰۶۴/۱۰۶۵/۱۰۶۶/۱۰۶۷/۱۰۶۸/۱۰۶۹/۱۰۷۰/۱۰۷۱/۱۰۷۲/۱۰۷۳/۱۰۷۴/۱۰۷۵/۱۰۷۶/۱۰۷۷/۱۰۷۸/۱۰۷۹/۱۰۸۰/۱۰۸۱/۱۰۸۲/۱۰۸۳/۱۰۸۴/۱۰۸۵/۱۰۸۶/۱۰۸۷/۱۰۸۸/۱۰۸۹/۱۰۹۰/۱۰۹۱/۱۰۹۲/۱۰۹۳/۱۰۹۴/۱۰۹۵/۱۰۹۶/۱۰۹۷/۱۰۹۸/۱۰۹۹/۱۱۰۰/۱۱۰۱/۱۱۰۲/۱۱۰۳/۱۱۰۴/۱۱۰۵/۱۱۰۶/۱۱۰۷/۱۱۰۸/۱۱۰۹/۱۱۱۰/۱۱۱۱/۱۱۱۲/۱۱۱۳/۱۱۱۴/۱۱۱۵/۱۱۱۶/۱۱۱۷/۱۱۱۸/۱۱۱۹/۱۱۲۰/۱۱۲۱/۱۱۲۲/۱۱۲۳/۱۱۲۴/۱۱۲۵/۱۱۲۶/۱۱۲۷/۱۱۲۸/۱۱۲۹/۱۱۳۰/۱۱۳۱/۱۱۳۲/۱۱۳۳/۱۱۳۴/۱۱۳۵/۱۱۳۶/۱۱۳۷/۱۱۳۸/۱۱۳۹/۱۱۴۰/۱۱۴۱/۱۱۴۲/۱۱۴۳/۱۱۴۴/۱۱۴۵/۱۱۴۶/۱۱۴۷/۱۱۴۸/۱۱۴۹/۱۱۵۰/۱۱۵۱/۱۱۵۲/۱۱۵۳/۱۱۵۴/۱۱۵۵/۱۱۵۶/۱۱۵۷/۱۱۵۸/۱۱۵۹/۱۱۶۰/۱۱۶۱/۱۱۶۲/۱۱۶۳/۱۱۶۴/۱۱۶۵/۱۱۶۶/۱۱۶۷/۱۱۶۸/۱۱۶۹/۱۱۷۰/۱۱۷۱/۱۱۷۲/۱۱۷۳/۱۱۷۴/۱۱۷۵/۱۱۷۶/۱۱۷۷/۱۱۷۸/۱۱۷۹/۱۱۸۰/۱۱۸۱/۱۱۸۲/۱۱۸۳/۱۱۸۴/۱۱۸۵/۱۱۸۶/۱۱۸۷/۱۱۸۸/۱۱۸۹/۱۱۹۰/۱۱۹۱/۱۱۹۲/۱۱۹۳/۱۱۹۴/۱۱۹۵/۱۱۹۶/۱۱۹۷/۱۱۹۸/۱۱۹۹/۱۲۰۰/۱۲۰۱/۱۲۰۲/۱۲۰۳/۱۲۰۴/۱۲۰۵/۱۲۰۶/۱۲۰۷/۱۲۰۸/۱۲۰۹/۱۲۱۰/۱۲۱۱/۱۲۱۲/۱۲۱۳/۱۲۱۴/۱۲۱۵/۱۲۱۶/۱۲۱۷/۱۲۱۸/۱۲۱۹/۱۲۲۰/۱۲۲۱/۱۲۲۲/۱۲۲۳/۱۲۲۴/۱۲۲۵/۱۲۲۶/۱۲۲۷/۱۲۲۸/۱۲۲۹/۱۲۳۰/۱۲۳۱/۱۲۳۲/۱۲۳۳/۱۲۳۴/۱۲۳۵/۱۲۳۶/۱۲۳۷/۱۲۳۸/۱۲۳۹/۱۲۴۰/۱۲۴۱/۱۲۴۲/۱۲۴۳/۱۲۴۴/۱۲۴۵/۱۲۴۶/۱۲۴۷/۱۲۴۸/۱۲۴۹/۱۲۵۰/۱۲۵۱/۱۲۵۲/۱۲۵۳/۱۲۵۴/۱۲۵۵/۱۲۵۶/۱۲۵۷/۱۲۵۸/۱۲۵۹/۱۲۶۰/۱۲۶۱/۱۲۶۲/۱۲۶۳/۱۲۶۴/۱۲۶۵/۱۲۶۶/۱۲۶۷/۱۲۶۸/۱۲۶۹/۱۲۷۰/۱۲۷۱/۱۲۷۲/۱۲۷۳/۱۲۷۴/۱۲۷۵/۱۲۷۶/۱۲۷۷/۱۲۷۸/۱۲۷۹/۱۲۸۰/۱۲۸۱/۱۲۸۲/۱۲۸۳/۱۲۸۴/۱۲۸۵/۱۲۸۶/۱۲۸۷/۱۲۸۸/۱۲۸۹/۱۲۹۰/۱۲۹۱/۱۲۹۲/۱۲۹۳/۱۲۹۴/۱۲۹۵/۱۲۹۶/۱۲۹۷/۱۲۹۸/۱۲۹۹/۱۳۰۰/۱۳۰۱/۱۳۰۲/۱۳۰۳/۱۳۰۴/۱۳۰۵/۱۳۰۶/۱۳۰۷/۱۳۰۸/۱۳۰۹/۱۳۱۰/۱۳۱۱/۱۳۱۲/۱۳۱۳/۱۳۱۴/۱۳۱۵/۱۳۱۶/۱۳۱۷/۱۳۱۸/۱۳۱۹/۱۳۲۰/۱۳۲۱/۱۳۲۲/۱۳۲۳/۱۳۲۴/۱۳۲۵/۱۳۲۶/۱۳۲۷/۱۳۲۸/۱۳۲۹/۱۳۳۰/۱۳۳۱/۱۳۳۲/۱۳۳۳/۱۳۳۴/۱۳۳۵/۱۳۳۶/۱۳۳۷/۱۳۳۸/۱۳۳۹/۱۳۴۰/۱۳۴۱/۱۳۴۲/۱۳۴۳/۱۳۴۴/۱۳۴۵/۱۳۴۶/۱۳۴۷/۱۳۴۸/۱۳۴۹/۱۳۵۰/۱۳۵۱/۱۳۵۲/۱۳۵۳/۱۳۵۴/۱۳۵۵/۱۳۵۶/۱۳۵۷/۱۳۵۸/۱۳۵۹/۱۳۶۰/۱۳۶۱/۱۳۶۲/۱۳۶۳/۱۳۶۴/۱۳۶۵/۱۳۶۶/۱۳۶۷/۱۳۶۸/۱۳۶۹/۱۳۷۰/۱۳۷۱/۱۳۷۲/۱۳۷۳/۱۳۷۴/۱۳۷۵/۱۳۷۶/۱۳۷۷/۱۳۷۸/۱۳۷۹/۱۳۸۰/۱۳۸۱/۱۳۸۲/۱۳۸۳/۱۳۸۴/۱۳۸۵/۱۳۸۶/۱۳۸۷/۱۳۸۸/۱۳۸۹/۱۳۹۰/۱۳۹۱/۱۳۹۲/۱۳۹۳/۱۳۹۴/۱۳۹۵/۱۳۹۶/۱۳۹۷/۱۳۹۸/۱۳۹۹/۱۴۰۰/۱۴۰۱/۱۴۰۲/۱۴۰۳/۱۴۰۴/۱۴۰۵/۱۴۰۶/۱۴۰۷/۱۴۰۸/۱۴۰۹/۱۴۱۰/۱۴۱۱/۱۴۱۲/۱۴۱۳/۱۴۱۴/۱۴۱۵/۱۴۱۶/۱۴۱۷/۱۴۱۸/۱۴۱۹/۱۴۲۰/۱۴۲۱/۱۴۲۲/۱۴۲۳/۱۴۲۴/۱۴۲۵/۱۴۲۶/۱۴۲۷/۱۴۲۸/۱۴۲۹/۱۴۳۰/۱۴۳۱/۱۴۳۲/۱۴۳۳/۱۴۳۴/۱۴۳۵/۱۴۳۶/۱۴۳۷/۱۴۳۸/۱۴۳۹/۱۴۴۰/۱۴۴۱/۱۴۴۲/۱۴۴۳/۱۴۴۴/۱۴۴۵/۱۴۴۶/۱۴۴۷/۱۴۴۸/۱۴۴۹/۱۴۵۰/۱۴۵۱/۱۴۵۲/۱۴۵۳/۱۴۵۴/۱۴۵۵/۱۴۵۶/۱۴۵۷/۱۴۵۸/۱۴۵۹/۱۴۶۰/۱۴۶۱/۱۴۶۲/۱۴۶۳/۱۴۶۴/۱۴۶۵/۱۴۶۶/۱۴۶۷/۱۴۶۸/۱۴۶۹/۱۴۷۰/۱۴۷۱/۱۴۷۲/۱۴۷۳/۱۴۷۴/۱۴۷۵/۱۴۷۶/۱۴۷۷/۱۴۷۸/۱۴۷۹/۱۴۸۰/۱۴۸۱/۱۴۸۲/۱۴۸۳/۱۴۸۴/۱۴۸۵/۱۴۸۶/۱۴۸۷/۱۴۸۸/۱۴۸۹/۱۴۹۰/۱۴۹۱/۱۴۹۲/۱۴۹۳/۱۴۹۴/۱۴۹۵/۱۴۹۶/۱۴۹۷/۱۴۹۸/۱۴۹۹/۱۵۰۰/۱۵۰۱/۱۵۰۲/۱۵۰۳/۱۵۰۴/۱۵۰۵/۱۵۰۶/۱۵۰۷/۱۵۰۸/۱۵۰۹/۱۵۱۰/۱۵۱۱/۱۵۱۲/۱۵۱۳/۱۵۱۴/۱۵۱۵/۱۵۱۶/۱۵۱۷/۱۵۱۸/۱۵۱۹/۱۵۲۰/۱۵۲۱/۱۵۲۲/۱۵۲۳/۱۵۲۴/۱۵۲۵/۱۵۲۶/۱۵۲۷/۱۵۲۸/۱۵۲۹/۱۵۳۰/۱۵۳۱/۱۵۳۲/۱۵۳۳/۱۵۳۴/۱۵۳۵/۱۵۳۶/۱۵۳۷/۱۵۳۸/۱۵۳۹/۱۵۴۰/۱۵۴۱/۱۵۴۲/۱۵۴۳/۱۵۴۴/۱۵۴۵/۱۵۴۶/۱۵۴۷/۱۵۴۸/۱۵۴۹/۱۵۵۰/۱۵۵۱/۱۵۵۲/۱۵۵۳/۱۵۵۴/۱۵۵۵/۱۵۵۶/۱۵۵۷/۱۵۵۸/۱۵۵۹/۱۵۶۰/۱۵۶۱/۱۵۶۲/۱۵۶۳/۱۵۶۴/۱۵۶۵/۱۵۶۶/۱۵۶۷/۱۵۶۸/۱۵۶۹/۱۵۷۰/۱۵۷۱/۱۵۷۲/۱۵۷۳/۱۵۷۴/۱۵۷۵/۱۵۷۶/۱۵۷۷/۱۵۷۸/۱۵۷۹/۱۵۸۰/۱۵۸۱/۱۵۸۲/۱۵۸۳/۱۵۸۴/۱۵۸

نہیں، اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے، کہ غالباً ابن حبیب کو ان واقعات کی پوری توفیقی صراحتیں نہ مل سکی تھیں۔
حیرت ہے، کہ ابن حبیب کی فہرستِ غزوات میں جو تاریخیں ملتی ہیں وہ دوسری سیرۃ یا تاریخ کی
کتابوں سے کیفیت اور کمیت دونوں میں زائد ہیں۔ ابن اسحق تو خیر بہت متقدم ہیں، متاخرین میں ابن کثیر
تک کے یہاں انتہی صراحتیں ناپید ہیں جن کے سامنے اسلاف کا بہت بڑا ذخیرہ معلومات موجود تھا، چنانچہ
کتب المجرب کے ایڈیٹر، ڈاکٹر حمید اللہ کو یہ نوٹ لکھنا پڑا۔

”کتب المجرب میں تمام کتبِ مغازی کے مقابلے میں بعض غزوات کی تاریخوں میں
اختلاف ہے، متنبہ رہتے! ملے

اس صورت میں دیکھنا یہ ہے کہ ہمارے لئے ابن حبیب کی یہ تاریخی تفصیلات کہاں تک قابل
قبول ہیں؟

ابن حبیب اور مجرب کی حیثیت | ابن حبیب تیسری صدی ہجری کے نصف اول کے مصنف ہیں، یہ
واقعی اور بن ہشام سے قریب العهد اور ابن سعد المتوفی (۲۴۵ھ) کے معاصر تھے، اس اعتبار سے
ان کا شمار متقدمین میں ہوتا ہے، تقریباً ۴۵ کتابیں تصنیف پائی ہیں، جن میں سے ان کی کتاب
”المجرب“ کو ایک خاص درجہ امتیاز حاصل ہے، ابن ندیم، خطیب بغدادی، اور یاقوت حموی وغیرہ نے انکی
تصنیفات کا تذکرہ کیا ہے، اور البیہ وقی اور اصغہانی وغیرہ نے ان سے استناد کیا ہے۔ اس اعتبار سے
وہ کہنا درست ہوگا کہ غزوات و سرایا کی تاریخیں بیان کرنے میں اس فاضل مصنف نے احتیاط سے کام
نہیں لیا، پھر بھی یہ واقعہ ہے کہ ہمیں ان کی ابتدائی سندب ماخذ اصلی کا کوئی علم نہیں، اور جیسا کہ ڈاکٹر
حمید اللہ نے لکھا ہے، عام طور پر کسی سیرت یا مغازی کی کتاب میں ابن حبیب جیسی تاریخی تفصیلات
نظر نہیں آتیں، گویا اس لحاظ سے ابن حبیب ”مغزوہ“ ہیں، ہاں طبری کے یہاں کچھ واقعات کی
تاریخیں دی گئی ہیں، جو ابن حبیب سے بیان کی گئیں، اور اس سے یہ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ یا تو
طبری نے یہ تاریخیں خود ابن حبیب سے لیں، یا ان دونوں کا کون مشترک ماخذ تھا، جو آج ہمارے

سمانے نہیں، میرا خیال ہے کہ مشترک ماخذ کا ہونا زیادہ قرین قیاس ہے، اس لئے کہ طبری نے یہاں کچھ الفاظ زیادہ نظر آتے ہیں، جن کو ابن حبیب نے غالباً اختصار کی خاطر حذف کر دیا ہے، بہر حال یہ تاریخی حسب ذیل ہیں :-
 ابن اسحاق اور ابن ہشام کا بیان ہے کہ بدر کے بعد مدینے پہنچتے ہی پیغمبر اسلام نے بمشکل ایک مہینے آرام فرمایا ہوگا، کہ بنو سلیم اور غطفان کے اجتماع کی اطلاع مدینے پہنچی، اسے جس کو سن کر آپ فوراً ہی بنو سلیم کی طرف بڑے اور قرقرۃ الکدر تک جا پہنچے، اس غزوے کی تاریخ اور دن کسی قدیم سیرۃ نگار کے یہاں محفوظ نہیں، مگر ابن حبیب کا بیان ہے :-

”قرقرۃ الکدر کی جانب جمعہ یکم شوال کو کوچ فرمایا“

طبری نے اس سے بھی زیادہ وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ :-

”بعد ازاں قرقرۃ الکدر پر لشکر کشی کی تو آپ مدینے سے جمعہ کے دن ارتفاع شمس کے بعد یکم شوال کو نکلے“

اسی طرح ابن اسحاق اور ابن ہشام نے غزوہ بنی قینقاع کی کوئی واضح توفیق صراحت نہیں کی ہے۔ لیکن داقدی، در ابن سعد کے یہاں اس کو نصف شوال سنہ کا واقعہ ہا ہر کیا گیا ہے، بخلاف اس کے ابن حبیب نے اس کی تاریخ ص ب سے ہٹ کر صفر سنہ بیان کی ہے وہ کہتے ہیں کہ :-
 ”بنی قینقاع کا محاصرہ یکشنبہ کے دن، صفر کو کیا“

طبری نے بھی اس غزوے کے سلسلے میں ایک قول صفری کے متعلق نقل کیا ہے :- وہ کہتے ہیں کہ :-
 ”گمان کیا جاتا ہے کہ نبی علیہ السلام نے ان سے ۹ صفر کو جنگ کی“

ابن حبیب نے لفظ ”سبع (سات) اور طبری نے ”تسع“ (نو) استعمال کیا ہے، اس سے یہ اختلاف بظاہر تجنیس خطی کی وجہ سے ہوا ہوگا، در نہ جہاں تک ماخذ کا تعلق ہے، وہ غالباً مشترک تھا۔

اس مشترک دستاویز سب سے بڑی شہادت سریہ غالب بنی عبد اللہ الیشی ہے جو طبری کے بقول

”سی سنہ بعد عین اس زمانے کا واقعہ ہے جب پیغمبر سلمہ بنو سلیم پر حملہ آور تھے، اس واقعے کی توفیق نہ تو ابن اسحاق

سہ ابن ہشام ۳۶۰/۳ - لکے ابن حبیب ۱۱۱/۱ - لکے طبری ۲۹۸/۲ - لکے داقدی ۱۱۱/۱ ابن سعد ۱۹/۲ -

سہ ابن حبیب ۱۱۲/۱ - لکے طبری ۲۹۸/۲ -

ادولابن ہشام نے کی ہے، اور نہ واقعی اور ابن سعد نے، لیکن ابن حبیب لکھتے ہیں کہ:
 ”نبی (صلعم) نے غالب بن عبداللہ اللیثی کو کیشنے کے دن ۱۰ ارشوال کو ردائے کیا، تو
 ان کی بنو سلیم سے ٹھہڑ ہوئی اور جنگ ہوئی، اور یہ لوگ ہفتے کے دن جبکہ ارشوال کے ۱۴ دن
 باقی تھے، مالی غنیمت کے ساتھ واپس ہوئے۔“

طبری کے یہاں بھی بعینہ یہی تاریخی تفصیلات کچھ اضافے کے ساتھ ملتی ہے، وہ لکھتے ہیں کہ:
 ”اور بعض مورخ بیان کرتے ہیں کہ جب پیغمبر اسلام غزوہ بدر سے واپس آئے، تو آپ نے
 بلال راہی کے دشمن کے مویشیوں اور گلوں کو ہانک لیا تھا، اور آپ کی اس غزوے سے تشریف آوری
 جیسا کہ گمان کیا جاتا ہے ۱۰ ارشوال کو ہوئی تھی، تو آپ نے غالب بن عبداللہ اللیثی کو کیشنے کے
 دن ۱۰ ارشوال کو بنی سلیم کی طرف ردائے کیا، ان کی جنگ ہوئی، اور انھوں نے بنو سلیم کے مویشی
 پکڑ لئے اور مالی غنیمت کے ساتھ ہفتے کے دن جبکہ سوال کی ۱۴ راتیں باقی تھیں واپس آئے۔“

اس سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ ابن حبیب اور طبری کا ماخذ کوئی مشترک دستاویز تھی جو اس وقت ہمارے سامنے نہیں۔
 ادھر کی مثالوں سے پتہ چلتا ہے کہ ان غزوات و سرایا کی تاریخی تفصیلات کے ذیل میں ابن حبیب کے
 سامنے جو دستاویز تھی، وہ کم سے کم طبری کے زمانہ تک متداول رہی، اور قابل استناد سمجھی جاتی تھی، اور
 ہر چند کہ ابن حبیب کی طرح طبری نے بھی اس سند کی کوئی ادنیٰ نث نہ دی نہیں کہ ہے بلکہ ہر جگہ ”وَقَالَ
 بَعْضُهُمْ“ کہہ کر نظر انداز کر دیا ہے، تاہم اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا، کہ یہ دستاویز اتنی اہم ضرورت تھی، کہ طبری
 جیسے محتاط مورخ نے اس کو قابل نقل سمجھا۔

اس طرح ہم ابن اسحاق اور واقعی کی دستاویزوں کے علاوہ ایک تیسری شنی دستاویز کو روشناس کرتے ہیں۔
 یہاں میں اتنی بات واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ اگرچہ ابن حبیب ابن اسحاق کے تعابض میں واقعی سے زیادہ
 قریب بعید تھے، لیکن ”مُجَرِّم“ میں جو تاریخیں ملتی ہیں وہ زیادہ تر ابن اسحاق کی تاریخوں کی ایک طرح تفصیل مزید یا تکرار ہی جاسکتی
 ہیں، واقعی کی منفرد تاریخوں میں سے ابن حبیب نے کسی ایک تاریخ کو قبول نہیں کیا ہے۔ (باقی)

۱۴/ ابن حبیب ۱۴۹ - ۲۹۹/۳ - ۳۵۰ - ۳۵۱ - ۳۵۲ - ۳۵۳ - ۳۵۴ - ۳۵۵ - ۳۵۶ - ۳۵۷ - ۳۵۸ - ۳۵۹ - ۳۶۰ - ۳۶۱ - ۳۶۲ - ۳۶۳ - ۳۶۴ - ۳۶۵ - ۳۶۶ - ۳۶۷ - ۳۶۸ - ۳۶۹ - ۳۷۰ - ۳۷۱ - ۳۷۲ - ۳۷۳ - ۳۷۴ - ۳۷۵ - ۳۷۶ - ۳۷۷ - ۳۷۸ - ۳۷۹ - ۳۸۰ - ۳۸۱ - ۳۸۲ - ۳۸۳ - ۳۸۴ - ۳۸۵ - ۳۸۶ - ۳۸۷ - ۳۸۸ - ۳۸۹ - ۳۹۰ - ۳۹۱ - ۳۹۲ - ۳۹۳ - ۳۹۴ - ۳۹۵ - ۳۹۶ - ۳۹۷ - ۳۹۸ - ۳۹۹ - ۴۰۰ - ۴۰۱ - ۴۰۲ - ۴۰۳ - ۴۰۴ - ۴۰۵ - ۴۰۶ - ۴۰۷ - ۴۰۸ - ۴۰۹ - ۴۱۰ - ۴۱۱ - ۴۱۲ - ۴۱۳ - ۴۱۴ - ۴۱۵ - ۴۱۶ - ۴۱۷ - ۴۱۸ - ۴۱۹ - ۴۲۰ - ۴۲۱ - ۴۲۲ - ۴۲۳ - ۴۲۴ - ۴۲۵ - ۴۲۶ - ۴۲۷ - ۴۲۸ - ۴۲۹ - ۴۳۰ - ۴۳۱ - ۴۳۲ - ۴۳۳ - ۴۳۴ - ۴۳۵ - ۴۳۶ - ۴۳۷ - ۴۳۸ - ۴۳۹ - ۴۴۰ - ۴۴۱ - ۴۴۲ - ۴۴۳ - ۴۴۴ - ۴۴۵ - ۴۴۶ - ۴۴۷ - ۴۴۸ - ۴۴۹ - ۴۵۰ - ۴۵۱ - ۴۵۲ - ۴۵۳ - ۴۵۴ - ۴۵۵ - ۴۵۶ - ۴۵۷ - ۴۵۸ - ۴۵۹ - ۴۶۰ - ۴۶۱ - ۴۶۲ - ۴۶۳ - ۴۶۴ - ۴۶۵ - ۴۶۶ - ۴۶۷ - ۴۶۸ - ۴۶۹ - ۴۷۰ - ۴۷۱ - ۴۷۲ - ۴۷۳ - ۴۷۴ - ۴۷۵ - ۴۷۶ - ۴۷۷ - ۴۷۸ - ۴۷۹ - ۴۸۰ - ۴۸۱ - ۴۸۲ - ۴۸۳ - ۴۸۴ - ۴۸۵ - ۴۸۶ - ۴۸۷ - ۴۸۸ - ۴۸۹ - ۴۹۰ - ۴۹۱ - ۴۹۲ - ۴۹۳ - ۴۹۴ - ۴۹۵ - ۴۹۶ - ۴۹۷ - ۴۹۸ - ۴۹۹ - ۵۰۰ - ۵۰۱ - ۵۰۲ - ۵۰۳ - ۵۰۴ - ۵۰۵ - ۵۰۶ - ۵۰۷ - ۵۰۸ - ۵۰۹ - ۵۱۰ - ۵۱۱ - ۵۱۲ - ۵۱۳ - ۵۱۴ - ۵۱۵ - ۵۱۶ - ۵۱۷ - ۵۱۸ - ۵۱۹ - ۵۲۰ - ۵۲۱ - ۵۲۲ - ۵۲۳ - ۵۲۴ - ۵۲۵ - ۵۲۶ - ۵۲۷ - ۵۲۸ - ۵۲۹ - ۵۳۰ - ۵۳۱ - ۵۳۲ - ۵۳۳ - ۵۳۴ - ۵۳۵ - ۵۳۶ - ۵۳۷ - ۵۳۸ - ۵۳۹ - ۵۴۰ - ۵۴۱ - ۵۴۲ - ۵۴۳ - ۵۴۴ - ۵۴۵ - ۵۴۶ - ۵۴۷ - ۵۴۸ - ۵۴۹ - ۵۵۰ - ۵۵۱ - ۵۵۲ - ۵۵۳ - ۵۵۴ - ۵۵۵ - ۵۵۶ - ۵۵۷ - ۵۵۸ - ۵۵۹ - ۵۶۰ - ۵۶۱ - ۵۶۲ - ۵۶۳ - ۵۶۴ - ۵۶۵ - ۵۶۶ - ۵۶۷ - ۵۶۸ - ۵۶۹ - ۵۷۰ - ۵۷۱ - ۵۷۲ - ۵۷۳ - ۵۷۴ - ۵۷۵ - ۵۷۶ - ۵۷۷ - ۵۷۸ - ۵۷۹ - ۵۸۰ - ۵۸۱ - ۵۸۲ - ۵۸۳ - ۵۸۴ - ۵۸۵ - ۵۸۶ - ۵۸۷ - ۵۸۸ - ۵۸۹ - ۵۹۰ - ۵۹۱ - ۵۹۲ - ۵۹۳ - ۵۹۴ - ۵۹۵ - ۵۹۶ - ۵۹۷ - ۵۹۸ - ۵۹۹ - ۶۰۰ - ۶۰۱ - ۶۰۲ - ۶۰۳ - ۶۰۴ - ۶۰۵ - ۶۰۶ - ۶۰۷ - ۶۰۸ - ۶۰۹ - ۶۱۰ - ۶۱۱ - ۶۱۲ - ۶۱۳ - ۶۱۴ - ۶۱۵ - ۶۱۶ - ۶۱۷ - ۶۱۸ - ۶۱۹ - ۶۲۰ - ۶۲۱ - ۶۲۲ - ۶۲۳ - ۶۲۴ - ۶۲۵ - ۶۲۶ - ۶۲۷ - ۶۲۸ - ۶۲۹ - ۶۳۰ - ۶۳۱ - ۶۳۲ - ۶۳۳ - ۶۳۴ - ۶۳۵ - ۶۳۶ - ۶۳۷ - ۶۳۸ - ۶۳۹ - ۶۴۰ - ۶۴۱ - ۶۴۲ - ۶۴۳ - ۶۴۴ - ۶۴۵ - ۶۴۶ - ۶۴۷ - ۶۴۸ - ۶۴۹ - ۶۵۰ - ۶۵۱ - ۶۵۲ - ۶۵۳ - ۶۵۴ - ۶۵۵ - ۶۵۶ - ۶۵۷ - ۶۵۸ - ۶۵۹ - ۶۶۰ - ۶۶۱ - ۶۶۲ - ۶۶۳ - ۶۶۴ - ۶۶۵ - ۶۶۶ - ۶۶۷ - ۶۶۸ - ۶۶۹ - ۶۷۰ - ۶۷۱ - ۶۷۲ - ۶۷۳ - ۶۷۴ - ۶۷۵ - ۶۷۶ - ۶۷۷ - ۶۷۸ - ۶۷۹ - ۶۸۰ - ۶۸۱ - ۶۸۲ - ۶۸۳ - ۶۸۴ - ۶۸۵ - ۶۸۶ - ۶۸۷ - ۶۸۸ - ۶۸۹ - ۶۹۰ - ۶۹۱ - ۶۹۲ - ۶۹۳ - ۶۹۴ - ۶۹۵ - ۶۹۶ - ۶۹۷ - ۶۹۸ - ۶۹۹ - ۷۰۰ - ۷۰۱ - ۷۰۲ - ۷۰۳ - ۷۰۴ - ۷۰۵ - ۷۰۶ - ۷۰۷ - ۷۰۸ - ۷۰۹ - ۷۱۰ - ۷۱۱ - ۷۱۲ - ۷۱۳ - ۷۱۴ - ۷۱۵ - ۷۱۶ - ۷۱۷ - ۷۱۸ - ۷۱۹ - ۷۲۰ - ۷۲۱ - ۷۲۲ - ۷۲۳ - ۷۲۴ - ۷۲۵ - ۷۲۶ - ۷۲۷ - ۷۲۸ - ۷۲۹ - ۷۳۰ - ۷۳۱ - ۷۳۲ - ۷۳۳ - ۷۳۴ - ۷۳۵ - ۷۳۶ - ۷۳۷ - ۷۳۸ - ۷۳۹ - ۷۴۰ - ۷۴۱ - ۷۴۲ - ۷۴۳ - ۷۴۴ - ۷۴۵ - ۷۴۶ - ۷۴۷ - ۷۴۸ - ۷۴۹ - ۷۵۰ - ۷۵۱ - ۷۵۲ - ۷۵۳ - ۷۵۴ - ۷۵۵ - ۷۵۶ - ۷۵۷ - ۷۵۸ - ۷۵۹ - ۷۶۰ - ۷۶۱ - ۷۶۲ - ۷۶۳ - ۷۶۴ - ۷۶۵ - ۷۶۶ - ۷۶۷ - ۷۶۸ - ۷۶۹ - ۷۷۰ - ۷۷۱ - ۷۷۲ - ۷۷۳ - ۷۷۴ - ۷۷۵ - ۷۷۶ - ۷۷۷ - ۷۷۸ - ۷۷۹ - ۷۸۰ - ۷۸۱ - ۷۸۲ - ۷۸۳ - ۷۸۴ - ۷۸۵ - ۷۸۶ - ۷۸۷ - ۷۸۸ - ۷۸۹ - ۷۹۰ - ۷۹۱ - ۷۹۲ - ۷۹۳ - ۷۹۴ - ۷۹۵ - ۷۹۶ - ۷۹۷ - ۷۹۸ - ۷۹۹ - ۸۰۰ - ۸۰۱ - ۸۰۲ - ۸۰۳ - ۸۰۴ - ۸۰۵ - ۸۰۶ - ۸۰۷ - ۸۰۸ - ۸۰۹ - ۸۱۰ - ۸۱۱ - ۸۱۲ - ۸۱۳ - ۸۱۴ - ۸۱۵ - ۸۱۶ - ۸۱۷ - ۸۱۸ - ۸۱۹ - ۸۲۰ - ۸۲۱ - ۸۲۲ - ۸۲۳ - ۸۲۴ - ۸۲۵ - ۸۲۶ - ۸۲۷ - ۸۲۸ - ۸۲۹ - ۸۳۰ - ۸۳۱ - ۸۳۲ - ۸۳۳ - ۸۳۴ - ۸۳۵ - ۸۳۶ - ۸۳۷ - ۸۳۸ - ۸۳۹ - ۸۴۰ - ۸۴۱ - ۸۴۲ - ۸۴۳ - ۸۴۴ - ۸۴۵ - ۸۴۶ - ۸۴۷ - ۸۴۸ - ۸۴۹ - ۸۵۰ - ۸۵۱ - ۸۵۲ - ۸۵۳ - ۸۵۴ - ۸۵۵ - ۸۵۶ - ۸۵۷ - ۸۵۸ - ۸۵۹ - ۸۶۰ - ۸۶۱ - ۸۶۲ - ۸۶۳ - ۸۶۴ - ۸۶۵ - ۸۶۶ - ۸۶۷ - ۸۶۸ - ۸۶۹ - ۸۷۰ - ۸۷۱ - ۸۷۲ - ۸۷۳ - ۸۷۴ - ۸۷۵ - ۸۷۶ - ۸۷۷ - ۸۷۸ - ۸۷۹ - ۸۸۰ - ۸۸۱ - ۸۸۲ - ۸۸۳ - ۸۸۴ - ۸۸۵ - ۸۸۶ - ۸۸۷ - ۸۸۸ - ۸۸۹ - ۸۹۰ - ۸۹۱ - ۸۹۲ - ۸۹۳ - ۸۹۴ - ۸۹۵ - ۸۹۶ - ۸۹۷ - ۸۹۸ - ۸۹۹ - ۹۰۰ - ۹۰۱ - ۹۰۲ - ۹۰۳ - ۹۰۴ - ۹۰۵ - ۹۰۶ - ۹۰۷ - ۹۰۸ - ۹۰۹ - ۹۱۰ - ۹۱۱ - ۹۱۲ - ۹۱۳ - ۹۱۴ - ۹۱۵ - ۹۱۶ - ۹۱۷ - ۹۱۸ - ۹۱۹ - ۹۲۰ - ۹۲۱ - ۹۲۲ - ۹۲۳ - ۹۲۴ - ۹۲۵ - ۹۲۶ - ۹۲۷ - ۹۲۸ - ۹۲۹ - ۹۳۰ - ۹۳۱ - ۹۳۲ - ۹۳۳ - ۹۳۴ - ۹۳۵ - ۹۳۶ - ۹۳۷ - ۹۳۸ - ۹۳۹ - ۹۴۰ - ۹۴۱ - ۹۴۲ - ۹۴۳ - ۹۴۴ - ۹۴۵ - ۹۴۶ - ۹۴۷ - ۹۴۸ - ۹۴۹ - ۹۵۰ - ۹۵۱ - ۹۵۲ - ۹۵۳ - ۹۵۴ - ۹۵۵ - ۹۵۶ - ۹۵۷ - ۹۵۸ - ۹۵۹ - ۹۶۰ - ۹۶۱ - ۹۶۲ - ۹۶۳ - ۹۶۴ - ۹۶۵ - ۹۶۶ - ۹۶۷ - ۹۶۸ - ۹۶۹ - ۹۷۰ - ۹۷۱ - ۹۷۲ - ۹۷۳ - ۹۷۴ - ۹۷۵ - ۹۷۶ - ۹۷۷ - ۹۷۸ - ۹۷۹ - ۹۸۰ - ۹۸۱ - ۹۸۲ - ۹۸۳ - ۹۸۴ - ۹۸۵ - ۹۸۶ - ۹۸۷ - ۹۸۸ - ۹۸۹ - ۹۹۰ - ۹۹۱ - ۹۹۲ - ۹۹۳ - ۹۹۴ - ۹۹۵ - ۹۹۶ - ۹۹۷ - ۹۹۸ - ۹۹۹ - ۱۰۰۰ - ۱۰۰۱ - ۱۰۰۲ - ۱۰۰۳ - ۱۰۰۴ - ۱۰۰۵ - ۱۰۰۶ - ۱۰۰۷ - ۱۰۰۸ - ۱۰۰۹ - ۱۰۱۰ - ۱۰۱۱ - ۱۰۱۲ - ۱۰۱۳ - ۱۰۱۴ - ۱۰۱۵ - ۱۰۱۶ - ۱۰۱۷ - ۱۰۱۸ - ۱۰۱۹ - ۱۰۲۰ - ۱۰۲۱ - ۱۰۲۲ - ۱۰۲۳ - ۱۰۲۴ - ۱۰۲۵ - ۱۰۲۶ - ۱۰۲۷ - ۱۰۲۸ - ۱۰۲۹ - ۱۰۳۰ - ۱۰۳۱ - ۱۰۳۲ - ۱۰۳۳ - ۱۰۳۴ - ۱۰۳۵ - ۱۰۳۶ - ۱۰۳۷ - ۱۰۳۸ - ۱۰۳۹ - ۱۰۴۰ - ۱۰۴۱ - ۱۰۴۲ - ۱۰۴۳ - ۱۰۴۴ - ۱۰۴۵ - ۱۰۴۶ - ۱۰۴۷ - ۱۰۴۸ - ۱۰۴۹ - ۱۰۵۰ - ۱۰۵۱ - ۱۰۵۲ - ۱۰۵۳ - ۱۰۵۴ - ۱۰۵۵ - ۱۰۵۶ - ۱۰۵۷ - ۱۰۵۸ - ۱۰۵۹ - ۱۰۶۰ - ۱۰۶۱ - ۱۰۶۲ - ۱۰۶۳ - ۱۰۶۴ - ۱۰۶۵ - ۱۰۶۶ - ۱۰۶۷ - ۱۰۶۸ - ۱۰۶۹ - ۱۰۷۰ - ۱۰۷۱ - ۱۰۷۲ - ۱۰۷۳ - ۱۰۷۴ - ۱۰۷۵ - ۱۰۷۶ - ۱۰۷۷ - ۱۰۷۸ - ۱۰۷۹ - ۱۰۸۰ - ۱۰۸۱ - ۱۰۸۲ - ۱۰۸۳ - ۱۰۸۴ - ۱۰۸۵ - ۱۰۸۶ - ۱۰۸۷ - ۱۰۸۸ - ۱۰۸۹ - ۱۰۹۰ - ۱۰۹۱ - ۱۰۹۲ - ۱۰۹۳ - ۱۰۹۴ - ۱۰۹۵ - ۱۰۹۶ - ۱۰۹۷ - ۱۰۹۸ - ۱۰۹۹ - ۱۱۰۰ - ۱۱۰۱ - ۱۱۰۲ - ۱۱۰۳ - ۱۱۰۴ - ۱۱۰۵ - ۱۱۰۶ - ۱۱۰۷ - ۱۱۰۸ - ۱۱۰۹ - ۱۱۱۰ - ۱۱۱۱ - ۱۱۱۲ - ۱۱۱۳ - ۱۱۱۴ - ۱۱۱۵ - ۱۱۱۶ - ۱۱۱۷ - ۱۱۱۸ - ۱۱۱۹ - ۱۱۲۰ - ۱۱۲۱ - ۱۱۲۲ - ۱۱۲۳ - ۱۱۲۴ - ۱۱۲۵ - ۱۱۲۶ - ۱۱۲۷ - ۱۱۲۸ - ۱۱۲۹ - ۱۱۳۰ - ۱۱۳۱ - ۱۱۳۲ - ۱۱۳۳ - ۱۱۳۴ - ۱۱۳۵ - ۱۱۳۶ - ۱۱۳۷ - ۱۱۳۸ - ۱۱۳۹ - ۱۱۴۰ - ۱۱۴۱ - ۱۱۴۲ - ۱۱۴۳ - ۱۱۴۴ - ۱۱۴۵ - ۱۱۴۶ - ۱۱۴۷ - ۱۱۴۸ - ۱۱۴۹ - ۱۱۵۰ - ۱۱۵۱ - ۱۱۵۲ - ۱۱۵۳ - ۱۱۵۴ - ۱۱۵۵ - ۱۱۵۶ - ۱۱۵۷ - ۱۱۵۸ - ۱۱۵۹ - ۱۱۶۰ - ۱۱۶۱ - ۱۱۶۲ - ۱۱۶۳ - ۱۱۶۴ - ۱۱۶۵ - ۱۱۶۶ - ۱۱۶۷ - ۱۱۶۸ - ۱۱۶۹ - ۱۱۷۰ - ۱۱۷۱ - ۱۱۷۲ - ۱۱۷۳ - ۱۱۷۴ - ۱۱۷۵ - ۱۱۷۶ - ۱۱۷۷ - ۱۱۷۸ - ۱۱۷۹ - ۱۱۸۰ - ۱۱۸۱ - ۱۱۸۲ - ۱۱۸۳ - ۱۱۸۴ - ۱۱۸۵ - ۱۱۸۶ - ۱۱۸۷ - ۱۱۸۸ - ۱۱۸۹ - ۱۱۹۰ - ۱۱۹۱ - ۱۱۹۲ - ۱۱۹۳ - ۱۱۹۴ - ۱۱۹۵ - ۱۱۹۶ - ۱۱۹۷ - ۱۱۹۸ - ۱۱۹۹ - ۱۲۰۰ - ۱۲۰۱ - ۱۲۰۲ - ۱۲۰۳ - ۱۲۰۴ - ۱۲۰۵ - ۱۲۰۶ - ۱۲۰۷ - ۱۲۰۸ - ۱۲۰۹ - ۱۲۱۰ - ۱۲۱۱ - ۱۲۱۲ - ۱۲۱۳ - ۱۲۱۴ - ۱۲۱۵ - ۱۲۱۶ - ۱۲۱۷ - ۱۲۱۸ - ۱۲۱۹ - ۱۲۲۰ - ۱۲۲۱ - ۱۲۲۲ - ۱۲۲۳ - ۱۲۲۴ - ۱۲۲۵ - ۱۲۲۶ - ۱۲۲۷ - ۱۲۲۸ - ۱۲۲۹ - ۱۲۳۰ - ۱۲۳۱ - ۱۲۳۲ - ۱۲۳۳ - ۱۲۳۴ - ۱۲۳۵ - ۱۲۳۶ - ۱۲۳۷ - ۱۲۳۸ - ۱۲۳۹ - ۱۲۴۰ - ۱۲۴۱ - ۱۲۴۲ - ۱۲۴۳ - ۱۲۴۴ - ۱۲۴۵ - ۱۲۴۶ - ۱۲۴۷ - ۱۲۴۸ - ۱۲۴۹ - ۱۲۵۰ - ۱۲۵۱ - ۱۲۵۲ - ۱۲۵۳ - ۱۲۵۴ - ۱۲۵۵ - ۱۲۵۶ - ۱۲۵۷ - ۱۲۵۸ - ۱۲۵۹ - ۱۲۶۰ - ۱۲۶۱ - ۱۲۶۲ - ۱۲۶۳ - ۱۲۶۴ - ۱۲۶۵ - ۱۲۶۶ - ۱۲۶۷ - ۱۲۶۸ - ۱۲۶۹ - ۱۲۷۰ - ۱۲۷۱ - ۱۲۷۲ - ۱۲۷۳ - ۱۲۷۴ - ۱۲۷۵ - ۱۲۷۶ - ۱۲۷۷ - ۱۲۷۸ - ۱۲۷۹ - ۱۲۸۰ - ۱۲۸۱ - ۱۲۸۲ - ۱۲۸۳ - ۱۲۸۴ - ۱۲۸۵ - ۱۲۸۶ - ۱۲۸۷ - ۱۲۸۸ - ۱۲۸۹ - ۱۲۹۰ - ۱۲۹۱ - ۱۲۹۲ - ۱۲۹۳ - ۱۲۹۴ - ۱۲۹۵ - ۱۲۹۶ - ۱۲۹۷ - ۱۲۹۸ - ۱۲۹۹ - ۱۳۰۰ - ۱۳۰۱ - ۱۳۰۲ - ۱۳۰۳ - ۱۳۰۴ - ۱۳۰۵ - ۱۳۰۶ - ۱۳۰۷ - ۱۳۰۸ - ۱۳۰۹ - ۱۳۱۰ - ۱۳۱۱ - ۱۳۱۲ - ۱۳۱۳ - ۱۳۱۴ - ۱۳۱۵ - ۱۳۱۶ - ۱۳۱۷ - ۱۳۱۸ - ۱۳۱۹ - ۱۳۲۰ - ۱۳۲۱ - ۱۳۲۲ - ۱۳۲۳ - ۱۳۲۴ - ۱۳۲۵ - ۱۳۲۶ - ۱۳۲۷ - ۱۳۲۸ - ۱۳۲۹ - ۱۳۳۰ - ۱۳۳۱ - ۱۳۳۲ - ۱۳۳۳ - ۱۳۳۴ - ۱۳۳۵ - ۱۳۳۶ - ۱۳۳۷ - ۱۳۳۸ - ۱۳۳۹ - ۱۳۴۰ - ۱۳۴۱ - ۱۳۴۲ - ۱۳۴۳ - ۱۳۴۴ - ۱۳۴۵ - ۱۳۴۶ - ۱۳۴۷ - ۱۳۴۸ - ۱۳۴۹ - ۱۳۵۰ - ۱۳۵۱ - ۱۳۵۲ - ۱۳۵۳ - ۱۳۵۴ - ۱۳۵۵ - ۱۳۵۶ - ۱۳۵۷ - ۱۳۵۸ - ۱۳۵۹ - ۱۳۶۰ - ۱۳۶۱ - ۱۳۶۲ - ۱۳۶۳ - ۱۳۶۴ - ۱۳۶۵ - ۱۳۶۶ - ۱۳۶۷ - ۱۳۶۸ - ۱۳۶۹ - ۱۳۷۰ - ۱۳۷۱ - ۱۳۷۲ - ۱۳۷۳ - ۱۳۷۴ - ۱۳۷۵ - ۱۳۷۶ - ۱۳۷۷ - ۱۳۷۸ - ۱۳۷۹ - ۱۳۸۰ - ۱۳۸۱ - ۱۳۸۲ - ۱۳۸۳ - ۱۳۸۴ - ۱۳۸۵ - ۱۳۸۶ - ۱۳۸۷ - ۱۳۸۸ - ۱۳۸۹ - ۱۳۹۰ - ۱۳۹۱ - ۱۳۹۲ - ۱۳۹۳ - ۱۳۹۴ - ۱۳۹۵ - ۱۳۹۶ - ۱۳۹۷ - ۱۳۹۸ - ۱۳۹۹ - ۱۴۰۰ - ۱۴۰۱ - ۱۴۰۲ - ۱۴۰۳ - ۱۴۰۴ - ۱۴۰۵ - ۱۴۰۶ - ۱۴۰۷ - ۱۴۰۸ - ۱۴۰۹ - ۱۴۱۰ - ۱۴۱۱ - ۱۴۱۲ - ۱۴۱۳ - ۱۴۱۴ - ۱۴۱۵ - ۱۴۱۶ - ۱۴۱۷ - ۱۴۱۸ - ۱۴۱۹ - ۱۴۲۰ - ۱۴۲۱ - ۱۴۲۲ - ۱۴۲۳ - ۱۴۲۴ - ۱۴۲۵ - ۱۴۲۶ - ۱۴۲۷ - ۱۴۲۸ - ۱۴۲۹ - ۱۴۳۰ - ۱۴۳۱ - ۱۴۳۲ - ۱۴۳۳ - ۱۴۳۴ - ۱۴۳۵ - ۱۴۳۶ - ۱۴۳۷ - ۱۴۳۸ - ۱۴۳۹ - ۱۴۴۰ - ۱۴۴۱ - ۱۴۴۲ - ۱۴۴۳ - ۱۴۴۴ - ۱۴۴۵ - ۱۴۴۶ - ۱۴۴۷ - ۱۴۴۸ - ۱۴۴۹ - ۱۴۵۰ - ۱۴۵۱ - ۱۴۵۲ - ۱۴۵۳ - ۱۴۵۴ - ۱۴۵۵ - ۱۴۵۶ - ۱۴۵۷ - ۱۴۵۸ - ۱۴۵۹ - ۱۴۶۰ - ۱۴۶۱ - ۱۴۶۲ - ۱۴۶۳ - ۱۴۶۴ - ۱۴۶۵ - ۱۴۶۶ - ۱۴۶۷ - ۱۴۶۸ - ۱۴۶۹ - ۱۴۷۰ - ۱۴۷۱ - ۱۴۷۲ - ۱۴۷۳ - ۱۴۷۴ - ۱۴۷۵ - ۱۴۷۶ - ۱۴۷۷ - ۱۴۷۸ - ۱۴۷۹ - ۱۴۸۰ - ۱۴۸۱ - ۱۴۸۲ - ۱۴۸۳ - ۱۴۸۴ - ۱۴۸۵ - ۱۴۸۶ - ۱۴۸۷ - ۱۴۸۸ - ۱۴۸۹ - ۱۴۹۰ - ۱۴۹۱ - ۱۴۹۲ - ۱۴۹۳ - ۱۴۹۴ - ۱۴۹۵ - ۱۴۹۶ - ۱۴۹۷ - ۱۴۹۸ - ۱۴۹۹ - ۱۵۰۰ - ۱۵۰۱ - ۱۵۰۲ - ۱۵۰۳ - ۱۵۰۴ - ۱۵۰۵ - ۱۵۰۶ - ۱۵۰۷ - ۱۵۰۸ - ۱۵۰۹ - ۱۵۱۰ - ۱۵۱۱ - ۱۵۱۲ - ۱۵۱۳ - ۱۵۱۴ - ۱۵۱۵ - ۱۵۱۶ - ۱۵۱۷ - ۱۵۱۸ - ۱۵۱۹ - ۱۵۲۰ - ۱۵۲۱ - ۱۵۲۲ - ۱۵۲۳ - ۱۵۲۴ - ۱۵۲۵ - ۱۵۲۶ - ۱۵۲۷ - ۱۵۲۸ - ۱۵۲۹ - ۱۵۳۰ - ۱۵۳۱ - ۱۵۳۲ - ۱۵۳۳ - ۱۵۳۴ - ۱۵۳۵ - ۱۵۳۶ - ۱۵۳۷ - ۱۵۳۸ - ۱۵۳۹ - ۱۵۴۰ - ۱۵۴۱ - ۱۵۴۲ - ۱۵۴۳ - ۱۵۴۴ - ۱۵۴۵ - ۱۵۴۶ - ۱۵۴۷ - ۱۵۴۸ - ۱۵۴۹ - ۱۵۵۰ - ۱۵۵۱ - ۱۵۵۲ - ۱۵۵۳ - ۱۵۵۴ - ۱۵۵۵ - ۱۵۵۶ - ۱۵۵۷ - ۱۵۵۸ - ۱۵۵۹ - ۱۵۶۰ - ۱۵۶۱ - ۱۵۶۲ - ۱۵۶۳ - ۱۵۶۴ - ۱۵۶۵ - ۱۵۶۶ - ۱۵۶۷ - ۱۵۶۸ - ۱۵۶۹ - ۱۵۷۰ - ۱۵۷۱ - ۱۵۷۲ - ۱۵۷۳ - ۱۵۷۴ - ۱۵۷۵ - ۱۵۷۶ - ۱۵۷۷ - ۱۵۷۸ - ۱۵۷۹ - ۱۵۸۰ - ۱۵۸۱ - ۱۵۸۲ - ۱۵۸۳ - ۱۵۸۴ - ۱۵۸۵ - ۱۵۸۶ - ۱۵۸۷ - ۱۵۸۸ - ۱۵۸۹ - ۱۵۹۰ - ۱۵۹۱ - ۱۵۹۲ - ۱۵۹۳ - ۱۵۹۴ - ۱۵۹۵ - ۱۵۹۶ - ۱۵۹۷ - ۱۵۹۸ - ۱۵۹۹ - ۱۶۰۰ - ۱۶۰۱ - ۱۶۰۲ - ۱۶۰۳ - ۱۶۰۴ - ۱۶۰۵ - ۱۶۰۶ - ۱۶۰۷ - ۱۶۰۸ - ۱۶۰۹ - ۱۶۱۰ - ۱۶۱۱

ڈاکٹر محمد اقبال کی تنقیدات و ترجیحات

درودیدہ معنی نگار حضرت اقبالؒ ۛ پیہری کرد و پیمبر نتواں گفت

جناب مولانا حکیم فضل الرحمن صاحب موافق مقیم امپور جنوبی ہند

ترجمان حقیقت ڈاکٹر محمد اقبال علیہ رحمۃ بڑے خوشیلے و درجہ بانی آدمی تھے، جب کبھی اپنے نظریے کے خلاف کسی میں کوئی بات دیکھ لیتے تو فوراً روش میں آکر اس پر تنقید فرماتے، چونکہ وہ صرف خوشیلے اور درجہ بانی تھے ضدی نہ تھے، اس سے پھر اگر یہ معلوم ہو جاتا کہ میں شامی پر ہوں یا یہ مسوم ہو جاتا کہ لوگ ان کی تنقید کو پسند نہیں کرتے تو فوراً اس سے رجوع فرماتے اور آئندہ شامت سے اس تنقید کو خارج کر دیتے، اس موقع پر میں چند تنقیدات و ترجیحات کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔

(۱) ڈاکٹر محمد اقبال کی پہلی تصنیف صوفی سر بخاری شہداء میں شائع ہوئی تھی، میں نے جب اخبارات میں اس کا ذکر دیکھا تو فوراً سے مسکو یا اور پور سے دیکھا، رہیں، ذہنیات تھیں، ایک خواجہ جہانگیر پور اور دوسری صوفیائے کرام پر حادہ شیراز پر بہت سخت تنقید تھی، بیستیس عدد اشعار اس بارے میں تھے، یہ تنقید مجھے سخت ناگوار گزری، فوراً ایک خط جناب ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں لکھا کہ کتب چھپی ہے، لیکن خواجہ جہانگیر پر جو تنقید ہے وہ ٹھیک نہیں ہے، صوفیائے کرام پر جو تنقید تھی اس کا جواب خواجہ جہانگیر نے اپنے ماہنامہ رسالہ نظام المتکلم میں بہت بسط اور شرح کے ساتھ دیا، پھر اس کا جواب ڈاکٹر صاحب نے اپنے اخبار دکیل امرتسر میں دیا، اسی طرح میں بار جوہر خواجہ جس نظامی نے دیا اور تین بار ڈاکٹر صاحب نے جواب لکھا، یہ سلسلہ جاری ہی تھا کہ مجھے اپنے وطن سوانہ جانے کی ضرورت پڑی چنانچہ ماہ اگست ۱۹۶۴ء میں راجپور پہنچا اور

جناب ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں نے جو خط دربارہ تنقیدی اشعار بابت خواجہ حافظ شیرازی لکھا تھا اس کا جواب نہیں آیا، آپ نے فرمایا کہ اس قسم کے متعدد خطوط ہند اور بیرون ہند سے آئے ہیں ایک خط جولند سے شیر حسین قدوائی نے انہیں لکھا تھا اور اسی دن انہیں ملا تھا کمال کر سنایا، انہوں نے لکھا تھا کہ مثنوی اسرار خودی کو میں نے پڑھا کتاب بہت بہتر ہے، لیکن خواجہ حافظ شیرازی پر جو تنقید ہے وہ درست نہیں ہے، پھر جناب ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ جب لوگ پسند نہیں کرتے تو آئندہ ادیشن سے ان اشعار کو خارج کر دوں گا، لوگوں کی خاطر مجھے ایسا کرنا پڑے گا ورنہ حافظ شیرازی کے متعلق میرا نظریہ یہی ہے جس کا اظہار میں نے تنقیدی اشعار میں کیا ہے، پھر آپ نے فرمایا کہ حافظ نے اپنی ہستی کا ستیاناس کر دیا۔ معشوق کے سامنے اپنے آپ کو کتنا ثابت کر دیا ہے، چنانچہ انہوں نے یہ شعر سن کر دیا ہے

شہیدہ ام کہ سگاں را قنادہ می بندی + چرا بگردن حافظ نمی رکنی

میں نے کہا کہ یہ شعر مجاز نہیں ہے بلکہ حقیقت ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اسے خدا میں نے سنا ہے کہ تم فساق و فجار کو اپنی آغوشِ رحمت میں لیتے ہو حافظ جو فسق و فجور ہے اُسے کیوں اپنی آغوشِ رحمت میں نہیں لیتے، یہ سن کر ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ آپ تو خاص آدمی ہیں مگر عامہ تو عوام سے ہے، میں نے کہا کہ دیوانِ حافظ بھی تو عوام کی چیز نہیں، بلکہ خواص کی ہے آپ نے فرمایا کہ اطمینان رکھئے، میں ضرور ان تنقیدی اشعار کو حذف کر دوں گا، چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا، وہ تنقیدی اشعار یہی ہیں، غور سے ملاحظہ فرمائیں۔

ہوشیار از حافظ صہبا گسار + جامش از زہرا جل سرمایہ دار

ربن ساقی خرد پر ہیز او + سے علاج ہول رستہ خیز او

نیست غیر از بادہ در بازار او + از دد جام آشفہ شد دستار او

چوں خراب از بادہ گھلگوں شود + مایہ در چشمت تیروں شود

سفتی اقلیم او مینا بدوش + محتسب مہنوں پیر سے فروش

طوت ساغر کرد مثل زنگے + خواست فتویٰ از رباب و چنگ نے

در رموز عیش و مستی کاٹے ۽ از مخم خوں در دلی پا در اگلے
 رخت شغل ساغر و ساقی گذاشت ۽ بزم زندان دئے باقی گذاشت
 چوں جس صد تالہ رسوا کشید ۽ عیش ہم در منزل جانان شدید
 در محبت پیرو فرہاد بود ۽ بر لب رو شعلہ فریاد بود
 تخم غنل آہ در کہسار کاشت ۽ طاقت پیکار با خسر و نہداشت
 سلم و ایمان او ز تار دار ۽ رخنہ اندر دیش از خرگان یار
 آنچنان مست شراب بندگی ست ۽ خواجہ و محروم ذوق خواہگی ست
 دعویٰ ادنیست غیر از قال و قیل ۽ دست او کوتاہ و خراب و نخیل
 آن فقیر ملتے خوارگان ۽ آن امام اُمت بے چارگان
 گو سفند است و نوا آموخت است ۽ عشوہ و ناز و ادا آموخت است
 دل ربائی ہائے او دہرست و بس ۽ چشم او غارت گر شہرست و بس
 ضعف را نام توانائی دہ ۽ سازاد اقوام را رسوا کند
 اربڑ یوناں زمین زیرک تر است ۽ پردہ خودش حجاب اکبرست
 نمہ چنگش دلیل انحطاط ۽ ہاتھ او جبریل انحطاط
 بجز راز جاش کہ درینائے خویش ۽ چوں مریداں حسن دارد حشیش
 از تختیل جنتے پیدا کند ۽ مرتزا بر نیستی شدید کند
 نادر اندازے کہ تاب از دل برد ۽ نادر اد مرگ را شیریں کند
 مار گلزارے کہ دارد زہر تاب ۽ صید را اول ہے آرد بخواب
 عشق با بحر گاہش خود کشی ست ۽ کشتنش مشکل کہ مار خوانگی ست
 حاتم جا دو بیاں شیرازی ست ۽ عرفی آتش بیاں شیرازی ست
 این سوی ملک خود مرکب جہانہ ۽ آن کنار آب رکتا باد ماند

ایں قستیلِ ہمتِ مردانہ : آں زمرِ زندگی ہیکانہ
 دستِ ایں گیرد ز آنچہ خوشہ : چشمِ آں از اشک دارد توشہ
 روزِ محشر رحم اگر گوید بگھر : عرتیا فردوس دور اور حیر
 غیرتِ او خندہ بر حورا زندہ : پشتِ پا بر جنت الما زند
 بادہ زن با عرتی ہنگامہ خیز : زندہ از صحبتِ حافظ گریز
 ایں نسوں خواں زندگی از مار بود : جامِ او شانِ جی از مار بود
 محفلِ او در خورِ ابرار نیست : ساغرِ او قابلِ احرار نیست
 بے نیاز از محفلِ حافظ گذر : ابحذر از گو سفنداں ابحذر
 دکھیا آپ نے کس قدر سخت تنقید ہے ؟ جسے میری طرح متقدینِ حافظؒ برداشت نہیں کر سکتے۔
 ڈاکٹر صاحب نے متذکرہ بامِ تنقیدی اشعار کو مثنوی اسرارِ خودی سے خارج کر دیا مگر حافظؒ کے متقن
 ان کا جو نظریہ ہے اُس میں کوئی فرق نہیں آیا، اگرچہ حافظؒ کو انھوں نے تنقیدی اشعار میں چادو بیس
 کہا ہے لیکن دونوں کے نظریہ کے اختلاف کی وجہ سے ان کا در حافظؒ کے متعلق صاف نہیں ہوا ہے، کہی
 پار انھوں نے حافظؒ کے اشعار پر تفسیریں کی ہیں مگر حافظؒ کا نام نہیں لیا ہے، "کلیات میں نصیحت" کے
 عنوان سے جو نظم ہے اُس میں اخیر کا شعر حافظؒ کا ہے۔

عاقبت منزلِ ما وادیِ خاموشانست : عالیا غلغلہ در گنبدِ افداک انداز

خطاب بہ نوجوانانِ اسلام میں یہ مصرعہ حافظؒ کا ہے۔ ع

"بآب و رنگِ دخال و خطِ چہ حاجتِ روئے زیبارا"

قربِ سلطان کی نظم میں یہ مصرعہ حافظؒ کا ہے۔ ع

"گدائے گوشہ نشینی تو حافظِ مخروش"

اور یہ شعر بھی حافظؒ کا ہے۔ ع

محلِ نور تجلی ست رائے از رنشاہ : چو قربِ رو طلی در صفائے نیتِ کوش

ارتقا کے عنوان سے جو نظم ہے اُس کا دوسرا مصرعہ بادی تصرف ماقظ کا ہے۔
 ”چراغِ مصطفوی سے شرابِ بولہبی“

ایک خط کے جواب میں جو نظم ہے اُس میں اخیر کا شعر ماقظ کا ہے۔
 گرت ہوا ست کہ باخضر ہم نشیں باشی : نہاں ز چشمِ سکندر چوں آبِ حیراں باش
 اسیری کے عنوان سے جو نظم ہے اُس کا آخری شعر ماقظ کا ہے۔

شہیرِ زاغ و زرغن زیبا کی قید و مصیبت : کیوں سعادت قسمتِ شہباز و شاہین کردہ اند
 طلوعِ اسلام کے عنوان سے جو نظم ہے اُس کا اخیر شعر ماقظ کا ہے۔

بیاتنا گل بے فشانیم وے درساغرا اندازیم : فلکِ راستف بشکافیم و طرحِ دیگر اندازیم
 ظریفانہ نظم کے عنوان سے جو نظم ہے اُس کا اخیر شعر ماقظ کا ہے۔

دنِ حافظِ سچہ از رد بہ مستِ رنگیں کُن : دوا گشست و خراب از رہِ بازارِ بیار
 میرے حانڈ میں جو نظمیں تھیں اور جن میں حافظ کے اشعار پر تفسیمیں تھیں انہیں میں نے لکھا،
 ممکن ہے کہ اور تفسیمیں بھی ہو سکیں تھیں، ان کا علم نہیں ہے، اور شعرا کے اشعار پر بھی ڈاکٹرِ قبائل نے تفسیمیں لکھی
 ہیں ان شعرا کا نام صراحت کے ساتھ ذکر کیا ہے مثلاً ذرا تے ہیں :-

تفسیم بر شعرا تیسری شاملو

دنا آخوئی ازما بجارِ دیگران کردی : ربودی گوہرے ازما نثارِ دیگران کردی
 تفسیم بر شعرا تب

ہماں بہتر کہ سی در بیاباں جلوہ گر باشد : نمارد تنگناے شہرِ تاجِ حس صحرانی
 تفسیم بر شعر مرزا ہیدل

باہر کمال اند کے آشفگی خوشست : ہر چند عقلِ کل شد بے جنوں مباحث
 تفسیم بر شعر ملک قلی

فتم کہ خار ز پاکشتم گمل نہاں شد از سفر : یک خطہ نفل بودم و صد سال را ہم دور شد

فردوس میں مکالمہ کے عنوان سے جو نظم ہے اُس کے پہلے شعر کے دوسرے مصرعے میں شیخ سعدی شیرازی کا نام ہے اور دوسرا شعر تو سعدی ہی کا ہے۔

اے آنکہ ز نورِ گہرِ نظمِ فلک تاب : درمن بچراغِ مہ و اختر زردہ باز
اخیر کا شعر بھی سعدی شیرازی کا ہے۔

خرمانتوان یافت ازاں خمار کہ شستم : دیبا نتوان یافت ازاں پشتم کہ رستم
ڈاکٹر اقبال نے خواجہ حافظ شیراز کو کما حقہ پہچانا نہیں ہے، اس لئے وہ انکو شرابی کہتے ہیں حالانکہ کسی نے حافظ کو شراب پیتے ہوئے نہیں دیکھا ہے نہ گھر کے لوگوں نے اُن کو شراب پیتے ہوئے دیکھا نہ باہر کے لوگوں نے۔ خواجہ حافظ لسان الغیب کے نام سے مشہور ہیں ایک فہ اور نگ زیب عالمگیر کی شاہی مہر گم ہو گئی تھی چونکہ وہ بہت قیمتی تھی جواہرات اُس میں لگے ہوئے تھے اس کے علاوہ انکو سب سے بڑا خدشہ یہ تھا کہ اگر اُسکو کوئی غلط طریقہ پر استعمال کرے تو حکومت کا بہت زبردست نقصان ہوگا، اسی فکر میں غلطیوں پریشان تھے، چوں کہ انکو خواجہ صاحب سے کمال عقیدت مندی تھی، اس لئے دل دیکھنے کی غرض سے دیوبند حافظ اٹھایا اور کینز کو پکارا کہ چراغ لے کر آؤ، وہ چراغ لے کر آئی، انھوں نے دیوان کھول کر دیکھا تو یہ شعر نکلا۔

بفرورغِ چہرہ زلفت ہمہ شب زندرہ دل : چہ دلا و درست دزدے کہ بکھف چراغ دارد
انھوں نے فوراً کینز کی تلاشی لی تو اُس کی کمر سے مہر برآمد ہوئی۔

دُر کیون جاے، میری ہی حالت سنئے سنئے ۱۹۳۶ء میں میں اپنے وطن سوات میں تھا، یہاں سے میں سنئے ۱۹۳۷ء میں گیا تھا، میرے چار بچے یہاں آج بھی اپنے نانا محمد ہشتم صاحب کے پاس تھے اور میں سوات میں تھا، سوات کے خوش وقارب نے مجھے مجبور کر دیا کہ میں واپس آجور نہ جاؤں میں بڑی کشمکش میں مبتلا تھا کہ واپس جاؤں یا سوات میں رہوں، آخر دیوبند چلے گئے انھوں نے کہا کہ کمال تو یہ شعر نکلا۔

من ازدیاءِ حبیب نہ ازدیاءِ رقیب : مہینا بہ رفیقان خود رساں بازم
میرے بڑے لڑکے کا نام حبیب الرحمن ہے۔ یہ دیکھتے ہی جانے پر آمادہ ہوا لیکن ہاتھ میں رقم نہیں تھی، حیرتِ نقہہ دار دائرہ پرکار میں رہا، گھر سے جنب باہر نکلا تو ایک شخص باہر کھڑا میرے انتظار میں تھا، اُس نے

ایک سو روپیہ پیش کیا کہ دمہ کی دوا آپ نے جو دی تھی اُس سے بڑا نامہ ہوا بین سال کا دمہ اُس سے بالکل ٹھیک ہو گیا یہ ایک سو روپیہ لے لو اور وہ نسخہ لکھ کر دیدو، چنانچہ کھڑے کھڑے وہ نسخہ لکھ کر میں نے دیدیا اور دوسرے دن در اس جانے لگا، اُس وقت سے اب تک یہاں آجور میں ہوں، کوئی صورت اپنے ملک جانے کی نہیں نکلتی، اچھا اب دوسری تنقید اور ترجیح ملاحظہ فرمائیے !

(۲) دسمبر ۱۹۶۲ء کے اخیر ہفتہ میں انڈین نیشنل کانگریس کا سالانہ اجلاس ناگپور میں زیرِ صدارت وجے گھو اچار یہ منعقد ہوا تھا جس میں مہاتما گاندھی کا نان کو پرشین والا ریزرویشن پاس ہو گیا تھا جس کی مخالفت قائدِ اعظم محمد علی جناح نے کی، لوگوں نے اُن پر شیم شیم کی آوازیں کیں تھیں، میں نے بھی زندہ زور سے شرم شرم کی آوازیں بلند کی تھیں، جناح صاحب اُسی وقت کانگریس سے نکل گئے، ہندوستان میں اب کوئی ادارہ اُن کے لئے نہیں رہا، مسلم لیگ تو مر چکی تھی، اس کی جگہ خلافت کانفرنس کام کر رہی تھی، مجبور ہو کر آپ لندن تشریف لے گئے، سات آٹھ مہینہ کے بعد لندن سے واپس آکر اکتوبر ۱۹۶۲ء میں بمبئی میں اعلان کر دیا کہ لیگ کو پھر زندہ کر دینا چاہئے، اس اعلان سے ڈاکٹر اقبال بہت برہم ہوئے اور فوراً تنقیدی قطعہ ارشاد فرمایا، جو صدائے لیگ کے عنوان سے روزنامہ زمیندار مورخہ ۹ نومبر ۱۹۶۲ء میں شائع ہوا، اُس وقت کے تمام اُردو اخبارات نے نہایت شاندار طریقے سے شائع کیا اور بہت سے لوگوں کے درِ زبان رہا وہ قطعہ یہ ہے جو اس وقت میری نوکِ زبان ہے صدائے لیگ (از ترجمانِ حقیقت ڈاکٹر محمد اقبال) :

لندن کے چرخِ نادرہ فن سے پہاڑ پر : اترے سیح بن کے محمد علی جناح
 نکلے گی تن سے تو کہ رہے گی بتا ہمیں : لے جان برب آمدہ اب تیری کیا صوح
 دل سے خیالِ دشت و بیاباں نکال دے : مجنوں کے واسطے ہے یہی جادۂ فلاح
 آغا امام اور محمد علی ہے باب : اس دین میں ہے ترکِ سوادِ حرم مباح
 بشریٰ لکم کہ منظرِ ارسیدہ ہست : یعنی حجابِ غیرتِ کبریٰ دریدہ ہست

روزنامہ زمیندار مورخہ ۹ نومبر ۱۹۶۲ء

میں نے علامہ اقبال کی خدمت میں عرض کیا کہ قطعہ تو بہت اچھا ہے لیکن جناح صاحب پر اس قدر

سجنت تنقید پر مناسب ہے تمام لوگ قطعہ کو بہت پسند کر رہے ہیں مگر میں اس بارے میں آپ سے کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں، میں بھی آپ کی طرح جناح صاحب کا مخالف ہوں، ناگ پور میں کانگریس کے اجلاس میں جب اُن پر شیم شیم کی آوازیں گئیں تو میں نے بھی زور سے شرم شرم کی صدا بلند کی میں پکا خلافتی اور کانگریسی ہوں اور وہ ان دونوں کے سخت خلاف ہیں، لیکن انھوں نے ۱۹۱۸ء میں جو بہت اہم کام انجام دیا ہے اُس کا اثر میرے دل و دماغ پر بہت زیادہ ہے، ۱۹۱۸ء میں وزیر ہند لارڈ رٹھارڈ ٹیکوچیندوستان آئے تھے، اور پورے ملک کا انھوں نے دورہ کیا تو ایک رپورٹ لارڈ چیمپور اور مائیکو کے نام سے مرتب کی گئی جس میں سفارش کی تھی کہ ہندوستان میں کافی صلاحیت ہے اس لئے اُسے اصلاحات ملنے چاہئیں اس رپورٹ کی تائید تمام صوبجات کے گورنروں اور لفٹننٹ گورنروں نے کی، لیکن بمبئی کے گورنر لارڈ ولنکٹن نے اس کی مخالفت کی کہ ہندوستان میں اصلاحات کی قابلیت نہیں ہے، ولنکٹن کے اس رویہ کی کسی نے مخالفت نہیں کی صرف مسٹر محمد علی جناح ہی تھے جنھوں نے مشرح اور غیر مبہم الفاظ میں مخالفت کی اور لارڈ ولنکٹن کو دشمن ہند کہا کہ ایسے دشمن ہند گورنری کے لائق نہیں ہیں، حکومت برطانیہ کو چاہئے کہ وہ انہیں واپس بلائے جب لارڈ ولنکٹن کی معاد گورنری ختم ہوئی اور وہ لندن جانے لگے تو بمبئی کے کارپوریشن کی جانب سے لارڈ موصوف کے اعزاز میں جلسہ منعقد ہوا، اس موقع پر مسٹر محمد علی جناح اور ان کی بیوی نے کالی جھنڈیوں سے لارڈ ولنکٹن کا استقبال کیا، غیر قوم میں سے کسی کی یہ جرات نہ ہو سکی، لہذا میں آپ کی خدمت میں بادب التماس کرتا ہوں کہ اندراہ کرم اس قطعہ کو اپنے مجموعہ اشعار سے خارج کر دیجئے گا۔

خط لکھ کر دو ہفتے کے بعد جناب ڈاکٹر انبال کا نوازش نامہ موصول ہوا جس میں آپ نے تحریر فرمایا تھا کہ واقعی جوش میں آکر میں نے چند تنقیدی اشعار لکھ دیئے ہیں لیکن آپ کے خط نے میرے جوش کو فرو کر دیا، میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے بروقت مجھے متنبہ کر دیا، آپ کے سوا اور کسی نے مجھے نہ لکھا اور نہ کسی نے زبانی ہی کچھ کہا ہے، اس بارے میں کہنے والے آپ فرد واحد ہیں، اطمینان رکھئے کہ میں نے اُن اشعار کو آپ ہی کے کہنے سے اپنے مجموعہ اشعار سے خارج کر دیا ہے۔

۱۹۲۸ء میں جناب ڈاکٹر اقبال صاحب مدد اس تشریف لائے تھے تو میں اُن سے اُسنے کی غرض سے مدد اس گیا اور جناب یعقوب حسن سیٹھ صاحب کی معیت میں اُن سے ملا، سیٹھ صاحب نے میرا تعارف اُن سے کرنا چاہا آپ نے فرمایا میں انہیں اچھی طرح جانتا ہوں یہ اہل ایمان میں سے ہیں۔ جہاں میں اہل ایمان صورتِ خورشید جیتے ہیں : ادھر نکلے ادھر ڈوبے ادھر ڈوبے، ادھر نکلے اور پھر فرمانے لگے، ۱۹۱۷ء میں آپ لاہور آکر مجھ سے ملے ہیں، میں نے اسرارِ خودی میں جو تنقید خواجہ حافظ پر کی تھی اُس بارے میں آپ نے مجھے مجبور کر دیا کہ میں اُن تنقیدی اشعار کو مثنوی اسرارِ خودی سے خارج کروں چنانچہ اُن کے کہنے سے میں نے اُن اشعار کو خارج کر دیا پھر ۱۹۲۱ء میں مسٹر محمد علی جناح صاحب پر چند اشعار بطور تنقید کہے تھے جنکو تمام اخبارات نے شائع کیا تھا اُس بارے میں آپ کا ایک خط آیا تھا کہ ان اشعار کو اپنے مجموعہ سے خارج کرو، میں نے ان کے لکھنے سے اُن اشعار کو اپنے کلیات سے خارج کر دیا میں جانتا ہوں یہ افغان ہیں جب کسی بات کے پیچھے لگ جاتے ہیں جب تک اُسے حاصل نہیں کر لیتے چین سے نہیں بیٹھتے !

اب ایک تیسری تنقید ملاحظہ فرمائیے۔

(۳) ۱۹۳۸ء کا ذکر ہے کہ حضرت مولانا حسین احمد فاضل دینی نے پُل بنگش کے پاس رات کے وقت جلسہ میں تقریر کی تھی جس میں فرمایا تھا کہ آج کل قوام وطن سے بنتی ہیں، غریب نہیں بنتیں، جس میں اخبار "الامان" کا نام لگا بھی تھا، اس نے پوری رپورٹ مولوی مظہر الدین شیر کوٹی کو سنائی، چونکہ مولوی مظہر الدین مولانا مدنی کے سخت مخالف تھے اس لئے انھوں نے جناب ڈاکٹر اقبال سے جو اس دن، ہورے دہلی آئے تھے کہا کہ رات کے جلسہ میں مولانا مدنی نے کہا ہے کہ متیں وطن سے بنتی ہیں، مذہب سے نہیں بنتیں، چونکہ یہ بات ڈاکٹر اقبال کے نظریے کے سخت خلاف تھی اس لئے جوش میں آکر مولانا مدنی پر سخت تنقید کی جس کا اظہار اس قطعے میں کیا ہے :

عجم ہنوز نداندر رموزِ دیں درندہ : ز دیوبند حسین احمد این چہ بواجبی ست
سرود بر سرِ ممبر کہ ملت ز وطن ست : چہ خبر ز مقامِ محمد عربی ست
پہ مصطفیٰ بر رسانِ خویش را کہ دیں ہمہ اوست : اگر یہ اود نہ رسیدی تمام بولہبی ست

جب حضرت مولانا مدنی کی نظر سے یہ قطعہ گزرا تو آپ نے اخبارات میں بیان شائع کروادیا کہ میں نے ملت کا لفظ نہیں استعمال کیا ہے بلکہ قوم کا لفظ استعمال کیا ہے کہ قومیں وطن سے بنتی ہیں نہ کہ مذہب سے، مولانا مدنی کا بیان جب اخبارات میں شائع ہوا تو جناب اقبال احمد صاحب سہیل نے جناب ڈاکٹر اقبال کے جواب میں ایک سخت نظم تحریر فرمائی اور ڈاکٹر صاحب پر تنقید کی نظم سولہ اشعار پر مشتمل تھی، ان میں سے دس شعر جو میری نوک زبان میں ملاحظہ ہوں۔

کسے کہ خردہ گرفتست بر حسین احمد
کہ گفت بر ہمسر مبرکہ ملت از وطن ست
درست گفت محدث کہ قوم از وطن ست
زبان طعنہ کشادی مگر عند انستی
تفادے ست فراداں میان ملت و قوم
خدائے گفت بہ قرآن یکل قوم ہاد
بقوم خویش خطاب پیراں بسنگر
روز حکمت دایماں ز فلسفی جستن
بہ دیو بند گر گر نجات می طلبی
بگر راہ حسین احمد ار خدا خواہی
کہ نائب ست نبی رد ہم ز آل نبی ست

حضرت مولانا مدنی کا اخبارات میں بیان اور اقبال احمد صاحب سہیل کی مندرجہ بالا نظم جب ڈاکٹر اقبال صاحب کی نظر سے گذری تو فوراً اخبار ”مدینہ“ بمقام مورخہ ۵ مارچ ۱۹۳۸ء میں مضمون شائع کروادیا کہ واقعی مجھ سے غلطی ہوئی ہے مجھے غلط خبر پہنچی تھی جس کی وجہ سے میں نے براہِ درختہ ہو کر ان پر سخت تنقید کی، اب اس جمعیت مجھ پر منکشف ہو گئی ہے اس لئے میں مولانا مدنی سے خواستگارِ معافی ہوں امید ہے کہ مولانا صاحب مجھے معاف فرمائیں گے۔

ڈاکٹر اقبال صاحب نے نویسنہ کی، لیکن لوگوں نے ان کے کلمہ کے قطعہ غامض نہیں کیا اصل بات یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب کا معافی نامہ ۵ مارچ ۱۹۳۸ء کو شائع ہوا تھا اور ان کا انتقال ۲۰ اپریل ۱۹۳۸ء کو ہوا۔ اگر زیادہ دن تک زندہ رہتے تو یقین ہے کہ وہ خود قطعہ کو کلیات سے خارج کر دیتے۔ !!!

مرزا حسن بیگ رفیع

ڈاکٹر سید امیر حسن صاحب عابدی، استاد فارسی، دہلی یونیورسٹی

مرزا حسن بیگ متخلص بہ رفیع اصلاً تزدینی تھے مگر چونکہ مشہد میں رہنے لگے تھے اس لئے مشہدی کہے جاتے ہیں، شروع میں رفیع نذر محمد خاں حاکم توران کے منشی اور کتاب دار تھے، کہا جاتا ہے کہ جب شاہجہان کی فوج بلخ کو فتح کرنے کے لئے چلی تو رفیع اپنے فائدہ کے خیال سے دہلی آ گئے، مولف فشر عشق کے قول کے مطابق وہ سنہ ۱۰۵۲ ہجری (۱۶۴۰ - ۴۱ عیسوی) میں شاہجہان کے دربار میں پہنچے اور پانصدی منصب پر فائز ہوئے، مگر مولف باغِ معانی نے لکھا ہے کہ یہ کہنا کہ وہ سنہ ۱۰۵۲ ہجری میں ہندوستان آئے صحیح نہیں ہے، غالباً صاحب ہمیشہ سہار کا کہنا ٹھیک ہے کہ رفیع ۱۰۶۳ ہجری (۱۶۵۳ - ۵۴ عیسوی) میں ہندوستان آکر شاہجہان کے دربار تک پہنچے۔

رفیع نے اپنے سفر کا سبب بتایا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اپنے عشق اور اس میں ناکامی کی وجہ سے سفر کرنا پڑا تھا۔

خال تو ام انداخت مرا بر سفر ہند : ہند و بچہ گشت مرا را، میر ہند
از رشک رفیع از سر کویت بسفر رفت : ورنہ کیش آمد بنظر سیم و زہر چہند
نیز معلوم ہوتا ہے کہ وہ وطن سے تنہا بغیر کسی دوست کے چلے تھے :-
زد وطن یاری نیامد بامن شیدا بروں : آدم ما نند دست از آستین تنہا بروں

سے - وفات : ۶۱ - ۶۰ ہجری / ۱۶۵۰ عیسوی سے ۱۰۳۷ - ۱۰۶۹ ہجری / ۱۶۲۸ - ۶۵۸ عیسوی -

مگر ظاہر ہے کہ ان کو سفر میں بھی وطن کی یاد برابر آتی رہی ہوگی :۔

بیہودہ از غم از دل من دور می شوی :۔ خواہی نمود یاد وطن می شناسمت
رفیع، عبدالعزیز خان کی بہن کے شوہر تھے، کہا جاتا ہے کہ جب عبدالعزیز بادشاہ ہوا تو اس نے شاہجہاں سے
خواہش کی کہ اس کی بہن کو اس کے پاس بھیج دیا جائے اور اس کی فرمائش کے مطابق اس کی بہن کو اس کے پاس
بھیج دیا گیا۔

شاہجہاں کے علاوہ رفیع داراشکوہ کے بھی مداح تھے، ادنگ زیب کے عہد حکومت میں ان کو
”دیوان بیوتات“ بنا دیا گیا تھا۔ آخر عمر میں رفیع شاہجہاں آباد میں گوشہ نشین ہو کر زندگی بسر کرنے لگے، مگر
حکومت کی طرف سے ان کو وظیفہ ملتا رہا۔ ۸۹ / ۱۶۸۸ء میں انہوں نے اس جہان فانی کو انتقال کیا۔
رفیع فطرتاً ایک وسیع المشرب اور حلیم انسان تھے :۔

زاہد بنشیں کہ تیغ اسلام :۔ محتاج بہ قتل برہمن نیست
اس کے ساتھ وہ ایک مذہبی اور پاکیزہ انسان اور سچے مسلمان بھی تھے :۔
اسلام چوں تو نیست درو چنگ زن رفیع :۔ کافر مشوک رشہ زنا و نازک است
البتہ انہیں معلوم تھا کہ گندم نما جو فردش لوگ بھی ہوتے ہیں جو مذہب کے پردہ میں لوگوں کو دھوکا دینے کی
کوشش کرتے رہتے ہیں :۔

نیست شہری کہ در دھوم و نیست رفیع :۔ کہ غرض ز ہر فردش است دکان بسیار است
وہ شراب سے پرہیز کرتے اور کسبِ حلال کا خیال رکھتے تھے :۔

سے مخور خمن دل بنوشش رفیع :۔ بہر رزقِ حلال کا سب باش
نیز وہ جائزہ کے لئے کسی کی مدح کرنا پسند نہیں کرتے تھے، پھر بھی توقع کرتے تھے کہ ان کے کلام کو دیکھ کر لوگ
ان کی ہمت افزائی کریں گے :۔

گر بخت مددگار شود جایزہ یابی :۔ بی مدح اگر در پی اخذ صلہ باشی

۱۰۶۹، ۱۰۶۹، ۱۰۶۹ / ۵۹ - ۱۶۵۸ عیسوی -

۱۰۶۸ - ۱۱۱۸ ہجری / ۱۶۸۵ - ۱۷۰۷ عیسوی -

وہ دشمنوں کے مقابلہ میں زیادہ تر خاموشی اختیار کرتے تھے، یہ

خضم از تغافلت ہمہ تن آب شد رفیع : خاموشی تو ہم سخن جانگداز بود
رفیع نظم اور نثر دونوں میں مہارت رکھتے تھے اور درباری لوگ ان سے رشک کیا کرتے تھے، ایک دن حاجی
محمد زمان نے اشارۃً شاہجہاں سے کہا کہ رفیع نثار نہیں ہیں صرف شاعر ہیں، قلعه شاہجہاں کے باغ
”حیات بخش“ کی تعریف میں انھوں نے ایک مثنوی کہی تھی جس کے اس شعر پر جہاں آراء نے انھیں پانچ سو روپے
انعام دیا تھا : یہ

اتار دل کش آں تازہ بستن : بود پیدائش بچوں نارستان
مولف ”باغ معانی“ کہتا ہے ”زبان در نہایت لطافت و تازگی و کلامش بسیار بے بدست و نازکی واقع
شدہ، تلاش مضامین تازہ بسیار دارد و خیلی رنگین خیال شیریں فعال است، در شیرین و متکاہی علیا
داشت“ اور صاحبِ نشر عشق لکھتا ہے :

”پایہ کلامش رفیع مقام است در تہ سخن سخن بخش مقبول خاص و عام، در نثاری
و دیگر علوم بنیت قدرت داشت“ نیز ان کے ان اشعار کو نقل کیا ہے : یہ
ما قوت پر دازنداریم و گرد : عمریت کہ سیاد شکست است نفس را
نہ فریب دعدہ ماندہ نہ امید وصل ہمدم : بچہ حیلہ روز سازم شب منتظر بر خود را
مولف ”ترج لا لک“ ان کو ”ناظم رفیع القدر خوش رقم“ کہتے ہیں۔

اور محمد صالح کنبوہ کہتا ہے کہ :

”طبعتش چور و مہر گل رواست و فخرش مانند بہ رنگین گل افشان، غمشن بتخریب
شو و رنگین زمین سخن را رشک چن می کنند“

تذکرہ ہمیشہ بہار اور کلمات، شعراء میں ہے کہ رفیع اپنے اس شعر پر فخر کیا کرتے تھے : یہ

عمر گر خوش گذرد و زندگی خستہ گشت : در بنا خوش گذرد نیم نفس بسیار مست

۱۰۲۳ - ۱۰۹۲ ہجری / ۱۶۱۴ - ۱۶۸۰ عیسوی

۲۰ رق ۳۰ ۳۰ در ۳۰ ۲۰ ع ۲۰ ج ۳۰ ۳۰

مرزا معز نے ان پر اعتراض کیا کہ ”بنا خوش“ غلط ہے، اس کو ”نا خوش“ یا ”بنا خوشی“ ہونا چاہئے، رفیع نے اس کو ”بتلخی گزرد“ کر دیا، مگر پھر شعر کا مزہ ہی جاتا رہا۔

عام شعراء کی طرح رفیع کو بھی اپنی شاعری پر بڑا تاز تھا:۔

باچون منی شریکِ مداں خویش را رفیع : مگزد ز حق بگوی کہ صاحب سخن بیکیت

مگر رفیع کہ داری کلامِ سحر آمیز : بے بگو کہ بنظم تو سحرمانداست

وہ اپنے اشعار میں حاسدوں اور رقیبوں کا مقابلہ کرتے رہتے تھے:۔

در میان است سخن قدرتِ خود را بنمائی : مدعی گو تو غزل را بہ ازیں می گوئی

اور ان کو یہ شکایت تھی کہ لوگوں کی کم ظرفی کی وجہ سے ان کا ہنر اچھی طرح اُجاگر نہ ہو سکا:۔

بافضل دکر م گرمی بازار ندارم : خود را چه فرد شمع کہ خریدار ندارم

شعراء میں سے رفیع نے فقانیؒ اور صائبؒ کی مدح سرائی کی ہے:۔

رفیع اظہارِ شاگردی کند پیش سخنِ سنجی : کہ در طرزِ سخن استاد میدانِ فقانی را

بسنجھائے تازہ راغب باش : راست رو، پچو فکرِ صائب باش

کلیاتِ مرزا حسن بیگ رفیع کا ایک قلمی نسخہ انڈیا آفس لائبریری میں ہے (نمبر ۱۶۰۳) جس کے شروع میں یہ عبارت لکھی ہوئی ہے:۔

”کلیاتِ مرزا حسن سرکارِ نواب صاحبِ ممتاز الدولہ مفتخرِ ملکِ حصامِ جنگِ ستر

چارڈجانسن صاحبِ بہادرِ دامِ اقبال“

یہ نسخہ غزلیات سے شروع ہوتا ہے اور پہلا شعراء یہ ہے:۔

نالم ز غزنی آراشیں دیواہنا : زین نام بہر عنوانِ ظاہر شدہ فرماہنا

اس میں غزلوں کا حصہ بیچ سے ناقص ہو گیا ہے، بہر حال اس حصہ کے اشعار ۶۵۰۰ سوزاؤں ہی ہونگے،

رفیع ایک متوسط درجہ کے شاعر ہیں اور عام طور سے ان کے اشعار اوسط درجہ کے ہوتے ہیں،

۱۔ مرزا میر محمد موسوی خان قلعہ فطرت و موسوی متوفی بساں ۱۰۸۸ ہجری، ۱۶۸۹ عیسوی۔

۲۔ وفات ۹۲۵ ہجری/ ۱۵۱۹ عیسوی ۳۔ وفات ۱۰۸۸ ہجری/ ۱۶۷۷ عیسوی۔

البتہ مندرجہ ذیل جیسے اشعار میں، جیسا کہ مؤلف نشر عشق نے لکھا ہے، لطافت، تازگی، سلاست، تازگی، رنگین خیالی اور شیرینی بخوبی پائی جاتی ہے۔

کیست کہ پیش چوں تویی آید سرکشی کند : راہ مدہ بہ بزم خود شمع برہند پای را
 ای کفر سر زلف تو آرائش دینہا : شرمندہ خورشید رخت زہرہ جبینہا
 باز پیدا شد نگارم مست و جولاں از کجا : زلف خود را کردہ چوں سنبل پریشاں از کجا
 از دالیش خود صاحب معنی نرند دم : خود ہیچ درختی نفرد شد بر خود را
 ای عشق تو خوشنود ز دیرانی دلہا : بر زلف تو بنیاد پریشانی دلہا
 دیدم از یار بے وفا یتہا : لحظہ بود آشنا یتہا
 از ہند و زلف تو سخن می کنم امشب : خوں در جگر مشکِ هتن می کنم امشب
 تا قصہ رخسار تو گویم بگلستاں : صدناز ہمرغان چمن می کنم امشب
 فریاد کہ گوش گل گران است : تعریف خزاں شنیدی داشت
 چون نام رقیب بر زباں راند : لعل لب او گزیدی داشت
 نے تو بہ نمودیم نہ پیمانہ شکستیم : از میکدہ بیرون بچہ تقصیر توں رفت
 ہوسہ از ساقی شراب از جام می باید گرفت : میکشاں را از گل و مل کام می باید گرفت
 برہمن بت بہ بغل دارد و خود می بینم : از چہ دانیم کہ زاہد بخدا نزدیک است
 افتادہ ام چہ شد کہ برہمن طلب کنم : دست مرا کدام مسلمان گرفتہ است
 جامی ز التفات نمی بخشدم رنج : ساقی دگر طبیعت دوراں گرفتہ است
 من گرم حرفم و نظر ادب دیگر لیست : دل را گمان کہ گوش برافسانہ من بہت
 یار ساقی بادہ باقی بزم خالی از رقیب : این چنین گردو نماید عشرت دنیا خوش بہت
 زہرم زرقۃ قاصد ز کمال شوق پرسم : کہ جواب نامہ من بجا رسیدہ باشد
 ز درون خلوت خود نہادہ پای بیرون : ز کدام راہ زاہد بخدا رسیدہ باشد

با تو بہ را شکستیم چون بادہ را ندیدیم : از زاہداں نیرسید ایشاں چہ کار کردند
 از بس ہجوم بر سر کوشش ز عاشقاں : ہر مشت خاکِ او دِلِ صَدِ غریب شد
 تا دیدہ شو قم نہ جمالِ تو جدا شد : عیشِ دِلِ من تنگ تر از چشمِ گدا شد
 ز پامنشین سرا پایِ جہاں گردیدنی دارد : اگر مسجد و گردیر است ہر یک دیدنی دارد
 ہر کجا صحبتِ غور شد جلالِ شدہ گرم : ذرا نیز جدا انجمنی ساختہ اند
 ای بحر چہ نازی بصفایِ گہر خویش : این قطرۂ آبِ بیت کہ ہر آبلہ دارد
 گشتیم جدا از ہمہ بیگانہ شد آخر : عشقِ من و او بازیِ طفلانہ شد آخر
 ہمہ یا بس د تمام نو میدی : قاصدِ بے جواب را مانم
 روشناسِ جہاں شدم چو رفیع : عارضِ بے نقاب را مانم
 در اں نہ قطرۂ اشکِ دریں نہ بختِ دلی : دلم خوش است کہ دامانِ دَآستین دارم
 سنگِ در ہنگامِ صد آرزو انداختیم : رخِ نہا بسیار در جامِ و سبواںداختیم
 رخِ نکو چہمت نکو زلفت نکو حالت نکو : راستی قدم نکو اما نقاں از خوی تو
 نہ محبتی نہ دردی نہ غمی ازین چہ حاصل : کہ چو صبح آہِ سردی بعبث کشیدہ باشی
 بگماں شکوہ از من چہ دِلِ رمیدہ باشی : گلہ کہ من نکردم تو کجاشنیدہ باشی
 مگر ان کے مقابلیں بہت سے ایسے شعر بھی ملتے ہیں جو لفظ و معنی کے لحاظ سے حدِ عادی سے پائیں نہیں۔
 نیز ان میں تفتیح، سُستی اور غیر شاعرانہ معنی آفرینی کا رنگ ملتا ہے:

یک رنگی جہاں ز دم صبح ظاہر است : در بیضہ سپہر بغیر از سفیدہ نیست
 قفل و سواس تو زاہد از کجا خواہد کشود : گردِ دِلِ تنگ کلیدش در درونِ خانہ ماند
 ز لطفِ بے محلِ آسمان عجب نبود : اگر بگور پس از مرگِ او عصا بدہد
 نادانِ باہلِ معنی خواہد ضرر رساند : اندیشہ ندارد کرم از کتاب خوردن
 عینک کا لفظ غزل کی طبیعت سے میل نہیں کھاتا، مگر اس زمانہ میں اس کا ایسا رواج ہو گیا تھا کہ

اس کو طرح طرح سے بانڈھا گیا ہے، رقیع کہتے ہیں :-

ہرگز اسد مصحف روی تو غائب از نظر : ہچو عینک ہر دو چشم خویش را برہم نہاد
غزلیات کے بعد رباعیات (۷۷ عدد) کی باری آتی ہے، ایک رباعی میں غالباً شاہ جہان کی
مدح اور دوسری میں اپنے کو بند کا عرنی بتا کر حکیم ابوالفتح گیلانیؒ اور عبدالرحیم خانناتانؒ کے دران کی
نیاضی کو یاد کیا ہے :-

من عرنی ہند مرد احسانش کو : خانی کہ توں بردر از خواہش کو
در عرصہ حکیم عہد ابوالفتحش کیست : خان بسیار بند خانناتانہش کو
ذیل کی رباعی سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں ایرانیوں اور ہندیوں کی الگ الگ
گروہ بندی رہتی تھی امداد ہند ایرانیوں کے تفوق کے قائل نہ تھے :-

در کشور ہند تختہ گیراں ہستند : در قصد شکست اہل ایراں ہستند
گر زیر وزبر شدند جمعی ز میاں : چوں نکشتہ شک کنارہ گیراں ہستند
آخر میں چھوٹی چھوٹی مشنویوں کی باری آتی ہے ان میں پہلی مشنوی (۳۵۴ بیت) شاہجہاں کی مدح
میں ہے اور اس بیت سے شروع ہوتی ہے :-

قلم تا کرد بالوح آشنائی : سخن در ... بود از ناروائی
اس میں شاہجہان کے باغ "حیات بخش" حمام، عمارتوں اور درباری معماروں درمستور در
کی بچید تعریف کی گئی ہے :-

یکی در عالم تعمیر کامل : کہ می آرد دجاں در قالب گل
یکی در شیوہ تصویر ستاد : کہ بودی دائرہ او روح بہزاد

۱۵۹۹ ہجری / ۱۵۹۰-۹۱ عیسوی ۲۵ ذی قعدہ ۹۹۷ ہجری / ۱۵۸۹ عیسوی

۹۶۲-۱۰۳۶ ہجری / ۱۵۵۶-۱۶۲۷ عیسوی -

اس کے آخر میں شاعر نے ایک اچھے گھوڑے کی تعریف اور ایک خراب گھوڑے کی مذمت بھی کی ہے۔
 مرا اسپست سست دزار دلاغر : چوتار غنکبوت از پائی تا سر
 دوسری مثنوی (۴۸ بیت) میں کسی شخص کی ہجو کی گئی ہے :-
 اے چو سر پوش آتش با سر کوچک و دہان بزرگ
 نیستی گرچہ صاحب سفرہ : ہنچو آتش صاحب سفرہ
 پیر و آتش و ہمدن نانی : طبق زیر کاسہ را مانی
 تیسری مثنوی (۳۳ بیت) میں بھی شایعہاں، اس کی مسجد، قصر، برج، دربار عام،
 دربار خاص، تخت مرصع، حمام، باغ اور عید وزن کا ذکر کیا گیا ہے۔

فہرست منابع

- حسین قلی خاں عظیم آبادی : نثر عشق، نسخہ خطی شماره ۷۷۱۶
 خدابخش لاہوری، پٹنہ
 نقشر علی : باغ معانی، نسخہ خطی شماره ۱۶۹۸
 خدابخش لاہوری، پٹنہ
 کشن چندر اخلاص : ہمیشہ بہار، نسخہ خطی شماره ۷۸۹
 خدابخش لاہوری، پٹنہ
 قدرت اللہ گوپاموی : تنائج الافکار، چاپخانہ سلفانی، بمبئی
 محمد صالح کنبوہ : عمل صالح، محمود پرنٹنگ پریس، لاہور
 محمد افضل سرخوش : کلمات الشعراء، دین محمدی پریس، لاہور۔

HERMON ETHI CATALOGUE OF PERSIAN MANUSCRIPT IN THE
 LIBRARY OF THE INDIA OFFICE CLARENDON, PRESS. OXFORD

قسط چہار دہم :-

تیسرے سیاسی اور سماجی ماحول

جناب ڈاکٹر محمد عمر صاحب، استاذ جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی

گزشتہ سے پیوستہ

کان کا موتی | دیکھی تھی ترے کان کے موتی کی ایک جھپکا : جاتی نہیں ہے اشک کے رخسار کی ڈھلک
موتی کی بڑی | جاتے ہیں چلے متصل آنسو جو ہمارے : ہر تار نگہ آنکھوں میں موتی کی بڑی ہے
زنجیر اور تڑا | ہو کے دیوانے ہم ہوئے زنجیر : دیکھ کر اُس کے پاؤں کا تڑا
کرے | آکر دوں کی پاؤں میں بیڑی ہوئی : لڑکتی ہیں سونے کی وہ زنجیر یا ر
بھاق | دم ناک میں بقول زناں عاشقوں کا ہے : ہاں بلا ہے موتی کا اس کے بھاق میں
بایں |

خیروں (۴) نے رنجیت کو دوں رنجیت بنایا : جوں ان دنوں میں بالے لڑکوں کی بایں ہیں

کان کا گہر | گڑبڑیں گے ٹوٹ کر اکثر سنہ سے چرخ سے : ہل گیا جو صبح کو گہر کسی کے کان کا

بالا | لگنے نہ دے بس ہو تو اُس کے گہر گوش کو پالنے تک : اس فک چشم امہ دغور کی پتلی کا تار اچلے ہے

اسے مندرجہ بالا زیورات کے علاوہ دیگر اقسام کے زیورات کے لئے ملاحظہ ہو۔ مجموعہ منویات تیسرے دہلی

ع ۲۴ - ۲۶ - ۳۱ - ۵۶ - ۶۸ - ۶۹ - ۸۲ - ۱۵۵ - ۱۵۸ -

سنگار اور آرائش

ابوالفضل کا بیان ہے کہ عورت کے سنگار سولہ ہیں۔ غسل کرنا، تیل لٹنا، چوٹی گوندھنا، تالو کو زیور سے آراستہ کرنا۔ چندن کا لیمپ کرنا، لباس پہننا، (اور یہ لباس طرح طرح کا ہوتا ہے بعض کی آستین انگلیوں تک اور بعض کہنیوں تک ہوتی ہیں) قشقہ لگانا۔ کاجل کو سرمہ کی طرح استعمال کرنا۔ بندے پہننا تاکہ میں سونا اور موتی پہننا، گلے میں زیور، پھول یا موتی کا مالا پہننا، ہاتھوں میں مہندی لٹنا۔ مکر بند۔ پاؤں میں سونا پہننا، پان کھانا، تازو ادا کے حرکات۔ یہ

ہندو عورتوں کی طرح مسلمان عورتیں بھی سنگار کی بہت شائق تھیں۔ اکثر وہ اپنے ہاتھوں اور پیروں کو مہندی لگاتی تھیں۔ آنکھوں میں کاجل یا سرمہ اور دانتوں میں مسی لگاتی تھیں۔ کاجل اور مسی کا رواج مردوں میں بھی تھا۔ ہونٹوں کو سُرخ کرنے کی خواہش کی وجہ سے عورتوں میں پان کھانے کا عام رواج تھا۔ چہرے پر ہنسنے کے لئے غارہ کا استعمال کیا جاتا تھا۔ یہ

بالوں کے سنوارنے کا مسلمان عورتیں بالخصوص اہتمام کرتی تھیں، بالوں کو چوٹی یا جوڑے کی شکل میں گوندھا جاتا تھا۔ جوڑہ کے ساتھ وہ ایک سنہری پٹی باندھتی تھیں جسے برہان کہتے تھے۔ یہ پھولے کے ہار بھی گلے میں ڈالنے کا رواج تھا۔ عطر اور پھول سماجی حیثیت کے موافق ضرور استعمال کئے جاتے تھے، آئندہ اہم نخلص نے لکھا ہے کہ عورتیں ایک قسم کی چیز بناتی تھیں جس سے اپنے مانگے اور بھنبوں مرز بن کر جاتیں۔ خوشبوؤں میں اگر گلاب عام طور سے استعمال ہوتا تھا اور یہ ایک قسم کی مرکب خوشبوؤں تھی، جس سے استقبال بھی کیا جاتا تھا، نخلص کا شعر ہے :-

دھوم آؤنے کی کس کے گلزار میں پڑی ہے
ہاتھ، رگے کا بیار، زنگس سے کھڑی ہے

۱۔ آئین اکبری (ترجمہ) ج ۲۔ ص ۲۸۲ تا ۲۸۳۔ ۲۔ برائے تفصیل۔ منوچی، ج ۲۔ ص ۳۴۱، ۳۴۲۔

۳۔ اٹھارھویں صدی کے لٹریچر میں اس سلسلے کی بہت سی شائیں ملتی ہیں۔ ۴۔ کلیتہً قسم۔

۵۔ غارہ لٹنا ہے یا ہے شانہ کرنا۔ ۶۔ نادر کے ایسے بہانے بہت ہیں۔ ص ۳۸۹۔

۷۔ برائے تفصیل ملاحظہ ہو۔ مجموعہ مشنویات میر حسن دہوی۔ ص ۶۱ - ۶۲۔

میر نے لوازماتِ حسنِ اندکسنگار کے ذیل طریقوں کا ذکر کیا ہے :-

پان | غنچہ ہی وہ دہان ہے گویا ۛ ہونٹھ پر رنگ پان ہے گویا
کیا کہتے ایک عمر میں بے کب لے تھے کچھ ۛ سوبات پان کھاتے ہوئے وہ چبا گیا
دیکھا نہ ہم نے پھوٹ میں یا قوت کی کھو ۛ تھا جو سماں لبوں کے ترے رنگ پان پر
لبِ سُرخ کر ملک دکھاتے نہیں ۛ طرح پان کھانے کی تھی کچھ جب اور
سُرمہ | شکوہ سیاہ چشتی کا سُن ہم سے یہ کہا ۛ سُرمہ نہیں لگانے کا میں تم خفا نہ ہو
دم رکتے ہیں سیاہیِ حرکاں ہی دیکھ کر ۛ سُرمہ لگا کے اور ہمیں مت خفا کر دو
سُرمہ آلودہ مت رکھ کر چشم ۛ دیکھ اس وضع سے خفا ہیں ہم
سُرمے سے ایسی آنکھیں تمہاری نہیں لگیں ۛ احوال پر ہمارے نہیں کب نگاہ ہے

خایا ہندی

وے خاے پامری آنکھوں ہی میں پھرتی بریسر ۛ یعنی ہر دم اس کی زیرِ پا ہے چشمِ گریہ ناک
خا لگی تیرے ہاتھوں سے میں گیا پیسا ۛ جگر تمام ہے خوں مجھ کو تیرے پا کی قسم
مت خائی پاؤں سے پس کر کہیں جایا کرو ۛ دل ہے آخر نہ ہنگامہ کہیں برپا ہو میاں
خا سے یار کا ہنچ نہیں ہے گل کے رنگ ۛ ہمارے اُن نے کلیجوں میں ہاتھ ڈالا ہے

ن - آئینہ

ہر سحر آئینہ رہتا ہے ترا منہ تکتا ۛ دل کی تقلید نہ کرتا تو نہ حیراں ہوتا
اس صورت کا ناز نہ تھا کچھ دب چلتا تھا ہم سے بھی

جب تک دیکھا اُن نے نہ تھا مُٹھ خوب اپنا آئینے میں

یاد ایام کو خوبی سے خبر تجھ کو نہ تھی ۛ سُرمہ و آئینہ کی اور نظر تجھ کو نہ تھی

نکرا استغیِ شام و سحر تجھ کو نہ تھی ۛ زلفِ آشفہ کی سدھ دو دو پہر تجھ کو نہ تھی

شانہ تھا نابلد کو چہ کیسو تیرا آئینہ کانے کو تھا حیرتی رو تیرا

ہمیشہ ماکہ آئینہ ہی تجھے پایا : جو دیکھیں ہم نے یہی خود نمایاں دیکھیں
 مستی نہیں دیکھے مستی ملے دندان : برق ابرسیہ ہے تب خنداں
 پان سے شوق نہ تھا کیسا مستی کا مذکور : غصے ہو جاتے تھے ایسی کسی کا مذکور
 شاہ اب ہاتھ میں ہے زلف بنا کرتی ہے : مستی دانتوں میں کئی بار لگا کرتی ہے
 پاس سرے کی سدائی بھی رہا کرتی ہے : آنکھ رعنائی پہ اپنی ہی پڑا کرتی ہے

ماکولات و مشروبات

بقول انشاء اللہ خان انشاء، اٹھارھویں صدی کے امراء آدھ سیر ملاؤ کی تیاری میں بیس بپے
 تک صرف کر دیا کرتے تھے۔ محمد شاہ بادشاہ کے باورچی خانے میں مختلف طریقوں سے گوشت تیار
کیا جاتا تھا، مثلاً قلیہ سادہ، قلیہ چاشنی دار، قلیہ دو پیازہ، قلیہ ماہی، قلیہ ساموسہ، قلیہ بادام اور
کباب۔ اور کباب کی دو قسمیں، کباب شامی اور کباب ہندی، ہوتی تھیں۔ یہ عمدہ اور مرغین کھانے
 زیادہ امیروں اور متمول لوگوں میں پسندیدہ خاطر تھے، استعمال اور تیاری میں خرچ اُن کی مالی حیثیت
 پر منحصر تھا۔

بادشاہوں، امیروں اور عوام سب کو چاول مرغوب تھا، محمد شاہ بادشاہ کے مطبخ میں ^{۵۳}ترپن
 طریقوں سے چادل پکایا جاتا تھا۔

اسی طرح کئی قسم کی روٹیاں تیار کی جاتی تھیں، باقر خانی سخت، باقر خانی نرم، نان شیرمال
 نان بادام، نان بیسنی، نان جوار، نان داتی، نان بیدھوال، نان دارمی، نان خرمی، دولتمند اور
 متمول لوگ کھاتے تھے، ہندوستانی کھانوں میں پوڑی، کچھڑی بہت مرغوب تھیں، شاہجہاں بادشاہ
 نے دریائے لطفت (ذری) ص ۶۵۔ ان کھانوں کی تیاری کے طریقوں کے مطالعہ کے لئے ملاحظہ ہو۔

رسالہ تحسین اعظمہ در مطبخ محمد شاہ (قلی) ص ۶ (الف) تا ۳ (ب)۔ ۳۵ مرآۃ الاصطلاح (قلی)
 ص ۱۸۰ الف۔ سکے برائے تفصیل ملاحظہ ہو۔ رسالہ در تحسین اعظمہ در مطبخ محمد شاہ۔ برنگال کے باشندوں
 کے کھانے کی اشیاء کے لئے ملاحظہ ہو، ریاض السداطی (انگریزی ترجمہ) ص ۲۱

اور اس کے جانشین ان دونوں اشیائے خوردنی کو اپنے شوق اور چاڑ سے کھاتے تھے۔

مختلف طریقے کے حلوائے، حلوا رکباہ، حلوا ادرک، حلوا بادام، ادرستہ، حلوا شمس، حلوا شہر، حلوا زناخدا، حلوا زناستہ، فالودہ، فرنی، کھجور، گلو ل شیر، گلو لائے جوار، گلو لائے انبہ، مغل کھانوں میں داخل تھے۔

عوام کی غذا اداں روٹی تھی۔

میر حسن دہلوی نے اپنی مشہور گلزار ارم میں تفصیل سے ان کھانوں کا ذکر کیا ہے، چکا ہوا کھانا بازاروں میں ملتا تھا۔ میر نے کبود جامہ کے سیراب پرنے کا ذکر کیا ہے جو ان کے والد سے ملنے کے لئے آیا تھا، وہ ان کے بیان کے مطابق کھانے ہی کی دوکان کرتا تھا۔

آم ہندوستان کا بہت مرغوب پھل رہا ہے۔ اس کے علاوہ خر بوزے باہر سے آتے تھے۔ سرہند، سیب اور انگور بھی ولایت سے منگوائے جاتے تھے۔ باہر سے آئے ہوئے ایک خر بوزہ کی قیمت ٹہڑہ روپے تک ہوتی تھی۔ جسے صرف دو تھنڈے کھا سکتے تھے۔ دہلی کے ایک بازار کا ذکر کرتے ہوئے برنیر لکھتا ہے:

”وہاں کی دوکانوں میں میوہ کھدار کھاتا رہتا ہے، اور اس میں بہت سی دوکانیں ہیں جو گرمی کے موسم میں ایران، بلخ، بخارا، اور سمرقند کے خشک میوؤں، بادام، پستہ، فندق، کشمش، پیر، اور زرد آلو اور جڑوں میں سیاہ اور سفید نہایت عمدہ تازے انگوروں سے جو ردی کی تہ میں لگائے ہوئے ان ملکوں سے آتے ہیں اور زنا شپالی اور تین چار قسم کے سیب اور نہایت عمدہ سرہندوں سے جو جاڑے بھر پکتے رہتے ہیں، بھری رہتی ہیں۔“

لے کلیات سودا - ص ۱۹۸ نیز FORSTER'S TRAVEL - I, P. 230

لے مجموعہ مثنویات میر حسن دہلوی - ص ۱۵۰ FORSTER'S TRAVEL - I, P. 219 لے میر کی آپ

ص ۷۶ لے وقایع سیر و سیاحت ڈاکٹر برنیر - ۲۵ - ص ۲۶۳، مرقع دہلی - ص ۱۱۶، خلاصہ استوار بخ -

ص ۷۶ نکلے بازار میں وہ جب خر بوزہ : سری پھوڑے ہے دیکھ کر خر بوزہ کلیات میر - ص ۴۲

سے گر پڑا اور وہیں اس کا دم نکل گیا۔ غلام قادر روہیلہ شراب کے علاوہ بھنگ کھانے اور چرس اور گانجا پینے کا بھی عادی تھا۔

پٹنہ کے صوبہ دار میر حیلہ کے سپاہیوں کے متعلق شیو داس لکھنوی لکھتا ہے:-
 "مغلیہ چوں مایہ بسیار داشتند، بر لمحہ عیش و عشرت پرد ختند، در کوچه و بازار و
 شارع عام از شراب مست و شیشہ و پیالہ در دست" ۱

عام مسلمان شراب نوشی کے اتنے عادی تھے کہ ان میں سے بعض تو اپنی تمام دولت اس کی نذر کر دیتے تھے اور گداگری کے شکار ہو جاتے تھے، جارج فارنر نے ایک افغان رئیس کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ افغان لکھنؤ سے اپنے وطن واپس ہو رہا تھا، لکھنؤ کے دورِ ان قیام میں اُس نے اپنی تمام دولت اور منقولہ جائیداد عورتوں کی صحبت اور شراب نوشی میں تباہ و برباد کر دی تھی، شراب کا بے حد دھتی تھا اور دھالی گھٹنے میں اس نے ڈیڑھ بوتل پی لی تھی، آخر کار جب جیب میں بھولی کوڑی بھی باقی نہ رہی تو اُس نے اپنے گھر کے بڑے تک بیچ ڈالے اور جتنے پیسے ملے تھے شام تک اس کی شراب لے کر پی ڈالی۔ ۲
 بازارِ روس میں کھٹے عام شراب، بھنگ، چرس اور ایفون بکتی تھی۔ ۳

قبوہ خانے [شمالی ہندوستان میں قبوہ پینے کا بہت چمن تھا، عوام بڑے شوق سے قبوہ پیتے تھے قبوہ کی ہر دل عزیزی کے متعلق عام کابیاب ذیل بہت اہم اور بہت دلچسپ ہے۔

جہاں دیکھو وہاں ہر آن قبوہ : ہے بزمِ عیش کا سامان قبوہ
 قبولِ بارگاہِ بادشاہاں : شکوہ دست صاحب و سنگاں
 جہاں میں زندگی خاتمِ دودم ہی : اِدھر قبوہ اُدھر حُفّہ کا دم ہے۔ ۴

۱۔ تذکرۃ الشعراء - ص ۵۷ - ۵۸ تاریخ فرخ سیر مادشاہ (قلمی) - ص ۱۱ ۲۔ جارج فارنر (انگریز)

ج ۱ - ص ۱۰۴ ۳۔ تذکرۃ ملوک (قلمی) - ص ۱۳۴ - ۱۳۵ قبوہ سے منفعۃ تعصیلِ محرومات کے

ملاحظہ ہو، مرآۃ الصالحین - اسد مرثعہ (رق) - ص ۱۷۶ ب ۱۷۷ دیوان زادہ (قلمی) - ص ۳۸۷ -

نیر خط مو - دیوان تاباں - ص ۳۰۰، رقیع آسدرام مخلص (ق) حصہ دوم - ص ۶۲ (الف)

فہرست مضامین ماہنامہ بُرہان

جلد ۵۲

جنوری ۱۹۶۴ء تا جون ۱۹۶۴ء

بہ ترتیب حروفِ تہجی

شمار	مضمون	صفحہ	شمار	مضمون	صفحہ
۱-	نظرات - ۲، ۶۵، ۱۳۰، ۱۹۴، ۲۵۸		۹-	عثمان غنیؓ پر اعتراضات اور اُن کا جائزہ	۱۹۴، ۲۹۷، ۳۶۰
۲-	آہ لعلِ شب چراغ ہند - ۳۲۲		۱۰-	عربی تنقید پر قرآن مجید کے اثرات، ۱۳۵	
	مقارنت		۱۱-	گلبائے رنگارنگ - ۸۵، ۱۸	
۱-	اسلام میں مرابطہ اور نہی عن المنکر کی اہمیت	۱۰۴، ۲۸	۱۲-	موجودہ مسائل کو کس طرح حل کیا جائے - ۲۱۲	
۲-	ایک علمبردارِ حریت نمایاں کارنامے درجے نوٹ خدا	۳۱۰، ۲۴۲	۱۳-	میر کا سیاسی اور سماجی ماحول	۳۷۳، ۲۲۱، ۱۴۷، ۹۲، ۳۲
۳-	اسلام میں مذہبی فکر کی تشکیل، ۶۹		۱۴-	واقعاتِ سیرتِ نبویؐ میں توقیتی تضاد اور اس کا حل	۳۲۵، ۲۶۱
۴-	باب التقریظ والانتقاد - ۱۸۳			ادبیات	
۵-	پندرہ روزہ دورہ روس کی روئیداد، ۱۷۷		۱-	زائرینِ حرم سے - ۳۸۰	
۶-	تسمیۃ العلوم		۲-	غزل - ۱۲۴، ۱۸۸، ۱۸۹، ۲۵۲، ۳۱۷	
	(ترجمہ اردو ڈیوی جمل کلاسی فکیشن) ۵		۳-	تبصرے - ۶۲، ۱۲۵، ۱۹۰	
۷-	دیباغہ کے مشاہدات و تاثرات، ۱۶۷، ۱۱۲، ۵۴		۸-	قاہرہ میں پہلی اسلامی کانگریس، ۲۳۰	

مطبوعہ

الحکیم
انجمنیتہ پریس دہلی

۱۹۶۲ء
اگست

فہرست صاحبان نگارش ماہنامہ برہان

جلد ۵۲

جنوری ۱۹۶۴ء تا جون ۱۹۶۴ء

بہ ترتیب حروف تہجی

نمبر شمار	اسمائے گرامی	صفحہ	نمبر شمار	اسمائے گرامی	صفحہ
۱۔	جناب سید احتشام احمد خاندوی ایم اے ۱۳۵۰		۸۔	مولانا مفتی عتیق الرحمن عثمانی -	۱۷۷
	بی. ٹی، ایچ "علیگ" مسلم یونیورسٹی علی گڑھ		۹۔	مولانا محمد تقی صاحب امینی	
۲۔	جناب مولوی اسحق ابنی صاحب علوی رامپور			ندوة العلماء لکھنؤ -	۲۱۲
	۳۲۵ ، ۲۶۱		۱۰۔	جناب مولوی سید محمد سیادت صاحب امرہوی	
۳۔	مولانا امتیاز علی خاں صاحب عرشی			فاضل ادب ۴۸ - ۱۰۴	
	رضا ٹاؤن بری، رام پور	۱۵	۱۱۔	جناب ڈاکٹر محمد عمر صاحب	
۴۔	پروفیسر ایچ اے۔ آر گپ			سند ذہن مولویہ اسلامیہ نئی دہلی - ۳۲ - ۹۲ - ۱۴۷	
	منتر محمد سلیم نقار سندھ بنی م اے۔ شعبہ اردو		۱۲۔	مورانا مہر محمد خاں شہاب ۱۰، بیرکوٹوی	
	سچو رستہ گریز کالج - علی گڑھ	۶۹		۸۵ ، ۱۸	
۵۔	جناب ڈاکٹر خورشید احمد فاروق صاحب			شعرا	
	رصد شعبہ عربی و فارسی دہلی یونیورسٹی (۱۹۷۱ء)	۲۹۷	۱۔	جناب آلم منظر نگری	۱۸۸ - ۲۵۲
۶۔	سعید احمد اکبر آبادی	۲۵۴ ، ۲۶۲ ، ۲۶۵		۳۸۰ - ۳۱۷	
	۱۲۵ - ۱۰۲ - ۱۳۰ - ۱۶۷ - ۱۸۳ - ۱۹۰ - ۱۹۳ - ۲۳۰		۲۔	جناب سعادت نظیر	۱۲۴ -
	۲۵۲ - ۲۵۸ - ۳۱۸ - ۳۲۲ - ۳۸۱		۳۔	جناب شارق، ایم اے -	۱۸۹
۷۔	حکیم عزیز الرحمن رونق اعظمی عمری				
	طیب کمال، عمر آباد - ۲۴۲ ، ۳۱۰				

مجلد علمی

برہان کی

۵۲ ویں جلد

مرتبہ

سعید احمد اکبر آبادی ایم اے

ناشر

آلہ ندرۃ المصنفین لاہور

ہندوستان کے اکثر بڑے شہروں کے بازاروں میں قہوہ کی دکانیں ہوتی تھیں جہاں صاحب ذوق لوگوں کا مجمع لگا رہتا تھا، دہلی کے مشہور بازار چاندنی چوک میں بھی قہوہ کی دو دکانیں تھیں، عوام کے علاوہ ان قہوہ خانوں میں شعرا کا بھی اتر دام ہوتا تھا، وہاں وہ لوگ بیٹھ کر اپنا تازہ کام سناتے اور داد و تحسین حاصل کرتے رہتے۔

آئندرام مخلص نے یہ رباعی قہوہ کی تعریف میں کہی ہے۔

ہرچند شراب انبساط افزا ہے : لیکن اقسامِ فتنہ زان می زاید
میلم با قہوہ زیرِ جہت ہست کرد : بوی جگر بر شستہ می آید
محمد شاہ بادشاہ نے نادر شاہ کی تواضع قہوہ سے کی تھی۔

مجلسوں اور جشنوں کے موقعوں پر مہمانوں کی تواضع قہوہ سے کی جاتی تھی، دہلی میں مراٹھے عرب کے رہنے والے عرب بڑی دھوم دھام سے دوازدہم ربیع الاول کی مجلس منعقد کرتے اور قہوہ سے مہمانوں کی تواضع کرتے۔ درگاہ قلی خاں نے چشم دید منتظریوں بیان کیا ہے:-

”وپیالہ ہائے کھاں قہوہ خوری کہ گاہے شیرینی ہم داخل می کنند علی الاتصال بہر دم تکلف
می نمایند، چوں ہتوے آدراست مہمان در و قبول سخوت اذیت می کشند، نقییر
برفاقت خان صاحب سر دفتر اشفاق کیشان سببِ حشمت خان و رد گردیدہ بود،
معنی ایں شعرا دریں محل صادق یافتہ بود، بیت :

روزے بخانہ عربی مہمان شدم : چندان خورد قہوہ کہ فن قہوہ داں شدم
قہوہ صرف مہمانوں کی تواضع ہی کے لئے نہیں بلکہ دور دراز مسافت کے بعد تھکن رفع کرنے کی غرض سے ہی
پی جاتی تھی۔

لہ مرفحہ دہلی - ص ۱۸ - مرآۃ الاسطلاح ص ۱۷۷ الف - تہ مرآۃ الاسطلاح - ص ۱۷۷ الف - لکھ کلمات شعرا،

(ق) ص ۱۷ - بیان وقایع نادر شاہ (ق) ص ۱۴ الف لکھ مرفحہ دہلی - ص ۳۶ - نیز ملاحظہ ہو، دیوان زادہ (ق)

ص ۳۷۸ - ۳۷۹ لکھ وقایع آئندرام مخلص ج ۲ - ص ۶۱ الف -

مخلص بیان کرتا ہے:۔

قبوہ حرام سفر اشخار تریاک : برطاؤس نظر افشر تبنا کو لے

سواریاں | انھارہویں صدی میں گھوڑے، خچر، اونٹ، ہاتھی، گدھے، پاکی، پہل، چھکڑا، رتھ، چوپار، دریل گاڑی برائے سواری کام آتے تھے، بادشاہ عام طور پر تخت رواں، ہاتھی اور گھوڑے پر سفر کرتے تھے بٹہ مستورات ڈولی، اور رتھ پر مسافت طے کرتی تھیں۔

مسلم جشن، تہوار اور تقریبات

عید الفطر | عید کے چاند کا اعلان توپ داغ کر کیا جاتا تھا، لوگ صبح سویرے غسل کر کے رنگ رنگ زرد

سنہری، سفید اور سقر ناٹلی لباسوں میں ملبوس ہو کر عید گاہ، جو عام طور پر شہر کے باہر ہوتی تھی، نماز پڑھنے

جاتے تھے، نماز کے بعد ایک دوسرے سے گلے مل کر اظہارِ خصوص و محبت کرتے، خود بادشاہ عید گاہ تک لے

تجمل شامی کے ساتھ جاتا، اور اسی شان و شوکت سے واپس آتا، پھر دربار عام منعقد ہوتا تھا، درباری اہل

۱۔ مرآۃ السعادت (ق، ص ۱۷۹) (ب) چارچمن (آمرامرخص) ص ۲۹ (ب) ۲۔ برائے تفصیل ملاحظہ ہوں

کلیت تفسیر کبر آبادی (حصہ دوم) ص ۳۲۵، ۳۲۶، سیاحت، مرہر بنیر، ص ۳۷۰، منچی، ج ۲، ص ۳۶۳۔

تاریخ تکرانی (د) ص ۲۰، واقعات عالم شامی (ق) ص ۶۰، الف، TWINNINGS TRAVEL, P 186

عید اشعراء، ص ۱۸۳، الف، مخزن نکات ص ۶۳۔ سیر المتآخرین (فارسی) ص ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، ۱۵۱۰، ۱۵۱۱، ۱۵۱۲، ۱۵۱۳، ۱۵۱۴، ۱۵۱۵، ۱۵۱۶، ۱۵۱۷، ۱۵۱۸، ۱۵۱۹، ۱۵۲۰، ۱۵۲۱، ۱۵۲۲، ۱۵۲۳، ۱۵۲۴، ۱۵۲۵، ۱۵۲۶، ۱۵۲۷، ۱۵۲۸، ۱۵۲۹، ۱۵۳۰، ۱۵۳۱، ۱۵۳۲، ۱۵۳۳، ۱۵۳۴، ۱۵۳۵، ۱۵۳۶، ۱۵۳۷، ۱۵۳۸، ۱۵۳۹، ۱۵۴۰، ۱۵۴۱، ۱۵۴۲، ۱۵۴۳، ۱۵۴۴، ۱۵۴۵، ۱۵۴۶، ۱۵۴۷، ۱۵۴۸، ۱۵۴۹، ۱۵۵۰، ۱۵۵۱، ۱۵۵۲، ۱۵۵۳، ۱۵۵۴، ۱۵۵۵، ۱۵۵۶، ۱۵۵۷، ۱۵۵۸، ۱۵۵۹، ۱۵۶۰، ۱۵۶۱، ۱۵۶۲، ۱۵۶۳، ۱۵۶۴، ۱۵۶۵، ۱۵۶۶، ۱۵۶۷، ۱۵۶۸، ۱۵۶۹، ۱۵۷۰، ۱۵۷۱، ۱۵۷۲، ۱۵۷۳، ۱۵۷۴، ۱۵۷۵، ۱۵۷۶، ۱۵۷۷، ۱۵۷۸، ۱۵۷۹، ۱۵۸۰، ۱۵۸۱، ۱۵۸۲، ۱۵۸۳، ۱۵۸۴، ۱۵۸۵، ۱۵۸۶، ۱۵۸۷، ۱۵۸۸، ۱۵۸۹، ۱۵۹۰، ۱۵۹۱، ۱۵۹۲، ۱۵۹۳، ۱۵۹۴، ۱۵۹۵، ۱۵۹۶، ۱۵۹۷، ۱۵۹۸، ۱۵۹۹، ۱۶۰۰، ۱۶۰۱، ۱۶۰۲، ۱۶۰۳، ۱۶۰۴، ۱۶۰۵، ۱۶۰۶، ۱۶۰۷، ۱۶۰۸، ۱۶۰۹، ۱۶۱۰، ۱۶۱۱، ۱۶۱۲، ۱۶۱۳، ۱۶۱۴، ۱۶۱۵، ۱۶۱۶، ۱۶۱۷، ۱۶۱۸، ۱۶۱۹، ۱۶۲۰، ۱۶۲۱، ۱۶۲۲، ۱۶۲۳، ۱۶۲۴، ۱۶۲۵، ۱۶۲۶، ۱۶۲۷، ۱۶۲۸، ۱۶۲۹، ۱۶۳۰، ۱۶۳۱، ۱۶۳۲، ۱۶۳۳، ۱۶۳۴، ۱۶۳

اور دیگر عہدہ داران شاہی اُس دن کی مبارکباد پیش کرتے اور اس موقع پر روزہ و نماز کی مقبولیت اور فضیلت کا ذکر ہوتا۔ اندریں پیش کی جاتیں، اور بادشاہ پر دھن دارا جاتا، شعراء ہنیت نامے لکھ کر حاضر ہوتے اور بھرے دربار میں بڑے جوش و خروش سے انہیں سنا کر انعام و اکرام حاصل کرتے، رقص و سرود کی محفل سمیٹتی، گھروں میں عورتیں بناؤ سنگا رکرتیں، آنے والوں کی تواضع سوئیوں سے کی جاتی تھی۔ لے

اُس دن شہر میں جگہ جگہ اور خاص طور پر عید گاہوں میں میلے لگتے، شاہجہان پور میں اسی موقع پر جو عید لگتا تھا وہ میلہ چار کہنا تھا۔ (باقی)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۲)

آتے ہیں گھر سے اپنے جو بن کے کچ کلاہ : : : صحن چمن ہے جتنی ہے سب صحن عید گاہ
چھائی سے لپٹے جاتے ہیں منس منس کے خواہ خواہ : : : دل سے سب کے ہونے میں خدمت سے واہ واہ
کیا کیا مزے ہیں عید کے آج عید گاہ میں
کچھ بھڑسی ہے بیڑ کو بے حدود بے شمار : : : خلعت کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ میں ہنر ہنر ہنر ہنر
ہاتھی دگھوڑے بیل ورتھ و اونٹ کی قطار : : : غل شور باے بھوے اھلوؤں کی ہے قطار
کیا کیا مزے ہیں عید کے آج عید گاہ میں
پہنے پھرے ہیں شوخ کرے اور ہنسیاں : : : پھولوں کی چنگڑیوں میں ہیں شص اڑیں لیں
کریں سمجھوں نے ملنے کی خاطر ہیں کس لیاں : : : ملنے ہیں یوں کہ چھائی کی کر کے ہیں پسندیاں
کیا کیا مزے ہیں عید کے آج عید گاہ میں
آتے ہیں ملنے ملنے جو عاجز پری رُخاں : : : دیتے ہیں ملنے والوں کو بھرا کے گامیاں
تس پر بھی لپٹے جاتے ہیں جوں گاہ کھیاں : : : درمن کے کرے اڑنے ہیں چھٹی ہیں چوبوں
کیا کیا مزے ہیں عید کے آج عید گاہ میں
ہیں ملنے ملنے تن چوسیموں میں تر بتر : : : ست کے رست پھرتے ہیں چھتے ست اعر
چھتے پھرتے ہیں لوگ بھی جاتے ہیں وہ جھر : : : ٹھٹھ ہنس و سیرتی سے حد سرحد
کیا کیا مزے ہیں عید کے آج عید گاہ میں
ہیں کرتے دھل شہر کے سب خورد اور کبیر : : : ادنیٰ غریب امیر سے سزا دتا وزیر
ہر دم گلے لپٹ کے مرے یار دل پذیر : : : ہنس منس کے کھ سے کہتا ہے یوں کیوں یہ بظہر
کیا کیا مزے ہیں عید کے آج عید گاہ میں

کلیات نظیر اکبر آبادی - ص ۲۲۱ - ۲۲۳ -

لے برائے تفصیل ملاحظہ ہو - نادرات شہی - ص ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱ - کلیات نظیر اکبر آبادی -

ص ۲۱۸ - ۲۲۱ - دیوان معنی (قلی) حصہ ششم ص ۶۴ - ب - ۲ - اجبر عجیب (قلی) ص ۵۲۸ -

اکلیشت غزل

بجنابِ اہم مظفرنگری

تمہارے دیکھنے والے کہو تم کو کہاں دیکھیں
کہ ہم کرتے ہیں کیسے طوفِ خاکِ شیاں دیکھیں
کن آنکھوں سے تباہیِ نظامِ گلستاں دیکھیں
بھدا کیوں کر ہجومِ رنگِ بوہیں آشیاں دیکھیں
کرم کرتی ہے کس دن ہم پر مرگِ ناگہاں دیکھیں
مناسب ہے ابھی کچھ دن مزاجِ رازداں دیکھیں
محبتِ آشیاں سے جن کو ہر وہ آشیاں دیکھیں
ٹھہر کر اور کچھ دن انقذیبِ آسماں دیکھیں
جون کے آستار پر میرِ سجدوں کے نشاں دیکھیں
مرے گلشن کی جانب یوں شہیم بھلیاں دیکھیں
کتا بہ زندگی میں آپ میری داستاں دیکھیں
وہ جامِ لالہ و گل میں شرابِ ارغواں دیکھیں

حرم کی رونقیں یا جلوۂ دیرِ مغاں دیکھیں
ہماری طرزِ ماتمِ نوحہ خوانِ گلستاں دیکھیں
نہ دے تو دعوتِ سیرِ چمن لے باغباں ہم کو
زیارت اپنے گھر کی بھی نہیں ممکن بہارِ دہلی میں
ہجومِ غم سے چھٹکارا ملے کب دیکھیں ہم کو
محبت میں کوئی ہمارا نہ ہوا چھا تو نہ سیکن
مری نظریں تو ہر شے پر چمن کی ہیں بہاروں میں
نیا عالم کوئی شاید زمیں پر وجہِ تسکین ہو
نیازِ عشق کو سمجھیں گے یہ دیرِ وحرمِ شے
خدا شاہد ہر اک جلوہ بیاں کا برقِ انگن ہے
مرے ہر ذکر سے پیدا کس کی ذکر بھی ہو گا
چمن اور میکدے کو مختلف سمجھے ہیں جو ساقی

اہم اک راز ہے یہ اُن کا ذوقِ خود ندائی بھی
وہیں بے پردہ آتے ہیں نظردہ ہم جہاں دیکھیں

تبصرہ

سیرت مولانا سید محمد علی مونگیری : از مولانا سید محمد احسنی - تقطیع متوسط ضخامت ۴۲۴ صفحات، کتابت و طباعت بہتر، قیمت مجلد چھ روپیہ - پتہ :- مکتبہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ !
مولانا سید محمد علی صاحب مونگیری رحمۃ اللہ علیہ گذشتہ صدی کے نصف آخر کے اُن اکابر علماء و مشائخ میں سے تھے جنہوں نے اپنے انفاسِ قدسیہ سے ہزاروں لاکھوں انسانوں کے دلوں میں عشق و محبتِ الہی کی شمع روشن کی اور انہیں دینی و روحانی فیض پہنچایا، مولانا ایک دقیق النظر اور وسیع المطالعہ عالم اور صاحبِ ارشاد و طریقت بزرگ ہونے کے ساتھ مسلمانوں کے اُن دینی اور علمی و تعلیمی مسائل و مسائل سے اچھی طرح آگاہ تھے جو انہیں ۱۸۵۷ء کے انقلاب کے بعد اچانک پیش آ گئے تھے، اس سلسلہ میں آپ کا سب سے زیادہ عظیم الشان کا نام لکھنؤ میں ندوۃ العلماء اور پھر اُس کے ماتحت دارالعلوم ندوۃ العلماء کا اجراء و قیام ہے، اس کے علاوہ عیسائیت اور قادیانیت کے رد میں آپ نے علمی اور تنظیمی سرگرمیوں کے علاوہ کثرت سے جو کتابیں اور رسالے لکھے ہیں علمی اور تحقیقی حیثیت سے اُنکی بھی ایک مستقل قدر و قیمت ہے۔
زیر تبصرہ کتاب مولانا کے ہی سوانح حیات اور کارناموں پر مولانا سید ابوالحسن علی کے برادر زادہ کے

قلم سے ہے، مولانا علی تو خود جیسے ہیں سب جانتے ہیں، بڑی بات یہ ہے کہ مولانا کا پورا گھرانہ ہی ”ابن خانہ ہمہ آفتاب است“ کا مصداق ہے؛ حقیقت یہ ہے کہ برصغیرِ ہند و پاک میں بہت کم مسلمان گھرانے ہوں گے جہاں علم و دین کی خاندانی روایات کا تحفظ مسلسل اس طرح ہوتا رہا ہو جیسا کہ اس خاندان میں نظر آتا ہے۔ ”فکثر اللہ اھلہم“ چنانچہ اس کتاب میں لائقِ نوجوان مصنف نے بڑی محنت اور عرق ریزی سے مواد جمع کیا، اور اُس کو بڑی خوش اسلوبی سے مرتب کر کے مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے خاندانی و ذاتی

حالات و موانع علمی تعلیمی اور دینی و روحانی کا زمانوں پر بڑے بسط اور تفصیل سے روشنی ڈالی ہے، اس سلسلہ میں اُس زمانہ میں ہندوستانیوں کو عیسائی بنانے کے لئے یورپ کے مشنریز نے لک پر جو دھواں بولا اور تحریک قائم کیا دینیت کے فتنہ نے جو سہرا اٹھایا اور تباہی مچائی پھر ندوۃ العلماء اور اُس کے دارالعلوم کا قیام کس طرح عمل میں آیا — اُس کے اغراض و مقاصد کیا تھے؟ یہ تحریک اتفاق و اختلاف کی کن کن منزلوں سے گزری؟ ان سب مباحث اور اُن کی تاریخ پر بھی سیر حاصل گفتگو ہوگئی ہے، جو کچھ لکھا ہے سوچ سمجھ کے اور اعتدال و توازن کے ساتھ لکھا ہے زبان شگفتہ اور انداز بیان دل پذیر و موثر ہے، کتاب تاریخی اور دینی دونوں حیثیتوں سے مطالعہ کے لائق ہے اگر کتاب کے آخر میں ضمیمہ کے طور پر مولانا کی بعض اہم تحریریں جو ندوۃ العلماء کے تعلیمی مسائل سے تعلق رکھتی ہیں وہ بھی شائع کر دی جاتی تو افادیت میں مزید اضافہ ہو جاتا۔

جزیرۃ العرب : از جناب محمد راج حسن ندوی، تقطیع متوسط ضخامت ۳۳۸ صفحات کتابت و طباعت بہتر، قیمت مجلد پانچ روپے، پتہ :- مکتبہ دارالعلوم ندوۃ العلماء دہلی شاہ باغ کھنڈ۔

جزیرۃ العرب، ہبیط وحی و مولد نبوی ہونے کی وجہ سے اولین مرکزِ اسلام ہے اس لئے ہر مسلمان کو قدرتی طور پر اس سرزمین کے ساتھ روحانی اور دہانہ تعلق ہے اور اس کا طبعی تقاضہ یہ ہے کہ وہ یہاں کا جغرافیہ اور اس سلسلہ کی دوسری معلومات حاصل کرے، علاوہ ازیں قرآن مجید اور احادیث اور قدیم عربی شاعری اور تاریخ میں اس خطہ ارضی کی پھیلی قوموں، آبادیوں اور اُن کے امکانہ و موانع کا ذکر بار بار آتا ہے اور اُن کا پوری طور پر سمجھنا اُس وقت تک ممکن ہی نہیں ہے جب تک کہ پہلے اس کے جغرافیہ سے واقفیت نہ ہو لیکن افسوس ہے کہ عوام تو عوام عربی مدارس کے علماء اور طلباء تک اس سے واقف نہیں ہوتے، انگریزی اور عربی میں تو اس موضوع پر سیکڑوں، دریک سے ایک اچھی کتابیں موجود ہیں لیکن اُن میں تدریسی انداز میں خاص اس موضوع پر غالباً یہ پہلی کتاب ہے۔ اگرچہ فنی اور تحقیقی اعتبار سے اس کا معیار ایب کچھ زیادہ اونچا نہیں ہے اور منسلک نقشے بھی زیادہ واضح اور مکمل نہیں، تاہم کتاب جامع درمفصل ہے، کتاب تین ابواب پر تقسیم ہے، اور ہر باب کے ماتحت کئی کئی فصیوں ہیں، باب اول میں پورے جزیرہ نمائے عرب کے عام جغرافیہ، طبیعی اور تاریخی حالات ہیں، اس کے بعد باب دوم اور سوم کلی الترتیب شمالی اور جنوبی جزیرۃ العرب

کے مقامات اور اہم تاریخی حالات و واقعات کے لئے مخصوص ہیں، جگہ جگہ قرآن مجید کی آیات اور عربی اشعار و کہاوتوں کی پیوند کاری نے کتاب میں اور زیادہ حسن اور دل کشی پیدا کر دی ہے، عام قارئین کے مطالعہ سے قطع نظر کتاب اس لائق ہے کہ مدارس عربیہ اور اسلامیہ اسکولوں کے نصاب میں شامل کی جائے۔

عقد المجید مترجم اُردو: از مولانا ساجد الرحمن صدیقی، تقطیع خورد، ضخامت ۱۶۷ صفحات

کتابت و طباعت بہتر قیمت 2/25 پتہ: محمد سعید، اینڈ سنر ناشران و ناچران کتب، قرآن محل

مقابل مولوی مسافر خانہ، کراچی۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کا مختصر رسالہ عقد المجید جس میں آپ نے اجتہاد اور تفہیم سے متعلقہ مباحث پر اپنے خاص انداز میں بڑی بصیرت افروز گفتگو کی ہے، آپ کی ان چند کتابوں میں سے ایک ہے جو تحقیقی اور علمی حیثیت سے بڑی اہم سمجھی جاتی ہیں، یہ کتاب مع متن کے اس کاہی اُردو ترجمہ ہے، زبان صاف سلیس اور عام فہم ہے۔ آج کل اجتہاد کا مسئلہ ہر جگہ موضوع بحث بنا ہوا ہے اور مسلمانوں کے ہر طبقہ میں اس سے بڑی دل چسپی لی جا رہی ہے، اس لئے امید ہے کہ حضرات عربی نہیں جانتے اس کتاب سے وہ بھی فائدہ اٹھا سکیں گے۔

فیوض الحرمین: مترجم از مولانا عابد الرحمن صدیقی کا دھلوی، تقطیع خورد ضخامت ۳۲۷ صفحات، کتابت و طباعت بہتر قیمت مجلد ۴/۵۰ - مذکورہ بالا پتہ پر ملے گی۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ میں حج و زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئے تھے اور جیسا کہ آپ خود فرماتے ہیں، آپ کا یہ حج حجاب و نکرہ کا نہیں بلکہ شہود و معرفت کا حج تھا یعنی اللہ تعالیٰ نے اس سفر مقدس میں اپنے تمام اسرار و کونی و مہر و شری آپ پر بے نقاب کر دیئے تھے، آپ نے مدون کر لیا اور محل و موضع کی مناسبت سے اس مجموعہ کا نام فیوض الحرمین رکھ جو سینا لیس شاید پر مشتمل ہے۔

یہ کتاب مع اصل عربی متن کے اس کاہی اُردو ترجمہ صاف و سلیس اُردو میں ہے، یہ کتاب حضرت شاہ صاحب کی مشہور و معروف کتابوں میں سے ہے لیکن عوام کے کام کی ہرگز نہیں ہے صرف علمائے ربیعین و ارباب مشاہد بھی اس سے استفادہ کر سکتے ہیں۔

تاریخ عجیب المعروف بہ کالاپانی :

مولوی محمد ایوب صاحب قادری، تقطیع خورد، ضخامت ۳۰۴ صفحات، کتابت و طباعت بہتر، قیمت مجلد 4/50، پتہ :- سلمان اکیڈمی، حق نٹ ن ۳۲ نوکراپی ہاؤسنگ سوسائٹی کراچی ۷۔

یہ وہ مشہور معروف کتاب ہے جس میں مولانا محمد جعفر تھانیسری نے جو حضرت سید احمد شہید کی تحریک کے پُر جوش حامی و مبلغ ہونے کے جرم میں انڈمان میں قید کر دیئے گئے تھے، اپنی بست سال مدت اسارت کی سرگزشت لکھی ہے، چونکہ یہ کتاب ایک جلیل القدر عام، درمجاہد کی خود نوشتہ سوانح عمری بھی ہے اور ۱۸۵۷ء کی پہلی جنگ آزادی اور اُس کے ماقبل و مابعد کے احوال کی ایک مستند تاریخ بھی، اس بن پر ملک کے علمی حلقوں میں اس کا بڑا چرچا رہا ہے اور اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں، فاضل مرتب اس عہد کی تاریخ کا بڑا اچھا ذوق اور اُس کا وسیع مطالعہ رکھتے ہیں، اس لئے موصوف کا یہ مرتبہ، ڈیشن سب سے زیادہ صحیح، معتبر اور جامع ہے، تسبیح و ترتیب کے علاوہ موصوف نے شروع میں ایک طویل فاضلہ مقدمہ تحریک سید احمد شہید کے آغاز و انتہا پر لکھا ہے، اس کے علاوہ کتاب کے متن میں جا بجا مفید اور پُر از معلومات حواشی بھی ہیں، پھر کتاب میں جن حضرات کے نام آئے تھے ان میں مذکورہ رجال کے زیر عنوان ان سب کے حالات و سوانح پر کہیں مجمل، اور کہیں مفصل نوٹ ہیں، اس کے بعد متعدد ضمیمے اور کتابیات کی فہرست وغیرہ ہیں، ان سب چیزوں نے کتاب کی قدردانیت اور خصوصاً تاریخ کے اساتذہ و طلبہ کے لئے دو چند کر دی ہے، امید ہے کہ ارباب ذوق اس کے مطالعہ سے شاد کام ہو جائیں گے۔

عصرِ حیات کا سب سے بڑا ادیب

اس دور کے سب سے بڑے ادیب ڈرامہ نویس اور مزاح نگار حاجی برنارڈ شاہ کے سوانح حیات پر نہایت مفصل اور جامع کتاب جس میں دنیا کے اس سب سے بڑے، در اچھوتے ڈرامہ نویس کی خصوصیات و زندگی کے ایک پس منظر کو بالکل نئے انداز سے سامنے لایا گیا ہے، اس کے ریتی کتاب ہے، مؤلف ظانہاری ضا، صفحات ۲۸۸۔

قیمت مجلد تین روپے آٹھ آنے، پتہ :- مکتبہ برہان اردو بازار جامع مسجد دھوا

برہان

جلد ۵۳ | ربیع الثانی ۱۳۸۴ھ مطابق ستمبر ۱۹۶۴ء | شمارہ ۳

فہرست مضامین

- | | | |
|-----|--|---|
| ۱۳۰ | نظرات | سعید احمد اکبر آبادی |
| ۱۳۳ | واقعات سیرت نبویؐ میں توقیفی تضاد اور اس کا حل | از جناب مولوی اکمل الہی صاحب علوی رام پور |
| ۱۴۳ | سید سلیمان ندوی | از جناب سید ذوالفقار حسین مناجاری ایم اے |
| | ایک مکتوب نگار کی حیثیت سے | لیکچرار اسلامیہ کالج لاہور۔ |
| ۱۶۸ | موسیٰ سدیک کی تاریخ عرب پر ایک نظر | جناب شبیر احمد خاں غوری ایم اے ایل ایل بی |
| | | رجسٹرار امتحانات عربی و فارسی (اٹر پردیش) |
| ۱۷۹ | دیارِ غرب کے شہادت و تاثرات | سعید احمد اکبر آبادی |
| | اکبریات | |
| | نذرِ عقیدت | |
| ۱۸۹ | (حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ کے حضور میں) | جناب سجادت بیگم |
| | غزل | جناب فرید آبادی |
| ۱۹۰ | بھیرے | (دس) |

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نظرات

ڈاکٹر سید محمود کی دعوت پر لکھنؤ میں مسلمانوں کا مشاورتی اجتماع حسب اعلان دقار داد ۸ اور ۹ اگست کو منعقد ہوا اور اس میں وہ سب کچھ ہوا جو عام طور پر ایسے اجتماعات میں اب تک ہوتا رہا ہے، یعنی صدر استقبالیہ اور صدر جلسہ کے برزور خطبے، تقریریں، بحث و گفتگو اور تجاویز! لیکن آئندہ پروگرام کیا ہوگا؟ اس سلسلہ میں نو حضرات کی ایک کمیٹی بنادی گئی ہے جو بعد میں بڑھ کر کیسٹ افراد پر مشتمل ہوگی اور مستقبل میں کام کرنے کا کوئی خاکہ اور پروگرام مرتب کرے گی، ہمارے نزدیک اس اجتماع کا سب سے بڑا فائدہ یہی ہے کہ اس موقع پر مختلف جماعتوں اور اداروں سے تعلق رکھنے والے مسلمان زعماء ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو گئے اور ان میں کوئی بد مزگی اور ناگواری پیدا نہیں ہوئی۔ ہر شخص کو دعا کرنی چاہئے کہ اتحاد و توحید کہاں ممکن ہے، اشتراک تعاون ہی پائدار اور قائم رہے، اگرچہ ہمیں جماعتوں اور افراد کا جو تجربہ ہے اُس کے پیش نظر شبہ ہے کہ جب کوئی پروگرام شروع ہوگا تو اُس وقت بھی اشتراک و تعاون کی یہ فضا برقرار رہ سکے گی۔ یہاں آئندہ پروگرام کے سلسلہ میں مختصراً ہم چند معروضات پیش کرتے ہیں، ممکن ہے وہ کسی درجہ میں درخور اعتنا ہوں۔

(۱) مشاورتی اجتماع کی ایک تجویز یہ ہے کہ ایک وفد پورے ملک کا دورہ کر کے اکثریت کے لوگوں سے ملے گا، اور ان کو مسلمانوں کے معاملات و مسائل سے باخبر کرے گا، یہ تجویز نہایت مبہم و ناقص ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ وفد کہاں کہاں جائے گا، کن کن لوگوں سے ملے گا! فقط کانگریسی خیارات کے اچھے افراد سے ملے گا یا راشٹرپت سبک سنگھ اور ہندو جہاں سبھا اور جس سنگھ کے ممبروں اور عہدہ داروں سے بھی ملے گا، پھر مل کر کہے گا کیا؟ وہ کونسی بات ہے جو اکثریت کے افراد کو معلوم نہیں ہے، جب ملاقات ہوگی تو ایک ہندو بھی یہ نہیں کہے گا کہ فسادات اچھی

چیزیں اور ان کو ہونا چاہئے، لیکن اس کے باوجود ہوگا وہی جواب تک ہوتا چلا آیا ہے، جب تک اکثریت اور اقلیت میں باہم بے اعتمادی اور اجنبیت کی فضا قائم ہے صورت حال میں اصلاح کی توقع مشکل سے ہی کی جاسکتی ہے یہی وہ فضا ہے جس کا سہارا لے کر چند سماج دشمن افراد دنیا بھر کی تباہی اور بربادی مچاتے ہیں، ضرورت اس فضا کو بدلنے کی ہے تاکہ فتنہ پردازوں کو اپنی من مانی کرنے کی جرأت نہ ہو سکے، ہمارے خیال میں اس مقصد کے حاصل کرنے کا کامیاب ذریعہ یہ ہے کہ ہندو مسلمان، سکھ، عیسائی، پارسی اور دوسرے ہندوستانی مذہبی فرقوں کے افراد کی ایک مشترکہ سوسائٹی "انجمن اتحاد و ترقی" کے نام سے کل ہند پیمانہ پر بنائی جائے اور یہ طے کیا جائے کہ اس انجمن کا سیاست سے کوئی تعلق نہیں ہوگا اس کی سرگرمیوں کا دائرہ صرف سماجی کاموں تک محدود رہے گا، شہر شہر اور قصبہ قصبہ میں اس کی شاخیں ہوں گی اور اس کا مقصد ہوگا عوام کی خدمت کرنا، ان میں جو کمزوریاں ہیں ان کی اصلاح کرنا، ان کے دکھ درد کا مداوا کرنا، غریبی اور بے روزگاری کے دور کرنے میں ان کی مدد کرنا، ان کے اخلاقی معیار زندگی کا ادنیٰ کرنا، ان میں باہم اعتماد و یکجہتی اور ملک کی تیز رفتاری سے صحیح دھبے کا ان میں پیدا کرنا، ملک کو موجودہ حالات میں ایسی انجمن کی بڑی ضرورت ہے، اگر کام ہمت، استقلال اور دلجمعی کے ساتھ کیا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ اس میں خاطر خواہ کامیابی نہ ہو۔

(۲) دوسری چیز جو کرنے کی ہے وہ یہ ہے کہ آج کل یونیورسٹیوں میں ان کی کثرت بعد کے باوجود داخلہ کنش شکل سے ملتا ہے؟ یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں، اس کی وجہ سے مسلمان لڑکوں کو سب سے زیادہ نقصان پہنچ رہا ہے، کیوں کہ وہ اقلیت میں ہیں اور اپنے معاشی حالات اور سماجی ماحول کے باعث کثرت کے فوائد کے ساتھ امتحان مقابلے میں خاطر خواہ کامیابی حاصل نہیں کر سکتے، اس لئے ضرورت ہے کہ مسلمانوں کے خود اپنے کالج ہوں اور ان میں ستریاں بچھترنی صدی کے حساب سے نشستیں مسلمان طلباء کے لئے مخصوص رکھی جائیں، ایک مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے موجودہ حالات میں کیا کام چل سکتا ہے کم از کم ایک مسلم یونیورسٹی۔ مسلمانوں کے اپنے روپیہ سے اور ہونی چاہئے، اگر سر دست یہ ممکن نہ ہو تو یہ کہا جائے کہ اتر پردیش اور دوسرے صوبوں میں شہر بشہر جو سرمدیہ کالج اور ہائی سکول بکھرے پڑے ہیں، اور جن کی حالت فنڈ کی کمی کے باعث ناگفتہ بہ ہے، مسلمان ان کی طرف متوجہ ہوں، اور ان کو موجودہ زمانہ کے درجہ اول کے کالج بنانے کی کوشش کریں، ان کالجوں میں سائنس اور ٹکنالوجی،

کامرس، پری ٹیکنیکل اور فنون وغیرہ سب کی تعلیم کا انتظام ہونا چاہئے اور اعلیٰ سے اعلیٰ کالجوں کی بلڈنگ مسجد، ہسپتال
 لائبریری کھیل کے میدان ان سب کا بہتر سے بہتر ہونا ضروری ہے، یہ کام آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے کرینیکا
 تھا، مگر خدا جانے اسے کب ادھر توجہ ہوگی۔

ہم نے مانا کہ تغافل نہ کر دو گے لیکن خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک

(۳) تیسری فوری ضرورت انگریزی کا ایک روزنامہ ہے، جو زبان، مضامین، خبروں کی ترتیب، طباعت
 اور گٹ آپ کے لحاظ سے اسٹیمپیں، درہندوتن ٹائمز سے، اگر بہتر نہیں تو کم تر بھی نہ ہو، پرانا انگریزی اخبار ”میج“
 اور موجودہ ”ریڈنس“ یا ”صراط“ جیسے اخبارات سے اس ضرورت کی کپل نہیں ہو سکتی، سمنوں میں سیدری انگریزی در
 وہ بھی صحتی نقطہ نظر سے لکھنے والے اگر عقود ہیں، تو چار انگریزی میں فرسٹ کلاس ایم اے نوجوانوں کا انتخاب
 کر یا جائے اور ان کو جرمن کی ٹریننگ کے لئے بھیجا جائے، اس روزنامہ کے ادبٹر کی تنخواہ کسی حالت میں
 دو ہزار روپیہ یا چار سے کم نہیں ہونی چاہئے، پورے ملک میں اگر پانچ کروڑ مسلمان بھی آباد ہیں تو ایک روپیہ فی کس
 سامانہ کے حساب سے بھی ایک برس میں پانچ کروڑ روپیہ خرچ ہو سکتا ہے، اگر صحیح لیڈر شپ موجود ہو تو اس کے لئے
 یہ رقم جمع کر لینا تعلقا کرنی مشکل بات نہیں!

افسوس ہے کہ کچھ دنوں پر دوسرے محمد مراد الدین کو ۶۲ برس کی عمر میں انتقال علی گڑھ میں ہو گیا، اور ہمیں دس ہوئے
 مرحوم علی گڑھ یونیورسٹی میں سٹڈی میں داخل ہوئے تھے اس وقت سے دم آخر تک ان کا رشتہ اس درس گاہ سے منقطع
 نہیں ہوا۔ انھوں نے تعلیم میں مکمل کی، پھر ہنس نکھر، ریڈر، پروفیسر اور صدر شعبہ فلاسفی و نفسیات درہندوتن در
 پردوسٹ در خدا جانے کیا کیا ہوئے، انھوں نے یونیورسٹی میں بڑے بڑے آثار چڑھا دیے اور نقدیات دیکھے تھے
 اور اب آخر میں خود نقدیات زمانہ کی جہت نگیر تصویریں کر رہے تھے، سودی فلسفہ ان کا خاص مضمون تھا، امام
 غزالی کے فلسفہ خلاق پر انگریزی میں ان کی تحیم کتاب چند سال ہوئے یونیورسٹی کی طرف سے شائع ہوئی ہے،
 بلا کے ذہن بہترین منتظم بے نفس دیے رہا، مجھے خصوصاً سکر و منہ رن، اور نہایت سادہ اور بے تکلف

راقم اعزذت سے دیرینہ اور بڑے شہسازہ دوست تھے، یونیورسٹی سے مرزمت کے تعلق کے اعتبار سے مرحوم اس چمن کی پرنی
 بہار کی آخری ستانی تھے، ”خدا شے بہت سی ذہنیں تمہیں مرنے دے میں“

قسط پنجمہ

واقعات سیر نبویؐ میں تقابلی تضاد اور اس کا حل

از

جناب مولوی اسحق النبی صاحب علوی رام پور

چوتھی دست دین | بن اسحق، واقفی اور ابن حبیب کی بین کردہ تاریخوں کے علاوہ کچھ اور تاریکین بھی ہیں جو متفرق طور پر کتب سیر و تاریخ میں ملتی ہیں اور جن کے متعلق یہ تیس کیا جاسکتا ہے کہ ان کا ماخذ بھی صدرِ اؤں کے ریکارڈ ہوں گے، اس لئے اگر ہم ان سب کے مجموعہ کو چوتھی ضمنی دستاویز کا نام دیدیں تو بجائے ہوگا، ان چاروں دستاویزی ریکارڈوں کے لئے میں نے علامات ذیل اختیار کی ہیں:-

ابن اسحق کے ماخذ	واقفی کے ماخذ	ابن حبیب وغیرہ کے ماخذ	دوسری روایات کے ماخذ
ا	ب	ج	د

اس طرح تقریبی اعتبار سے سیرت کا موجودہ سرخیہ، ریختی حسب ذیل نقشہ سے باسانی سمجھ میں آسکتا ہے:-

عہد صحابہ کی مدنی دستاویزیں

عہد صحابہ کے مکتی ریکارڈ

مدنی

مکتی

مکتی + مدنی

تا بعین کا مخطوط سرمایہ

ا	ب	ج	د
---	---	---	---

نتیجہ تا بعین کا سرمایہ

مکتی + مدنی
ا، ب، ج، د

تاریخین کا مخطوط سرمایہ

کتبتی سہو اور دوسری قسم کی غلطیاں | گزشتہ مباحث کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچ چکے ہیں کہ ہمارے موجودہ سرمایہ سیرت میں (تاریخی اعتبار سے) روایات ۱، ب، ج، د، کو سب سے بڑا دخل ہے جو بنی اسحق، واقسی، ابن حبیب، اور دوسرے متقدمین کی ماخذ اصل تھیں، اس سے یہ دھوکا ہو سکتا ہے کہ ہماری موجودہ روایات سیرت (تمام کی تمام) بعینہ وہی ہیں جو ان اصل دستاویزوں سے سیرت نگاروں کو پہنچی تھیں اور ان میں کتابتی سہو، تصحیفی غلطیاں یا تفہیمی اغلط کا کوئی دخل نہیں ہے، یہاں اس بات کو دیکھنا ہے کہ کیا یہ دستاویزیں اپنی اصل صورت میں ہم تک پہنچی ہیں۔ یا ان پر امتداد زمانہ کے اثرات بھی معلوم ہوتے ہیں۔

یہ بات سب کو تسلیم ہے کہ زمانہ قدیم میں گرچہ سخت نقل کا خاص طور سے ہی نظر رکھا جاتا تھا، شاگردان خاص جب اپنے شیوخ اور اساتذہ سے ان کی مرویات لیتے تو اپنے مقولات کو ان کے سامنے پڑھ کر سناتے تاکہ امکانی غلطیوں کا راستہ بند ہو سکے، باوجود اس کے کتابتی سہو اور نقل و نقل کی غلطیاں ایسی نہ تھیں جو انسانی قدرت سے باہر ہوں۔

بائبل اور قرآن سے زیادہ صحت کتب کا فخر شیعہ دنیا کی کسی کتاب کو حاصل نہیں، لیکن ان میں بھی اختلافات قرائت موجود ہیں جو بہت کتب بتی خدشات کا نتیجہ ہیں۔ اس صورت میں یہ بات بالکل خارج از قیاس ہے کہ روایات سیرت میں خواہ ان کا تحقق یا موشہور سے ہو یا دوسری اصناف روایت سے اس قسم کے اختلافات یا غلطیاں موجود نہیں۔

لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ تاریخی روایات کا خلق چونکہ بیشتر حسابات و ریاضی سے ہے، اس لئے ان کی غلطیاں سانی سے سمجھ میں آ جاتی ہیں۔ اور ان کی صحت و عدم صحت کی تیز حابی قاعدوں سے ممکن ہے۔

روایات سیرت پر غور کیجئے، تو اندازہ ہوتا ہے کہ تو قیسی اعتبار سے ان میں اگر کہیں غلطیاں ہیں تو بیشتر دوسری قسم کی یعنی کتب سہو اور تفہیمی حدود کتب سہو بیشتر اس نمونے کے ہیں، کہ مشترک الہام مہینوں کے ذیل میں کاتبوں کے ہاتھ سے چند منقذات بڑا دل۔ آخر ہو گیا ہے، اور آخر، اول۔ تاریخوں کے ذیل میں بعض جگہ "عشرین" "عشرہ" اس کی ہے "مضین"۔ بنین۔ ایک دوجگہ ایسا بھی ہوا ہے کہ کوئی لفظ

لکھنے سے رہ گیا ہے، اور کچھ مثالیں ایسی بھی ہیں جن کے متعلق معلوم ہوتا ہے، کہ ابتدائی مصنفین کوئی مخطوطہ صحیح طور پر پڑھ نہ سکے تھے اور جتنا پڑھ سکے وہی منج کر دیا گیا، کچھ غلطیاں تساہل اور بے پرواہی کا نتیجہ بھی معلوم ہوتی ہیں۔

بہر حال تقریباً تمام قسم کی غلطیاں ایسی ہیں، جو نقل و نقل کا قدرتی نتیجہ ہیں، میں یہاں حب سے پہلے ایسی مثالیں پیش کرتا ہوں، جو ربیع الاول اور ربیع الآخر یا جمادی الاول اور جمادی الآخری کے ذیل میں ہوتی ہیں اور جن کو ناقلین مابعد کی عدم توجہی کا نتیجہ قرار دیا جاسکتا ہے۔

ابن ہشام کے موجودہ نسخوں میں ابن اسحق سے یہ روایت ملتی ہے :

”اس کے بعد رسول اللہ ربیع الاول کے مہینے میں قریش کے ارادے سے نکلے، یہاں تک

کہ بواط پہنچے، جو رمنوی کے قریب ہے۔ بعد ازاں مدینہ واپس آئے، اور لڑائی نہیں ہوئی

اور آپ نے ربیع الآخر کا بقیہ حصہ اور جمادی الاولیٰ کے کچھ حصے مدینہ میں قیام فرمایا۔“

اسی روایت کو ابن حمیر نے سعد کی وساطت سے ابن اسحق سے لیا تھا۔ جس کو طبری نے یوں نقل کیا ہے :

”اس کے بعد رسول اللہ ربیع الآخر کے مہینے میں قریش کے ارادے سے نکلے، یہاں تک

کہ بواط پہنچے، جو رمنوی کے قریب ہے، بعد ازاں مدینہ واپس آئے، اور لڑائی نہیں ہوئی

اور آپ نے ربیع الآخر کے بقیہ حصے اور جمادی الاولیٰ کے کچھ حصے مدینہ میں قیام فرمایا۔“

ظاہر ہے کہ ان دونوں روایتوں میں صرف ربیع الاول اور ربیع الآخر کا فرق ہے، جس سے یہ پتہ چلتا ہے

کہ طبری کے پیش نظر جو نسخہ تھا، اس میں بجائے ”ربیع الاول“ کے ”ربیع الآخر“ مرقوم تھا، سیرت ابن اسحق

کے فارسی ترجمے کا جو مخطوطہ میرے پیش نظر ہے، اس میں بھی اس غزوے کو ”ربیع الاول“ کا ظاہر کیا گیا ہے۔

جس کے یہ معنی ہیں کہ خود ابن اسحق کے مختلف نسخوں میں سے کسی نسخے میں ربیع الاول تھا اور کسی میں ربیع الآخر۔

واقفی اور ابن سعد کے موجودہ نسخوں میں اس واقعے کی تاریخ ربیع الاول بیان کی گئی ہے۔ لیکن قدام

میں ابن حبیب کے یہاں اس غزوہ کی تاریخ ربیع الآخر ملتی ہے، جس کی وجہ سے یہ کہنا دشوار ہے کہ اس واقعہ کی

۱۔ ابن ہشام ۲/۲۳۸ - ۳ طبری ۲/۲۶۰ - ۳ مخطوطہ در ۲۴۸ رضی اللہ عنہم / نمبر ۱۸۸۸ فارسی
۲۔ واقفی ۳/ ابن سعد ۳/۳ - ۳ ابن حبیب ۱/۱۱۱ -

روایات کے اصل ماخذوں میں ربیع الاول مذکور تھا یا ربیع الآخر، میری رائے میں ربیع الآخر کو یوں ترجیح دی جاسکتی ہے کہ روایت کے آخری حصے میں بقیہ ربیع الآخر کے الفاظ، مستعماں ہوئے ہیں جس سے گمان ہوتا ہے کہ ابن اسحق نے روانگی کی تاریخ بھی ربیع الآخر ہی بیان کی ہوگی۔

ربیع کے ذیل میں اولیٰ و آخر کی غلطیاں کئی اور مقامات پر بھی متی ہیں، مثلاً نزوہ "دومتہ الجندل" کے متعلق ابن اسحق اور واقدی کے موجودہ نسخوں میں ربیع الاول کی تاریخ ملتی ہے لیکن ابن کثیر کے سامنے جو واقدی کا نسخہ تھا، اس میں "ربیع الآخر" مذکور تھا، چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

"اور واقدی کا بیان ہے کہ آنحضرتؐ کا دومتہ الجندل کی طرف خروج "ربیع الآخر" میں ہوا۔" اسی طرح سر یہ عکاشہ بن محسن کے ذیل میں واقدی کے موجودہ نسخوں میں ربیع الآخر مذکور ہے لیکن طبری کے یہاں ربیع الاول ہے۔

سر یہ محمد بن مسلمہ (ذی قصبہ) کے ذیل میں طبری کے یہاں ربیع الاول ملتا ہے، لیکن واقدی کے یہاں ربیع الآخر، سر یہ خالد بن ولید کے متعلق (جو بنی عبد منان کی طرف بھی گیا تھا) طبری کی ترجیحی رائے یہ ہے کہ یہ واقعہ ربیع الآخر کا ہے، جبکہ خود ان کے سامنے ربیع الاول کے لفظ بھی موجود تھے، چنانچہ سلسلہ کے ذیل میں مرقوم ہے:

"آنحضرتؐ نے خالد بن ولید کو ربیع الآخر میں روانہ کیا، اور کہا جاتا ہے کہ ربیع الاول میں اور کچھ لوگ جہادی، لادنی میں بتاتے ہیں"۔

گویا طبری کے زمانے میں بھی ربیع الاول اور ربیع الآخر کا اختلاف پیدا ہو چکا تھا، اور کچھ نسخوں میں "اول" تھا، کچھ میں "آخر"۔

دل چسپ بات یہ ہے کہ کتابتی سہو دو مختلف مصنفین کی کتابوں کا محتاج نہیں ہے، بلکہ آپ ایک ہی مصنف کی کتاب میں ایک ہی مصرع کے بعد کتابتی سہو ملنا حتمی فرما سکتے ہیں، چنانچہ ابن حبیب کے موجودہ نسخے میں

۱۵ ابن ہشام واقدی/ ۴ عبد ابراہیم واسنہایہ/ ۴۲ ۱۵ واقدی/ ۵ ۱۵ طبری/

۱۵ طبری/ ۱۵ واقدی/ ۵ ۱۵ طبری/ ۱۵۶، ۱۵۷

اور پے نے کرز کا پیچھا بدلتا کیا تھا، چنانچہ بدر اولیٰ کے سلسلے میں خود ابن حبیب نے جو تاریخ بیان کی ہے، وہ یہ ہے:-

”(اور بدر اولیٰ کے لئے) دو شنبہ کے دن ۱۲ جہادی الاخریٰ کو نکلتے“ لے

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غزوہ ذات العشرہ کی واپسی کی تاریخ بن حبیب نے بجائے ۲۲ جہادی ۱۲ کے ۲۲ جہادی ۱۱ کو لکھی ہوگی، کیوں کہ اتنی موٹی حسابی غلطی کم از کم ابن حبیب جیسے مصنف کے قلم سے ممکن نہیں۔

تاریخ و یوم کی غلطیوں | کتب سیرت میں تاریخ و یوم کی کتابتی اغلط کی مثالیں بھی موجود ہیں، جن میں کم از کم ایک مثال یہ ہے کہ س میں غالباً لفظ ”عشرین“ ”عشرہ“ بن گیا ہے، و قدی کی کتاب ”المنذری میں قس کتب بن اشرف کی تاریخ ۱۲ ربيع الاول بیان کی گئی ہے۔

دوسرے یہ راحت بھی کی ہے، کہ اس تاریخ حضرت مدینے ہی میں موجود تھے، لیکن چند ہی عاقل کے بعد غزوہ دہن مر کے ذیل میں ہو بتور و قدی کی ہینہ کا واقعہ ہے۔ مندرجہ ذیل الفاظ میں:

”بول بعد آئسہ نے دن ۱۲ ربيع الاول کو ذی امر کے لئے نکلے“

گویا کتب بن اشرف کے نفس سے دو روز پہلے ۲ ربيع الاول کو آپ مقدم ذی امر کی طرف کوچ فرما چکے تھے، نہ ہرے کہ یہ غلطی بنی غلط کتابتی سہو ہے، اور واقعہ دہن نے شاید شنتی عشرہ کے بجائے ۲۲ کے ہرے کو س کے لئے از روک حرب ۱۲ از تاریخ کو پنجشنبہ کا دن بھی نہیں آتا، بلکہ ۲۲ ربی کو پڑتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ غلطی بھی بہت قدم پہنچے اس لئے کہ واقعہ دہن کے شگردن ص ابن سعد نے جب اس روایت کو لیا تو ۱۲ ربيع الاول ہی درج کیا۔

منہیں در نقب من القبر | بن حبیب کے یہاں ایک بہت دلچسپ کتابتی سہو غزوہ موئق کے ذیل میں نظر آتا ہے جس کی اس وجہ خود میرد کتابت کی غلطی سے ظاہر ہوئی۔

”مجہ“ میں اس غزوے کی تاریخ میں تری لکھی ہے:-

”منہ دقن ۱۸۸ - منہ دقن ۸۸ - منہ دقن ۳“

اس لئے جلد سمجھ میں آ جاتا ہے، چنانچہ غزوہ بواط کے متعلق اس قسم کی ایک غلطی ملاحظہ ہو:-
ابن حبیب کی موجودہ عبارت یوں ہے:-

” (آنحضرتؐ) دو شنبہ کے دن ۲ ربیع الآخر کو نکلتے، بعد ازاں دو شنبہ کے دن ۲۰ ربیع الآخر کو واپس ہوئے “ لے

معلوم ہوتا ہے کہ کسی بے احتیاطانہ نقل کے غلطی سے ”ثلاث عشرہ خلون“ کی بجائے ”ثلاث خلون“ کے الفاظ نکل گئے، اور لفظ ”عشرہ“ لکھنے سے رہ گئی ہے کیونکہ اردوئے حساب جب کسی مہینے کی ۲۰ کو دو شنبہ ہوگا تو اس سے پہلے مفتوں میں صرف ۱۰ روز، ۶ رات کو دو شنبہ ہو سکتا ہے، اس شاپہ ہر ہے کہ یہاں صرف یہی قیاس کیا جاسکے گا کہ روایت میں ثلاث عشرہ خلون مذکور تھا۔

اس واقعہ کی تاریخ کے ذیل میں ایک دوسرے غلطی یہ بھی معلوم ہوئی ہے کہ موجودہ کتابوں میں بجائے ”ربیع الآخر“ اس کی تاریخ ”ربیع رول“ درج ہوئی ہے، جس کے خلاف متعدد قرائن ہیں جو مفہم چہم میں پیش کئے گئے ہیں۔

اس سلسلے میں سب سے پہلے ابوسعد خدری کی ایک روایت میں نظر آتا ہے۔
ابن اسحاق اور دوسرے سیرت نگاروں نے (سوائے وقعی اور ابن سعد کے) غزوہ خیبر کی تاریخ محرم سنہ بیان کی ہے، صرف وقعی اور ابن سعد نے اسے جمادی الاول سنہ کا واقعہ ظاہر کیا ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی ابن سعد نے ابوسعد خدری کی ایک روایت بھی نقل کی ہے جو حسب ذیل ہے۔

”بیان کیا کہ ہم رسول اللہؐ کے ہمراہ ۸ رمضان کو نکلتے اور بہت سے لوگوں کے روزے تھے “ لے

قدیم سیرت نگاروں میں سے کسی ایک نے بھی غزوہ خیبر، رمضان میں ظہر نہیں کیا ہے، بلکہ بخاری میں یہ صراحت موجود ہے، کہ صرف ذی الحجہ سے یعنی بدھ اور فتح مکہ رمضان میں ہوئے تھے اس بنا پر ابوسعد خدری کی یہ روایت کچھ عجیب سی معلوم ہوتی ہے۔

لیکن فسطولان نے "موسب" میں اس غلطی کو محض کتابی بہوت قرار دیا ہے، جتنا بچہ رہتا ہے۔
 "ابن سعد اور ابن ابی شیبہ نے ایک غریب روایت ابو سعید خدری سے یہ بیان کی ہے۔
 "ہم رسول اللہ کے ہمراہ خیبر گئے، یہ رمضان کی ۱۸ تاریخ تھی، اگرچہ اس کی اسناد حسن ہے
 لیکن روایت (پھر بھی) غلط ہے، فہا یہ لفظ حنین تھا جو غلطی سے خیبر ہو گیا، اس کی
 وجہ یہ ہے کہ غزوہ حنین غزوہ فتح (مکہ) کے بعد ہوا تھا، اور غزوہ فتح کے لئے رسول اللہ
 بالیقین رمضان میں نکلے تھے۔"

حنین کو اگرچہ بدھشی کی بربہ نمبر بڑھا جاسکتا ہے، لیکن میں سمجھتا ہوں، کہ اس روایت کے بعض
 دوسرے الفاظ پڑھنے اور سمجھنے میں بھی کہیں درستگی ہوئی ہے، اس سے کہ غزوہ حنین ہی ۱۸ ربیعہ الاول
 نہیں، بلکہ شاید آخر رمضان یا شوال کا واقعہ ہے۔

اسی طرح غزوہ خندق اور ہوزینہ کی تاریخیں ہیں، جن کی ابتداء دستاویزوں میں کچھ ایسی غلطیاں
 نظر آتی ہیں، جن کی تصحیح کی بوقت مناسبت ہے، تاریخ کی تفصیل تاریخ بن حبیب نے بھی بیان کی ہے، اور
 واقدی نے بھی، اور دور سب یہاں بہت سے مروج غلطیاں ہیں، جن سے یہ اندازہ ہو سکے بغیر نہیں
 رہتا، کہ یہ تاریخیں جب ابتدائی یادداشتوں سے نقل کی گئی تھیں، تو خود ناقلین نے ان کو پورے طور پر نہیں
 سمجھ تھا، اور یہ تاریخیں خواہ ابتدائی یادداشتوں کی بدھشی کی وجہ سے خرابہ مسودات کے نسخ کی بنیاد پر قطعاً
 غلط نقل ہوئی ہوتی ہیں۔

ابن حبیب نے غزوہ خندق کی تاریخ اس طرح بیان کی ہے:

"کہ آنحضرت پنجشنبہ کے دن ۱۰ شوال کو نکلے، اور ہفتہ کے دن یکم ذیقعدہ کو یہ برائی ختم ہوئی،"۔

عام قمری تقویم کے بموجب، اگرچہ ۱۰ شوال سنہ کو چہر شنبہ ثابت ہے، جس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ
 پنجشنبہ بھی ممکن ہے۔ لیکن روایت کا دوسرا حصہ بدھشی طور پر غلط نظر ہوا ہے، اس لئے کہ جب ۱۰ شوال کو پنجشنبہ
 ہوگا، تو یکم ذیقعدہ کو ہفتہ ممکن نہیں، بلکہ چہر شنبہ ہونا چاہئے، اس طرح واقدی اور ابن سعد کی تاریخیں بھی غلط
 معلوم ہوتی ہیں؟ ابن سعد کا بیان ہے:-

”اور رسول اللہؐ دو شنبہ کے دن ۸ ذیقعدہ کو نکلے اور مشرکین نے ۱۵ راتیں محاصرہ کیا اور رسول اللہؐ چار شنبہ کو جبکہ ذیقعدہ کی سات راتیں باقی تھیں واپس تشریف لائے“^۱۔
 اول تو یہ واقعہ ذیقعدہ کا نہیں، بلکہ اس سے مقدم مہینے یعنی شوال کا ہے، جس پر بوکی قرائن موجود ہیں، دوسرے یہ کہ بالفرض اگر اس کو ذیقعدہ کا واقعہ تسلیم کر لیں بیا جائے،، در یہ بھی، ان میں جو اسے کہہ ۸ ذیقعدہ کو دو شنبہ کا دن تھا، تو اس سے پندرہ دن کے بعد ۲۲ رذی قعدہ کو پھر دو شنبہ ہی کا دن ہوگا، نہ کہ چار شنبہ کا، ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ واقعی اور ابن سعد کے یہاں غزوہ خندق اور غزوہ بنو قریظہ کی تاریخیں مخلوط ہو گئی تھیں۔

بہر صورت، ان غزوات کی تاریخیں نہ ابن حبیب کے یہاں ٹھیک ہیں، اور نہ ابن سعد اور واقعی کے یہاں، از روئے حساب صحیح ہیں، اور یہ بھی نہیں کہا جاسکتا، کہ ان کی کتابت میں کب اور کہاں غلطی ہوئی تھی سیرت کی کتابوں میں بعض غلطیاں ایسی بھی موجود ہیں، جو سرخس مولفین، بعد کے نسخوں اور حدیث میں کا نتیجہ قرار دی جاسکتی ہیں، مثلاً دیار بکری نے غزوہ بنو نجیان کے متعلق بن سحنی کی طرف یہ روایت منسوب کی ہے کہ ان کی رائے میں یہ واقعہ شعبان ۳ سنہ تھا، حالانکہ ابن ہشام نے ابن اسحق سے جو روایت بیان کی ہے، اس میں صاف طور پر اس واقعہ کو جمادی الاول کا ظاہر کیا ہے، طبری نے ابن حمید سے جو روایت بیان کی ہے اس میں بھی جمادی الاول ہی درج ہے۔ حتیٰ کہ سیرۃ ابن اسحق کا فارسی ترجمہ جو سنہ میں ہو تھا، اس میں بھی شعبان نہیں بلکہ جمادی ہی ہے۔ علاوہ ازیں عام طور پر تمام مؤلفین، بعد نے ابن اسحق سے جو روایتیں بیان کی ہیں۔ وہ سب کی سب جمادی الاول کی ہیں۔

سوال پیدا ہوتا ہے، کہ دیار بکری کو پھر یہ شعبان کی روایت کہاں سے ملی؟ میرا ذاتی خیال ہے کہ یہ سب کتابت یا خود تلف کی عدم توجہی کا نتیجہ ہے۔

۱۔ ابن سعد ۲/۴۸ - ۳ دیار بکری ۵/۲ ۴ ابن ہشام ذکر غزوہ بنو نجیان ۵ طبری ذکر غزوہ بنو نجیان ۵۵ مخلوط رام پور ۱۸۸۸ء۔

سلیمان ندوی

ایک مکتوب نگاری حیثیت سے

از

جناب سید ذوالفقار حسین صاحب بخاری ایم اے لکچرار اسلامیہ کالج - لاہور

خط لکھنا ایک فن ہے بلکہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ ایک لطیف فن ہے، یہی وجہ ہے کہ دنیا کے وہ عظیم شاعر و دیب جن کے اشعار، درخیزوں پر ہم سر دھنتے ہیں وہ خط نگاری میں عام طور پر کوئی ادنیٰ مقام حاصل نہیں کر سکے، نگریزی میں ہزار ہا نشا پرداز ہیں مگر جن کو مکاتیب نگاری میں کوئی مقام ملا وہ معدودے چند ہیں، وہم و پر شہزادی مارگریٹ، نیوکاسل، پائرس لیمب، ڈی ایچ لارنس اور کیٹس منفرد ہیں۔ یہی حال دیگر ترقی یافتہ زبانوں کے ادبا و شعراء کا ہے، دور کیوں جائیے محمد حسین آزاد جو اردو کے بہت بڑے صاحبِ طرز انشا پرداز ہیں اور جن کی تقلید کسی سے نہ ہو سکی، اُن کے مکتوبات بھی کوئی خاص لطف نہیں رکھتے آزاد کی تحریر کا اسلایپن مکتوبات میں مفقود ہے۔

خط کی ایک خوبی اس کی قطعیت ہے، دوسری صفت یہ ہے کہ اس میں ایک اُنس و مواسست کی فضا ہو، یں محسوس ہو کہ ایک شخص براہِ راست کہہ رہا اور دوسرا سُن رہا ہے، درمیان میں کسی تیسرے آدمی کا کوئی وجود ہی نہیں، تیسرے حضوں کو زندہ رکھنے والا بڑا عنصر اُن کا دل چسپ انداز ہوتا ہے، ان میں ایسی باتیں ہوں جن سے عام انسانی جذبے کے لئے ایک وسیع تر اپیل ہو، گویا مکتوب نگاری کی چوٹی اہم خصوصیت عمومیّت اور تنوع ہے۔ خط میں سفاکت ہو، بن خطوط میں لطافت کا عنصر فنا نام ہوگا اتنے ہی وہ ادبی خطوط کے دائرے سے خارج ہوتے جیسے بایں گے، خطوں میں ایجا ز اختصار ہوتا بھی ضروری ہے۔

سید صاحب کے مکاتیب محمولہ بالا خصوصیات کے حامل ہیں، ان میں قطعیت ہے، لطافت ہے۔
 انشاد پر دازی ہے، انس و محبت کی نغمہ ہے، ہم کلامی کا مزہ ہے، ان میں امرات فی جذبے کو متاثر کرنے کے
 عناصر ہیں، اور ایجاز و اختصار ہے، ڈاکٹر عبداللہ چغتائی صاحب سید صاحب کے فن و فنون کی خصوصیات گناتے
 ہوئے تحریر کرتے ہیں۔

”سپ ہمیشہ چھوٹے چھوٹے جملے تحریر فرما کر ایک طرح کوزہ میں دریا بہا کر دیتے، اور نہایت معنی خیز افادہ ہوتے، صحیح حصوں میں قتل و دل کے مسداق ہوتے۔“

میری اور آپ کی ملاقات مرحوم ڈاکٹر اقبالؒ ہی کے ذریعے سے ہوئی تھی، اس لئے آپ کے اور میرے خطوں کا تبادلہ میں اس ماحولِ عظیم کا ذکر ضروری سمجھا، جس کے اظہار کے لئے لفظ نامافی ہیں۔^۲

پروٹیسر عبدالحق بنیاد کو کہتے ہیں۔

۱۔ مومن شہر یہ ایک ایسی جگہ ہے (جس کی نام نہ ہو) جو اللہ کا گھر بن
نہ جائے، جہاں ہیں جس کا مہمان، جس کی بڑی کوشش تھی کہ تمام عرب طریقہ ابو العلاء پر آج ہیں
تو بڑا یار ہے، آپ کا ابو العلاء چڑھائی کے 'معارف' میں نکلے گا..... مددہ میں ضرور
آئے تاریخ مناسب ہے، یکم جون کو مدرسہ کھلے گا، ہمارے ہاں بڑے بڑے علماء نہیں،
چھوٹے سے لے کر بڑے تک صرف ۱۵۰ ہے مگر کیفیت بہترین ہے، افسوس ہے کہ اس وقت
ہمارے ہاں کوئی ایک نئی عالم ادیب نہیں ہے

ڈاکٹر عبدالستار صاحب کو کہتے ہیں :

”آپ کے تصور خطوطِ برے دہے واجباً دیں مگر اس پر یہ ہے کہ میں، مہر جون سے مہر جلالی
کے بنے مستقرتِ باہر شہر بہ شہر ندوہ کے چندہ کے تے مارا مارا پھر، ڈاک کہیں نہیں مگاد۔“

ملک اردو دپ ۹ علی گڑھ دسمبر ۱۹۹۰ء مرتبہ آن احمد مسرور ۵ اردو دپ ۲۳ و ۲۲

۳۰ مکاتیب نمبر۔ نقوش ص ۲۹۱ لاہور ۱۹۵۷ء مرتبہ محمد حسین۔

سید صاحب اس کا جواب ان مختصر الفاظ میں دیتے ہیں :

”یہ تو کوئی مادی مرض ہے دوا کیجئے اور دعا بھی کیا کیجئے“

غلام محمد صاحب ایک دوسرے عریضہ میں لکھتے ہیں :

”اختر عجیب متضاد کیفیات میں مبتلا ہے، شہر کی زندگی سے دل رکھا ہو چکا ہے اور جی چاہتا ہے کہ کسی دیہات ہی میں رہ پڑوں تو شاید صحت اچھی ہو جائے، مگر ساتھ ہی بعض رکاوٹیں ہیں جو اس راہ میں حائل اور اشد ہیں، مثلاً علم دین سیکھنے کی ترپ، طب یونانی جس کا مطالعہ جاری ہے، ایسے ہی بعض اور فوائد جو صرف یہیں حاصل ہیں غرض کون صورت ہر طرح سکون کی دکھائی نہیں دیتی۔“

سید صاحب نے اس کا جواب اس طرح دیا :

”میں دنیوی سکون صرف تعلق باللہ اور ترک ملائقی غیروں سے نہیں جمع دل جمع اسباب سے
 نہیں جمع دل جمع اسباب سے
 اللہ تعالیٰ آپ کی آرزو پوری کرے۔“

حصول علم دین کی ترپ مبارک ہو۔ سب سے پہلا فرض طلبِ رزق ہے اور اس میں اخلاص نیت کے ساتھ سعی و محنت بھی بجا رہے ہے، غبرانے کی بات نہیں، تاخیرِ رزق کی ایک نعمت یہ ہے کہ آپ کا دل اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہے، رزق موعود ہے تو وہ سے گنا خواہ اپنی آرزو کے مطابق ہو۔ سو اس آرزو کو چھوڑ دینا چاہئے۔“

غلام محمد صاحب توحید کی بات کچھ اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں، سید صاحب توحید ایسے وسیع ترین مفہوم کو چند جملوں میں اس طرح بیان کر دیتے ہیں :

”توحید کا بڑا مفہوم تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر کام اور ہر عمل میں ہمارا اللہ ہے اور اس کے سوا کسی میں نفع و ضرر، درعطا و عدم عطا کی قوت نہیں، سب اس کے رزق و مشیت سے ہوتا ہے
 وہی جو چاہتا ہے سو ہوتا ہے، اور جو نہیں چاہتا سو نہیں ہوتا، سارا عالم اس کے زیرِ فرمان ہے“

اس کے سوا کسی دوسرے پر حقیقی نافع و ضار اور معطل و مانع ہونے کا گمان بھی نہ ہو۔
 تمکین کاظمی صاحب کو نہایت مختصر مگر جامع الفاظ میں یہ خط لکھا ہے:
 ”مکرم السلام علیکم درحمتہ اللہ وبرکاتہ“ !

نوازش نامہ ملا۔ ادبی خدمت کا یہ نیا جوش مبارک ہو، باقی میرا حال تو یہ ہے،
 گئے وہ دن کسکی باندھنے کے : اب آنکھیں رہتی ہیں دو دو پہر بند
 معذرت خواہ ہوں۔ والسلام

انہی کو دوسرے خط میں لکھتے ہیں:

”الحمد للہ بخیریت ہوں، اور تماشا کے روزگار دیکھ رہا ہوں، اللہ تعالیٰ آپ کی مشکلوں کو
 دور فرمائیں، معلوم نہیں آج کل آپ کے ادبی مشاغل کیا ہیں۔ والسلام“

ان مشاغل سے اُن کے اختصار کے سبب یہ بھی معلوم ہو گا کہ ان کا مطلب بیان کرنے میں کسی ایچ بیج
 کے قائل نہیں، اور ادبی حسن کی خاص عبارت آرائی کی عزت نہیں جاتے، انہیں جو کچھ کہنا ہوتا ہے قطعیت کے
 ساتھ کہہ ڈالتے ہیں، ان کے ہاں نہ بے اعتباری کی بھرتی ہے۔ نہ فضول قسم کی رعایتِ لفظی کا سہارا ہے، وہ
 جو کچھ کہنا چاہتے ہیں، صاف صاف کہتے ہیں وہ مکتوبات کو پر تصنیع عبارت آرائی کا ذریعہ نہیں بناتے، ڈاکٹر
 سید عبداللہ صاحب نے سید صاحب کے خطوط کی ذیل کی خصوصیات بیان فرمائی ہیں :-

”سید صاحب کے خط اپنی نکتہ آفرینی کے لئے اور عبداللہ جددریا آبادی کے خط اپنی ادیبانہ شان
 کے لئے جس کے اندر کہیں کہیں طنز کی نوک بھی چھو رہی ہوتی ہے، خاص طور پر ان کی ذکر میں سیمین
 بھی خانوادہ شہلی کے ایک فرد ہیں، ان کے خطوط ماجد کے خطوں کے مقابلہ میں زیادہ فرحت افزا
 ہیں، ماجد کے خطوں میں کہیں کہیں نئی اور تھنڈا ہٹ آجاتی ہے، سیمین کی نظر اپنے مکتوب الیہ پر

۱۔ تذکرہ سیمین ص ۴۵ ۲۔ مکاتیب نیر نقوش ص ۵۱ ۳۔ ایضاً ص ۵۱

لکھ ابتدا میں سید صاحب اپنے خطوط میں اشعار کا استعمال عام طور پر نہیں کرتے تھے بلکہ چونکہ شرف علی تھانوی صاحب
 کی بیعت کے بعد اشعار کا استعمال کرتے گئے تھے ممکن، عندل کا راستہ حرکت قائم رہا۔

پڑتی ہے۔^۱

ان کے مکتوبات کی فرحت افزائی جسے ہم نے ”لطف“ کے لفظ کے ساتھ ادا کیا تھا ان کی تحریر کا نمایاں وصف ہے، اس کے نمونے جا بجا ان کے مکتوبات میں بھرے پڑے ہیں مثلاً:-

”صہبائی تین! شاد باد زندہ باد، کل آپ کا خط ملا۔ پڑھ کر بے انتہا خوشی ہوئی، انسانوں کی کمی نہیں، انسانیت کی کمی ہے، آپ کے خط سے آپ کے بلند اخلاق، متواضع خواہ اور متین طبیعت کا اندازہ ہوا، آپ میرے الفاظ سے مایوس نہ ہوں، ترقی اور کمال ایسے ہی لوگوں کی قسمت ہے، آپ کے مشیرانِ سخن نے آپ کو مشورہ دینے میں کمی کی ہے، آپ نے مشورہ لینے میں کمی نہیں کی ہے۔^۲ نکتہ آفرینی کی ایک دو مثالیں ملاحظہ ہوں:-

”نصیر الدین ہاشمی نے اپنے ایک نو تعمیر مکان کا نام ”بیت الفضل“ رکھا تھا، سید صاحب خط لکھتے وقت انہیں اس طرح مخاطب کرتے ہیں:-

”صاحب الفضل“^۳

ہاشمی صاحب کو ایک دوسرے خط میں لکھتے ہیں:-

”غواصی کا دیوان بڑی غواصی کے بعد آپ کو ہاتھ آیا ہے“

عبد الماجد دریا بادی صاحب جن دنوں فلسفہ جذبات و نفسیات و اجتماع کے پکڑے نکل کر امنِ عالم کے داعی تھے، اس وقت سید صاحب نے، نہیں جو خورہ لکھے ”ن“ کے لفظ بات میں بھی ان کی نکتہ سنجیاں ملتی ہیں، مثلاً

”قاصد امن کو سلام کہتے ہیں اور کبھی، سلام علی مبلغِ اسلام“

حاجی عبدالسلام صاحب کو تحریر فرماتے ہیں:

”آپ کے عنایت نامہ کے سننے سے خوشی ہوئی۔ ع

اے گل بہرِ خورشیدم تو بوسے کسے داری

۱۔ اردو خط نگاری ص ۳۵ مکاتیب تبرقوش۔ ۲۔ ایضاً ص ۵۱۔ ۳۔ مکاتیب تبرقوش ص ۵۰

۴۔ مکاتیب تبرقوش ص ۵۱۶ ۵۔ بریدِ ذریعہ ص ۱۴۵ ۶۔ ایضاً ص ۳۷

میں کیا! تاہم آپ بھائی کے حق میں غائبانہ دعا بھی فائدہ سے خالی نہیں ہے۔

مولانا مسعود علی ندوی صاحب کو تحریر فرماتے ہیں:

”مشتاق دیدار کو سلام“

لو بھی پہلے تو شک تھا کہ شاید اب بھی جہاز لے یا نہ لے مگر خدا کا شکر کہ محمد علی صاحب کی اندھا دھند

کوششوں اور نوری عزیز بے ایک ترک تاجر کی جانفشانی سے جہاز مل گیا۔

سید صاحب کے مکتوبات لطف و لذت کے علاوہ اپنے اندر بہت کچھ ادبی چاشنی رکھتے ہیں، یہ ادبی چاشنی

عبرت آرائی کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ سید صاحب کے جذبات کی گرمی اور احساسات کی توانائی کا نتیجہ ہے، خصوصاً

منظر کشی کے وقت ان کا قلم اپنی پوری جولانی دکھاتا ہے، منظر قدرت سے لذت اندوزی مولانا کے مزاج کا

خاصہ ہے۔ ”برید فرنگ“ میں اس کی جھلکیاں ملاحظہ فرمائیے:

”دلایت کا مسافر حرم کی ہمسایہ سرزمین پر کھڑا ہو کر سلام عرض کرتا ہے۔“

اب جبکہ ہر قدم خاک ہند کے قریب پڑ رہا ہے آپ کو خط لکھنا بظاہر فضول معلوم ہو لیکن یہ خط اگر

ڈاک کے جہاز میں جو ہمارے جہاز کے سامنے ہی بندر عدن میں کھڑا ہے پڑ گیا تو مجھ سے پہلے

اسے یہ خط حاجی صاحب موصوف تاظم مدرسہ عربیہ اشاعت العلوم جامع مسجد اہل پور نے سید صاحب کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہم کو

دکھایا ہے یہ دار المصنفین سے ۸ شوال ۱۳۶۳ھ کو لکھا گیا تھا۔ ۱۸۳۲ برید فرنگ ص ۱۸۳

سے سید صاحب نے کئی خطوط میں سلام پہنچانے کا انداز بڑا اٹوٹھا اور دلکش اختیار کیا ہے، مثلاً:

غریب الدیار کا سلام لیجئے برید فرنگ ص ۱۳۵

پرساں احوال سلام محبت ایضاً ص ۱۳۱

مسافر کا سلام لیجئے ایضاً ص ۱۲۹

سدم نیاز و محبت ایضاً ص ۱۲۷

محکم قوم میں پیام، اس کی تبلیغ کرنے والے کو سلام برید فرنگ ص ۱۲۹

ہندی مسافر سلام کرتا ہے ایضاً ص ۱۸۳

مشتاق دیدار کو سلام ایضاً ص ۱۲۶

قاصد امن کو سلام

یہ آپ تک پہنچ جائے گا، اور اس طرح سفر کے آخری حالات اختتام سفر سے پہلے آپ کو معلوم ہو جائیں گے، اور اس طرح ہمارے عہد کی آخری قسط بھی نیک نیتی اور خوبی کے ساتھ ادا ہو جائے گی، ۱۷ ستمبر کو ۴ بجے شام آخری لمحہ تھا کہ ہمارے جہاز نے یورپ کے ساحل سے نگر اٹھایا، اور ہم نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اس بیگانہ تہذیب و تمدن کی قید سے ۶ مہینے کی اسیری کے بعد نجات ملی، بحرِ اڈریاٹک سے نکل کر جب ہم نے میڈیٹیرینین (بحرِ متوسط) میں قدم رکھا تو ہر چیز ہم کو مانوس نظر آنے لگی، یونان کے سواحل ۲۴ گھنٹے سے زیادہ تک پیش نظر رہے کرپٹ سامنے سے گزرا پھر یکے بعد دیگرے اور جزیرے گزرتے گئے، اس تمام آٹنہ میں اس عہد کا خیالی منظر سامنے رہا جب یہ تمام سمندر اور اس کے یہ جزیرے ہمارے اسلاف کے دریابما جہازوں کے سیرگاہ تھے : ع

کچھ بڑی گاہ فہ جن کے سفینوں کا کبھی بلے

اعلیٰ درجے کی مکتوب نگاری کے ایک در وصف یہ بھی ہوتا ہے کہ لکھنے والے کے ذاتی جذبات و حسرت اس کے تار و پود میں یوں پھیلے ہوئے ہوتے ہیں کہ مکتوب نگار کسی شخصیت کی تصویر ان کے بغیر مکمل نہیں کی جاسکتی۔ ان میں شخصی انشائیہ (PERSONAL ESSAY) کا رنگ آجاتا ہے، اسید صاحب کے خطوط میں ان کے جذباتِ دروں، ان کی تمنائیں، ان کی حسرتیں، ان کا ذہنی کرب، ان کی پسند نا پسند، ان کا کیف و سرور و پوری طرح نمایاں ہے، بلکہ بعض مکتوبات کے اگر ابتدائی حصے حذف کر دیتے ہیں تو یوں محسوس ہوگا گویا کسی نہایت اچھے انشائیہ کا کوئی ضروری حصہ رہ گیا ہے، شدّ عبد اللہ جد صاحب کے نام ایک خط میں اپنی تکلیف اور اپنے دیگر احساسات کو بیان کرتے ہیں یہ خط شخصی انشائیہ کا نمونہ ہے :-

”ادھر چند ہفتوں سے میں جناب کے علم کدہ میں حاضر ہوا، معانی کا خواستگار ہوں، واقعہ یہ ہے کہ میں یکایک سخت بیمار ہو گیا، میرے پیٹ میں ہندوستان میں ایک دودھ درد ہوا تھا جو ریتی سمجھا گیا، مگر جہاں پر قدم رکھنے کے ساتھ وہ ماہانہ دورہ کی شکل اختیار کرتا گیا، یہاں تک کہ پہلا دورہ ۵ جون کو اس قدر سخت پڑا کہ میں مایوس سا ہو چلا اور اس سکرات کے عالم میں تمام مقدس

لے بریمزنگ - ۲

ادعیہ، ثورات اور کلماتِ طبیات میں ایک مردِ آزاد (غائب) کا یہ شعر زبان پر تھا ہے
 مارا دیا ریغیر میں مجھ کو وطن سے دور ۛ رکھ لی مرے خدا نے مری بیکسی کی شرم
 آپ نے اپنے عنایت نامہ میں اپنے مذہب کی جو تفصیل کی ہے مجھے اس سے قطعاً
 اختلاف نہیں، دنیا میں امن و سلامتی کے دور کا خواہاں مسلمانوں سے بڑھ کر کون ہوگا، مگر دورِ قوی
 کے لئے تو یہ آواز نویدِ حیات ہے، لیکن میرا یہ کہنا ہے کہ اس آپ حیات کی حاجت مستمگر، ہچاپیشہ
 اپنی قوت و طاقت پر مغرور اور امن و سلامتی کو اپنی تلواروں سے وابستہ رکھنے والی کو ہے
 آپ غریب ہندوستان کی اسپرٹ کو اس امن و سلامتی کے وعظ سے کیا نائدہ پہنچا سکتے
 ہیں، ہاں یہ ہوگا کہ اس میں زندگی کی جو کچھ روح بھی ہے، اس کا بھی خاتمہ ہو جائے۔ مع
 جو خود ہی مر رہا ہے اس کو گرامر اتو کیا مارا

میر تقسمت میں ہندوستان کے بیرون سے بھی ملاقات وطن سے دُہی قدر تھی، لندن
 میں نیگور کا شرف دیدار نصیب ہوا اور پیرس میں ڈاکٹر بوس سے شرفِ نیاز حاصل ہوا۔
 افسوس کہ میں "اہلِ تجربہ" میں سے نہیں در نہ کچھ "بچرل میوزیم" کی ہسٹری بھی سنتا، دُور سے
 دیکھتا ہوں اور سہم جاتا ہوں، کہ یورپ کا علم سایہ جس زمین پر پڑا وہ اسی رنگ میں رنگ جاتا ہے۔
 فلسطین اور عراق انگریزی برکات کے ظلمتِ مہایوں میں اور ملک شام و لبنان فرانس کے زیرِ سایہ
 انہیں سعادتمندوں سے مالا مال ہوگا، اب آپ سنیں گے کہ بیت المقدس میں، مقامِ حنین میں خانقاہ
 بنیادیں، مدفنِ بلالؓ میں، موطنِ حسن بصریؓ میں، مقبرِ حسینؓ میں کس قدر قاری نے، کس
 قدر قومہ خانے، کس قدر دار الفواہش قائم ہوئے ہیں، تھیٹروں اور سینماؤں کے لئے ان مقامات
 مقدسہ کے کون کون سے موزوں قطعے منتخب ہوئے ہیں، ترکوں کے عہدِ حکومت میں یہ چیزیں

ۛ یعنی اس دسدہی کی عالمگیر تحریک اور ہر طرح کی لڑائی سے پرہیز۔

ۛ ظلمتِ بی یوں اور اندیم یوں کی ترکیب کی لطافت پر غور فرمائیں، انگریزوں اور فرانسیسیوں کے ساتھ ان کا استعمار
 کشا و روں ہے، درجہ لطیف ہنر ہے اس سے ادبی لطافت میں دو چہ مزہ پیدا ہو گیا ہے۔

قانوناً منع تھیں، کیوں کہ وہ جفاکار، وحشی تھے، اور اب تو آزادی کا دور دورہ ہے،
یورپ ہم کو اخلاقی آزادی بخشا ہے، کیوں؟ تاکہ ہم سیاسی آزادی کے قابل نہ رہیں، ورنہ وہ
کون سی آزادی ہے جو مغربی اقوام کے تحت مشرقی قوموں کو نصیب ہے؟ یہاں الجیریا کے
مسلمانوں سے بکثرت ملاقاتیں ہوئیں، وہ اپنی آزادی کی وہ دردناک کہانی سناتے ہیں کہ آپ
اپنے اس کافسانہ ان کے سامنے بھول جائیں گے۔
مولانا مسعود علی ندوی کو لکھتے ہیں:-

"میں تو یہ سمجھتا تھا کہ ہمارے ادا سے فرسٹن کے بعد اس مختصر قصبہ میں اسلامی دنیا کے لوگوں سے
مٹنے جلنے کا موقع نہیں ہے گا لیکن خدا کی قدرت کہ یہیں موقع زیادہ ہے، محمد علی صاحب کو تو وزیر
حکومت اور ارباب سیاست میں کام کرنا تھا لیکن میری حوالہ گاہ صرف مسلمانوں ہی کے دل تھے، مجھے
دوستوں سے شکوہ ہے، دشمنوں سے گھبرائیں، دشمنوں نے جو کچھ کیا وہ ان کی دشمنی کا تقاضا ہے
نہج ہے، لیکن اسلئے خود بخود بدستور ہے۔"

سعدی از دست خویش تن فریاد

اسلام کی آخری یادگار (ڑکی) کو کس نے مٹایا ہے؟ ہندوستان کے ہندیوں اور مصری مراکش
والجیریا کے مسلمانوں نے!
ان کا کہنا ہے کہ یہ تم نے کیا کیا؟

ابھی صاحب کو ایک صاحب کے ساتھ ملاقات کا حال لکھا ہے، سید صاحب جرات کر کے آگے بڑھے
ور نہیں سدہ کیا، سید صاحب لکھتے ہیں:-

"میں سچ کہتا ہوں اور صرف خطبہ انداز میں نہیں بلکہ واقعہ اور تحقیق کے رنگ میں کہ اسلام
میں اگر صرف یہی ایک خول ہوئی تو کافی تھی کہ صدائے استدم علیکم جہاں گوش زد ہوتی ہے، جنہی
سے جنہی کے اندر اعتماد و وثوق کی نشان چھپنے لگتی ہے کہ گویا وہ برسوں کا محرم امیر ہے۔"

بعض کمزوریات تو شخصی انشائیہ کی حدود سے نکل کر خالص انشائیہ کی حدود میں داخل ہو جاتے ہیں، بلکہ بعض اوقات تو تحقیقی اور علمی مقالے کا روپ دھار لیتے ہیں، اگر ابتدائی سچہ تہیدی مسطور حضرت کر دیں تو معلوم ہوگا کہ سید صاحب کوئی علمی یا تاریخی یا مذہبی موضوع پر مضمون یا مقالہ سپرد قلم فرما رہے ہیں مثلاً:

مولانا مسعود عالم ندوی کے نام ایک خط ملاحظہ فرمائیں:

”لفظ تصوف کا احسان کے ساتھ ایسا ہی تحقق ہے جیسے حکمت کے ساتھ لفظ فلسفہ بول دیا جائے یا آج کل سائنس یا ناسنی کہہ دیا جائے، بزرگوں نے لفظ احسان کو ان معنوں میں رکھا ہے، اور ٹھیک ہے کہ اس کا ورود حدیثوں میں ہے لیکن اب تو مجھے اس کے لئے تقویٰ اور اتقا کی اصطلاح اچھی معلوم ہوتی ہے، کہ اس کا ورود قرآن پاک میں بکثرت ہے، در عبادات بلکہ تمام مامورات الہیہ کا مقصود اس کیفیت کا حصول معلوم ہوتا ہے۔

وَلَا تَخْفَىٰ ذَلِيلٌ عَلَىٰ مَنْ يَسْمَعُ كِتَابَ اللَّهِ يَأْتِيهَا سَائِرٌ يُبْدُو وَارْتِكَا.....

..... لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ..... كَتَبَ عَلَيْكُمْ الصِّيَامُ كَمَا كَتَبَ عَلَى الَّذِينَ

مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ۔ ج و فرمایا: وَلَكِنْ يَمَسُّهُ التَّقْوَىٰ مِنْكُمْ تَعْلِيمٌ

شمار۔ وَمَنْ يُعِظْ شَعَارًا لِلَّهِ فَإِنَّهُ مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ اِنِ عَاذَ كِتَابُ اللَّهِ بِاللَّيْقِنِ وَغَيْرِ

اب ضرورت اس بات کی تھی کہ حصول تقویٰ، حقیقت تقویٰ، شرائط تقویٰ، طریق حصول تقویٰ،

اذا لم نوالع تقویٰ، تقویٰ فی الایمان باللہ وسمایہ وارضایہ وانبیائہ وکتابہ

وہدیکتہ والیقیم الآخر و تقویٰ فی العبادات و المعارف و الاخلاق و کیفیات عقول

القی ہوا الاخص فی الدین کو بھی عقائد و فقہ کی بات دہان کر دیا جاتا ہے، چنانچہ محدثین و صحابہ

امت نے یہی کیا ہے، امام ترمذیؒ کی کتاب البرہان و اریق پڑھیں، امام احمدؒ کی کتاب البرہان

اگر نزل کے تو کتاب الصلوٰۃ پڑھیں بسے تو حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔

سورہ واقعہ پڑھئے، اللہ تعالیٰ نے تین کردہوں کے نام بتائے، کُنْتُمْ اَرْدًا جَا قَلَاکَ

اس کی تفسیر آگے ہے اول صفر میں، وَرَسَّکُمْ الْمَصْرُورَ۔ دوم اصحاب ابیہیں اور

موم اصحاب الشمال، تیسرا گروہ اہل نارا ہے، دوسرا گروہ عامہ مسلمین کا اور پہلا خلاص
امت کا“

یہ ایک طویل علمی خط ہے مگر دیکھا آپ نے انھوں نے کس اخلاص، جہتگی اور اختصار سے اس علمی مضمون کو
آسانی کے ساتھ بین فرما دیا ہے، ایسے علمی خطوط میں بھی وہ مکتوب الیہ کی پاسداری کرتے جاتے ہیں، مثلاً اُسی خط
میں دو تین مقامات میں ایسے جملے لکھتے ہیں :-

”بالکل صحیح آپ سمجھے کہ رضا طلب اور اپنے ہر عمل میں طلبِ رضا کا شعور پیدا ہونا یہی اس طریق کا

حاصل ہے

جزاک اللہ ثواب سمجھے نام دہنود کی خواہش جس کا شرعی نام ریا و سُمعہ ہے یہ حقیقتِ عمل کی مبطل ہے

.....

مجھے آپ کی زبان سے ان باتوں کو سن کر بڑی خوشی ہوئی اور یہ کہنے کو جی چاہا :

آمد آں یارے کہ مای خواستیم

ز دکمُ اللہ علیٰ قلِّ رَبِّ زِدْنِی عِلْمًا۔

بسم اللہ کیجئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے کاموں میں برکت دے“

اور بھی کئی علمی خطوط ہیں جن میں سید صاحب نے توحید، شرک، بدعت، موسیقی، غنا، وطن و وطنیت اور حدیث الوجود

وغیرہ موضوعات اور مختلف شخصیات جیسے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، حضرت مجددِ اہل تائی، ابن تیمیہ بن عربی

عبد لہزب کبکری وغیرہم پر اپنے خیالات و تاثرات کا اظہار کیا ہے۔

سید صاحب نے اپنے کمزورتیوں میں جزئیات نگاری کے بھی بڑے چھہ نمونے پیش کئے ہیں، انہیں اپنے

ماحول اور اپنے گرد و پیش کی فضا کی منظر کشی کرنے کا بھی شوق ہے، ایسے مواقع پر ان کا قلم شہکار نگاری کے عمدہ نمونے

پیش کرتا ہے۔

جزئیات نگاری (DESCRIPTIVE) میں دقتہ نگاری، منظر نگاری، کردار نگاری اور موقع نگاری چار

چیزیں شامل ہیں

جزئیات نگاری میں وہ ادیب کامیاب ہو سکتا ہے جسے زندگی سے محبت ہو اور جس نے زندگی کے واقعات کو محض تماشائی کی طرح نہیں بلکہ ایک خاص مقصد زندگی کے تحت مشاہدہ کیا ہو، سید صاحب اس سے جزئیات نگاری میں کامیاب ہوئے ہیں کہ انہیں زندگی سے لگاؤ ہے، وہ ایک مقصد زندگی رکھتے ہیں، انہوں نے مشاہدہ ایک درد مند انسان کی طرح کیا ہے، ان کی جزئیات نگاری کے چند نمونے ملاحظہ ہوں۔

”اس وقت ساحل بمبئی سے ۱۶۵۹ میل پر ہوں، جہاز عدن میں چند گھنٹوں کے لئے ٹھہر گیا۔ آج سمندر کے سفر کو سات دن ہو گئے، بحرِ پانی کے کوئی چیز نظر کے سامنے نہیں۔ بحرِ عرب کی متلاطم موجوں سے تنہائی میں دل بہلاتا ہوں، کل بیٹھے بیٹھے بحرِ عرب پر ایک چھوٹی سی نظم کہہ ڈالی۔“

بحرِ عرب ہمارا کس شان سے رواں ہے

معلوم ہوا ہے کہ ۲۱ کو جہاز دینس میں لنگر انداز ہوگا، یہ اٹلی میں واقع ہے، اٹلی ہو کر سوئٹزرلینڈ، فرانس اور وہاں سے انگلینڈ۔

جہاز میں اب تک متلاطم نہیں اس لئے چکر نہیں آیا۔ لیکن پیٹ کی بڑی مار ہے حالانکہ چار وقت کھانا ملتا ہے، صبح کو چائے، بجے بریک فاسٹ ایک بجے ٹفن، بجے شام ڈنر لیکن بد مزہ بدبو، خام، کل محمد علی صاحب نے خود بادرچی خانہ میں جا کر گوشت بھونا، اب تک تو وضع میں نے وہی رکھی ہے، غلام کے بجائے ترکی ٹوپی، پانچا پر پیٹ، کارابنتہ بڑھ گیا ہے، ڈنر میں جانے کے سے سیاہ سوٹ ضروری تھا، ایک سیاہ ایرانی وضع کی شیروانی، یعنی معوں شیروانی سے چار پانچ انگلی نجی اور سیاہ پیٹ سادہ کف، درقمیص، جس جہاز پر ہم جا رہے ہیں یہ نہایت سست ہے، دن رات میں صرف دو سو اسٹی میں چلتا ہے، مگر اس کے کمرے اور سامان و اسباب نہایت اچھے ہیں، ہر کمرے میں چنگ مع بستر، کپڑے رکھنے کی دو اما ریاں، ہاتھ منہ دھونے کے لئے پائپ مع طشت دیوار میں جڑا ہوا، ایک کرسی ایک

برقی پٹکھا، تین برقی روشنی، دو کھوٹیاں، ہر کمرہ سامانِ آرام کے لحاظ سے مسعود منزل واقع
شبلی منزل سے زیادہ بہتر ہے۔ ہم اکثر بھول جاتے ہیں کہ ہمارا سفر کسی خوفناک سمندر کے اندر
ہے جس کی ایک موجِ تلاطم ہماری زندگی ختم کر سکتی ہے، حسین صاحب آدمی بڑے
وسیع المطالعہ میں گمان کو غصہ بھی جلد آ جاتا ہے۔

دوسرے خط میں جزئیات نگاری ملاحظہ ہو:

"پہنچنے پر معلوم ہوا کہ ہمارا جہاز رات بھر ٹھہرے گا، اور وہ ساڑھے ۸ پر آ جائے گا، اتنی دیر
کے لئے ہم لوگ تیار ہو کر سیر کے لئے ساحلِ فریہ پر اترے، یہ پہلا موقع ہے کہ میرے پاؤں
ہندوستان کے سوا اور کسی ملک پر رکے اور ایک غیر کورنٹ ہے، ہتمام دا نظام کی ایک
جھلک بھی نظر سے گزری، راہ میں ایک مسجد آئی، نمازِ غروب کے لئے دباں گئے، نماز کے بعد
لوگوں نے (جنہی سمجھ کر ہماری طرف دیکھا، السلام علیکم کے بعد ہمارے مقدس سفر سے جب
وہ مطلع ہوئے تو میں نہیں کہہ سکتا کہ ان کے چہروں سے کیسی شگفتگی کے آثار نمایاں تھے،
فوراً سب نے ہماری کامیابی کے لئے دست دراز کئے۔ بدھاں جشی عرب تھے، سیہ نام تھے،
ثولیدہ مو تھے لیکن ذوقِ چشمیدہ ایاں تھے، ہماری آنکھیں قیامت تک ان کے چہروں
کی شگفتگی، ان کی دست بوسی اور ان کی بغل گیری کے جلوں کو نہیں بھلا سکتیں۔"

سید صاحب مع رفقاء و خیش پہنچتے ہیں۔ اس کا مختصر حال یہ لکھا ہے:

"دوسرے دن ایک بجے کے قریب و خیش آیا، لیکن ساحلِ ہما پہنچتے شام ہو گئی، یہ شہر
چھوٹے چھوٹے سیکڑوں شہروں پر منقسم ہے۔ جن کو جا بجا پلوں کے ذریعہ سے باہم ایک کیا ہے۔
بجائے سڑکوں کے نہریں ہیں، ایک جگہ سے دوسری جگہ کشتیوں پر آتے جاتے ہیں، چنانچہ ہم
ہوٹل کشتی پر گئے، اسٹیٹس بھی کشتی پر گئے، تمام شہر یا دگاز تاریخی عمارات کا مرقع ہے، تمام
راستے سنگی یعنی پتھروں سے بنے ہوئے ہیں، یہاں کا ہر پتھر تاریخ کا ایک صفحہ ہے گویا دہلی مرحوم کا

نقشِ مرقوم کا لیکن افسوس کہ دہلی دیرانِ مہتمم ہے، یہ عمارات اب تک زندہ اور قائم ہیں۔
 اب رات زیادہ گزر چکی ہے، مجھے دن رات میں تو کچھ فرق نہیں معلوم ہوتا،
 جب نیند آتی ہے سمجھ لیتا ہوں کہ رات ہو گئی، آفتاب کا کئی کئی دن تک منہ دیکھنا نصیب
 نہیں ہوتا، یہاں لوگ آگ سے گرمی اور بجلی سے روشنی لے کر آفتاب کی تلافی کرتے ہیں۔
 پامپائی اور اٹلی کے قصبات اور لوگوں کی جزئیات نگاری اس طرح کی ہے۔

”نیپس“ کے قریب اٹلی کے مشہور دیران شہر پامپائی کے آثار ہیں جو دو ہزار برس پہلے رومیوں
 کا ایک آباد و عالی شان شہر تھا، مگر آتش فشاں پہاڑ کے پھوٹنے سے برباد ہو گیا، غالباً مال
 کے ساتھ اسے دیکھنے گئے، موٹروں پر گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ کا راستہ تھا، پہاڑیوں کے جھنڈ میں
 یہ شہر ایک مرتفع مقام پر واقع ہے، اس سفر میں اور امیر فیصل کی ملاقات کے رگڑ میں بھی
 اٹلی کے قصبوں اور دیہاتوں سے گزرتے کا اتفاق ہوا تھا۔ نظریہ یہ ملک کسی حالت میں
 ہندوستان سے بہتر نہیں، وہی اندازِ دُخوت ہے، نیچے برہمن تن یا میلے کچیلے کپڑوں میں
 عورتیں کثیف اور پھٹے پرانے کپڑوں میں سر پر بوجھ اٹھاتے چل پھر رہی تھیں، کاشتکار
 اپنے کھیتوں میں جا رہے تھے، مٹرکیں ناہموار ناصاف، راستوں میں کوڑا کرکٹ، بھیک
 مانگنے والوں کا ہجوم، اس دیران شہر کو جو ہزاروں سال زیرِ خاکستر دفن تھا، محققین
 آثار نے اب کھود کر نکالا ہے۔ سب سے پہلا ایک عجائب خانہ ملا، جس میں عورت اور
 بچوں کے چند ڈھانچے ملے جو کھودنے میں نکلے ہیں اور آتش فشاں کے وقت دب کر مر گئے تھے۔
 لاشیں اسی حالت میں اکڑی ہوئی رکھی تھیں جس حالت میں روح اُن کے تن سے نکلی تھی اور
 چڑھ کر صحن، دیواروں، سڑکوں، عداستوں، دوکانوں، اور کارخانوں کے آثار ملے، جن کو
 دیکھ کر رومی عہد کی عظمت نظر آئی، تھیٹر، درحام خاص تماشا گاہ تھے، بہر حال ان تباہی
 کو دیکھ کر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ قوم عیش پرستی کے کس حسیض اور پستی تک پہنچ چکی تھی، جس کا
 عکس در دیوار کے نقشوں سے آج بھی نظر آتا ہے، برہمن عورتوں اور مردوں کی عجیب تصویریں

ہر جگہ نظر آتی ہیں

ستیا صاحب نے تقریب نگاری (جو موقعہ نگاری ہی کی ایک شکل ہے) اور سیرت کشتی کی بھی خوب خوب تصویریں کھینچی ہیں۔

واقعہ نگاری کے ایک دو منظر ملاحظہ ہوں :

”یٹری واقعہ ڈربی شائر میں محمد علی صاحب سے فرمائش کی گئی کہ وہ انڈین نیشنلزم اور اسلام پر تقریریں کریں انھوں نے تقریر اس طرح کی کہ گویا وہ کسی مسلمان مجمع میں ہیں۔

یہاں قاعدہ یہ ہے کہ مقرر کی تقریر کے بعد حاضرین میں سے اگر کسی کو تقریر کے متعلق کوئی شبہ یا خیال ہوتا ہے تو وہ پیش کرتا ہے، طالب العلم ہر جگہ طالب العلم ہوتے ہیں، انھوں نے ایک

طرف سوالات کا سلسلہ بندہ دیا، پنجاب کے کوئی پروفیسر بال کشن ہیں، جن کا تعلق گردگل سے بھی ہے، انھوں نے آریہ سماج کے منظر نہ ٹھٹھا ہے مباحثہ شروع کیا، صبح کے ۹ بجے سے

شام کے ۷ بجے تک بازار گرم رہا بیچ میں صرف کھانے اور چائے کے لئے مجلس برخاست

ہوئی، سارے اعتراضات کا معنی یہ تھا کہ انڈین نیشنلزم چاہتی ہے کہ آپ کی کوششوں کا مرکز ہندوستان ہو، اسلامزم دنیا کو حاوی ہے تو آپ خاص دعاء کو کیوں کر بجا کر سکتے ہیں،

ہندوستان اور اسلام کے اغراض جب باہم متضاد ہوں گے تو آپ کیا کریں گے؟

..... ایک رات کو موسیقی کا تماشہ رہا ”ہندوستان ہمارا“

اس کا آغاز داغجام تھا۔

دوسری رات کو مشاعرہ تھا، زمین پر نشست تھی، سب ہندوستانی لباس میں تھے، برقی لمپوں کے باوجود موم کی شمع حسب آداب مشاعرہ سب کے سامنے باری باری سے رکھی جاتی

تھی، مسٹر نائیڈو شمع انجمن یعنی میر شاعرہ تھیں، اردو، انگریزی، مرہٹی، گجراتی، کچھی، تامل، تملگو، بنگالی، پنجابی غرض ہندوستان کی کوئی زبان نہ تھی جس میں نظمیں نہیں پڑھی گئیں۔

دل چسپ مجمع تھا، اور ہندوستان کی بوقلمونی کا مفتح تھا۔

اب البرٹ مینشن کا حال سنئے :

”جس مکان میں ہم لوگ مقیم ہیں اس کا نام البرٹ ہال مینشن“ ہے، البرٹ ہال انگلینڈ کا سب سے بڑا اور مشہور ترین ہال ہے جس میں ۱۰ ہزار آدمی کی نشست ہے، یہ ہال ہمارے مکان کے پیچھے ہے، ہال کے ایک طرف میں البرٹ ہال مینشن ہے، یعنی عظیم الشان عمارتیں ہیں، جن میں سے ہر ایک کے اندر چھ سات منزلیں ہیں، میری سکونت چوتھی منزل پر ہے جس کو ۱۱۳ زینے کی مسافت قطع کرتی ہے، اگر لفٹ (کل کا زینہ) نہ ہو تو اتارنا چڑھنا مشکل ہو جائے، البرٹ ہال کے کل فلیٹ (درجہ عمارات) کا نمبر ۷ سے زیادہ ہے، ہمارے فلیٹ کا نمبر ۸ ہے، مکان کے سامنے باغ ہے، اس باغ میں البرٹ میموریل ہے، اور وہ یہ ہے کہ ایک عظیم الشان چبوترہ پر اسپینچو قائم ہے، چبوترہ کے چاروں طرف گوشوں پر دنیا کے چارہ بڑے عظمیٰ ایشیا، افریقہ، امریکہ اور یورپ کے باشندوں کے مع ان کی اتنی خصوصیتوں کے محسوس ہیں، ہندوستان پر بھی سواری ہے، افریقہ اونٹ پر، امریکہ بھینس پر اور یورپ گائے پر اس باغ کو طے کیجئے تو دوسرا باغ شروع ہوگا جس کا نام نامی اودا سم گرامی ہاؤس پارک ہے اور جو دانگ عالم میں اپنی خصوصیات کے لئے مشہور ہے، یہاں اکثر دقات لوگوں کو بے حجاب جلوسے نظر آتے ہیں، جا بجا میداؤں میں، درختوں کی جڑوں، کنج باغ میں، جھاڑیوں میں آپ کو ڈوڈو درسیاں پڑی ہوئی ملیں گی، قرآن کی آیت پاک وَخَنَقْنَا كُلَّ فَصٍّ زَوْجَيْنِ کی تفسیر کا عمل مشاہدہ آپ کو بھی ہوگا، اس کے بیچ میں ایک ہر جاری ہے جس میں سیکڑوں کشتیاں پڑی ہیں، ہر کشتی کسی مرد یا صنفِ نازک کی نازک انگلیوں سے حرکت کرتی ہوئی کسی نہ کسی جھاڑی کے سایہ میں پہنچ کر گھسٹوں، آرام کرتی ہے، انواع و اقسام لہذا نذر دہانی کا منتظر دکھاتی ہے، ہر کس و ناکس چلتے پھرتے یہ منظر دیکھ سکتا ہے۔

ایک اور جگہ کا نقشہ ملاحظہ ہو، سید صاحب بیمار ہونے کے بعد ڈاکٹروں کے مشورے سے دیشو (فرانس) میں قیام و آرام کے لئے آئے ہوئے ہیں۔

”جس مقام سے میں آپ کو یہ خط لکھ رہا ہوں یہ اس شہر کا جو عارضی طور سے موسم میں آباد ہو جاتا ہے، کلب ہے، یہ ایک وسیع باغ و عمارت ہے جس میں مختلف مقامات پر کئی ہزار کرسیاں پڑی ہیں جس کے ممبری اُن پر بیٹھ سکتے ہیں، اب آپ کُسنے کہ یہ تمام کرسیاں شروع سے آخر تک ہمیشہ معمور رہتی ہیں، اس کے ایک گوشہ میں تھیٹر ہے، دوسرے گوشہ میں ریسٹورن ہے، ایک کمرے میں اخبارات ہیں جن کو لوگ پڑھ رہے ہیں، اس کے مقابل کے بازوؤں کے کمروں میں مینر و کرسی اور بیچ میں خط لکھنے کے لئے لفافے، کاغذ اور دوات قلم ہیں اور یہ دونوں کمرے لکھنے والوں سے بھرے ہیں، سامنے لائبریری ہے۔ اور ٹائبریری کے سامنے ہی قمار خانہ ہے یہاں تمام دن فرانس کے شرفاء بیٹھے ہوئے جو اکھیلتے رہتے ہیں، کھیلنے والوں کے چاروں طرف تماشا ٹی ہیں، باغ کی ایک روش پر نڈت شب کے سوداگروں کا بازار ہے، تماشا خود مجوز مرام ہے اور تماشا ٹی جکر کاٹ رہے ہیں، ایک طرف رقص و سرود کا سامان ہے، یہ مجموعی نیوگی و بوقلمونی اور ایک ہی دسترخوان پر صف بہ صف مختلف ادوان طعام فرنیچر مسدن کی خصوصیت ہے، کیا آپ ہندوستان میں بھی یہی نقشہ چاہتے ہیں؟

کرناٹکاری کے مرقعے بھی دیدنی ہیں۔ وہ صرف ہر شکل و صورت کا نقشہ ہی نہیں کھینچتے بلکہ درون خانہ بھی جھانک کر دیکھتے ہیں۔

”فیصل کا مبادیہ ہے مابُنہ چھوٹی چھوٹی ترشی ہوئی داڑھی، بڑی آنکھیں، مسکرا کر باتیں کرتے ہیں، بہر حال ڈیڑھ گھنٹہ کی گفتگو، درمباحثہ کے بعد ہم لوگ واپس ہوئے، انھوں نے وعدے تو بہت کچھ کئے ہیں، کچھ تو بھی معلوم ہوتے تھے، لیکن ہمیں سے کسی کو بھی ان کی گفتگو پر اعتبار نہیں، لیکن بہر حال یہ ملاقات مسید رہی اور اس وفد کا خاتمہ اتنا فعال بھی یہی ملاقات ہونا چاہیے تھا۔“

۱۷۰ - ۱۷۱ - ۱۷۲ - ۱۷۳ - ۱۷۴ - ۱۷۵ - ۱۷۶ - ۱۷۷ - ۱۷۸ - ۱۷۹ - ۱۸۰ - ۱۸۱ - ۱۸۲ - ۱۸۳ - ۱۸۴ - ۱۸۵ - ۱۸۶ - ۱۸۷ - ۱۸۸ - ۱۸۹ - ۱۹۰ - ۱۹۱ - ۱۹۲ - ۱۹۳ - ۱۹۴ - ۱۹۵ - ۱۹۶ - ۱۹۷ - ۱۹۸ - ۱۹۹ - ۲۰۰ - ۲۰۱ - ۲۰۲ - ۲۰۳ - ۲۰۴ - ۲۰۵ - ۲۰۶ - ۲۰۷ - ۲۰۸ - ۲۰۹ - ۲۱۰ - ۲۱۱ - ۲۱۲ - ۲۱۳ - ۲۱۴ - ۲۱۵ - ۲۱۶ - ۲۱۷ - ۲۱۸ - ۲۱۹ - ۲۲۰ - ۲۲۱ - ۲۲۲ - ۲۲۳ - ۲۲۴ - ۲۲۵ - ۲۲۶ - ۲۲۷ - ۲۲۸ - ۲۲۹ - ۲۳۰ - ۲۳۱ - ۲۳۲ - ۲۳۳ - ۲۳۴ - ۲۳۵ - ۲۳۶ - ۲۳۷ - ۲۳۸ - ۲۳۹ - ۲۴۰ - ۲۴۱ - ۲۴۲ - ۲۴۳ - ۲۴۴ - ۲۴۵ - ۲۴۶ - ۲۴۷ - ۲۴۸ - ۲۴۹ - ۲۵۰ - ۲۵۱ - ۲۵۲ - ۲۵۳ - ۲۵۴ - ۲۵۵ - ۲۵۶ - ۲۵۷ - ۲۵۸ - ۲۵۹ - ۲۶۰ - ۲۶۱ - ۲۶۲ - ۲۶۳ - ۲۶۴ - ۲۶۵ - ۲۶۶ - ۲۶۷ - ۲۶۸ - ۲۶۹ - ۲۷۰ - ۲۷۱ - ۲۷۲ - ۲۷۳ - ۲۷۴ - ۲۷۵ - ۲۷۶ - ۲۷۷ - ۲۷۸ - ۲۷۹ - ۲۸۰ - ۲۸۱ - ۲۸۲ - ۲۸۳ - ۲۸۴ - ۲۸۵ - ۲۸۶ - ۲۸۷ - ۲۸۸ - ۲۸۹ - ۲۹۰ - ۲۹۱ - ۲۹۲ - ۲۹۳ - ۲۹۴ - ۲۹۵ - ۲۹۶ - ۲۹۷ - ۲۹۸ - ۲۹۹ - ۳۰۰ - ۳۰۱ - ۳۰۲ - ۳۰۳ - ۳۰۴ - ۳۰۵ - ۳۰۶ - ۳۰۷ - ۳۰۸ - ۳۰۹ - ۳۱۰ - ۳۱۱ - ۳۱۲ - ۳۱۳ - ۳۱۴ - ۳۱۵ - ۳۱۶ - ۳۱۷ - ۳۱۸ - ۳۱۹ - ۳۲۰ - ۳۲۱ - ۳۲۲ - ۳۲۳ - ۳۲۴ - ۳۲۵ - ۳۲۶ - ۳۲۷ - ۳۲۸ - ۳۲۹ - ۳۳۰ - ۳۳۱ - ۳۳۲ - ۳۳۳ - ۳۳۴ - ۳۳۵ - ۳۳۶ - ۳۳۷ - ۳۳۸ - ۳۳۹ - ۳۴۰ - ۳۴۱ - ۳۴۲ - ۳۴۳ - ۳۴۴ - ۳۴۵ - ۳۴۶ - ۳۴۷ - ۳۴۸ - ۳۴۹ - ۳۵۰ - ۳۵۱ - ۳۵۲ - ۳۵۳ - ۳۵۴ - ۳۵۵ - ۳۵۶ - ۳۵۷ - ۳۵۸ - ۳۵۹ - ۳۶۰ - ۳۶۱ - ۳۶۲ - ۳۶۳ - ۳۶۴ - ۳۶۵ - ۳۶۶ - ۳۶۷ - ۳۶۸ - ۳۶۹ - ۳۷۰ - ۳۷۱ - ۳۷۲ - ۳۷۳ - ۳۷۴ - ۳۷۵ - ۳۷۶ - ۳۷۷ - ۳۷۸ - ۳۷۹ - ۳۸۰ - ۳۸۱ - ۳۸۲ - ۳۸۳ - ۳۸۴ - ۳۸۵ - ۳۸۶ - ۳۸۷ - ۳۸۸ - ۳۸۹ - ۳۹۰ - ۳۹۱ - ۳۹۲ - ۳۹۳ - ۳۹۴ - ۳۹۵ - ۳۹۶ - ۳۹۷ - ۳۹۸ - ۳۹۹ - ۴۰۰ - ۴۰۱ - ۴۰۲ - ۴۰۳ - ۴۰۴ - ۴۰۵ - ۴۰۶ - ۴۰۷ - ۴۰۸ - ۴۰۹ - ۴۱۰ - ۴۱۱ - ۴۱۲ - ۴۱۳ - ۴۱۴ - ۴۱۵ - ۴۱۶ - ۴۱۷ - ۴۱۸ - ۴۱۹ - ۴۲۰ - ۴۲۱ - ۴۲۲ - ۴۲۳ - ۴۲۴ - ۴۲۵ - ۴۲۶ - ۴۲۷ - ۴۲۸ - ۴۲۹ - ۴۳۰ - ۴۳۱ - ۴۳۲ - ۴۳۳ - ۴۳۴ - ۴۳۵ - ۴۳۶ - ۴۳۷ - ۴۳۸ - ۴۳۹ - ۴۴۰ - ۴۴۱ - ۴۴۲ - ۴۴۳ - ۴۴۴ - ۴۴۵ - ۴۴۶ - ۴۴۷ - ۴۴۸ - ۴۴۹ - ۴۵۰ - ۴۵۱ - ۴۵۲ - ۴۵۳ - ۴۵۴ - ۴۵۵ - ۴۵۶ - ۴۵۷ - ۴۵۸ - ۴۵۹ - ۴۶۰ - ۴۶۱ - ۴۶۲ - ۴۶۳ - ۴۶۴ - ۴۶۵ - ۴۶۶ - ۴۶۷ - ۴۶۸ - ۴۶۹ - ۴۷۰ - ۴۷۱ - ۴۷۲ - ۴۷۳ - ۴۷۴ - ۴۷۵ - ۴۷۶ - ۴۷۷ - ۴۷۸ - ۴۷۹ - ۴۸۰ - ۴۸۱ - ۴۸۲ - ۴۸۳ - ۴۸۴ - ۴۸۵ - ۴۸۶ - ۴۸۷ - ۴۸۸ - ۴۸۹ - ۴۹۰ - ۴۹۱ - ۴۹۲ - ۴۹۳ - ۴۹۴ - ۴۹۵ - ۴۹۶ - ۴۹۷ - ۴۹۸ - ۴۹۹ - ۵۰۰ - ۵۰۱ - ۵۰۲ - ۵۰۳ - ۵۰۴ - ۵۰۵ - ۵۰۶ - ۵۰۷ - ۵۰۸ - ۵۰۹ - ۵۱۰ - ۵۱۱ - ۵۱۲ - ۵۱۳ - ۵۱۴ - ۵۱۵ - ۵۱۶ - ۵۱۷ - ۵۱۸ - ۵۱۹ - ۵۲۰ - ۵۲۱ - ۵۲۲ - ۵۲۳ - ۵۲۴ - ۵۲۵ - ۵۲۶ - ۵۲۷ - ۵۲۸ - ۵۲۹ - ۵۳۰ - ۵۳۱ - ۵۳۲ - ۵۳۳ - ۵۳۴ - ۵۳۵ - ۵۳۶ - ۵۳۷ - ۵۳۸ - ۵۳۹ - ۵۴۰ - ۵۴۱ - ۵۴۲ - ۵۴۳ - ۵۴۴ - ۵۴۵ - ۵۴۶ - ۵۴۷ - ۵۴۸ - ۵۴۹ - ۵۵۰ - ۵۵۱ - ۵۵۲ - ۵۵۳ - ۵۵۴ - ۵۵۵ - ۵۵۶ - ۵۵۷ - ۵۵۸ - ۵۵۹ - ۵۶۰ - ۵۶۱ - ۵۶۲ - ۵۶۳ - ۵۶۴ - ۵۶۵ - ۵۶۶ - ۵۶۷ - ۵۶۸ - ۵۶۹ - ۵۷۰ - ۵۷۱ - ۵۷۲ - ۵۷۳ - ۵۷۴ - ۵۷۵ - ۵۷۶ - ۵۷۷ - ۵۷۸ - ۵۷۹ - ۵۸۰ - ۵۸۱ - ۵۸۲ - ۵۸۳ - ۵۸۴ - ۵۸۵ - ۵۸۶ - ۵۸۷ - ۵۸۸ - ۵۸۹ - ۵۹۰ - ۵۹۱ - ۵۹۲ - ۵۹۳ - ۵۹۴ - ۵۹۵ - ۵۹۶ - ۵۹۷ - ۵۹۸ - ۵۹۹ - ۶۰۰ - ۶۰۱ - ۶۰۲ - ۶۰۳ - ۶۰۴ - ۶۰۵ - ۶۰۶ - ۶۰۷ - ۶۰۸ - ۶۰۹ - ۶۱۰ - ۶۱۱ - ۶۱۲ - ۶۱۳ - ۶۱۴ - ۶۱۵ - ۶۱۶ - ۶۱۷ - ۶۱۸ - ۶۱۹ - ۶۲۰ - ۶۲۱ - ۶۲۲ - ۶۲۳ - ۶۲۴ - ۶۲۵ - ۶۲۶ - ۶۲۷ - ۶۲۸ - ۶۲۹ - ۶۳۰ - ۶۳۱ - ۶۳۲ - ۶۳۳ - ۶۳۴ - ۶۳۵ - ۶۳۶ - ۶۳۷ - ۶۳۸ - ۶۳۹ - ۶۴۰ - ۶۴۱ - ۶۴۲ - ۶۴۳ - ۶۴۴ - ۶۴۵ - ۶۴۶ - ۶۴۷ - ۶۴۸ - ۶۴۹ - ۶۵۰ - ۶۵۱ - ۶۵۲ - ۶۵۳ - ۶۵۴ - ۶۵۵ - ۶۵۶ - ۶۵۷ - ۶۵۸ - ۶۵۹ - ۶۶۰ - ۶۶۱ - ۶۶۲ - ۶۶۳ - ۶۶۴ - ۶۶۵ - ۶۶۶ - ۶۶۷ - ۶۶۸ - ۶۶۹ - ۶۷۰ - ۶۷۱ - ۶۷۲ - ۶۷۳ - ۶۷۴ - ۶۷۵ - ۶۷۶ - ۶۷۷ - ۶۷۸ - ۶۷۹ - ۶۸۰ - ۶۸۱ - ۶۸۲ - ۶۸۳ - ۶۸۴ - ۶۸۵ - ۶۸۶ - ۶۸۷ - ۶۸۸ - ۶۸۹ - ۶۹۰ - ۶۹۱ - ۶۹۲ - ۶۹۳ - ۶۹۴ - ۶۹۵ - ۶۹۶ - ۶۹۷ - ۶۹۸ - ۶۹۹ - ۷۰۰ - ۷۰۱ - ۷۰۲ - ۷۰۳ - ۷۰۴ - ۷۰۵ - ۷۰۶ - ۷۰۷ - ۷۰۸ - ۷۰۹ - ۷۱۰ - ۷۱۱ - ۷۱۲ - ۷۱۳ - ۷۱۴ - ۷۱۵ - ۷۱۶ - ۷۱۷ - ۷۱۸ - ۷۱۹ - ۷۲۰ - ۷۲۱ - ۷۲۲ - ۷۲۳ - ۷۲۴ - ۷۲۵ - ۷۲۶ - ۷۲۷ - ۷۲۸ - ۷۲۹ - ۷۳۰ - ۷۳۱ - ۷۳۲ - ۷۳۳ - ۷۳۴ - ۷۳۵ - ۷۳۶ - ۷۳۷ - ۷۳۸ - ۷۳۹ - ۷۴۰ - ۷۴۱ - ۷۴۲ - ۷۴۳ - ۷۴۴ - ۷۴۵ - ۷۴۶ - ۷۴۷ - ۷۴۸ - ۷۴۹ - ۷۵۰ - ۷۵۱ - ۷۵۲ - ۷۵۳ - ۷۵۴ - ۷۵۵ - ۷۵۶ - ۷۵۷ - ۷۵۸ - ۷۵۹ - ۷۶۰ - ۷۶۱ - ۷۶۲ - ۷۶۳ - ۷۶۴ - ۷۶۵ - ۷۶۶ - ۷۶۷ - ۷۶۸ - ۷۶۹ - ۷۷۰ - ۷۷۱ - ۷۷۲ - ۷۷۳ - ۷۷۴ - ۷۷۵ - ۷۷۶ - ۷۷۷ - ۷۷۸ - ۷۷۹ - ۷۸۰ - ۷۸۱ - ۷۸۲ - ۷۸۳ - ۷۸۴ - ۷۸۵ - ۷۸۶ - ۷۸۷ - ۷۸۸ - ۷۸۹ - ۷۹۰ - ۷۹۱ - ۷۹۲ - ۷۹۳ - ۷۹۴ - ۷۹۵ - ۷۹۶ - ۷۹۷ - ۷۹۸ - ۷۹۹ - ۸۰۰ - ۸۰۱ - ۸۰۲ - ۸۰۳ - ۸۰۴ - ۸۰۵ - ۸۰۶ - ۸۰۷ - ۸۰۸ - ۸۰۹ - ۸۱۰ - ۸۱۱ - ۸۱۲ - ۸۱۳ - ۸۱۴ - ۸۱۵ - ۸۱۶ - ۸۱۷ - ۸۱۸ - ۸۱۹ - ۸۲۰ - ۸۲۱ - ۸۲۲ - ۸۲۳ - ۸۲۴ - ۸۲۵ - ۸۲۶ - ۸۲۷ - ۸۲۸ - ۸۲۹ - ۸۳۰ - ۸۳۱ - ۸۳۲ - ۸۳۳ - ۸۳۴ - ۸۳۵ - ۸۳۶ - ۸۳۷ - ۸۳۸ - ۸۳۹ - ۸۴۰ - ۸۴۱ - ۸۴۲ - ۸۴۳ - ۸۴۴ - ۸۴۵ - ۸۴۶ - ۸۴۷ - ۸۴۸ - ۸۴۹ - ۸۵۰ - ۸۵۱ - ۸۵۲ - ۸۵۳ - ۸۵۴ - ۸۵۵ - ۸۵۶ - ۸۵۷ - ۸۵۸ - ۸۵۹ - ۸۶۰ - ۸۶۱ - ۸۶۲ - ۸۶۳ - ۸۶۴ - ۸۶۵ - ۸۶۶ - ۸۶۷ - ۸۶۸ - ۸۶۹ - ۸۷۰ - ۸۷۱ - ۸۷۲ - ۸۷۳ - ۸۷۴ - ۸۷۵ - ۸۷۶ - ۸۷۷ - ۸۷۸ - ۸۷۹ - ۸۸۰ - ۸۸۱ - ۸۸۲ - ۸۸۳ - ۸۸۴ - ۸۸۵ - ۸۸۶ - ۸۸۷ - ۸۸۸ - ۸۸۹ - ۸۹۰ - ۸۹۱ - ۸۹۲ - ۸۹۳ - ۸۹۴ - ۸۹۵ - ۸۹۶ - ۸۹۷ - ۸۹۸ - ۸۹۹ - ۹۰۰ - ۹۰۱ - ۹۰۲ - ۹۰۳ - ۹۰۴ - ۹۰۵ - ۹۰۶ - ۹۰۷ - ۹۰۸ - ۹۰۹ - ۹۱۰ - ۹۱۱ - ۹۱۲ - ۹۱۳ - ۹۱۴ - ۹۱۵ - ۹۱۶ - ۹۱۷ - ۹۱۸ - ۹۱۹ - ۹۲۰ - ۹۲۱ - ۹۲۲ - ۹۲۳ - ۹۲۴ - ۹۲۵ - ۹۲۶ - ۹۲۷ - ۹۲۸ - ۹۲۹ - ۹۳۰ - ۹۳۱ - ۹۳۲ - ۹۳۳ - ۹۳۴ - ۹۳۵ - ۹۳۶ - ۹۳۷ - ۹۳۸ - ۹۳۹ - ۹۴۰ - ۹۴۱ - ۹۴۲ - ۹۴۳ - ۹۴۴ - ۹۴۵ - ۹۴۶ - ۹۴۷ - ۹۴۸ - ۹۴۹ - ۹۵۰ - ۹۵۱ - ۹۵۲ - ۹۵۳ - ۹۵۴ - ۹۵۵ - ۹۵۶ - ۹۵۷ - ۹۵۸ - ۹۵۹ - ۹۶۰ - ۹۶۱ - ۹۶۲ - ۹۶۳ - ۹۶۴ - ۹۶۵ - ۹۶۶ - ۹۶۷ - ۹۶۸ - ۹۶۹ - ۹۷۰ - ۹۷۱ - ۹۷۲ - ۹۷۳ - ۹۷۴ - ۹۷۵ - ۹۷۶ - ۹۷۷ - ۹۷۸ - ۹۷۹ - ۹۸۰ - ۹۸۱ - ۹۸۲ - ۹۸۳ - ۹۸۴ - ۹۸۵ - ۹۸۶ - ۹۸۷ - ۹۸۸ - ۹۸۹ - ۹۹۰ - ۹۹۱ - ۹۹۲ - ۹۹۳ - ۹۹۴ - ۹۹۵ - ۹۹۶ - ۹۹۷ - ۹۹۸ - ۹۹۹ - ۱۰۰۰

ایک فرانسیسی اہل قلم سے ملاقات کا مختصر حال لکھا ہے :-

”موسیو کیلاریرے ایک مشہور فریج اہل قلم سے ملاقات ہوئی، اس نے جس لطف و محبت و تواضع اور انسانی ہمدردی سے باتیں کیں، اس کے لفظ لفظ اور ایک ایک ادا سے جس انسانیت اور عالمگیر اخوت کا اظہار ہو رہا تھا قلم عاجز ہے کہ اس کی تصویر کشی کر سکے، اس نے کہا میں کینتھولک ہوں میں سمجھ سکتا ہوں کہ مسئلہ خلافت تمہارے دلوں سے کس طرح لگا ہوگا، اس نے کہا کہ فرانس تمہارے خلاف انگلینڈ سے متحد ہے تو میں اکیلا فرانس سے لڑوں گا، وہ گو فریج میں باتیں کر رہا تھا، ڈاکٹر نہاد رشاد ایک ترک فریج میں ان کی ترجمانی کر رہے تھے، تاہم مرحوم غالب کی طرح سے

داہری تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا

میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

ترجمہ سے پہلے مطلب مفہوم ہو جاتا تھا، محمد علی صاحب باوجود ظاہری ڈیل ڈول کے ذرا موقع پا کر فوراً آنسو ٹپکا دیتے ہیں، اس وقت بھی آمادہ بکا تھے مگر خیریت گزری۔

حسن و جمال کا احساس سید صاحب کی شخصیت کا حصہ ہے بظاہر یہ بات ایک عالم دین کے پاس میں عجیب معلوم ہوگی لیکن احساس جمال ایک ذہنی رجحان ہے، کسی شخص خاص سے جذباتی لگاؤ یا محض رندی سے اس کا کوئی واسطہ نہیں، دوسرے وہ زندگی کو ”خیر محض“ جانتے ہیں، صوفیا کی طرح خدا کو حسن مطلق اور مظاہر قدرت کو اس کی جلوہ گاہ جانتے ہیں، ان کی تحریروں میں جا بجا احساس حسن کی جھلک دکھائی دیتی ہے، یہ احساس حسن اعتدال کی حد میں ہے، اسی طرح انہیں اپنی ذات سے محبت ہے، ان کے ہاں حسن (۴۶۵) ہے مگر غالب یا ابوالکلام آزاد کی طرح افراط کا شکار نہیں، اس سے ان کے کتبوبات کی دل کشی بڑھ گئی ہے۔

وہ زندگی کی تلخ حقیقتوں سے بھی اپنا ذہنی توازن برقرار رکھتے ہیں، ان کے مزاج کی شگفتگی ان مرحلوں پر ان کی دست گیری کرتی ہے اور ہر رنگ اور حال میں وہ اپنے گرد و پیش سے لطف لینے کی صلاحیت رکھتے ہیں، اپنے چچا جان کو لکھتے ہیں :-

”جی توچتا ہے کہ اس سفر کا ایک ایک جزئی واقعہ آپ کو خط میں لکھوں لیکن تنگی داماں کا گلا ہے

اور کثرتِ حسن کا شکوہ ہے ۱۰

عدن سے ایک خط دار المصنفینِ عظیم گدھ مسود علی ندوی کو لکھتے ہیں، جس جہاز میں سفر کر رہے ہیں، اس کے کمروں کی آرائش و زیبائش کا حال لکھتے ہوئے چپے سے درمیان میں یہ فقرے جڑ دیئے ہیں۔
 ”ہر کمرہ سالن اور آرام کے کواڑ سے مسود منزل واقع تہی منزل سے زیادہ بہتر ہے۔“
 علم محترم کو لکھتے ہیں، سلام مسنون کے بعد بتدا س طرح کی ہے:

”پلاؤ مبارک! یہاں تو ابلو کچی آ رہی ہے، درپھی بس ہی دو چیزیں مہر زندگی میں.....

..... بھائی دادو صاحب کا ”مرزا مبارک“ تو ب ”سار نہ عرس“ ہو گیا۔“

پنے برادر زادے کو لکھتے ہیں:

”غلطی سے ندرہ کی شرکت کے لئے تہہ را سفر اور کفارہ گاہ کے طور پر گھر پہنچ جانا پہلے معلوم ہو چکا تھا۔“

”کل مجھے توپن کے بعد نہ یک، سرخی یورپین نکات پڑھنا پر..... یورپ کے موزار

سے ہمارے صحرا ہی ہمیں محبوب ہے، یہ مجازاتِ شہادت ہے کہ ع

حب الوطن از ملک سلیمان خوشتر ۱۱

یہ کیا کہتے ہو کہ ہم وزیرِ عظم سے مرعوب ہو گئے، مرعوبیت تنی بھی ہوئی ہو جتنی مجھے اپنے بڑے بھائی کے سامنے ہوتی ہے تو کفر..... وزیرِ عظم سے عیب کھانا قابلِ مذکرہ تخیل ہے۔“

”میری دل ٹوپی بھی ولایت میں عجائب المنقوت پرست ہے، انگلیں میں تو جدھر نکلتی ہوں

تماش بن جاتا ہوں..... مشرقی مسلمان اقوام انگلیں آنے والے سرف ہندوستانی

مسلمان ہیں، وہ بھی ہی سے ”صاحب“ بن کر رہ رہے ہیں، اور کثرتِ تو گھری میں دسی صاحب

بن لیتے ہیں۔“

۱۰ برید فرگاہ ۱۱ ایضاً ۱۲ ۱۳ ۱۴ ۱۵ ۱۶ ۱۷ ۱۸ ۱۹ ۲۰ ۲۱ ۲۲ ۲۳ ۲۴ ۲۵ ۲۶ ۲۷ ۲۸ ۲۹ ۳۰ ۳۱ ۳۲ ۳۳ ۳۴ ۳۵ ۳۶ ۳۷ ۳۸ ۳۹ ۴۰ ۴۱ ۴۲ ۴۳ ۴۴ ۴۵ ۴۶ ۴۷ ۴۸ ۴۹ ۵۰ ۵۱ ۵۲ ۵۳ ۵۴ ۵۵ ۵۶ ۵۷ ۵۸ ۵۹ ۶۰ ۶۱ ۶۲ ۶۳ ۶۴ ۶۵ ۶۶ ۶۷ ۶۸ ۶۹ ۷۰ ۷۱ ۷۲ ۷۳ ۷۴ ۷۵ ۷۶ ۷۷ ۷۸ ۷۹ ۸۰ ۸۱ ۸۲ ۸۳ ۸۴ ۸۵ ۸۶ ۸۷ ۸۸ ۸۹ ۹۰ ۹۱ ۹۲ ۹۳ ۹۴ ۹۵ ۹۶ ۹۷ ۹۸ ۹۹ ۱۰۰ ۱۰۱ ۱۰۲ ۱۰۳ ۱۰۴ ۱۰۵ ۱۰۶ ۱۰۷ ۱۰۸ ۱۰۹ ۱۱۰ ۱۱۱ ۱۱۲ ۱۱۳ ۱۱۴ ۱۱۵ ۱۱۶ ۱۱۷ ۱۱۸ ۱۱۹ ۱۲۰ ۱۲۱ ۱۲۲ ۱۲۳ ۱۲۴ ۱۲۵ ۱۲۶ ۱۲۷ ۱۲۸ ۱۲۹ ۱۳۰ ۱۳۱ ۱۳۲ ۱۳۳ ۱۳۴ ۱۳۵ ۱۳۶ ۱۳۷ ۱۳۸ ۱۳۹ ۱۴۰ ۱۴۱ ۱۴۲ ۱۴۳ ۱۴۴ ۱۴۵ ۱۴۶ ۱۴۷ ۱۴۸ ۱۴۹ ۱۵۰ ۱۵۱ ۱۵۲ ۱۵۳ ۱۵۴ ۱۵۵ ۱۵۶ ۱۵۷ ۱۵۸ ۱۵۹ ۱۶۰ ۱۶۱ ۱۶۲ ۱۶۳ ۱۶۴ ۱۶۵ ۱۶۶ ۱۶۷ ۱۶۸ ۱۶۹ ۱۷۰ ۱۷۱ ۱۷۲ ۱۷۳ ۱۷۴ ۱۷۵ ۱۷۶ ۱۷۷ ۱۷۸ ۱۷۹ ۱۸۰ ۱۸۱ ۱۸۲ ۱۸۳ ۱۸۴ ۱۸۵ ۱۸۶ ۱۸۷ ۱۸۸ ۱۸۹ ۱۹۰ ۱۹۱ ۱۹۲ ۱۹۳ ۱۹۴ ۱۹۵ ۱۹۶ ۱۹۷ ۱۹۸ ۱۹۹ ۲۰۰ ۲۰۱ ۲۰۲ ۲۰۳ ۲۰۴ ۲۰۵ ۲۰۶ ۲۰۷ ۲۰۸ ۲۰۹ ۲۱۰ ۲۱۱ ۲۱۲ ۲۱۳ ۲۱۴ ۲۱۵ ۲۱۶ ۲۱۷ ۲۱۸ ۲۱۹ ۲۲۰ ۲۲۱ ۲۲۲ ۲۲۳ ۲۲۴ ۲۲۵ ۲۲۶ ۲۲۷ ۲۲۸ ۲۲۹ ۲۳۰ ۲۳۱ ۲۳۲ ۲۳۳ ۲۳۴ ۲۳۵ ۲۳۶ ۲۳۷ ۲۳۸ ۲۳۹ ۲۴۰ ۲۴۱ ۲۴۲ ۲۴۳ ۲۴۴ ۲۴۵ ۲۴۶ ۲۴۷ ۲۴۸ ۲۴۹ ۲۵۰ ۲۵۱ ۲۵۲ ۲۵۳ ۲۵۴ ۲۵۵ ۲۵۶ ۲۵۷ ۲۵۸ ۲۵۹ ۲۶۰ ۲۶۱ ۲۶۲ ۲۶۳ ۲۶۴ ۲۶۵ ۲۶۶ ۲۶۷ ۲۶۸ ۲۶۹ ۲۷۰ ۲۷۱ ۲۷۲ ۲۷۳ ۲۷۴ ۲۷۵ ۲۷۶ ۲۷۷ ۲۷۸ ۲۷۹ ۲۸۰ ۲۸۱ ۲۸۲ ۲۸۳ ۲۸۴ ۲۸۵ ۲۸۶ ۲۸۷ ۲۸۸ ۲۸۹ ۲۹۰ ۲۹۱ ۲۹۲ ۲۹۳ ۲۹۴ ۲۹۵ ۲۹۶ ۲۹۷ ۲۹۸ ۲۹۹ ۳۰۰ ۳۰۱ ۳۰۲ ۳۰۳ ۳۰۴ ۳۰۵ ۳۰۶ ۳۰۷ ۳۰۸ ۳۰۹ ۳۱۰ ۳۱۱ ۳۱۲ ۳۱۳ ۳۱۴ ۳۱۵ ۳۱۶ ۳۱۷ ۳۱۸ ۳۱۹ ۳۲۰ ۳۲۱ ۳۲۲ ۳۲۳ ۳۲۴ ۳۲۵ ۳۲۶ ۳۲۷ ۳۲۸ ۳۲۹ ۳۳۰ ۳۳۱ ۳۳۲ ۳۳۳ ۳۳۴ ۳۳۵ ۳۳۶ ۳۳۷ ۳۳۸ ۳۳۹ ۳۴۰ ۳۴۱ ۳۴۲ ۳۴۳ ۳۴۴ ۳۴۵ ۳۴۶ ۳۴۷ ۳۴۸ ۳۴۹ ۳۵۰ ۳۵۱ ۳۵۲ ۳۵۳ ۳۵۴ ۳۵۵ ۳۵۶ ۳۵۷ ۳۵۸ ۳۵۹ ۳۶۰ ۳۶۱ ۳۶۲ ۳۶۳ ۳۶۴ ۳۶۵ ۳۶۶ ۳۶۷ ۳۶۸ ۳۶۹ ۳۷۰ ۳۷۱ ۳۷۲ ۳۷۳ ۳۷۴ ۳۷۵ ۳۷۶ ۳۷۷ ۳۷۸ ۳۷۹ ۳۸۰ ۳۸۱ ۳۸۲ ۳۸۳ ۳۸۴ ۳۸۵ ۳۸۶ ۳۸۷ ۳۸۸ ۳۸۹ ۳۹۰ ۳۹۱ ۳۹۲ ۳۹۳ ۳۹۴ ۳۹۵ ۳۹۶ ۳۹۷ ۳۹۸ ۳۹۹ ۴۰۰ ۴۰۱ ۴۰۲ ۴۰۳ ۴۰۴ ۴۰۵ ۴۰۶ ۴۰۷ ۴۰۸ ۴۰۹ ۴۱۰ ۴۱۱ ۴۱۲ ۴۱۳ ۴۱۴ ۴۱۵ ۴۱۶ ۴۱۷ ۴۱۸ ۴۱۹ ۴۲۰ ۴۲۱ ۴۲۲ ۴۲۳ ۴۲۴ ۴۲۵ ۴۲۶ ۴۲۷ ۴۲۸ ۴۲۹ ۴۳۰ ۴۳۱ ۴۳۲ ۴۳۳ ۴۳۴ ۴۳۵ ۴۳۶ ۴۳۷ ۴۳۸ ۴۳۹ ۴۴۰ ۴۴۱ ۴۴۲ ۴۴۳ ۴۴۴ ۴۴۵ ۴۴۶ ۴۴۷ ۴۴۸ ۴۴۹ ۴۵۰ ۴۵۱ ۴۵۲ ۴۵۳ ۴۵۴ ۴۵۵ ۴۵۶ ۴۵۷ ۴۵۸ ۴۵۹ ۴۶۰ ۴۶۱ ۴۶۲ ۴۶۳ ۴۶۴ ۴۶۵ ۴۶۶ ۴۶۷ ۴۶۸ ۴۶۹ ۴۷۰ ۴۷۱ ۴۷۲ ۴۷۳ ۴۷۴ ۴۷۵ ۴۷۶ ۴۷۷ ۴۷۸ ۴۷۹ ۴۸۰ ۴۸۱ ۴۸۲ ۴۸۳ ۴۸۴ ۴۸۵ ۴۸۶ ۴۸۷ ۴۸۸ ۴۸۹ ۴۹۰ ۴۹۱ ۴۹۲ ۴۹۳ ۴۹۴ ۴۹۵ ۴۹۶ ۴۹۷ ۴۹۸ ۴۹۹ ۵۰۰ ۵۰۱ ۵۰۲ ۵۰۳ ۵۰۴ ۵۰۵ ۵۰۶ ۵۰۷ ۵۰۸ ۵۰۹ ۵۱۰ ۵۱۱ ۵۱۲ ۵۱۳ ۵۱۴ ۵۱۵ ۵۱۶ ۵۱۷ ۵۱۸ ۵۱۹ ۵۲۰ ۵۲۱ ۵۲۲ ۵۲۳ ۵۲۴ ۵۲۵ ۵۲۶ ۵۲۷ ۵۲۸ ۵۲۹ ۵۳۰ ۵۳۱ ۵۳۲ ۵۳۳ ۵۳۴ ۵۳۵ ۵۳۶ ۵۳۷ ۵۳۸ ۵۳۹ ۵۴۰ ۵۴۱ ۵۴۲ ۵۴۳ ۵۴۴ ۵۴۵ ۵۴۶ ۵۴۷ ۵۴۸ ۵۴۹ ۵۵۰ ۵۵۱ ۵۵۲ ۵۵۳ ۵۵۴ ۵۵۵ ۵۵۶ ۵۵۷ ۵۵۸ ۵۵۹ ۵۶۰ ۵۶۱ ۵۶۲ ۵۶۳ ۵۶۴ ۵۶۵ ۵۶۶ ۵۶۷ ۵۶۸ ۵۶۹ ۵۷۰ ۵۷۱ ۵۷۲ ۵۷۳ ۵۷۴ ۵۷۵ ۵۷۶ ۵۷۷ ۵۷۸ ۵۷۹ ۵۸۰ ۵۸۱ ۵۸۲ ۵۸۳ ۵۸۴ ۵۸۵ ۵۸۶ ۵۸۷ ۵۸۸ ۵۸۹ ۵۹۰ ۵۹۱ ۵۹۲ ۵۹۳ ۵۹۴ ۵۹۵ ۵۹۶ ۵۹۷ ۵۹۸ ۵۹۹ ۶۰۰ ۶۰۱ ۶۰۲ ۶۰۳ ۶۰۴ ۶۰۵ ۶۰۶ ۶۰۷ ۶۰۸ ۶۰۹ ۶۱۰ ۶۱۱ ۶۱۲ ۶۱۳ ۶۱۴ ۶۱۵ ۶۱۶ ۶۱۷ ۶۱۸ ۶۱۹ ۶۲۰ ۶۲۱ ۶۲۲ ۶۲۳ ۶۲۴ ۶۲۵ ۶۲۶ ۶۲۷ ۶۲۸ ۶۲۹ ۶۳۰ ۶۳۱ ۶۳۲ ۶۳۳ ۶۳۴ ۶۳۵ ۶۳۶ ۶۳۷ ۶۳۸ ۶۳۹ ۶۴۰ ۶۴۱ ۶۴۲ ۶۴۳ ۶۴۴ ۶۴۵ ۶۴۶ ۶۴۷ ۶۴۸ ۶۴۹ ۶۵۰ ۶۵۱ ۶۵۲ ۶۵۳ ۶۵۴ ۶۵۵ ۶۵۶ ۶۵۷ ۶۵۸ ۶۵۹ ۶۶۰ ۶۶۱ ۶۶۲ ۶۶۳ ۶۶۴ ۶۶۵ ۶۶۶ ۶۶۷ ۶۶۸ ۶۶۹ ۶۷۰ ۶۷۱ ۶۷۲ ۶۷۳ ۶۷۴ ۶۷۵ ۶۷۶ ۶۷۷ ۶۷۸ ۶۷۹ ۶۸۰ ۶۸۱ ۶۸۲ ۶۸۳ ۶۸۴ ۶۸۵ ۶۸۶ ۶۸۷ ۶۸۸ ۶۸۹ ۶۹۰ ۶۹۱ ۶۹۲ ۶۹۳ ۶۹۴ ۶۹۵ ۶۹۶ ۶۹۷ ۶۹۸ ۶۹۹ ۷۰۰ ۷۰۱ ۷۰۲ ۷۰۳ ۷۰۴ ۷۰۵ ۷۰۶ ۷۰۷ ۷۰۸ ۷۰۹ ۷۱۰ ۷۱۱ ۷۱۲ ۷۱۳ ۷۱۴ ۷۱۵ ۷۱۶ ۷۱۷ ۷۱۸ ۷۱۹ ۷۲۰ ۷۲۱ ۷۲۲ ۷۲۳ ۷۲۴ ۷۲۵ ۷۲۶ ۷۲۷ ۷۲۸ ۷۲۹ ۷۳۰ ۷۳۱ ۷۳۲ ۷۳۳ ۷۳۴ ۷۳۵ ۷۳۶ ۷۳۷ ۷۳۸ ۷۳۹ ۷۴۰ ۷۴۱ ۷۴۲ ۷۴۳ ۷۴۴ ۷۴۵ ۷۴۶ ۷۴۷ ۷۴۸ ۷۴۹ ۷۵۰ ۷۵۱ ۷۵۲ ۷۵۳ ۷۵۴ ۷۵۵ ۷۵۶ ۷۵۷ ۷۵۸ ۷۵۹ ۷۶۰ ۷۶۱ ۷۶۲ ۷۶۳ ۷۶۴ ۷۶۵ ۷۶۶ ۷۶۷ ۷۶۸ ۷۶۹ ۷۷۰ ۷۷۱ ۷۷۲ ۷۷۳ ۷۷۴ ۷۷۵ ۷۷۶ ۷۷۷ ۷۷۸ ۷۷۹ ۷۸۰ ۷۸۱ ۷۸۲ ۷۸۳ ۷۸۴ ۷۸۵ ۷۸۶ ۷۸۷ ۷۸۸ ۷۸۹ ۷۹۰ ۷۹۱ ۷۹۲ ۷۹۳ ۷۹۴ ۷۹۵ ۷۹۶ ۷۹۷ ۷۹۸ ۷۹۹ ۸۰۰ ۸۰۱ ۸۰۲ ۸۰۳ ۸۰۴ ۸۰۵ ۸۰۶ ۸۰۷ ۸۰۸ ۸۰۹ ۸۱۰ ۸۱۱ ۸۱۲ ۸۱۳ ۸۱۴ ۸۱۵ ۸۱۶ ۸۱۷ ۸۱۸ ۸۱۹ ۸۲۰ ۸۲۱ ۸۲۲ ۸۲۳ ۸۲۴ ۸۲۵ ۸۲۶ ۸۲۷ ۸۲۸ ۸۲۹ ۸۳۰ ۸۳۱ ۸۳۲ ۸۳۳ ۸۳۴ ۸۳۵ ۸۳۶ ۸۳۷ ۸۳۸ ۸۳۹ ۸۴۰ ۸۴۱ ۸۴۲ ۸۴۳ ۸۴۴ ۸۴۵ ۸۴۶ ۸۴۷ ۸۴۸ ۸۴۹ ۸۵۰ ۸۵۱ ۸۵۲ ۸۵۳ ۸۵۴ ۸۵۵ ۸۵۶ ۸۵۷ ۸۵۸ ۸۵۹ ۸۶۰ ۸۶۱ ۸۶۲ ۸۶۳ ۸۶۴ ۸۶۵ ۸۶۶ ۸۶۷ ۸۶۸ ۸۶۹ ۸۷۰ ۸۷۱ ۸۷۲ ۸۷۳ ۸۷۴ ۸۷۵ ۸۷۶ ۸۷۷ ۸۷۸ ۸۷۹ ۸۸۰ ۸۸۱ ۸۸۲ ۸۸۳ ۸۸۴ ۸۸۵ ۸۸۶ ۸۸۷ ۸۸۸ ۸۸۹ ۸۹۰ ۸۹۱ ۸۹۲ ۸۹۳ ۸۹۴ ۸۹۵ ۸۹۶ ۸۹۷ ۸۹۸ ۸۹۹ ۹۰۰ ۹۰۱ ۹۰۲ ۹۰۳ ۹۰۴ ۹۰۵ ۹۰۶ ۹۰۷ ۹۰۸ ۹۰۹ ۹۱۰ ۹۱۱ ۹۱۲ ۹۱۳ ۹۱۴ ۹۱۵ ۹۱۶ ۹۱۷ ۹۱۸ ۹۱۹ ۹۲۰ ۹۲۱ ۹۲۲ ۹۲۳ ۹۲۴ ۹۲۵ ۹۲۶ ۹۲۷ ۹۲۸ ۹۲۹ ۹۳۰ ۹۳۱ ۹۳۲ ۹۳۳ ۹۳۴ ۹۳۵ ۹۳۶ ۹۳۷ ۹۳۸ ۹۳۹ ۹۴۰ ۹۴۱ ۹۴۲ ۹۴۳ ۹۴۴ ۹۴۵ ۹۴۶ ۹۴۷ ۹۴۸ ۹۴۹ ۹۵۰ ۹۵۱ ۹۵۲ ۹۵۳ ۹۵۴ ۹۵۵ ۹۵۶ ۹۵۷ ۹۵۸ ۹۵۹ ۹۶۰ ۹۶۱ ۹۶۲ ۹۶۳ ۹۶۴ ۹۶۵ ۹۶۶ ۹۶۷ ۹۶۸ ۹۶۹ ۹۷۰ ۹۷۱ ۹۷۲ ۹۷۳ ۹۷۴ ۹۷۵ ۹۷۶ ۹۷۷ ۹۷۸ ۹۷۹ ۹۸۰ ۹۸۱ ۹۸۲ ۹۸۳ ۹۸۴ ۹۸۵ ۹۸۶ ۹۸۷ ۹۸۸ ۹۸۹ ۹۹۰ ۹۹۱ ۹۹۲ ۹۹۳ ۹۹۴ ۹۹۵ ۹۹۶ ۹۹۷ ۹۹۸ ۹۹۹ ۱۰۰۰

۱۰ ۱۱ ۱۲ ۱۳ ۱۴ ۱۵ ۱۶ ۱۷ ۱۸ ۱۹ ۲۰ ۲۱ ۲۲ ۲۳ ۲۴ ۲۵ ۲۶ ۲۷ ۲۸ ۲۹ ۳۰ ۳۱ ۳۲ ۳۳ ۳۴ ۳۵ ۳۶ ۳۷ ۳۸ ۳۹ ۴۰ ۴۱ ۴۲ ۴۳ ۴۴ ۴۵ ۴۶ ۴۷ ۴۸ ۴۹ ۵۰ ۵۱ ۵۲ ۵۳ ۵۴ ۵۵ ۵۶ ۵۷ ۵۸ ۵۹ ۶۰ ۶۱ ۶۲ ۶۳ ۶۴ ۶۵ ۶۶ ۶۷ ۶۸ ۶۹ ۷۰ ۷۱ ۷۲ ۷۳ ۷۴ ۷۵ ۷۶ ۷۷ ۷۸ ۷۹ ۸۰ ۸۱ ۸۲ ۸۳ ۸۴ ۸۵ ۸۶ ۸۷ ۸۸ ۸۹ ۹۰ ۹۱ ۹۲ ۹۳ ۹۴ ۹۵ ۹۶ ۹۷ ۹۸ ۹۹ ۱۰۰

چچا صاحب کو خط اس طرح لکھتے ہیں :

”چچا جان ! کیوں صاحب ! چچا جان کو لوگ مذاق کیوں سمجھتے ہیں، میں بھی ہندوستان میں اس کو مذاق سمجھتا تھا مگر ولایت کی فزائے اور دانش آموز آب دہوا میں سوچتا ہوں تو اس میں کوئی قباحت نظر نہیں آتی، بنا بریں میدھے کہ آپ جو ولایتی چیزوں کو نئی روشنی میں دیکھ کر قابل تقلید سمجھتے ہیں میرے اس نئے اجتہاد کو مذاق پر محمول نہ فرمائیں گے۔
رمضان المبارک رخصت ہو چکا ہے اور عید کا چاند نظر آئے دو گھنٹے ہوئے ہیں، اس کو اس طرح لکھتے ہیں :
”رمضان شریف تو یہاں بھی تشریف لائے تھے کوئی دو گھنٹہ ہوئے کہ رخصت ہوئی، کلی علیکم۔“
چچا صاحب کو لکھتے ہیں :

”آپ چندہ لینے کو آئیں تو کون دے دے
غازی چو توئی رداست کافر بودن“

اپنی کو دوسرے خط میں لکھتے ہیں :

”بضاب والا۔ آپ سے تمام راز اس سے کہے جاتے ہیں کہ ان سے جیائے فائدہ اٹھائیں۔
ایک خط میں غائب چچا جان کی شاعری پر، ہمیں مبارک باد بنے کا طریقہ، نوکھا اختیار کیا۔
”کارڈ شرف افزا ہوا۔ پلاؤ مبارک ! چاند کا قرآن السعدین مبارک“
مولانا عرفان صاحب کو لکھتے ہیں :

”آپ نے بولویوں کو چھوڑ کر گریجوڑوں سے عہدہ بندھا، کیا پوچھ سکتا ہوں —
تو عہد یا کہ بستی و از کہ بگشتی“

مولانا شاہ معین الدین ندوی صاحب کو لکھتے ہیں :

”آپ جو کچھ لکھیں اس میں حیل رکھیں کہ سختی نہ آنے پائے۔“

گرگٹے مرے تو زہر کیوں دیجئے“

۱۵ برید فرنگ ۱۵۱، ۱۶ برید فرنگ ۱۱۱، ۱۷ معارف دسمبر ۱۹۶۲ء ص ۱۱، ۱۸ معارف دسمبر ۱۹۶۲ء ص ۱۲
۱۹ معارف دسمبر ۱۹۶۲ء ص ۱۳، ۲۰ مکاتیب نمبر نقوش ص ۱۱، ۲۱ معارف دسمبر ۱۹۶۲ء ص ۱۲، ۲۲ معارف دسمبر ۱۹۶۲ء ص ۱۳

انہیں کو ایک دوسرے خط میں تحریر فرمایا:

”اب یہاں سے نکلنے کو پُر قول رہا ہوں“^۱

ایک تیسرے خط میں لکھتے ہیں:

”آج کچھ دسمہری اور سپیدے اور سنگڑے ٹوٹنے کی امید ہے، ثمر بہشت کے دانے اچھے آتے

ہیں مگر افسوس پدر بزرگوارِ اول کی طرح مجھے اس ثمر بہشت سے محروم رہنا پڑے گا یعنی اس

سے پہلے ہی بہشت زارِ دلیسہ سے نکلنا پڑے گا“^۲

سید صاحب کے مزاج کی یہ سنگتگی معمولی چٹکے بازی سے گذر کر بعض اوقات لطیف مزاح کا روپ بھی اختیار کر لیتی ہے:

”ہر کشتی کسی مرد یا صنفِ نازک کی انگلیوں سے حرکت کرتی ہوئی کسی نہ کسی جھاڑی میں پہنچ کر

گھنٹوں آرام کرتی ہے ارضی جنت کے اس احاطہ میں آکر فرشتہ غیب کی جو

پہلی آواز آپ کے کانوں میں آئے گی وہ اعلیٰ و اقدس شہنشاہ ہے . . . غرض ہر وہ قوم

جہاں کوئی مادی جسم رگبذرا پاسکتا ہو اس شریف طبقہ کے وجود سے محروم نہیں ہے“^۳

ایک جگہ ایسا لکھا ہے:

”باغ کی ایک طرف روش پر لذتِ شب کے سوداگروں کا بازار ہے، تماشا خود محو خرام ہے اور

تماشا کی زرجیب چکر کاٹ رہی ہے، ایک اور طرف رقص و سرود کا سامان ہے“^۴

ایک مقام میں اس طرح تحریر فرمایا ہے:

”یورپ کو ہر چیز میں سی طرح تجارت ہی تجارت اور بنیادیں ہی بنیادیں نظر آتا ہے جس طرح

کہتے ہیں کہ ریشہ کے صوفیوں کو ہر جگہ خدا ہی خدا نظر آتا ہے“^۵

بعض سیاسی مصلحتیں بسا اوقات مکتوبات میں بھی کھل کر بات کہنے کی اجازت نہیں دیتیں، ایسے مواقع پر وہ بڑی

۱۔ مورخ پر ۱۹۵۶ء مکتوب نمبر ۱۔ ۲۔ حارف اپریل ۱۹۵۶ء مکتوب نمبر ۴۔ ۳۔ برید فرنگ ص ۱۱۱

۴۔ برید فرنگ ص ۱۱۱ ۵۔ برید فرنگ ص ۱۱۱

بلغ انداز میں رمزیہ پیرایہ اختیار کرتے ہیں، پاک و ہند میں کشمیر کا مسئلہ بڑی نازک صورت حال اختیار کر گیا تو سید صاحب ہندوستان میں بیٹھے ہوئے مسعود عالم ندوی سے اس کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتے ہوئے کنایہ و رمز کا طریق اختیار کرتے ہیں۔

”معلوم نہیں آپ کے ”ہمسایہ“ کا کیا حال ہے، مجھے اس کا بڑا تعلق خاطر رہتا ہے، وَلِلّٰهِ
الْآخِرُ مِنْ قَبْلِ وَ مِنْ بَعْدُ ۝
دوسری جگہ لکھتے ہیں:

”آپ کے ”ہمسایہ“ کے لئے ہمیشہ دست بدعا رہتا ہوں میری نگاہ میں اس کی بڑی اہمیت رہتی ہے
مورخانہ دیانت داری ان کے مکتوبات کا خاص جوہر ہے، وہ احباب کو خط لکھتے وقت اس بات کا خاص خیال
رکھتے ہیں، اسی طرح وہ اپنے رفقاء کو کسی نہ کسی تعارف یا کتاب لکھنے کی ترغیب دیا کرتے ہیں، ان کی شائع شدہ
تحریروں کی غلطیوں سے انہیں گاہ فرماتے ہیں، چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

امتیاز علی عرشی صاحب کو تحریری کام کرنے کی ترغیب اس طرح دیتے ہیں:
”سیدنا عمر فاروقؓ کے مکاتبات و خطبات جمع کیجئے، کنز العمال، موطاء امام مالکؓ،
مسند داریؓ تو مطبوعہ ہیں، باقی مصنف عبدالرزاقؓ اور مصنف ابن ابی شیبہؓ قلمی باقی صحاح و
سنن و مسانید تو موجود ہی ہیں۔

علاوہ ازیں طبریؓ اور بلاذریؓ بھی ملاحظہ ہو ۝

مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی کو اپنے علمی فتوحات کا دائرہ وسیع کرنے کے لئے اس پیرایہ میں تشوین
دلاتے ہیں۔

”فردرت ہے کہ آپؐ تاریخ کے کوچہ سے اپنا قدم ہز نکالیں اور دوسرے فنون کی طرف
توجہ کریں ۝

۱۔ برید فرنگ مٹا پر بھی، س کی ایک اچھی مثال ہے، برید فرنگ میں اور بھی کئی مثالیں ملتی ہیں۔ ۲۔ مکاتیب سید

سیہان ندویؒ، ۳۔ مکاتیب نیز نقوشؒ، ۴۔ مکاتیب معارفؒ، ۵۔ مکاتیب نمبر ۱۶

اپنی کو ایک دوسرے گرامی نامے میں ذرا تفصیل سے لکھتے ہیں:

”آپ اپنے سے تاریخ کے سوا کوئی دوسرا میدان ڈھونڈھیے، اتنے دنوں میں آپ کا مذاق پختہ ہو چکا ہے، آپ ہی بتائیں کہ ادب، فلسفہ، کلام کون سا میدان پسند ہے یا عصریات میں سے کوئی چیز مرغوب خاطر ہوئے۔“

مسعود عالم ندوی کو کسی خطوط میں ہرج کے لکھے ہیں کہ وہ کوئی مضمون یا کتاب لکھیں،

ہم صرف ایک مثال دیتے ہیں:-

”میرا بڑا جی چاہتا ہے کہ کسی ندوی کے قلم سے ردِ اشتراکیت پر کوئی رسالہ نکلے، اسی سے

آپ سے خواہش ہے کہ یہ آپ کے دجس کی چیز ہے؟“

اسی طرح جب کوئی سب کوں نسبتی کرنا، ذوراً اُس کی طرف متوجہ ہو جاتے،

چند مثالیں ملاحظہ ہوں:-

۱۔ ایک راسخ صاحب لکھتے ہیں:

”آپ کے مضمون میں بعض باتیں نسبیج عیب ہیں، مضمون پر نشان بنادیا گیا ہے اور انگ

کاغذ پر ایک نوٹ بھی ہے۔“

شاہ معین الدین ندوی کو صدر دیتے ہیں:-

”شذرت میں غبارِ طری میں چند باتیں کھٹکتی ہیں، صدر کر دیجئے۔“

۱۔ زاغ وزغن نکال دیجئے۔

۲۔ سعی و محنت سے نہیں بلکہ عطا الوہیت ہے کہ جگہ ”عطا و مہبت“ سے ہے بنادیکئے۔

۳۔ اظہارِ و بیان کی فراوانی کی جگہ قوتِ اظہار و بیان کی فراوانی کر دیجئے۔“

۴۔ معارفِ گنت ۱۹۵۶ء مکتوب نمبر ۳۹ ۵۔ مکاتیب سید سلیمان ندوی ج ۱

۶۔ مکاتیب نمبر نقوش ج ۵ ۷۔ معارفِ اپریل ۱۹۵۶ء مکتوب نمبر ۱۲

ابھی صاحب کو دوسرے خط میں اس طرح لڑکا:

”گاندھی جی کا ماتم دیکھا، آدرد اور آدھ کا فرق، در سب ٹھیک ہے.....“

تنقید میں اعتدال ہوا بتدال نہ ہو۔

نصیر الدین ہاشمی صاحب کو تحریر فرمایا ہے:

”نسخہ کی آخر کی عبارت عنیف عباد اللہ اگر آپ نے صحیح نقل کیا ہے تو غلط ہے، انفع

عباد اللہ چاہئے جیسے اس کے بعد واعجز خلق اللہ ہے۔“

رفیق خاں صاحب نے سید صاحب کے مجموعہ مکاتیب برید فرنگ پر ذیل کا تبصرہ کیا ہے:

”..... ان خطوں سے اس وقت کی اسلامی دنیا اور یورپ کے سیاسی معاشرتی

حالات پر روشنی پڑتی ہے، جس سے ان کی اہمیت ظاہر ہے، سید صاحب کا سیدھا

سادھا اسلوب در سنجیدہ مزاج ان خطوط میں بھی نمایاں ہے، اس طرح کتاب کو دو گونہ

ادبی و تاریخی اہمیت حاصل ہے۔“

ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی صاحب نے سید صاحب کے خطوط پر حسب ذیل رائے دی ہے:

”عندما اقبال کے خطوط اس اعتبار سے بہت اہم ہیں کہ وہ ایک بڑے شاعر کے خطوط ہیں

جو ان کے ذہن و نظام فکر سمجھنے میں مدد دیتے ہیں لیکن ان میں انشاء پردازی کا کمال

نہیں ہے ان کی عبارت کہیں انگریزی کے شکنجہ میں گرفتار ہے و کہیں فارسی کے،

ان کے مقابلہ میں سید سلیمان ندوی مرحوم کے خطوط کہیں زیادہ دلچسپ ہیں جن میں

حسن، اندیشی اور انشاء پردازی بھی ہے۔“

۱۔ موارث اگست ۱۹۵۲ء مکتوب نمبر ۳۳ ۲۔ مکاتیب نمبر غوش ۵۱۶

۳۔ ماہ نو نومبر ۱۹۵۳ء ۵۴

۴۔ اُردو خطوط کے چیس سال ۱۹۵۱ء جولائی نمبر سانی مدیر شاپ محمد بلوی۔

موسیو سدیو کی تاریخ عرب پر ایک نظر

جناب شبیر احمد خاں غوری ایم اے ایل ایل بی، رجسٹرڈ امتحانات عربی و فارسی (پرنسپل)

موسیو سدیو جماعت مشرقیہ کے اُن مستشرقین میں سے ہیں جنہوں نے "خاور شناسی" کی دیرینہ روایات کے برخلاف اسلام اور بانی اسلام کے متعلق اپنی نگارشات میں مصیبت کشی پر حقیقت نگاری کو ترجیح دینے کی کوشش کی، پھر بھی کچھ تو اس وجہ سے کہ ماحول کے اثرات سے ایک قلم غیر متاثر ہو جانے ناممکن ہوتا ہے اور کچھ اس وجہ سے کہ سلامیات کے سلسلہ میں بہت سے معذور و مآخذ جو اب منظر عام پر آ گئے ہیں، اس رمان میں موجود نہ تھے، اُن سے بہت سے تسامحات ہوئے ہیں جن کی اصلاح کی ضرورت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ان میں سے کتنے تسامحات خود موسیو بومون سے ہوئے ہیں۔ درکنار کتنے کے درمیان ترجمین ہیں، کیوں کہ سدیو کی کتاب کا پہلے عربی میں ترجمہ ہوا، اور اس عربی ترجمہ کا رد میں ترجمہ کیا گیا، مجھے خصوصیت سے جھٹے مقالے کے تسامحات کی نشاندہی کرنا ہے۔

رائڈر اسطورہ تو فرانسیسی زبان سے واقف ہے اور نہ اسے اس کتاب کا انگریزی ترجمہ مل سکا نہ عربی ترجمہ، اس نے پیش نظر اُردو ترجمہ کے اغلاط کے متعلق متعین طور پر نہیں کہا جاسکتا کہ کس سے چوک ہوئی۔ ایسا خیال ہوتا ہے کہ بعض مقامات پر خود موسیو سدیو سے تسامح ہو ہوگا، مثلاً مصنف کا یہ کہہ کر بنی ہونی کی رصدگاہ بغداد کے مشرقی حصہ میں واقع تھی غلط ہے، کیونکہ حسب تصریح، بیرونی رنارون مسودی جلد ثانی ص ۴۲ بہ رصدگاہ سامریں واقع تھی،

بعض جگہ عربی ترجمہ سے تسامح ہو ہوگا یا غشوس تلفظ کے بارے میں: مثلاً اقصیٰ میں کا عربی ترجمہ

حجاج بن یوسف بن مطر نے کیا تھا مگر بیش نظر اُردو ترجمہ میں یہ نام حجاری بن یوسف ہے۔

اور بعض جگہ اُردو ترجمہ سے نساخ ہوا ہوگا، بالخصوص معطیاتِ فقہیہ کے ترجمہ میں، اعداد اس کی وجہ ظاہر ہے، اس مقالہ کا موضوع کچھ اس قسم کا ہے جو آج سے چالیس پچاس سال پیش تک اُردو مترجمیں بلکہ اکثر تفصیلات کے لئے بھی بالکل ایک نئی چیز تھا۔

کتاب سات مقالوں پر مشتمل ہے، پہلے پانچ مقالے سی سی مارنچ پر ہیں، ان کا ترجمہ مولوی عبدالغفور خان رام پوری نے کیا تھا، آخری مقالہ اسلام کی موجودہ حالت پر ہے، پچھٹا مقالہ، سدی ثقافت (علوم و فنون) پر ہے، ان دونوں آخری مقالوں کا ترجمہ مولوی محمد کلیم انصاری نے مولانا ظفر املاک علوی کے ایماء سے کیا تھا، بعد ازاں پوری کتاب کے ترجمہ پر علامہ سید سلیمان عودی مرحوم دہلی نے تفسیر کی، پھر بھی بہت سے تسامحات رہ گئے، بالخصوص مقالہ ہشتم کے بابِ دین کے ترجمہ میں جو ریاضی و ہینس اور جغرافیہ پر مشتمل ہے۔

پوری کتاب پر پھر فرصت کا معنی ہے جو بہت خورج ہے، اس سے "ما بذرکما ترون مرک کلمہ" کے مصدق مقولہ مستخرج ہے۔ بابِ دین کے پیر مولانا حبیب پر ایک مرڈالی جو رہا ہے وہ مصداق کی شکل میں پس کیا جائے گا، اس غرض سے چھپے ہوئے مہم غفلت کیا جائیگا، زار بہ معنی نفر سائنات کی نشانی دی کر کے محمد ہدایت کی صداقت کی پوشش کی جائے گی، وہ بے حد مراد ہے۔

مقالہ ششم

عہدِ اول کا عربی تمدن

مدرسہ سکندریہ کے بعد مدرسہ بغداد کی علمی مرکزیت

ابتداء کے عہدِ اسلام میں اسی پرمیول اللہ علی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تمام قوت فتح ممالک اور امت اسلام میں صرف کی، اسی بہ کرم کے بعد جو مسل ہوئی اس نے کچھ کچھ علومِ دینیہ کی جانب توجہ کی، لیکن اس میں کبھی بہت کچھ قوت فتح ممالک و سرسرا اسلام ہی پر صرف ہوئی تاکہ مسلمانوں میں اندرونی فتنہ و فساد کی گت بھرنے اور وہ خانہ جنگیوں میں مصروف ہو کر کشور کشائی، درعلی مش غل دونوں سے بگ ہو گئے۔

یہ خانہ جنگی ختم ہوئی اور اسلامی حکومت کو یکسوئی حاصل ہو گئی تو فتوحات کا سیلاب پھر اُٹھا اور اس مرتبہ اسلامی فتوحات کے سیلاب کی بہری دنیا کے بہت دور دراز ممالک تک پہنچ گئیں، مسلمانوں کو عظیم شان اور نمایاں فتوحیں حاصل ہوئیں خصوصاً منہجہ میں دولتِ ہندی، امیہ کے زور کے بعد وہ مشرق میں بممالکِ شام و فارس کی جانب دریائے سندھ اور پامپ کے قزوقین تک در مغرب میں تمام شمالی افریقہ اور جزیرہ نما اندلس کے بہت بڑے حصہ کو اپنے زیرِ پرچم کر چکے تھے اور ملکِ فرانس پر حملہ آور ہو کر اسے پامال اور مسخر کر لینے کی دھمکی دے رہے تھے، مگر فرانس کے حکمران چارلس مارٹل نے قیامِ زور کے میدانِ علاقہ میں خلیفہ عبد الرحمن الاموی تاجدار اندلس کے لشکر کو شکستِ فاش دی اور کچھ س طرح غارت کر ڈالا کہ باریک گیر مسلمانوں کو فرانس پر فوج کشی کی جرات نہ ہو سکی۔ اس کے بعد مسلمانوں کو مزید کنسورکشنالی سے استغناء پیدا ہو گیا۔ اور تیغ و سنان کی بازی سے متبرک ہو کر ابیں قلم و کاغذ کا کھیل مرغوب ہو چلا۔ حامیِ علم و فن و رہبرِ دین و صاحبِ دین پیروں میں عام طور پر مسلمانوں کے ہر طبقہ میں علمی منافست و مسابقت کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب امتِ فدا ہو گئی اور اُٹمِ مشرقیہ بلکہ تمام اسلامی ممالک میں عربی مصنفات و مؤلفات بہت شہرت پائی، انھیں مسعفات کے بڑے حصے سے جو آج تک موجود ہے۔ عربی لٹریچر مرکب ہے ورنہ ذخیرہ بلد و ب یغیا دنیا کے مشہور و وسیع ترین علوم و دنیا میں اہل ہر

تاریخِ تفسیریہ

اس تہذیبی معدن میں نین باتیں مزید وسیع و اسلاف کی مستحق ہیں :-

۱۔ مدرسہ اسکندریہ کے بعد مدرسہ بغداد کی علمی حرکت :-

۲۔ بغداد کے ہبیر سدا میں سحرِ باریکوں سترلی مذہب و علم کے اپنی تمام اُتار فتح ممالک اور شعب

اسلام میں صرف کی

۳۔ عقائد کے بعد جو نفس ہوئی، اس کے کچھ علومِ دینیہ کی جانب توجہ کی

تبصرہ

۱۔ اسکندریہ کا خیال ہے کہ مدرسہ بغداد اسکندریہ کے میوزیم و راکٹ کی کے مذاہر قائم ہوا تھا، یہ خیال غلط ہے، مدرسہ بغداد اسکندریہ کے پاپا کے مذہب پر پندرہ تیس یا تھیں، بغداد عرب سی عہد میں تعمیر ہوا جو

ایرانیوں کی مدد سے برسرِ اقتدار آئے تھے، لہذا انھوں نے ہر معاملے میں بالخصوص علم و ادب کی سرپرستی میں ایرانی روایات ہی کا احیاء کیا، خاص طور پر مامون الرشید (۱۹۸-۲۱۸ھ) کی تخت نشینی تو گویا خضر دانو شیرواں کا تخت کیانی پر بازِ جلوس تھا۔ مزید تفصیل آگے آرہی ہے۔

ممکن ہے عباسیوں کی پیشرو یعنی اموی حکمران رومن روایات سے متاثر ہوئے ہوں، مگر ماتمغ شاہد ہے کہ ان کے زمانہ میں علم و ادب کی کوئی خاص سرپرستی نہیں ہوئی۔

(۲) موسیو سدیو کے اس خیال سے کہ ابتدائے عہد اسلام میں صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تمام توجہ فتوحات اور اشاعتِ اسلام پر مرکوز کر دی تھی، یہاں معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اصولی طور پر اسلام کو کسور کشائی و ملک گیری کی ایک تحریک سمجھ لیا ہے، یہ خیال بھی غلط ہے،

واقعہ یہ ہے کہ اسلام صرف ایک دینی تحریک تھی جس کا مقصد بندوں کو اپنے رب کی عبارت کی طرف ہمنائی کرنا تھا، کیوں کہ اسلامی آئیڈیالوجی کی رو سے یہی مقصد تخلیق ہے۔ اور اسی مقصد کے تحقق کے لئے بدعتِ فریض سے نبی آخر الزماں کے زمانہ تک نبیاء و رسل مبعوث ہوتے رہے تھے۔

اس اصولی تعلیم کا منطقی نتیجہ انسانیت کی عظمت اور انبِ نون کی مسارات تھا، مگر خود غرض افراد نے اقتصادی و سنبھرد اور اپنے ابناء جنس کی کاڑھے پسینے کی کمائی یہ سمیت میں کھانے کے لئے اس بنیادی حقیقت کو انسانی ذہن سے فراموش کرنے کے لئے نت نئی آئیڈیالوجیاں تراش لی تھیں، لہذا جب اسلام مبعوث ہوا تو اربابِ اقتدار، درہندگانِ ہوس کو اس بنیادی تعلیم میں اپنی موت صاحب نظر آئی، اس لئے پہلے خود عرب اقتدار پرستوں نے اور پھر عرب کے ہمسایہ جبابرہ روزگار نے بزورِ شمشیر اس انقلابی تحریک کو دبانے کی کوشش کی، اسلام جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، امن و آشتی کا پیغام تھا، مگر انجام کار اسی امن و آشتی کے تحفظ کے لئے بُتے بفرجائے آئیہ کریمہ و نورِ دفعہ اللہ نے یہ غصہ بھری آوازیں بلند کیں کہ "وَلَا تُقْبَلُ لَهُمْ شَہَادَاتُہُمْ" (۱) "فَہَا اسْحَرُ اللہ" شمشیر بھون پڑا۔

۱۔ سورۃ ذاریات - ۵۶ - "وَمَا حَقَّقْنَا لَہُمْ وَرَیْسًا لِّیَعْمَلَ دُونَا"

۲۔ سورۃ انبیاء - ۲۵ - "وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِہِ مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا قَدْ جَاءَہُ الْوَحْیُ قُلْ لَا إِلَہَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَہُ لَا شَہَادَہُ لَہُ"

یہ حقیقت تھی اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے "فتح ممالک" پر اپنی توجہ مرکوز کرنے کی، اور اگر ان کی جانب سے بد رویا برسرِ ملک یا قادیسیہ کہیں بھی تباہ کن دستی کا اظہار ہوتا تو خدا ہی جانے تاریخِ عالم کے دھارے کا کیا رخ ہوتا۔

(۳) موشیوس دیونے لکھا ہے:

"صحابہ کرام کے بعد جنسل ہوئی اُس نے کچھ کچھ علوم ادبیہ کی جانب توجہ کی"

اس باب میں چند چیزیں قابلِ غور ہیں:-

(۱) جس سرسبزت کے ساتھ اسلام نے علمی و ثقافتی ترقی کی، اس کی نظیر تاریخ میں ڈھونڈے نہیں ملے گی، اسلام ایسے ملک میں مبعوث ہوا جو جہالت کا مصداق تھا اور جسے علم پر نہیں بلکہ "جہن" پر فخر تھا، ایک جہاں شاعر کہتا ہے:۔

أَلَا يَجْهَلُونَ أَحَدٌ عَسِيْرٌ . فَجَهِلَ قَوْمٌ حَتَّى هَلَّ الْهَيْبَةُ

(ب) جنتِ اسدِام کے دفن پورے ملک عرب میں سترہ آدمی لکھ پڑے جانتے تھے، مگر یہ اسدِام کا دنی کرشمہ ہے کہ اُس نے نیم متمدن حتی دروں پڑھ فزوں کو قلیل مدت میں آئن صاحبِ علم و نفس بنا دیا کہ وہ آج کی تمدن دنیا کے است و قرار پائے، مگر، رزخ کے، اس عجوبہ میں غارتی، سباب کا کوئی دخل نہیں ہے یہ اسدِام کی داخلی تعلیم کا منطقی نتیجہ تھا، چنانچہ نزدِ قرآن کا عربی "اقرء" کے اجمالی امر ہے:-

اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ

اس کے ساتھ اسدِام نے اپنے منجیب کو حکم دیا کہ وہ اپنی علمی زندگی میں "لکھنے" سے کام میں:-

"لَا يُلَاحِظُونَ كَتَبُوا إِذَا ذُكِرَ بِهِنَّ يَأْتِيهِمْ رِجَالٌ يَلْعَنُونَ وَيَكْتُمُونَ شَكَّكَ كَاتِبٌ بِغَدَبٍ

یہ یہ مومن و کاتب و خواہد مسد یوں کا یہ دی فریڈ بن کن جس میں مرد و عورت شریعت و دین و مہر

و غریب کا کوئی امتیاز نہ تھا۔

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم تحریر و کتابت کے ساتھ خواہ تمام فرماتے تھے اُس کا اندرہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ جنگِ بدر میں جو فزوں گرفتار ہوئے اور ان میں جو لوگ زبردنیہ ادا کرنے سے قاصر تھے، آپ نے حکم دیا کہ

ہر ایسا نادار قیدی مدینہ منورہ کے دس بچوں کو زہشت و خوف سکھا دے، یہی اس کا زیرِ فدیہ ہے۔

(ج) پھر اسلام نے ”علم“ کے ساتھ جو غیر معمولی اہتمام و اعتنا کرتا، اُس کی مثال دنیا کا کوئی سماج پیش نہیں کر سکتا، اس نے مادی نعمتوں کے بجائے علم و حکمت کو زندگی کی ”قدرِ اعلیٰ“ (خیرِ کثیر) قرار دیا۔
 ”وَمَنْ يُّؤْتِ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا“

لہذا اس نے نزولِ قرآن کے افتتاح کے دن ہی انسان پر عبودِ برحق کی سب سے بڑی نعمت یہ بتائی کہ اُس نے اس نادان کو دانائی سکھائی ہے۔

”إِنَّمَا نَزَّلْنَا الذِّكْرَ بِالْعَرَبِ لَعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ“

خود پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا تبارفِ قرآن ایک معلمِ کتاب و حکمت کی حیثیت سے کرتا ہے جس کی بشتِ مومنین پر اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہے:

”نَقَّضَ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ دُعَاتٍ فِيهِمْ رَسُولَاتٌ، نَفْسُهُمْ يَتَوَعَّلُهُمْ أَيَّامُهُ وَتُرْكِيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ مِنْ سَوَادٍ مُبِينٍ“

اور اس معلمِ کتاب و حکمت نے اپنے جہاںِ نثاروں کی بجائے بطورِ پیرا مور کیا کہ خود کو اُس زیورِ شایستگی سے متعلق کری جس کا نام علم ہے۔

”طلب العلم ضررہ۔ عنہ کل سہم و مسہمہ“

اس ترغیب و تہذیب کا نتیجہ تھا کہ سہم کے پردوں میں حضورِ علم کا ایک بے پناہ بے پیرا پیدا ہو گیا، درودِ قوم جس کا امتیازی وصف اس دم رہنے سے پہلے جہاں تھا، مشربِ سہم ہونے کے بعد کچھ ہی دن میں مشرق و مغرب کے علمی خزانوں کی وارث ہو گئی کیونکہ اُن کے رسول نے انہیں بتا دیا تھا کہ علم و حکمت مردِ مومن کی متاعِ گمشدہ ہے، جہاں ملے لے لے۔

”کلمۃ بحکمۃ صدائہ مؤثر ایسا وجد ہا فہو حیثہا“

اور اس کی تلاش و جستجو کے لئے، نہیں، ایجابی طور پر، مورکب تھا۔

”اطلبوا العلم ولو کان بالصین“

”من لم يعرف الهيئة والتشريح فهو جوف عن علم ہدیت اور علم تشریح الہیام نہیں جانتا وہ اللہ تعالیٰ عتین فی معرفۃ اللہ تعالیٰ“ کی معرفت کا مرد میدان نہیں ہے۔

ان دینی تعلیمات کا جو متبعین اسلام کے اہل قلب میں راسخ ہو چکی تھیں، یہی نتیجہ ہونا چاہئے تھا کہ وہ بعد از جلد مجدد علوم میں کمال حاصل کر لیں، گزشتہ فاتحین مفتوحہ ملک کے علی و خاتم کو نیست و نابود کر دیا کرتے تھے مگر مسلمانوں نے انھیں حرج بن بنایا، اپنی زبان میں ترجمہ کیا اور پھر اپنے شوق بے پایاں سے اُس میں چار چاند لگاؤ۔ (۵) اسلام نے جس تیزی سے علمی و ثقافتی ترقی کی اُس کی نظیر دھونڈے سے بھی نہیں ملے گی، آج قرنِ اول کے مسلمانوں کے علمی شوق کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔

۶۲۲ء میں پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ منورہ پہنچے ہیں اور اسلامی ریاست کی بنیاد ڈالتے ہیں، اس کے بعد کے گیارہ سال خارجی قوتوں سے جو عدم کوٹنے کے لئے سرحدوں کی بازی لگائی تھیں، نبرد آزمائی میں گزرتے ہیں، عرب اقتدار پرستوں سے فرصت ملتی ہے تو پتہ چلا ہے کہ رومن نبیتر اسلام کی بیخ کنی کے لئے یروشلم میں فوجیں جمع کر رہا ہے، اسی عرصہ میں پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کے جاتے ہیں۔ ۶۳۳ء (مطابق ۱۱ھ) میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کے جانشین ہوتے ہیں جنھیں باہر کے رومی حملے کے علاوہ داخلی طور پر منکرینِ زکوٰۃ کے فتنہ کا سامنا کرنا ہے، اس سے زیادہ خطرناک مدعیانِ نبوت کی دسیسہ کاریوں کا تدارک کرنا ہے جنھیں پوشیدہ طور پر ایران کے اربابِ غرض کی شعلہ رسی تھی، صدیقِ کبریا ان مسائل سے بڑی تیزی سے نمٹنا چاہتے ہیں کہ خود استقلال فرما جاتے ہیں اور ان کے جانشین عمر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بنتے ہیں، وہ بھی اپنے پیشرو کی پالیسی برقرار رکھتے ہیں، نیز حدودِ اسلام کے تحت ظوکارِ عرفی و روڈ پالیسی اختیار کرنے پر مجبور ہوتے ہیں کہ دس سال بعد وہ بھی شہید ہو جاتے ہیں، ان کے جانشین عثمان ذی النورین ہوتے ہیں، انھیں اپنے پیشرو کی روڈ پالیسی جاری رکھنے کے ساتھ ساتھ اُس اندرونی فتنے سے سابقہ ہوتا ہے جو یزید و شمشیرِ اسلام کو مٹانے سے یا دوس ہو کر اندرونی طور پر اُس میں فتنے پھیلانے کی کوششیں سرورم تھا، اس کے بعد باب کی کوششیں بارہ سال بعد وہ بھی شہید ہوتے ہیں اور علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اُن کے جانشین ہوتے ہیں، لیکن جو فتنہ شہر کا تھا وہ آسانی سے فرو ہونے والا تھا : پہلے جنگِ تبوک، پھر جنگِ تبوک، پھر تکبیر کا مسند آیا جس کے

نہیجہ میں خوارج کا فرقہ ظہور میں آیا۔ اور ان کے صدق کے سبب ہناؤ کی لڑائی ہوئی، مگر سب بے سود اور ناجی مکار
پانچ سال بعد (۱۸۸۵ء) خدفتِ سلام کا سربرد، ایک خارجی کی عوار سے شہید ہو جاتا ہے۔
یہ چالیس سال کی مدت ہے جو قوموں کی زندگیوں کی کوئی حیثیت نہیں رکھتی، وحشی، اقوام کو بربریت سے
نکلنے کے لئے تدبیریں درکار ہوتی ہیں، عرب کے نیم متمدن بدو چالیس سال میں کیا کر سکتے تھے، مگر اسلام کا کرشمہ
ہے اور اس کی دینی تعلیم کا نتیجہ کہ اس قلیل مدت میں جس کا بیشتر حصہ بیرونی قوموں سے نبرد آزمائی اور داخلی فتنوں
کی سرکوبی میں گزرا ایسے لوگوں نے جو تحریروں سے بھی نا آشنا تھے، حصولِ علم کی جانب غیر معمولی سرعت
سے قدم اٹھائے۔

عرب بعثت، مہماتِ بہتہ کتب و تفہیم در متون کی مشیت بھی یہی تھی کہ اس ملک میں
سب سے پہلی کتاب جو مدون ہو وہ اللہ کی کتاب (قرآن کریم) ہو، چنانچہ سید صدیقی میں حضرت عمرؓ کے
اصرار سے زید بن ثابتؓ کے ہمت میں دس حکیم جمع ہوئے۔

اس کے بعد شیعہ رجحان کے یروانہ نے اپنے دی رہنما کے قول و اعمال کو جمع کیا، حدیث رسولؐ کے
ان قدیم مجموعوں میں حضرت علیؓ سے بنی عباس کے سید محمد بن عباس، انس بن مالک، ابو ہریرہؓ اور
عبداللہ بن عمرو بن مسعود رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بروئے زیادہ مشہور ہیں، اس طرح تمام حدیث کی میڈیکل
نوشت و خواندہ بے بہرہ ہوئے کہ یہ عرب تمام عرب سے بھی زیادہ واقف نہ تھے، حتیٰ کہ کئی
لغت میں ہزر "الف" سے زیادہ کو کوبہ ہوئے، مگر خط و کتابت کے رد میں حبیب، بغیثت کے دربار میں
دولت آنے لگی تو اس کے لئے بیت المال تو بڑا بڑا ہفت الماں میں روپیہ رکھنے اور تقسیم کرنیکے لئے مسابانی
کی ضرورت تھی، پھر تجارتی لین دین بھی بڑھ گیا، ہر گز کے میں ٹریڈی بڑی قوم اور نزدیک و دور کے محکمات و ذرائع
و شمار چھوڑنے گئے، جس کی وجہ سے ان سخی کے پیسہ دس سال پیدا ہونے لگے، ان کے حل کے سلسلے میں
علم الحساب، کوئی بھی ترقی نہ ہوئی۔

بعثتِ مہماتِ بہتہ کتب و تفہیم در متون کی مشیت پر عمل بھی، عبداللہ بن عمرؓ میں زرعی معیشت
کو بھی ہمیت حاصل ہوئی، سب سے پہلے ان کے ہاں پودہ لگایا گیا، جسے آپ نے مفتوحین ہی کے قبضے میں خراج پر چھوڑ دیا۔

تشخیصِ خراج کے لئے اُس کی پیاسٹ کی گئی، یہ کام حضرت عثمان بن عفیف نے انجام دیا، اس طرح مسافت اور ہندسہ کی ابتدا ہوئی۔

عہدِ عثمانی میں جب مختلف ممالک کے لوگ دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے تو ان کے مختلف ایچوں کی وجہ سے قرآن کی قرات میں اختلاف پیدا ہونیکا اندیشہ ہونے لگا، اسلئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مصحفِ شریف کی کاپیاں لکھ کر مختلف ممالک میں بھیج دیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ اسلام کی تاریخ میں علم و حکمت کے مظہر اور انا مدیبتہ العلم و علی ثابھا کے مصداق سمجھے جاتے ہیں، اکثر مسائلِ علمیہ کا حل آپ کی خدا داد ذہانت سے منسوب ہے، مگر سب سے بڑا قابلِ فخر کارنامہ تحوکی ایجاد ہے آپ ہی کے اہماء سے ابوالاسود دؤلی نے اس فن کو مدون کیا، تاریخ شاہد ہے کہ کسی اور قوم نے اتنی جلدی اپنی زبان کی گرامر مدون نہیں کی۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ شہادت کے بعد حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سیفِ ہوگئے، مگر چھ مہینے بعد امیرِ معاویہ کے حق میں خلافت سے دستبردار ہو گئے، بیژدادیہ (۵۷۰ء) عرب کے دہاۃ اربعہ میں محسوب کئے جاتے ہیں، اسی سیاسی تدبیر کے نقاضوں کی تکمیل کے لئے وہ خود کو سلاطینِ عہدِ صفی کی سیرت و سیاست سے باخبر رکھنے کی کوشش کرتے تھے، اس غرض سے انھوں نے یمن سے عبید بن شریہ کو بلا کر تاریخِ قدیم پر کتابیں لکھوائیں جن میں سے دوسرے ہیں کتاب الامثال اور کتاب الملوک و اخبار الامم، اس طرح اسلام میں تاریخ کے فن کا آغاز ہوا، اُس زمانہ کے دوسرے مشہور ماہرینِ اخبار و انساب و غفل بن خثلمہ و سیاح العبدی ابن الکوا و غیرہ ہیں۔

ان لوگوں کے اتباع میں تاریخ کے فن کو ترقی ہوئی اور کچھ ہی عرصہ میں اشخاص کے علاوہ افکار و ارا بھی تاریخی تدوین کا موضوع بن گئے چنانچہ ابن النذیم نے اصل بن عطاء و الغزالی (متوفی ۳۸۵ھ) کی تصانیف میں اس قسم کی متعدد کتابوں کا ذکر کیا ہے جیسے طبقات ابن اسلم و الجہل، کتاب اصناف المرحبہ و غیرہ۔

بعض مصالح کی بنا پر شروع کے اموی حکمرانوں نے دیوانِ خراج کو غیر ملکی زبانوں میں رکھا، مغربی مذاق کے دیوانِ خراج رومی زبان میں تھا و مشرقی ممالک کا فارسی میں، لیکن عبدالملک بن مروان (۶۶-۸۰ھ) کے عہد میں دونوں جگہ دیوانِ عربی زبان میں منتقل ہوئے یعنی مسلسل نوں کی سعی و اعتناء سے عربی زبان اتنی جلد اس قدر ہو گئی

کہ خراج کے پیچیدہ حسابات بھی اس میں رکھے جاسکیں۔

عبدالملک ہی کے عہد میں خالد بن یزید بن معاویہ کو حصوں بخرت سے مایوس ہونے کے بعد کیمیا کا شوق
واس گیر ہوا اور اُس نے یونانی و قبطی زبانوں سے کیمیا، نجوم اور طب کی کتابیں عربی میں ترجمہ کرائیں، ابن الندیم لکھتا ہے:
”الذی عنی یا خرواح کتب القداماء فی الصنعة جس شخص نے فن کیمیا کے اور متقدمین کی کتابوں کو شائع کرنے

خالد بن یزید بن معاویہ..... وہاں اول کے ساتھ توجہ کی وہ خالد بن یزید بن معاویہ ہے..... وہ پہلا
من ترجمہ لہ کتب الطب والنجوم و کتب الکیمیاء“ شخص ہے جس کے واسطے طب، نجوم اور کیمیا کی کتابیں ترجمہ کی گئیں۔

یہ پہلا موقع تھا کہ غیر زبانوں سے عربی میں ترجمہ کا کام شروع ہوا، کچھ دن بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز
رضی اللہ عنہ (۹۹-۱۰۱ھ) نے ماسرجوہ طیب سے اہرن النفس کی طبی کتاب کو عربی میں ترجمہ کرایا۔

ہشام بن عبدالملک (۱۰۵-۱۲۵ھ) کے کاتب سعد بن ابی اسحاق نے ارسطو کے اُن رسائل کا
عربی میں ترجمہ کیا جو اُس نے سکندر کو لکھے تھے۔

کی زبان میں نجوم کے ساتھ مسلمانوں کا اعتنا بڑھنے لگا، اس لیے بیت کی زوہمت، خزان کی نقلی مگر نجوم رجوش
کی ممانعت کی گئی، لیکن نجوم کا ذکر عبدالملک اور حجاج کے زمانہ میں سننے میں آتا ہے، غالباً یہ اندر ہی اندر مقبولیت حاصل
کر رہا تھا، چنانچہ ولید بن یزید (۱۲۵-۱۲۶ھ) اس کا شروع تھا، اور اُس نے دو منجھوں سے اپنا زائچہ بنوایا
تھا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ولید ثانی کے زمانہ تک نجوم عربی ادب میں بھی طرح متعارف ہو چکا تھا اور اس پر
عربی میں کافی کتابیں لکھی جانے لگی تھیں، چنانچہ نجوم کی ایک کتاب کا غوطہ جس کا سن کر بہت شگفتہ ہے حسب تصریح
تلمینو میلان کی لائبریری میں موجود ہے۔

یہ ایک اجمالی خاکہ ہے عرب کے نیم مقدم بدوں کی علمی کوششوں کا جنہوں نے، سلام کی برکت سے اسے نیل
عرصہ میں اتنی ترقی کرنی کہ تازہ عالم اُس کی مثال پتیریں برسنی۔

اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغم کی صداقت کو سمجھنے کے لئے اپنے اندر زکی یہ بالکل جدید
رہنمائے قرآن کتاب ہے جو جس طور پر غیر مسلم یورپین اور انگریزی تعلیم یافتہ، صحابہ کبار نے لکھی گئی ہو، جدید یورپین۔

قیمت ایک روپیہ، طبع کاپیہ، مکتبہ بھارت اردو بازار جمالیہ مستجد چھپے۔

دیباغہ کے مشاہدات و تاثرات

(۶)

سید احمد اکبر آبادی

سلسلے یکے دیکھتے برہان مارچ ۱۹۶۳ء

انسٹیٹیوٹ میں اساتذہ مختلف قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جن کا ادارہ سے مستقل تعلق ہے، اور دوسرے وہ جو کسی معین مدت کے لئے کسی خاص مضمون پر لکچر دینے کے لئے بلائے جاتے ہیں، ان حضرات کی مدت قیام تعلق مختلف ہوتی ہے، کوئی برس دو برس یا پانچ برس کے لئے اور کوئی چھ مہینہ یا تین مہینہ یعنی دو ٹرم یا ایک ٹرم کے لئے میرے زمانہ قیام میں ایک ٹرم کے لئے یہ دو صاحب آئے تھے، ایک ڈاکٹر اسحاق موسیٰ حسینی اور دوسرے ڈاکٹر ٹی۔ ایزٹسو (DR. T. IZUTSU)

ڈاکٹر حسینی اصلاً فلسطینی اور مشہور مفتی، عظیم فلسفین سید امین حسینی کے بھانجے یا بھتیجے ہیں، اسرائیلی حکومت کے قیام کے باعث فلسطین میں انقلاب پیدا ہوا اور اتحاد عرب تحریک کے علمبرداروں کی داغ بیل شروع ہوئی تو یہ راتوں رات وطن کو خیر آباد کہہ کر ہرے تھے، دراب آج کل وہاں امریکن یونیورسٹی میں عربی زبان و ادب کے پروفیسر ہیں اور معہدہ الدراسات الاسلامیہ (INSTITUTE OF ISLAMIC STUDIES) سے بھی تعلق رکھتے ہیں، مختلف علمی و لغوی انجمنوں اور اداروں کے سرگرم ممبر ہیں۔ قاہرہ کی اسلامی کانگریس کی روداد اور مطبوعہ برہان اپریل ۱۹۶۳ء) اٹھ کر ملاحظہ فرمائیے، اس کی ایک نشست میں "نظام الحسبۃ فی الاسلام" کے عنوان سے ایک بلند پایہ مقالہ انجمنوں نے ہی پڑھا تھا۔ عربی زبان، ادب، جمیع دینیات غرض کہ مختلف

مباحث و موضوعات پر ان کی کتابیں ہیں، لندن یونیورسٹی سے فلسفہ میں ڈاکٹریٹ کی ہے، عربی اور انگریزی کے علاوہ فرانسیسی، جرمنی اور ترکی زبانیں بھی خوب جانتے ہیں، قدیم سامی زبانوں سے بھی واقفیت ہے، نماز پڑھتے ہیں اور رمضان آیا تو روزے بھی رکھے، عرب قومیت کی تحریک کے حامیوں میں سے ہیں اور اس موضوع پر انھوں نے بہت کچھ لکھا بھی ہے، مجھ کو ان کی یہ تحریریں پڑھنے کا اتفاق نہیں ہوا، لیکن متعدد بار میں نے ان سے اس موضوع پر گفتگو کی تو میں نے ظہر حسین، ریحانی اور بعض دوسرے لوگوں کی طرح زیادہ عالی نہیں پایا۔ وہ عام اسلامی اخوت کی اہمیت و برتری کے قائل اور معترف ہیں، ایک بار میں نے کھل کو گفتگو کی کہ زبان ایک ہی لیکن عرب کے مسلمانوں اور غیر مسلمانوں کی تاریخ اور کچھ ایک کہیں میں؟ تاریخ کے جو حصے مسلمان عربوں کے لئے قابلِ فخر ہیں وہ عرب عیسائیوں اور یہودیوں کے لئے سرمایہٴ رگ و مار ہیں، اسی طرح اسلامی پھر میں جو چیزیں منکرات و فواحش میں داخل ہیں ان سے بعض حبیب یوں اور یہودیوں کے پھر میں نہ جاتے نہیں، پس اگر متحدہ قومیت کی بنیاد یہی چیزیں ہیں تو یہ بنیاد بڑی کھوکھی اور ناپائیدار ہے، عرب عرب ملی اور وطنی معاملات میں سب یک ہیں اور مذہب یا نسل کی بنا پر ان میں کوئی امتیاز نہیں، اگر عرب قومیت کا مفہوم درخت یہی ہے تو۔ میں نے کہا۔

اس میں کوئی مضائقہ نہیں بلکہ ملک کے استحکام کے لئے بہت ضروری ہے لیکن اگر عرب قومیت کا مطلب یہ ہے کہ پہلے مشرق اور مغرب میں خط امتیاز کھینچ کر مغرب کے خدات و خفیات کے جذبات بھارے جائیں اور پھر خود مشرق میں عربوں کو بنا اختلافِ مذہب و ملت دنیا کی سب سے بہتر قوم قرار دیا جائے، جس نے یہودیت، عیسائیت اور اسلام ان نیز مذہب کی خاطر جو وہ حفاظت کی اور ان کو ترقی دی اور اس کے برخلاف وہ مغربی گروہ ہو یا غیر عرب مسلمان ان سب نے علی الترتیب عیسائیت اور اسلام کو مسخ کیا ہے، تو یہ بات، سلام کی تعلیمات اور اس کی روح کے خلاف ہے، تاریخی حقائق کے بھی خلاف ہے اور سیاسی اعتبار سے بھی عربوں کے لئے مفید نہیں بلکہ مضر و مہلکت، نیز ہے، ڈاکٹر سی ق موٹی کمپنی نے میری اس تقریر کو بڑی خاموشی اور سہر و سکون سے سنا اور بولے ”یہ عرب قومیت کا مسئلہ ہے واقعی بڑا زک ہے!، اسی وجہ سے اب حکومت مصر نے اس موضوع پر کھینے کھینے، ورجٹ و گفتگو کرنے کو ممنوع قرار دے دیا ہے، اس کے علاوہ عالمگیر اخوت اسلامی کا پرچار بھی وہاں جس زور و شور سے ہو رہا ہے وہ کسی سلامی ملک میں نہیں ہے“

بہر حال ڈاکٹر انجینیئری متحدہ عرب قومیت کے معتدل افکار غلبہ داروں میں سے ہیں، جمعہ کی نئی زانسٹیوٹ میں ہی ہوتی تھی شہر کے بعض حضرات کے علاوہ یونیورسٹی کے مسلمان ساتھ اور طلباء شریک ہوتے تھے، امامت باری باری سے مختلف اصحاب کرتے تھے، ایک مصری مسلمان طالب علم ہمارے، انسٹیوٹ میں تھا۔ میں نے اس کو کسی جمعہ میں شریک نماز نہیں دیکھا، کسی نے اس سے وجہ پوچھی تو کہا میں ایک عرب ہوں، غیر عرب کی امامت میں نماز کیسے پڑھ سکتا ہوں۔ لیکن جب سے (جنوری ۱۹۶۷ء) ڈاکٹر انجینیئری آئے تھے وہ خود بھی جمعہ کی نماز میں شریک ہوتے تھے اور یہ مصری طالب علم بھی آنے لگا تھا، رمضان میں ہفتہ میں اتوار کے دن تو لازمی طور پر کبھی دو تین مرتبہ بھی ہم لوگ افطار کے وقت کسی نہ کسی کے مکان پر جمع ہوتے تھے یہیں کھانا کتے اور تراویح بھی پڑھتے تھے اس سے فراغت کے بعد گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ کی مجلس در ہوتی تھی، کبھی تو یہ مجلس محض تفریحی اور ادبی ہوتی تھی، اور کبھی اس کا مقصد جدید اسلامی مسائل و معاملات پر گفتگو کرنا ہوتا تھا، ایک مرتبہ اسی طرح کی ایک مجلس منعقد تھی، چند نوجوانوں نے سود کے متعلق سوال کرتے ہوئے کہا کہ موجودہ زمانہ میں سودی کاروبار کے بغیر کوئی حکومت چل ہی نہیں سکتی، اس سے اسلام کی تعلیم پر ان حالات میں کیوں کر عمل ہو سکتا ہے؟ ڈاکٹر انجینیئری نے یہ سنا تو بگڑ گئے اور بولے "یہ روس اور چین کی حکومتیں بغیر سودی کاروبار کے اس درجہ ترقی یافتہ کیسے ہو گئیں؟ آپ کہیں گے کہ قومیا نے

(NATIONALISATION) کی پالیسی پر عمل کرنے سے! تو میں کہوں گا کہ تو میانہ خود اسلام کی تعلیم ہے اور سب سے پہلے حضرت عمرؓ نے اس پالیسی پر عمل کیا تھا۔ میں نے عربوں میں یہ کہہ کر اور ان کے ممالک میں گھوم پھر کر یہ محسوس کیا ہے کہ وہ ظاہری اعمال و افعال کے لحاظ سے کیسے ہی مغرب زدہ اور آزدنش ہوں، اسلامی غیرت و حمیت میں کسی سے کم نہیں، کسی عرب مسلمان کے لئے مرد ہو یا عورت، جوان یا بوڑھا، ناممکن ہے کہ اسلام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کسی سے گستاخی کا کوئی لفظ سن سکے، یہی وصف ڈاکٹر انجینیئری میں بھی تھا، بڑے جہاں ٹیڈہ و وسیع النظر بھی تھے۔ انسٹیوٹ میں موصوف کا کام کیا تھا؟ مجھ کو وہ فتح طور پر معلوم نہیں ہو سکا، کیونکہ انھوں نے باقی عہد کوئی کلاس نہیں لی، کسی سیمینار کی سربراہی نہیں کی، کسی ریسرچ کے گراں نہیں ہوئے، البتہ ایک مصری طالب علم جس کا ذکر ادب پر چکا ہے، وہ فرسٹ ٹرم کے امتحان کے عربی کے پرچہ میں کام رہ گیا تھا اسکو عربی پڑھاتے تھے، اس کے علاوہ ڈاکٹر چارلس آدم جو عربی کی کلاس لیتے تھے جس میں دو لڑکیاں تھیں ڈاکٹر انجینیئری

بھی اُن کے ساتھ شریک درس ہوتے تھے اور، میں طرح کہ آدم جوامرکین پریٹکسٹ پڑھتے تھے، درستی تلفظ صحیح کرتے تھے۔
 ڈاکٹر زٹسو اب رہے ڈاکٹر زٹسو جن کا پورنام TOSHI HIRO 'ZUTSU ہے یہ جاپانی ہیں، اور اپنی قیادت
 قابلیت کے اعتبار سے واقعی عجیب و غریب در بڑے قابل قدر شخص ہیں، عمر ۳۵، ۴۰ سے زیادہ نہیں ہوگی
 جنوب مشرقی ایشیا کے لوگوں کی عمر کا یوں بھی صحیح پتہ نہیں چلتا چہرہ مہرہ سے جسے دیکھئے اٹھارہ بیس برس کا چھوٹا
 پا چھوٹا ہی نظر آتا ہے۔ اس بنا پر زٹسو دیکھنے میں در بھی کم عمر جی ہمارے کسی یونیورسٹی میں بی اے یا ایم اے
 کے طلب علم دکھائی دیتے ہیں، مگر ذہین و طباع، اور وسیع النظر علم بلا کے ہیں، ان کا خاص فن جس میں انہیں
 امتیاز حاصل ہے علم المعانی ہے جسے انگریزی میں SEMANTIC یا SCIENCE OF MEANING کہتے ہیں، دس بارہ زبانوں کے فاضل اور ماہر ہیں جن میں انگریزی، فرینچ، جرمنی، عبرانی، ترکی اور عربی شامل ہیں
 ان کا موضوع تحقیق جس پر انھوں نے بہت کچھ لکھا، اور لکھ رہے ہیں "قرآن کا مطالعہ علم المعانی کے نقطہ نظر سے"
 ہے، انھوں نے عربی زبان کس طرح سیکھی، اس کی داستان بھی بڑی دلچسپ در سبق، موز ہے، کہنے کہنے میں لوگو
 کے قریب دجوار کا رہنے والا ہوں، میرے وطن میں کوئی شخص ایسا نہیں تھا جس سے میں عربی پڑھ سکوں! اتفاق
 سے روس کے ایک بہت بڑے مگر جلاوطن عالم جن کا نام موسیٰ جبرائیل تھا، (نڈوپاک کے ملی اور دینی جمعے موصوفے
 خوب واقف ہیں تقسیم سے قبل دہلی آتے تھے تو جامعہ ملیہ اسلامیہ میں قیام کرتے تھے، اپنے استاد مولانا عبید اللہ
 سنہ کی طرح علم کے بحرِ ناپیدا کنار ہونے کے باوصف غضب کے درویش منہ اور قلندر صفت تھے، صفا اور
 نہایت وسیع اور حافظہ بلا کا اور دماغ بڑا روشن تھا، راقم الحروف کو ان کے ساتھ بارہا شرفِ صحبت و سکون
 حاصل ہوا ہے اور اُس زمانہ میں ان کی ذہانت و ذکاوت در غزرتِ علم و فضل کے جو حیرت انگیز مناظر تھے، کچھ
 سے دیکھے ہیں ان کو قلمبند کیا جائے تو ایک مستقل مقالہ تیار ہو جائے) جاپان میں تشریف لائے اور ڈکیو کی مسجد کے
 ایک کمرہ میں (یا کسی مکان پر) اب ٹھیک یاد نہیں رہا) قیام کیا، مجھے اطلاع ہوئی تو ان کی خدمت میں حاضر ہوا
 اور عربی پڑھنے کا شوق ظاہر کیا، علامہ نے شروع میں تو ڈال ٹوٹل کی، مگر جب دیکھا کہ میرا اشتیاق واقعی طلبِ صادق
 ہے تو انھوں نے فرمایا، تجھ میں تم کو عربی ضرور پڑھاؤں گا مگر پہلے ایک بات کا وعدہ کرو، اور وہ یہ کہ تم اپنی
 عربی کے علم کو قرآن اور اسلام پر محمول کرنے کے لئے استعمال نہیں کرو گے۔ اُس کے جواب میں جب میں نے یقین

دلایا کہ میں محض ایک طبیبِ علم ہوں اور میرا مقصد علمی نقطہ نظر سے قرآن کا مطالعہ کرنا ہے تو عدمِ مراضی ہو گئے اور اب انھوں نے عربی پڑھانی شروع کی تو اس طرح کہ چند مہینوں میں، جب تک کہ موصوف کا وہاں قیام رہا برسوں کی مسافت طے کرادی، عداوت مجھے صرف عربی نہیں پڑھاتے تھے بلکہ قرآن پر لکچر بھی دیتے رہتے تھے، اس کا اثر یہ ہوا کہ مجھ کو قرآن سے خاص شغف پیدا ہو گیا اور میں نے اُس کو اپنے مطالعہ اور تحقیق کا خاص موضوع بنانے کا فیصلہ کر لیا، علامہ صحیح معنی میں، بن بطوطہ وقت تھے، کسی ایک جگہ جم کر رہنا جانتے ہی نہیں تھے، چنانچہ چند ماہ کے بعد یہاں سے بھی روانہ ہو گئے، اب میں نے یہ کیا کر ڈیو پرتا ہرہ سے عربی کا پردگراں بڑی پابندی سے سنا تھا اور اُس کے ذریعہ اپنی عربی کا تلفظ صحیح کرتا اور اُس کی استعداد بڑھاتا تھا، جب استعداد کافی پہنچتی ہوئی تو اب میں نے عربی کے کلاسیکل لٹریچر کا از خود مطالعہ کیا، عربی کے تمام مطبوعہ دواوین پڑھ ڈالے، قرآن اور حدیث کا مطالعہ کیا اور اس سلسلہ میں تاریخ اور فلسفہ کی کتابیں بھی کھنگال ڈالیں۔

ہمارے نوجوان طلباء کو عبرت ہونی چاہئے، برسوں مدارس اور یونیورسٹیوں میں عربی پڑھتے ہیں مگر نہ عربی بول سکتے ہیں اور نہ لکھتے پر قادر ہیں، اور نہ اس زبان کے لٹریچر پر ان کی نظر ہوتی ہے، مگر یہاں جاپان کا ایک نوجوان ہے جو صرف چند مہینے ایک استاد سے ابتدائی سبق لینے کے بعد محض اپنی ذاتی کوشش اور محنت سے اُس زبان میں اس قدر اعلیٰ استعداد بہم پہنچا لیتا ہے کہ اہل زبان کے لہجہ میں (ایک حد تک) عربی بولتا ہے لکھتا ہے اور اُس کے لٹریچر پر تحقیقی نظر رکھتا ہے، پہلے آپ پڑھ آئے ہیں کہ ظفر رحمن صاحب انصاری (جو اب ڈاکٹر ہو گئے ہوں گے) مجھ سے عربی شعر بعد از اسلام پر درس لیتے تھے، لیکن ان کو عربی شاعری قبل از اسلام پر بھی درس لینا تھا اُسے انھوں نے پروفیسر ازلسو کی آمد پر اٹھا رکھا تھا چنانچہ جب وہ جنوری میں آئے تو انصاری صاحب نے ایک اور صاحب کی رفاقت میں ان سے یہ پرچہ پڑھنا شروع کر دیا، سین یہ موصوف کا صرف ضمنی کام تھا، اُن کا اصل کام وہ سیمینار تھا جو وہ ہفتہ میں ایک دن جمعہ کی نماز کے بعد دیتے تھے۔

جب کہ میں نے ابھی عرض کیا، پروفیسر ازلسو کا خاص موضوع علمِ اموی (SEYANAT CO) ہے۔ اس علم کی عمر کچھ زیادہ نہیں ہے، لیکن گذشتہ چند برسوں میں ہی جرمنی، فرینچ، وہ گریزی وغیرہ زبانوں میں اس موضوع پر کتابوں کا انبار لگ گیا ہے، پروفیسر ازلسو کے سیمینار کا موضوع تھا "قرآن کے الفاظِ علمِ اموی کے نقطہ نظر سے"

(A SEMANTICS STUDY OF QORANIC VOCOLMLARY) اس سلسلہ میں انہوں نے حسب معمول اپنے کچروں کے جدا جدا عنوانات مباحث کے ساتھ ان کے، خود منسا در کی جو فہرست کتابیں کر، کر نفیسیم کی تھی وہ دوسو تین (203) کتابوں کے نام پر مشتمل تھی، ان میں بہت کم کتابیں ہیں جو شہد سے پہلے کی ہیں ورنہ سب کے سب گزشتہ دس بارہ برس میں لکھی گئی ہیں۔ یہ فن در حقیقت لسانیات کا ہی ایک شعبہ ہے اور اس میں اصطلاح کے معانی کے فلسفہ، اس کی تاریخ، اصل تصوراتی حقیقت اور اس میں مختلف اندرونی اور بیرونی، سباب کے ماتحت جو تصوراتی (CONCEPTUAL) تغیر و تبدل ہوتا ہے، ان سب امور سے بحث ہوتی ہے، چنانچہ مذکورہ بالا سیمینار میں پروفیسر ازٹسو نے قرآن سے چند الفاظ منتخب کر لئے مثلاً دین، اللہ، رحمٰن، ملائکہ وغیرہ اور انہوں نے عہد جاہلیت کے اشعار، تاریخ اور کتب قدیمہ کے حوالوں سے بتایا کہ یہ الفاظ اسلام سے پہلے ہی مجھے جاتے اور استعمال کئے جاتے تھے، لیکن ایک خاص معنی اور مفہوم میں، پھر جب قرآن اترتا تو اگر یہ الفاظ اس میں بھی ہیں لیکن ان کے معنی مفہوم اور مصداق پہلے سے بالکل مختلف ہیں، اور اس اختلاف کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ قرآن نے انسان کو کائنات اور ذہنی کائنات کے متعلق ایک نیا دور و صبح عقیبہ اور فکر دیا ہے، جن پچھلے دین عہد جاہلیت میں اطاعت کرنے کے معنی میں مستعین ضرور ہوتا تھا لیکن اس زمانہ میں قبلہ مرکز اطاعت تھا اسلئے دین کے معنی بھی قبلہ کے دنا در رہنے کے تھے، پھر جب اسلام نے اطاعت دینوں برداری کے تمام مرکزوں کو توڑ کر صرف خدا کے واحد کو مرکز اطاعت قرار دیا تو اب قرآن کی زبان میں دین کے معنی مفہوم بھی بدل گئے اور اس کے معنی ہو گئے وہ نظم زندگی جس میں خدا، قرآن کے بیان کے مطابق مرکز اطاعت ہو، موصوف اپنے اس دعوے کو ثابت کرنے کے لئے قرآن میں جہاں کہیں دین کا لفظ یا اس کا اشتقاق مذکور ہو ہے اس کا شمار کرتے اور سیاق و سباق کی روشنی میں اس لفظ کے معنی کی تعیین و تشریح کرتے تھے۔

پروفیسر ازٹسو کی دو ضخیم کتابیں ٹوکیو یونیورسٹی کے، سلاک انسٹیٹیوٹ (جس کے ڈائریکٹر موصوف خود ہیں) کی طرف سے انگریزی زبان میں شائع ہو چکی ہیں، ایک کا موضوع ہے "قرآن کا خدائی ڈھانچہ" اور دوسری کتاب کا نام ہے، "قرآن میں خدا اور انسان" موصوف نے ان کتابوں میں بھی اسی انداز سے بحث کی ہے، دوسری کتاب تو صرف سٹمپٹ کر دیکھ سکا ہوں، مگر پہلی کتاب از اوت تا آخر لفظ لفظ پڑھی ہے،

اس کا موضوع بحث یہ ہے کہ ایمان، صبر و شکر، صبر و رضا، توکل، صدق و غیرہ وغیرہ اور ان کے بالمقابل کفر و شرک، ظلم و عدوان، تقدی، شج، کذب و افترا وغیرہ یہ سب الفاظ عہد جا بیت کے برصاف قرآن میں کن معان میں مستعمل ہوئے ہیں، نیز ان میں سے ایک لفظ کا دوسرے لفظ کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ بحث بڑی عالمانہ اور بصیرت افروز ہے، اس کو پڑھ کر قرآن کی مصطلحات پر دیدہ و رانہ کیجی نئی نظر ہو جاتی ہے، انداز گفتگو خالص علمی ہے۔

کتاب پڑھ کر پتہ نہیں چلتا کہ اس کا مصنف مسلم ہے یا غیر مسلم؛ اگرچہ بعض مقامات پر اسلام کی کسی خاص تعلیم کی تشریح میں لب و لہجہ پُر زور طریقہ پر ماحانہ بھی ہو گیا ہے، پوری کتاب میں صرف ایک مقام پر جہاں نظر ٹھٹکی ہے اور یہ وہ مقام ہے جہاں لفظ خشیت کے معنی کی تحقیق اور ایمان کے ساتھ اس کے تعلق پر گفتگو کے ذیل میں انھوں نے حضرت زینب کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کا واقعہ مختصراً لکھا ہے، پروفیسر زٹو کی کتابیں پڑھ کر دوران سے گفتگو کر کے مجھے بار بار یہ محسوس ہوا ہے کہ جو غیر مسلم اسلامی علوم و فنون کا مطالعہ کر لیتے ہیں وہ خواہ قصداً یا بلا قصد کے ادھر ادھر دوچار ریوارک اپنی تحریروں میں ایسے کر جاتے ہوں جو مسلموں کے کسی ایک فرقہ کے لئے یا سب ہی مسلمانوں کے لئے ناقابل قبول ہوں لیکن اسلامی علوم و فنون میں مشغول رہتے ہوئے ان پر بھی یہ اثر ضرور ہوتا ہے کہ ان میں مذہبی جوہر باقی نہیں رہتا اور نظر میں وسعت پیدا ہو جاتی ہے۔

پروفیسر ازٹو کے سیمینار میں اور ساتھ و طلباء کے ساتھ پروفیسر سمیت، ڈاکٹر الحسینی اور میں ہم جنوبی شریک ہوتے تھے، پھر جب بحث شروع ہوتی تھی تو اس میں ہم تہوں ہی (طلباء کو مستثنیٰ کر کے) زیادہ حصہ لیتے تھے، پروفیسر ازٹو کا لکچر لکھا اور ٹائپ کیا ہوا ہوتا تھا، بحث میں بعض وقت تلخی بھی پیدا ہو جاتی تھی، موصوف کے علم و فضل میں شبہ نہیں، لیکن ان کے سر نظر یہ خیال و استدلال پر متفق ہونا ضروری نہیں، ڈاکٹر الحسینی اور پروفیسر ازٹو دونوں اپنی بیویوں کے ساتھ تھے اور ایک ایک مکان (APARTMENT) میں

سکھ رہے تھے، دونوں کی بیویاں حسن و جمال کی نئے سے سیکڑوں میں ایک ہونے کے علاوہ اعلیٰ نسیم یافتہ، بڑی شائستہ مہذب اور نہایت سگفتہ مزاج و خوش طبع تھیں، اپنی دینی زندگیوں کے علاوہ نگرانی جرنی اور فریج میں بھی خوب بے تکلف گفتگو کر سکتی تھیں، مسٹر زٹو تو باپ کی زبان کی مشہور ادیب اور ناول نگار بھی ہیں اور بتک کہ کئی کتابیں شائع کر چکی ہیں، آل و لد کوئی ہے نہیں اس لئے میاں بیوی دونوں خوب مل جل کر رہتے ہیں،

بیویاں مجھے بھائی اور میں انہیں بہن کہتا تھا اور حسینی اور از لسو بھی مجھے کوئی پیغام پہنچاتے تھے تو یہ کہہ کر کہ
 ”تمہاری بہن یہ کہہ رہی تھیں“ اس سلسلہ میں ایک دل چسپ بات اور سن لیجئے، ممکن ہے۔ ”من مکرم شہاذ رکنید“
 کے مطابق اس سے کسی کو فائدہ پہنچ جائے، ہاں! تو ہوا یہ کہ پہلی اور دوسری مرتبہ حسینی اور از لسو نے مجھے ڈنر
 پر بلایا تو آپ جانتے ہی ہیں ہمارے انڈیا پاک میں کہیں یہ رسم نہیں ہے کہ مہمان دوست میرمان کے ہاں کھانا
 کھانے جاتے تو کوئی تحفہ بھی لے کر جائے، اس بند پر میں بھی ان دونوں دفعہ کوئی تحفہ لے کر نہیں گیا، لیکن میری شرمندگی
 کی کوئی حد نہیں رہی جب کہ میں نے ان دونوں کو ایک ساتھ اپنے ہوٹل میں ڈنر مدعو کیا اور مسز حسینی اور مسز از لسو
 دونوں الگ الگ میرے سے میری پسند کے تحفے لے کر آئیں۔ اس وقت تو میں سٹ پٹاکے رد گیا، پوچھتا کیا؟
 بعد میں دوسرے احباب سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ ضروری تو نہیں ہے، البتہ اسلی درجہ کی بات یہی سمجھی جاتی
 ہے کہ کسی دوست کے ہاں کھانا کھانے جاؤ تو کوئی تحفہ ضرور لیتے جاؤ!

ایک جاپانی خیملی کے ساتھ میرا علم بھر میں یہ پہلا تعلق تھا اور ”شریہ ہے کہ اگر سب جاپانی مرد اور
 عورتیں ایسے ہی ہوتے ہیں تو کوئی شبہ نہیں کہ جاپانی قوم ایشیا کی ایک بڑی زندہ دل خوش مزاج اور مہذب
 و شائستہ قوم ہے۔“

دو جاپانیوں کے ساتھ ملنے ملنے کا زندگی میں یہ پہلا اتفاق تھا، اور یہ بڑا خوشگوار ثابت ہوا، اب ذکر
 آگیا ہے تو یہ اور سن لیجئے کہ اس کے بعد، ایک تیسرے جاپانی سے ملے اور دوستانہ طور پر گفتگو کرنے کا اتفاق
 گذشتہ مہینے میں اسد می کانگریس کے موقع پر قاہرہ میں ہوا، یہ اتفاق بھی یہاں مسرت نگہداشت ہوا کہ
 اب تک دل پر اس کا اثر ہے، یہ سب مسٹر عبد الباقی سے جو کہ مسٹر میں جاپان کے نامزد تھے، بڑے
 ہنس مکھ، مائع و قابل اور ساتھ ہی نہ زکے باجہ پختہ مسلمان تھے، یہ دو بیویوں پر مشتمل، مشہور میں قدیم
 تاریخ کے پروفیسر ہیں، بھی چار برس ہوئے کہ مسلمان ہوئے ہیں، میں نے وجہ پوچھی تو بتایا کہ ہماری
 یونیورسٹی میں چند پاکستانی مسلمان آج یا کرتے تھے، جس سے ان لوگوں کے اخلاق حسن معاملہ، ضبط نفس
 نماز کی برصاوت میں پابندی دیکھی اور کئی مرتبہ ان کے ساتھ میں سفر کرنے کا موقع ہو میں نے دیکھا کہ
 یہ لوگ خود تکلیف اٹھاتے ہیں اور دوسرے مسلمانوں کو سب پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں، سفر میں کوئی

شور و غل نہیں مچاتے، بڑے سنجیدہ اور شائستہ بنے رہتے ہیں، ان سب باتوں کا میرے اوپر بڑا اثر ہوا، اور میں نے ان سے اسلام کی نسبت سوادت کرنے شروع کر دیئے اور ان کی سفارش پر کچھ کتب میں خود بھی پڑھیں، آخر مجھے یقین ہو گیا کہ اسلام دین حق اور دین نصرت ہے اور میں نے اسے قبول کر لیا۔

اسی سلسلہ میں ایک دن بھوں نے سٹاکہ جاپان میں ایک جزیرہ ہے جس کا نام نوکشیما ہے، اس جزیرہ کی آبادی سے دیکھے کل ساوا فر دہشتس ہے، ایک پاکستانی تاجرین برس سے یہاں آتے جاتے تھے، یہ اگرچہ کچھ زیادہ مکھے پڑھے نہیں تھے لیکن اپنی ٹوٹی پھوٹی بولی میں اہل جزیرہ سے سلام پر گفتگو کرتے، در اس کی تعلیمات بیاں کرتے تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ اب پورا جزیرہ ہی مسلمان ہو گیا ہے، موصوف نے یہ بھی بتایا کہ آج جاپان کی آبادی دس کروڑ ہے اور ان میں صرف ایک ہزار مسلمان ہیں، مسٹر عبدالکریم نے، ساری کانگریس میں تقریر کرتے ہوئے حکومت جمہوریہ متحدہ عربیہ سے درخواست کی تھی کہ اگر وہ اپنے مبلغین جاپان میں بھیجے تو بہت کچھ کامیابی کی امید ہو سکتی ہے۔

محبوب تنق ہے جب میں یہ سطور لکھ رہا تھا تو عرب مارک کی ڈاک سے کئی در اس میں قطاع غزہ (فلسطین) کا، ہوارئیدہ نور الیقین، بابت جوڑی سسٹم کا پرچہ بھی ملا، اب اس مجتہد کو لٹ چٹ کر دیکھنا مشورہ کیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ اس کے صفحہ ۲۲-۲۳ پر نہیں عبد کریم صاحب کا جو مقصر میں میرے رفیق ہوئے بھی تھے "جاپان میں مسلمان" کے زیر عنوان ایک مختصر مضمون ہے اور اس میں اور مزید باتوں کے علاوہ وہ باتیں بھی لکھی ہیں جو میں اوپر لکھ چکا ہوں۔

تصحیح

بُھٹن باب نسبت میں ص ۱۸ کی چھٹی سطر میں دقت یوں ہے "اس واقعہ کو دہ بی معونہ سے متقدم قرار دیا ہے" سے یوں پڑھئے! اس واقعہ سے حادثہ "بیر معونہ کو متقدم قرار دیا ہے" کی صحت ص ۱۸ پر ماب اس کے نیچے خود وہ بدر موعود کے لئے "شعبان لکھا گیا ہے، اس چوکھٹے میں

رذیلہ ۱۰۰

اک بیتا

نذرِ عقیت (حضرت شیخ عبد القادر جیلانی کے حصوں کا مین)

تمام گلشنِ عالم ہے مطلعِ انوار
منائیں جشنِ طرب دل کا یہ تقاضا ہے
کلی کلی میں ہیں رنگینیاں حقیقت کی
ہر آشیاں ہے سکون و قرار کا مرکز
زباں پہ نامِ مبارک ہے غوثِ اعظم کا
وہ جس نے حسنِ عمل سے بڑھائی شانِ جیا
دلوں پہ جس کے شعورِ نظر کا سکھ ہے
وہ ترجمانِ رسالت وہ بوتا قرآن
وہ وفا کا جسے راہِ برکے دُنیا
بقا کا راز ہے جس کے ہر ک اشایے میں

تجلیات کا آئینہ ہے کہ نبی صبح بہار
کہ زندگی کو لا آج زندگی کا دستار
فضا فروخ بہاراں سے بن گئی گلزار
حیات ساز ہیں گلشن گداز برق و شرار
وہ جس کے دل کی ہے تخلیق جذبِ ایشا
بدل دی جس کے اردوؤں نے وقت کی رفتار
دکھائے جس نے زمانے کو جو ہر کردار
سکھایا جس نے بشر کو سلیقہ و گفزار
وہ جس نے کرد آس ن مجددہ دشوار
بند کر دیا جس نے حیات کا میسار

حساب
سعادت
نظیر

نظیرِ خستہ کے 'س پر سلام' لاکھوں سلام
خزاں میں جس نے جہاں کو دیا پیساں بہار

جس انجمن کی بات تھی اُس انجمن میں ہے
اک مستقل خلش تو دل راہزن میں ہے
حت تک کہ آشتی نہ ہمارے چمن میں ہے
اک جمع آخری تو ابھی انجمن میں ہے
کس کو خبر نہ تھی کہ شبنم چمن میں ہے
س بہر بھی کیوں ہے کہ گرمی سخن میں ہے
اپنے ہی آشتی بار کی رودنی چمن میں ہے
یہ بھی سب اک خط کہ شبنم چمن میں ہے

خوش ہوں کہ غم کا راز دل پر چمن میں ہے
اب کا رداں لے کر ہے اس کا غم نہیں
ہم بھی یہاں بہار و خزاں کے شریک ہیں
بچھ تباہیں گے چراغ تو ہمیں جلا دیں گے
اک سنے کی بات تھی گلشن کا حادثہ
دل میں لگا کے آگ بڑے مطمئن تھے آپ
گلہ سائے تو بنو تو فریب بہار میں
وہ بھی تھا اک تصور کہ گلشن کو چھوڑتے

غزل

جباب

قہر

مراد آبادی

ڈر ہے خیال دوست پریشان - ہو شہر
تلخی کی آج کچھ مرے طرزِ سخن میں ہے

تہم

قنادی دارالعلوم دیوبند : مرتبہ مورخ محمد ظفر الدین : سبب متوسط، کتابت و طباعت بہتر
 ضخامت جلد اول ۳۴۷ صفحہ، نئی مت بندہ نامی ۲۶۸ صفحہ، قیمت جلد علی ترتیب 5/50
 اور 4/25 پتہ : جناب مہتمم صاحب دارالعلوم دیوبند ضلع سہارن پور۔
 حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب عثمانی نورسہ مقدمہ جہد مقسم بندہ عثمان کے اُس کا ہر مشائخ و
 علماء میں سے تھے جنہوں نے اپنے الفاظ میں مذہب سے ہر دور نسوں کے درپیش و معرفت ربانی و شمع روشن کی،
 اور انہوں نے مسلمانوں کو اسل احکام شرعیہ بتا کر اسلام کی تعلیم پرائی گئے وہ یقیناً حضرت ممدوت یک بندہ پایہ
 عارف باللہ اور نا نو شیخ طریقت ہونے کے سہ روزہ دارالعلوم دیوبند کے سنی، سید محمد جی۔ داپ نے چاہیں اس سلسل
 یہ اہم خدمت میں شریک ہوئے، انجمن میں نہ کہ بوسہ ملک میں اس کی یہ نہیں مل سکتی، نفقہ و مسائل میں وقت
 و وسعت نظر کا یہ عالم تھا کہ بڑے سے بڑے پیچیدہ مسئلہ آپ کے سامنے آتا تو وہ آپ باتیں کرتے کرتے چند نقضوں
 میں اس کا تشفی بخش و قطعی جواب دے دیتے تھے، دارالعلوم دیوبند کے مرکز میں حضرت مفتی صاحب عظیم
 شخصیت کو سامنے رکھ کر سوچنے میں چاہیں اس کی مدد میں، سہم کی غرور و راجد می زاری سے مستحق
 رکھنے دارا کون سا ایسا جزیرہ و مسند ہوگا جو خدمت مفتی صاحب سے ہر دور باادریٹے اس کا جواب دے دیا ہوگا۔
 چنانچہ حضرت کے قلم سے نکلے ہوئے کم و بیش چالیس ہزار فقہ دی و جہد مقسم بندہ عثمان شکل میں مدرسہ کے درجہ
 میں محفوظ تھے۔ دوران سے استعداد عامی میں کون صورت نہ تھی، بڑی خوشی کہ بات ہے کہ آخر مورخ محمد ظفر
 مہتمم دارالعلوم کی تحریک و تجویز سے مدرسہ کی مجلس شوریٰ نے اس تمام کام کو منجہ مد بنے کا بیڑا اٹھایا، اور مورخ
 محمد ظفر الدین کو اس کا ذمہ دہن فرمایا، بنامک اس سلسلہ کی دو صدیوں شانیہ ہوئی ہیں جس میں سے جلدوں
 کتاب، مرقہ بارڈر و جلد دوم کتاب التلوٰۃ پر مشتمل ہے، ترتیب بالکل کتب فقہ کے مرتب ہے، یعنی جسے کتاب

پھر باب۔ اور باب کے مابین فصول، ان دونوں جملوں کو دیکھ کر محسوس ہوتا ہے کہ اس عظیم اور اہم کام کی ترتیب و سرانجام دی کے لئے غالباً ہونا موصوف سے بہتر کسی اور شخص کا انتخاب نہیں ہو سکتا تھا۔

فضل مرتب نے تقریباً ہر فتویٰ پر بصیرت افزوز حواشی لکھے ہیں جن میں، اگر فتویٰ میں صرف جواب ہے تو اس کے مآخذ کی سرانجام دہی کے متعلق عبارتیں نقل کی ہیں، اگر فتویٰ مع دلیل کے ہے تو اس کے مزید شواہد اور نکتہ مزاجیہ کے ہیں، کہیں اجمال ہے تو اس کی تشریح اور ابہام ہے تو اس کی تفصیل دی ہے۔

غرض کہ ترتیب فتاویٰ جیسے اہم کام کا انھوں نے حق ادا کر دیا ہے جو محنت و جفاکشی کی صلاحیت کے ساتھ ان کی بختہ استعدادِ علمی اور وسعتِ نظر کی بلی روشن دلیل ہے، جلد ادل کے شروع میں جناب مستم صاحب کے قلم سے حضرت مفتی صاحب کے حالات و سوانح پر پیش صفحہ کا جو پیش لفظ ہے اس نے اس جلد کی افادیت کو چرچہ نہ نکا دیئے ہیں، بیک عارف ربانی، مہتمم اسرار و نور یزدانی، جنید وقت اور شبلی عصر کے حالات اور دورانِ قاسمی کے چشمہ چراغ کے قلم سے اس

ن گیا رقیب آخر جو تھا مازداں اپنا

خود مصنف نگار کا یہ قلم رہا ہے کہ جنہر چشم گریاں کے اس پیش لفظ کو ختم نہیں کر سکا ہے، اس کے بعد لائق مرتب کے قلم سے ۱۳ صفحات کا جو فائدہ مند مقدمہ ہے وہ فقہ، افتا اور ان کی تدوین و ترتیب کی تاریخ، خصوصیات و رفیقہ و مفتی کے محاسن و معائب وغیرہ جیسے مباحث پر مشتمل ہے، اور اگرچہ اس میں بعض مستدرجات غیر ضروری اور، رطائل تکرار کے مابین آئے ہیں، مگر مجموعی حیثیت سے یہ بھی معلومات افزا اور لائقِ مطالعہ ہے، اس میں شبہ نہیں کہ ان فتاویٰ کی اس خوبی و اہتمام سے یہ اشاعت دارالعلوم دیوبند کا اس دور نامرادی و آخرت فراموشی میں نہایت عظیم و بڑا قابلِ قدر کام رہا ہے کہ یہ کام اسی طرح جاری رہا اور مسلمان اس سے بیش از بیش فائدہ اٹھائیں۔

تفسیر مدارک اردو : مترجم مولانا سید نرشہ شہیدی، تطبیح کہاں، کتابت و طباعت بہتر،

مست فی پیرہ دور و پیر اور جو حضرت علامہ دیکھو میرن جیش کو سہر میں اپنا - خضر راہ بک ڈپو، دیوبند،
تفسیر مدارک عربی زبان کے مترجم ... سے جو جہاں ... کے نصاب تعلیم میں بھی شامل ہے، زیرِ تبصرہ

کتاب جو قسط و رشائع ہو رہی ہے، اسی کا اردو ترجمہ ہے۔ ترتیب یہ ہے کہ پہلے قرآنی متن ہوتا ہے، اُس کے نیچے اُس کا اردو ترجمہ مولانا اشرف علی صاحب حق نوی کا کیا ہوا، پھر تفسیر کا ترجمہ، مترجم ماشاء اللہ جید عالم اور پختہ استاد نوجوان ہیں اس نئے ترجمہ کی سلاست، تسلسلگی اور اُس کی صحت میں کلام نہیں، پھر یہ صرف ترجمہ نہیں بلکہ موصوف نے جا بجا تحقیقی یا تشریحی نوٹ بھی لکھے ہیں اس لئے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جو دیندار مسلمان، اردو زبان میں قرآن مجید کے حقائق و معانی اور اس کے مطابق سے آگاہ ہونا چاہتے ہیں ان کے لئے تفسیر رک کا یہ اردو ترجمہ ایک نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں ہونا چاہئے۔

تفسیر ابن جریر (اردو) زمروی ظہور باران انٹرنی، تنسیع کلاں، کتابت و طباعت بہتر، کے شرائط خریداری و شرح قیمت و نیزہ سب مذکورہ بالا کتاب جیسی ہیں۔ پتہ :- بیت الحکمت دیوبند۔

تفسیر ابن جریر طبری قدیم تفسیر ہے اور اپنی بعض علمی و تحقیقی خصوصیات کے لحاظ سے بعض مشہور متداول کتب تفسیر سے فائق ہے، زیر ترجمہ کتاب جس کے بک تین حصے شائع ہو چکے ہیں، اس کا سب سے دلکش و شگفتہ اردو ترجمہ ہے، کہیں مختصر تفسیر کی حواشی بھی راقی و مرتبہ کے قلم سے ہیں۔ اس تفسیر کے مضامین پر حادی ہو جانے سے ایک غیر عالم بھی جب نہ بے حد، بن سکتا ہے۔

تحصیلِ مسلمین :- رستیدو محمد ساجد صاحب بخاری، تصنیف خورد کتابت و طباعت بہتر، فنی مت، ۱۲ صفحہ قیمت ایک روپیہ پچاس پیسہ، پتہ :- کتب خانہ رشیدیہ، مدینہ مارکیٹ، راجہ بازار، راولپنڈی۔

مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب دہلوی حضرت شاہ عبدعزیز صاحب دہلوی کے نواسہ و راستہ وقت کے نامور عالم اور صاحبِ باطن و فاضلہ، ششہ ہجری میں ان کو فضا، موفقی پائی تو کم مکرّمہ کو ہجرت کر گئے درپانچ برس بعد وفات پا کر وہیں مدفون ہوئے، آپ نے مسکن ربیعین کے نام سے ایک مختصر رسالہ فارسی میں لکھا جس میں سولہ جواب کی شکل میں سارے دینی و دنیاوی مسائل پر غریب و غنی کے حکام شرعیہ بیان کئے گئے تھے، یہ رسالہ سی کا اردو ترجمہ ہے جو میں درود دراز میں ہے۔ مردہ زیرِ جد جگہ لائقِ منہج کے قلم سے حوشی میں جن میں جواب گرمہم رہ گیا ہے تو اُس کی تفسیر ہے جو میں جو عربی نقل کی گئی ہیں ان کے حوالے میں شروع میں موانا شاہ محمد اسحاق دہلوی کے شاگردوں کی بھی ہیں مسکنوں کو سن کے مضمون سے بڑا فائدہ ہوگا۔

زُمران

جلد ۵۳ | جمادی الاول ۱۳۸۴ھ مطابق اکتوبر ۱۹۶۴ء | شمارہ ۴

فہرست مضامین

۱۹۴	سعد احمد اکبر آبادی	لغات
۱۹۷	از جناب مولوی اسحق ابنی صاحب علوی رام پور	واقعات سیرت نبوی میں ترقیتی تضاد اور اس کا حل
۲۱۶	جناب عابد رضا بیدار	ذوقی رام حسرت
۲۲۴	از مولانا قاضی اطہر مبارک پوری ایڈیٹر ابلاغ ممبئی	اسپین میں امام ابن حزم کی نو سو سالہ یادگار تقریب
۲۲۹	از جناب دیدی جعفر رضا صاحب ایم اے	سید احمد کاشفیؒ
	ریسرچ اسکالرشپ ہندی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ	(فارسی اور ہندی کا ایک غیر معروف شاعر)
۲۳۹	سعد احمد اکبر آبادی	دیباغ کے مشاہدات و تاثرات
		احیائے آثار
۲۵۰	از جناب آلم منظر نگری	ساتی
۲۵۱	از جناب سعادت نظیر	غزل
۲۵۲	(دس)	تبصرے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نظرات

اب تو یہ خبریں گویا روزمرہ کی ہو گئی ہیں کہ فلان شہر میں ایک طبیب علم اور ایک بس کنڈکٹر میں جھگڑا ہوا اور نتیجہ یہ ہوا کہ طلباء نے اسمبلی پر حملہ کر دیا، ایک دوسرے متادم پر ایک طالب علم اور ایک دکان دار میں توڑیں میں ہوئی اور آخر یونیورسٹی کے سب طلباء نے اسٹوڈنٹس اور پولیس چون کو آگ رکادی ذخیرہ وغیرہ، فرقہ پرستی کی محنت کی طرح اب طلباء کی یہ لافانزیت بھی کسی دہائی مرض کی طرح سرعت سے پھیلتی اور شدت اختیار کرتی جا رہی ہے، گورنمنٹ، رباب سیاست، ہر تعلیم، سب ہی اس صورت حال کی اصلاح کی طرف متوجہ ہیں، اور بیک سیکڑوں تدریس کر ڈول روپیہ کے خسارے سے کی جا چکی ہیں، کیا یہ انجام یہ ہے کہ ترس بڑھتا رہے جوں جوں دوا کی؟ تو، ترس کی وجہ کیا ہے؟ اور اس صورت حال پر یوں کر قابو پایا جاسکتا اور اس کی اصلاح کی جاسکتی ہے؟ یہ وقت کا سب سے بڑا، ہم مول ہے اور اس کے کامیاب حل پہلی ناک کے مستقبل کا درمیان ہے۔

سب سے پہلے کہ طلباء کا معاملہ کوئی انفرادی مسئلہ نہیں ہے جسے مملکت اور سوسائٹی کے دوسرے معاملات و مسائل سے الگ کر کے دیکھ جائے اور اس پر غور کیا جائے، بلکہ درحقیقت وہ ایک کل کا جز ہے، سچ ہمارے سماج کا حال کیا ہے؟ اگر کسی ملک کے اخبارات اس کے سماج کے آئینہ دار ہوتے ہیں، تو آج ہمارے سماج یہ ہے کہ حکومت کے عیان دوزار رشتہ میں لے رہے دراقربا لوری کر رہے ہیں، حواس، وفاق و نیکوئی کے میٹھا میں وہ بھڑوں، درسمان دشمن عناصر کے مرتبہ در سرپرست بنے ہوئے ہیں، سرمایہ درمزیوں اور مزدوروں کے نہایت و خف جسم کے خون کا آخری نظریہ بھی چوس جانے کی فکر میں ہیں، نہ ماحول، نہ جراثیم اور سود گری سب ذخیرہ اندوزی اور حد سے زیادہ نفع خوری کی لعنت میں گرفتار ہیں، غور توں اور مردوں کا بے محابا اختلاط عام ہے جس کے نتائج بد مختلف شکل و صورت میں آئے دن ظاہر ہوتے رہتے ہیں،

ہر شخص پر خود غرضی مفاد پرستی، اور اس کی خاطر سیاسی شعبہ بازی کا اس درجہ تلبہ ہے کہ اس سے نہ ہمارے کالج محفوظ ہیں اور نہ ہماری یونیورسٹیاں، نہ حکومت کے دفاتر بچے ہوئے ہیں اور نہ پبلک ادارے، اخلاقی انارکی، من قدر سام ہے کہ مرد اور عورت بڑھے اور جوان سب اس روم میں بہہ رہے ہیں اور ایک حمام میں چونکہ سب ننگے ہیں اسی لئے ماں باپ نہ اولاد کو ان کی غلط کاریوں پر سرزنش کر سکتے ہیں اور نہ شوہر بیوی کو اس کی کسی غلط روش پر ٹوک سکتا ہے، بھالی بہن کو نصیحت نہیں کر سکتا، اور استاد شاگرد کو جھڑک نہیں سکتا، گویا جس طرح امریکہ اور یورپ میں (اور اب تو عرب ممالک میں بھی یہ دبا عام ہے) گرمیوں کے موسم میں مرد و زن، برناؤ و پیر سب سمندر کے ساحل پر جمع ہوتے اور ہزاروں کی تعداد میں ایک دوسرے کے سامنے ننگ دھڑنگ صبح سے شام تک بالو یاریت پر پڑے رہ کر غسل آفتابی لیتے ہیں اور اس موقع پر نہ بیٹی کو باپ کی شرم ہوتی ہے اور نہ بہن کو بھائی کی، ٹھیک اسی طرح محسوس ہوتا ہے کہ ہمارا پورا سماج لباس شرم و حیا کی قید سے آزاد ہو کر اخلاقی انحطاط و پستی کے سمندر کے کنارے حظ طلبی، کاجھوٹی اور تن پردہ کی بالو یاریت پر بوٹ لگا رہا ہے، اور شرانت و انس نیت کے سب تعاضوں سے آنکھیں بند کر کے اپنی دنیا میں مگن ہے، پس جو بچے اس سماج میں پل بڑھ کر جوان ہوں گے، درجن کے نیم شعوری یا لاشعوری ذہن کی تشکیل اس ماحول اور فضا کے نقوش و تاثرات سے ہوگی ان سے کیوں کہ توقع ہو سکتی ہے کہ وہ یونیورسٹی میں داخل ہو کر اپنے آپ کو ان لاشعوری تاثرات و کیفیات سے آزاد کر سکیں گے اس میں شک نہیں کہ حسن تعلیم و تربیت کا اثر ضرور ہوتا ہے، لیکن یہ تو اس وقت ہی ممکن ہو سکتا ہے جب کہ فضا بدلے اور بہ نسبت پیسے کے ب طلب بہتراحوں سے، مگر یہ عالم یہ ہے کہ ایک طالب علم محسوس کرتا ہے کہ یونیورسٹی کا حال بھی سرکاری اداروں، اور تجارت کی منڈیوں سے کچھ زیادہ بہتر نہیں ہے فرق ہے تو صرف اس قدر کہ وہاں نائے بکتے ہیں یا ماں مگر یہاں علم کی بون لگتی ہے اور ریسرچ اور تحقیق کا نظام ہوتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ زندگی شخصی و انفرادی ہو یا جماعتی و قومی بہر حال اس میں حکام، ہم آہنگی، دراستوری، وقت پید ا ہوتی ہے جبکہ اس کا کوئی نصب العین ہو اور اس نصب العین کے ساتھ خیر نہ ہولی گا و درشت ہو ورنصب العین کا نعین موقوف ہے، ایک عقیدہ پر، اس لئے اگر عقیدہ صحیح ہے تو نصب العین بھی درست ہوگا اور اگر وہ غلط ہے تو یہ بھی غلط ہوگا پھر عقیدہ میں جس قدر سختگی ہوگی اور فصوص پایا جائیگا نصب العین کے ساتھ تعق درخف بھی اسی درجہ کا ہوگا، علاوہ ازیں عقیدہ عقیدہ میں فرق ہے چنانچہ جس عقیدہ کی بنیاد زندگی کے سب سے اعلیٰ اقدار پر ہوگی وہ سب سے اعلیٰ و دراشرف عقیدہ ہوگا۔ اور جو عقیدہ اس سے کم درجہ کے اقدار پر مشتمل ہوگا وہ درجہ اور مرتبہ میں پہلے عقیدہ سے کمتر ہوگا، آج ہمارے سماج کا حال یہ ہے کہ اول تو اس کا کوئی نصب العین ہی نہیں زندگی گویا ایک سفر ہے جس کی منزل نہیں وہ ایک حرکت ہے جس کی انتہا نہیں اور

اگر نصب العین ہے بھی تو نہایت دون اور میں یعنی یہ کہ کھانڈ پیو اور خوش رہو، اس بنا پر اس نصب العین کے ماتحت جو اعمال سرزد ہوں گے وہ سماج میں اضطراب و تشویش کا باعث ہی ہو سکتے ہیں، آج ہم میں کی کس چیز کی ہے؟ حکومت و خود مختاری، دولت و ثروت، علم و ہنر، طاقت و قوت! ان میں سے وہ کون سی چیز ہے جو ہمیں حاصل نہیں، لیکن ایک صحیح عقیدہ اور اس عقیدہ پر مبنی ایک صحیح نصب العین، بس صرف یہ دو چیزیں ہیں جن سے ہی اس سماج محروم ہے اور یہ محرومی ہی دراصل ہماری موجودہ تمام آفتوں اور مصیبتوں کا حقیقی سبب ہے، ان حالات میں ہی ری حکومت کو تعلیمی اداروں اور اصلاح معاشرت کے مراکز کو سوچنا چاہئے کہ ان کا سب سے پہلا فرض کیا ہے؟ ایک عام مقولہ ہے کہ وقت اور زمانہ کا تقاضا یہ ہے اس لئے ہمیں اپنے اندر تبدیلی پیدا کرنی چاہئے، مگر سوال یہ ہے کہ انسان وقت یا زمانہ (تاریخ) کا خلق ہے یا مخلوق! اگر وہ خالق ہے تو زمانہ کو اس کے ساتھ مطابقت پیدا کرنے پر مجبور ہونا چاہئے نہ کہ خود اس کو زمانہ کے ساتھ اور دنیا کی پوری تاریخ پڑھ جائیے، آپ دیکھیں گے کہ ہمیشہ اس قوم نے ہی دنیا میں انقلاب عظیم پیدا کیا ہے جس نے زمانہ کو اپنے ساتھ چلنے پر مجبور کر دیا ہے، یہ نکتگی اور غرور یہ حوصلہ اور ہمت بغیر اعلیٰ عقیدہ اور نصب العین کے ہرگز پیدا نہیں ہو سکتا۔

دارالمصنفین اعظم گڑھ برصغیر انڈوپاک کا ایک مشہور اور نہایت وقیع ادارہ ہے جو گزشتہ نصف صدی سے اردو زبان میں اسلامی علوم و فنون کی بڑی اہم خدمات انجام دے رہا ہے، اس ادارہ نے اسلامی تاریخ و سیرت، شعر و ادب، فلسفہ و تصوف اور تذکرہ و تراجم پر جو کتابیں شائع کی ہیں وہ مواد، ترتیب، اور زبان و بیان کے لحاظ سے کسی بھی زبان کے ادب کے سب سے سرمایہ فخر بن سکتی ہیں، آج ہندوپاک میں اسلامی علوم و فنون پر ریسرچ اور تحقیق کا جو نتیجہ ذوق پایا جاتا ہے کوئی شبہ نہیں کہ اس کی تخلیق اور آبیاری میں اور چیزوں کے ساتھ اس ادارہ کی کوششوں کا بھی بڑا دخل ہے اس ادارہ نے خود کام کیا اور دوسروں کو کام کرنے کی راہ دکھائی، اور اس کا ہی یہ نتیجہ ہے کہ آج اردو زبان میں اسلامیات پر ایسا قیستی اور وسیع لٹریچر بھیا ہو گیا ہے کہ اب کسی اسلامی موضوع پر ریسرچ اردو زبان کے جانے بغیر مکمل ہی نہیں ہو سکتی، بڑی خوشی کی بات ہے کہ ۱۹ دسمبر کو بہت اعلیٰ پیمانہ پر اس ادارہ کی پچاس سالہ جوبلی منانے کے انتظامات ہو رہے ہیں اس تقریب میں ملک و بیرون ملک کے اعیان و فضلہ شریک ہوں گے، آج کل کے موجودہ حالات میں اس ادارہ کا نہ صرف قیام اور بقا بلکہ اس کی ترقی و توسیع وقت کی کتنی بڑی و اہم ضرورت ہے؟ اس کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے اس لئے ارباب ذوق کا عموماً اور مسلمانوں کا نصیباً ذرا غرض ہے کہ اس موقع پر وہ دارالمصنفین اعظم گڑھ کی طرف حسب استطاعت دستہ مشترک و تعاون دار کے عہدہ جو راہ عہدہ ساس مشکور ہوں۔

قسط ششم :-

واقعات سیرنوی میں وقتی تضاد اور اس کا حل از

جناب مولوی اسحق البنی صاحب علوی رام پور

مقالہ چہارم

زیر نظر مقالہ میری کتاب "حل التضاد" کا حصہ دوم ہے، گزشتہ مقالوں میں جو نظریہ پیش کیا جا چکا ہے۔ اس کو واقعات سیرۃ پر منطبق کرنا ضروری تھا، اس حصے میں کچھ کم مشترک واقعات کی تاریخوں کی آزمائش کی گئی ہے، اور تعجب ہوتا ہے کہ گنتی کی چند تاریخوں کے علاوہ سب کی سب صحیح ثابت ہوئی ہیں۔ مسلمانوں کے اسلاف کا یہ ایک ایسا بلے مثال کا نام ہے جس پر حیرت و استعجاب بھی ہوتا ہے، اور بے اختیار داد بھی نکلتی ہے، کیونکہ جس زمانے میں یہ واقعات قلب بند کئے جا رہے تھے، دنیا اس درجہ تاریکی و غمور سے خالی تھی کہ چھوٹے سے چھوٹے واقعات تک کو موقت کیا جائے۔

پھر تقریباً پونے چودہ سو سال سے یہ تاریخیں علیٰ حالہ چلی آ رہی ہیں، ان میں بیشتر ایسی تاریخیں ہیں جو متداولہ اصولوں پر صحیح ثابت نہیں ہوئی تھیں، جن پر اعتراضات کئے جاتے تھے، جن کو غلط قرار دیا جاتا تھا، لیکن علمائے اسلام کی دیانت کا تقاضہ یہ تھا کہ بلا کسی ادنیٰ کتر سیونت کے انہیں مجسبہ برقرار رکھا جائے چنانچہ یہ آج تک محفوظ ہیں۔

زیر نظر حصے میں اگرچہ ان پر سنہ دار پندی بحث کی گئی ہے جو تقریباً دو سو صفحات پر آئی ہے، لیکن بڑھان کے اوراق اس بات کے مقتضی نہ تھے کہ بہ حصہ پورا شائع کیا جائے، کیونکہ پھر یہ سلسلہ کم سے کم مزید آٹھ دس قسطوں تک چلتا (جو میری ہمت سے باہر تھا) اس لئے میں نے یہ مناسب سمجھا کہ ہر سال کا کم سے کم

ایک واقعہ سمجھنا شروع کر دیا جائے اور ماقی واقعات کا اختصار یا ان کے متعلق اشارے پیش کر دوں تاکہ قارئین کو اس نظریے کے یہ کھنکھانے کا پورا پورا فہم ہو جائے اور یہ چاہنا ہو کہ کتاب شروع ہونے سے پہلے یہ مسئلہ

زیادہ سے زیادہ صاف ہو جائے۔ (علوی)

مقالہ چہارم

گزشتہ بحث سے ہم اس نتیجہ پر پہنچ چکے ہیں کہ واقعات سیرت پر دو دستاویزی کارفرمائی بدرجہ اتم موجود ہے جس کے باعث واقعاتی توقیت اور ترتیب خاص طور پر متاثر ہوئی، اور علت و معلول کے کثیر سلسلے منقطع ہو گئے جو تاریخی واقعات کی تفہیم کے لئے سب سے ضروری شے تھے، بدین وجہ ضرورت تھی کہ ان واقعات کو از سر نو مرتب کر کے پیش کیا جائے۔

اس مقصد کے لئے ایک طریقہ تو یہ اختیار کیا جاسکتا تھا کہ واقعاتی توقیت کے لحاظ سے پوری سیرۃ دوبارہ لکھی جائے، جو سیری راستے ہیں ایک بالکل عیسویہ موضوع اور جہد، گمانہ بحث ہے، کیونکہ موجودہ زمانے میں تاریخ نویسی کے زاویے تبدیل ہو چکے ہیں، وہ سب سے ضروری بات یہ سمجھی جاتی ہے، کہ ہر واقعے کی جانچ تقریباً انہیں اصولوں پر ہو جو علوم طبیعیہ کے لئے ہم نے مقرر کئے ہیں، اور جس طرح طبیعت و کیمیا میں اشیاء کے خواص اور ان کے عمل اور رد عمل سے نتائج نکالے جاتے ہیں، کم و بیش وہی طریقہ تاریخی واقعات کو پیش کرتے وقت سامنے رہنا چاہیئے، اور ان کے مسئلہ علت و معلول اور اثر و باز اثر پر نگاہ رکھنا ضروری ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر واقعہ خود اکتفا ہی حقیقت و حقیقتوں سے ہوتا ہے نہ کہ سیرت میں سیرت واقعات کا جو اس سے پہلے گزر چکے ہیں، اور جن کا مکمل احاطہ کسی طرح ممکن نہیں، مابہم کی تاریخی واقعے کو سمجھنے کے لئے کم سے کم اس قدر ضروری ہے کہ حتی المقدور اس کا صحیح پس منظر اور پورا ماحول ہمارے سامنے ہو اور اس کی خاص علت کا پتہ چل جائے، خاص طور پر پیغمبر اسلام کی سیرۃ کے لئے بہ سب سے ضروری بات ہے، کیوں کہ آپ کی ذات گرامی سے وہ منہجہ تہذیب جس کو صرف عام بن اسلام کہا جاتا ہے، کچھ اس طرح وابستہ اور منسلک ہے کہ بن اس تحریک کو سمجھنے خود آپ کی شخصیت گم ہو جاتی ہے اس سے ایک سیرۃ نویس کا فرض ادین یہ ہو جاتا ہے کہ پہلے اس شخصیت کے قدرتی ماحول، اثرات پر غور کرے، اور یہ دیکھے کہ مشیتِ یزدی نے اس تحریک کو عرب کے ریگزاروں

کن حادثات میں اٹھایا تھا، اور کم سے کم عہدِ جاہلیت کے سیاسی، اقتصادی، معاشرتی، مذہبی، اخلاقی اور تعلیمی حالات کے ساتھ ساتھ اسلام کی جنم بھومی کے جغرافیائی تقاضوں، اند عرب قوموں کی نسلی افتادِ طبیعت کا حتی المقدور جائزہ لے تاکہ اس زمانے کے ذہنی رجحانات، حیاتی کشمکش اور علمبردارانِ اسلام کی ذاتی صلاحیتوں کا اندازہ ہو سکے اور دریافت کیا جاسکے کہ اس اہلی تحریک کے بالکل ابتدائی اور فطری تقاضے کیا تھے، جو اس کے آئنا نا فردغ اور قبولِ عام کا باعث بنے۔

انسانی تاریخ چونکہ ہر واقعے کی مادی توجیہ چاہتی ہے اس لئے ظاہر ہے کہ ہم پیغمبرِ اسلام کے حالاتِ زندگی کو ہاتھ لگانے کے اُس وقت تک مجاز نہیں جب تک ان کی مادی توجیہات ہمارے سامنے نہ ہوں اور ہم انکی روشنی میں اس عظیم ترین انسان کے ایک ایک حکم اور ایک ایک عمل کو نہ پرکھ سکیں۔

ظاہر ہے کہ یہ کام ایک علیحدہ فرصت اور کچھ نئے مقدمات کے بغیر ممکن نہیں۔

دوسرا طریقہ یہ اختیار کیا جاسکتا تھا کہ آپ کی ابتدائے حیات سے آخر عمر تک کے حالات محض تو قیعی ترتیب (CHRONOLOGICAL ORDER) کے ساتھ اس طرح پیش کر دیے جائیں کہ قارئین، کتبِ سیرت کو پیش نظر رکھ کر خود تاریخی نتائج نکال سکیں، لیکن بحیثیتِ مجموعی یہ کام اس سے بھی زیادہ مشکل بلکہ ایک طرح ناممکن ہے کیونکہ سیرت یا تاریخ کی کتابوں میں ہجرت سے پہلے کے واقعات کی کوئی واضح توقیت نہیں ملتی، عہدِ با قبلِ نبوت ایک طرف بعثت کے بعد کے حالات کی تاریخیں بھی محفوظ نہیں، اور تعجب ہوتا ہے کہ آپ کے مشن کا کلی حصہ جو بعض حیثیتوں سے انتہائی اہم ہے، توقیتی اعتبار سے بالکل تشنہ اور غیر واضح نظر آتا ہے، حالانکہ یہ حصہ وہی ہے جس کا ایک ایک لمحہ نظریاتی جنگِ ذہنی کشمکش اور فکری جدل کے ساتھ ساتھ اسلامی تحریک کی تدریجی مگر مضبوط تسوؤد میں صرف ہوتا تھا، چنانچہ ہمیں نہیں معلوم کہ پیغمبرِ اسلام نے پہلی بار کس تاریخ تبیغ شروع کی تھی؟ ابو بکرؓ، اور دوسرے رفقاء کب سلام لائے؟ بلالؓ اور ان جیسے اور غلاموں کو خرید کر آزاد کرانے کی تاریخ کب تھی؟ جس سے تاریخیں ۶۲۷ء سے ۶۳۲ء کی سمت انحرافی ہوئی، اسی طرح ہم نہیں جانتے کہ ہاجرین حبشہ سے جب ہجرت کی تو وہ کون سا مہرہ تھا؟ یہ ساری ٹریک کے خلاف عمومی بائیکاٹ کا رزدیوشن کس تاریخ منظوریاً مضبوط تحریر میں آیا تھا؟ دوسری ہدایا س تقریباً تمام دوسرے واقعات اسی طرح تشنہ توقیت ہیں۔

مکی عہد کا یہ توقیفی فقدان نقادانِ تاریخ کے لئے ایک نیازِ ادبیہ فکر پیش کرتا ہے، کیونکہ قدرتی طور پر یہ سوال سامنے آتا ہے کہ اس فقدان کا بنیادی سبب کیا ہے؟ اور کیا وجہ ہے کہ تاریخِ اسلام میں جبکہ مدنی عہد کے چھوٹے سے چھوٹے واقعات بھی موقت کئے گئے ہیں، مکی دور کے کسی بڑے سے بڑے اور اہم سے اہم واقعے کی تاریخ نہیں ملتی؟ یہ سوال حقیقتہً بہت زیادہ توجہ کا محتاج ہے، خاص طور پر تاریخِ اسلام کے دوائے "انتہا پسند" علماء کیلئے جو کلیئہً اسلامی روایات کے تحریری ریکارڈوں کے قائل نہیں۔

ان میں سے پہلا گروہ ایسے نقادانِ تاریخ کا ہے جن کو شبہ ہے کہ یہ جملہ ریکارڈ زمانہٴ مابعد کی جعل سازی سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے، اس کے مقابلے میں دوسرا گروہ ایسے خوش فہم علماء، اسلام کا ہے جن کے خیال میں اس قسم کی ترمیم توقیفی روایات محض عربوں کے غیر معمولی حافظے کا نتیجہ تھیں، اور جن کو مدینہ سیرت نے سوا سو ڈیڑھ سو سال بعد پہلی بار ریکارڈ کرنا شروع کیا تھا۔

متذکرہ بالا فقدان دونوں کیوں کو بیک وقت دعوتِ فکر دیتا ہے اور دریافت کرتا ہے کہ:

(۱) اگر یہ توقیفی مصراحتیں فی الحقیقت نورخیں اسلام کی جعل سازی تھیں تو کیا وجہ ہے کہ یہی جعل سازی مکی عہد کے واقعات میں نظر نہیں آتی؟ سامنے کی بات ہے کہ جو لوگ مدنی عہد کے متعلق اس فعل کے ترکب ہو سکتے تھے وہ مکی دور کو کس طرح تشنہ چھوڑ دیتے؟

(ب) اسی طرح علماء اسلام سے سوال کیا جاسکتا ہے کہ اگر یہ توقیفی مصراحتیں محض زبانی روایات، یا صحابہ اور تابعین کے عجیب و غریب حافظے کا نتیجہ تھیں تو یہی معجزہ مکی واقعات کے ذیل میں کیوں ناکام رہا؟ اور ان میں یہ مصراحتیں کیوں موجود نہیں؟ وہی صحابی، وہی عربی حافظہ، وہی احکام اور واقعات سے لگن، مگر ان واقعات کی توقیفیت مفقود۔

ظاہر ہے کہ مکی عہد کا یہ توقیفی فقدان مدنی عہد میں ایک خاص "مادی" تبدیلی کا پتہ دیتا ہے اور اندازہ ہوتا ہے کہ ہجرت کے فوراً بعد اسلامی تنظیم میں کوئی نہ کوئی "بنیادی ترقی" ضرور ہوئی تھی۔ ایک ایسی ترقی جو مکی دور میں موجود نہ تھی اور صرف مدینہ جا کر پیدا ہوئی۔

میری رائے میں یہ ترقی مدینہ کی شہری ریاست پر اسلام کے سیاسی اقتدار کی صورت میں پہلی بار رونما ہوئی۔

جو بہت جلد ایک باضابطہ مسکت یا باقاعدہ سلطنت میں تبدیل ہوتی چلی گئی، اور جس کے کارپردازوں و متعینین نے سرکاری، نیم سرکاری، اور نجی ضروریات کے لئے ان واقعات کو ریکارڈ کرنا شروع کیا، اس کا بدیہی ثبوت یہ ہے کہ کتب تاریخ میں اکثر و بیشتر صرف ایسے واقعات کی تاریخیں ملتی ہیں جن کا تعلق سیاسی مہمات سے تھا۔

سیاسی اقتدار صحیح معنی میں تاریخ گزرتا ہے، وہ نہ صرف قوموں کی تاریخ پیدا کرتا ہے، بلکہ انکی زندگی میں وہ جملہ محاسن بھی پیدا کرتا چلا جاتا ہے جن کی من قوم کو ضرورت پڑتی ہے، خاص طور پر اس صورت میں جبکہ اس اقتدار کی پشت پر ایک ترقی پسند مقصد اور آگے بڑھانے والی تحریک کارفرما ہوتی ہے۔

بظاہر یہی وجہ ہے کہ مدنی مہم کی تاریخ تو قیسی اعتبار سے جس درجہ سالانہ ہے انکی مہم اسی نسبت سے آہی و آس نظر آتا ہے، ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ ہم پیغمبر اسلام کی زندگی کے بتدی ۵۳ سال کے حالات تو قیسی تفصیلات کے ساتھ واضح طور پر نہیں دیکھ سکتے، بلکہ اس دور کے واقعات کا صرف تخمینہ اندازہ لگایا جاتا ہے۔ اس کتاب کا موضوع چونکہ پیغمبر اسلام کی سیرت نہیں، بلکہ واقعہ - برت میں جو بظاہر تو قیسی تضادات نظر آنے ہیں، ان کا ایک حل پیش کرنا ہے، اس سے ہم نے صرف اس لئے واقعات سے بحث کی ہے جن کی تاریخیں واضح طور پر متعین ہیں، اور جو انکی تنظیم فراموش کر دینے کی وجہ سے مشتبہ کھی جانے لگیں، یہ تاریخیں واقعہ ہجرت سے شروع ہوتی ہیں، اور آخر تک مسلسل چلی جاتی ہیں اس لئے اس نے کتاب کے اس حصے کی ابتدا اور قلم ہجرت ہی سے کی ہے۔

اس حصے میں تمام واقعات (بجز ایسے واقعات کے جو ایک دوسرے سے متعلق ہیں) علیحدہ علیحدہ عنوان کے تحت پیش کئے گئے ہیں مگر ان کی ایسی تمام تفصیلات چھوڑ دی گئی ہیں جن کا تعلق براہ راست یا بواسطہ وقت سے نہ تھا، تاہم اس قسم کی تفصیلات کو برقرار رکھنا یا بھول کر دینا سے واقف کی تاریخی نوعیت ختم ہو جاتی ہے۔

واقعات بار بار اس لئے بیان کیے گئے ہیں کہ ان کے متعلق مختصر الفاظ میں کر دیا جائے اور کہیں ضرورت پیش آئی ہے تو دقیقہ تسلسل قرار رکھنے کے لئے کسی قدر تفصیل سے بھی کام لیا گیا ہے۔ حتیٰ کہ اس بات کی بھی کوشش کی گئی ہے کہ ممکنہ حد تک تسلسلہ برقرار رکھ کر جو تاریخی تعلق ہے وہ واضح ہوتا

چلا جائے تاکہ قارئین کو واقعاتی ترتیب کے سمجھنے میں دشواری نہ ہو۔

کتب سیرت میں بعض واقعات اس درجہ مختلف التوقیت نظر آتے ہیں کہ بظاہر ایک ایک دو دو سال کا فرق محسوس ہوتا ہے اور ان کی نسبت علماء تاریخ کی آراء بھی متضاد نظر آتی ہیں، اول تو بیشتر ایسے واقعات میں خود دو تقویمی نظریہ تو ہزن پیدا کر دیتا ہے، لیکن اگر کہیں مزید تشریح کی ضرورت محسوس ہوئی ہے تو وہ بھی کر دی گئی ہے۔ تقریباً سو سو آٹھ سو بڑے واقعات میں سے جو سیرۃ کی مختلف کتابوں میں موقت نظر آتے ہیں فی الحال کچھ کم شدہ واقعات انتخاب کر کے پیش کئے جا رہے ہیں تاکہ ان پر اس جدید نظریے کی آزمائش کی جاسکے، باقی واقعات کو اس لئے نہیں چھوڑا گیا ہے کہ وہ اس نظریہ کے خلاف شہادت دیتے بلکہ صرف اس لئے ترک کر دیئے گئے ہیں کہ یا تو ان پر دو تقویمی کارفرمائی کا پتہ نہیں چدا یا یہ متعین نہیں ہو سکا کہ وہ کس تقویم کے مطابق ریکارڈ کئے گئے تھے، تمام واقعات سنہ دارمیش کئے جا رہے ہیں، درہر سنہ کا ایک سلیخہ چارٹ بھی دیا جا رہا ہے جو کہی اور مدنی دونوں تقویموں پر مشتمل ہے، یہ چارٹ، سن طرح بنائے گئے ہیں کہ کی اور مدنی تقویموں کو پہلو بہ پہلو رکھ کر ان کے درمیان جولین (GULIAN) کلینڈر رکھ دیا گیا ہے تاکہ ان دونوں میں جو تفاوت چل رہا تھا وہ بالکل واضح ہوتا پیدا جائے، اور دریافت کیا جاسکے کہ کون سا "مکی" مہینہ کس "مدنی" مہینے سے مطابقت تھا، اور یہ دونوں مہینے عیسوی اعتبار سے کس تاریخ شروع ہوئے تھے، ساتھ ہی ان مہینوں کے پہلو میں واقعات کے عنوانات بھی لکھ دیئے گئے ہیں تاکہ قارئین کو ہر واقعے کی توضیحی آزمائش میں پوری سہولت رہے، اگر کسی واقعے کا ریکارڈ کی اور مدنی دونوں تقویموں کے بموجب ہوا تھا، تو چارٹ کے دونوں جانب اس کی بھی نشان دہی کر دی گئی ہے۔ کچھ واقعات ایسے بھی تلاش کئے گئے ہیں اور کئے جا رہے ہیں، جن کی تاریخیں ان دونوں تقویموں پر پوری نہیں اترتیں تاکہ اندازہ لگایا جاسکے کہ ان کا متنا سب کیا ہے، در کیا وجہ ہے کہ یہ غلط ثابت ہو رہی ہیں۔ بحیثیت مجموعی، اس بات کی پوری کوشش کی گئی ہے کہ قارئین کے پیش نظر اس مسئلہ کے جملہ پہلو آجائیں، جن سے ایک قابل قبول تاریخ مرتب ہو سکے،

واقعی اور ابن سعد کے یہاں دو مین چھوٹے چھوٹے واقعات کے سنہ بظاہر غلط معلوم ہوتے ہیں جن پر مزید تحقیق کی ضرورت ہے، ان واقعات کو میں نے فی الحال ترک کر دیا ہے۔

نوٹ :- ان جدولوں میں داہنی جانب مکی تقویم ہے، بائیں جانب موجودہ سنہ ۱۴۲۲ ہجری مہینے میں درمیان میں جولین تاریخیں درج کی گئی ہیں، تاکہ دریافت کیا جاسکے کہ کون سا مہینہ کس تاریخ و یوم کو شروع ہو رہا تھا۔ (مصنف)

مکی	جولین تاریخ ایام و سنی	مدنی ہجری
محرم	۱۳ ستمبر ۱۹۲۲ء دوشنبہ	ربیع الاول
صفر	۱۳ اکتوبر چار شنبہ	ربیع الآخر
ربیع الاول	۱۱ نومبر پنج شنبہ	جمادی الاولیٰ
ربیع الآخر	۱۱ دسمبر شنبہ	جمادی الاخریٰ
جمادی الاولیٰ	۹ جنوری ۱۹۲۳ء یک شنبہ	رجب
جمادی الاخریٰ	۸ فروری سہ شنبہ	شعبان
رجب	۹ مارچ چار شنبہ	رمضان
شعبان	۸ اپریل جمعہ	شوال
رمضان	۷ مئی شنبہ	ذیقعدہ
شوال	۶ جون	ذیقعدہ
ذیقعدہ	۵ ستمبر	محرم
ذوالحجہ	۴ اگست پنج شنبہ	صفر
ذوالحجہ نسو	۲ ستمبر جمعہ	ربیع الاول

پیغمبر اسلام کو دارالندوہ کے اجلاس کی نیت اور ارادے کا علم ہوا، تو آپ نے دو پہری سے اقامت گاہ خالی کر دی، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ :-

”ہم دو پہر کو ابو بکرؓ کے گھر بیٹھے تھے کہ کسی نے اُن سے کہا کہ رسول اللہؐ پہرے پر مقنع ڈالے تشریف لاتے ہیں، حالانکہ عموماً آپ اس وقت کبھی تشریف نہ لاتے“

آپ نے آتے ہی، حضرت ابو بکرؓ سے تخیلے میں بات چیت کی، اور ہجرت کا ارادہ ظاہر فرمایا، تو وہ فوراً وقت کے لئے تیار ہو گئے،

ابن اسحاق کے بیان کے بموجب آنحضرتؐ اور ابو بکرؓ دونوں اسی وقت عقی دروازے سے نکل گئے۔ (فخر جامن خوخہ) (ابو بکرؓ فی غمرہ بدینہ) اور غار ثور میں پناہ لی۔ جو مکے سے جوڑا ہے۔

ادھر قریش نے رات میں مکان کا محاصرہ کر لیا، اور آپ کی موجودگی کا یقین کرنے کے لئے اندر بھانک کر دیکھا، تو بستر خالی نہ تھا، صبح کو معلوم ہوا کہ آنحضرتؐ کی جگہ حضرت علیؓ بستر پر سوتے رہے۔ یہاں سے یہ لوگ دوڑے ہوئے ابو بکرؓ کے گھر گئے، وہ بھی نہ سٹے نہ یقین ہوئی کہ دونوں ہجرت کر گئے، چوں کہ ابھی وقت کم گذرا تھا، اور گن تھا کہ دونوں مکے کے قریب دُور میں گرفتار نہ جاسکیں گے، اس سے فوراً سواروں کے انعام کا اشتہار جاری ہوا، اور لوگ ترشش میں نکل کھڑے ہوئے۔

پیغمبر اسلامؐ اور ابو بکرؓ تین مشبہ روز غار ثور میں رہے، ہر روز سید الشہداءؑ کی بکراتے دراہل مکہ کی بھری پہنچاتے، حتیٰ کہ ابو بکرؓ کے گھر سے کھانا بھی آتا۔ غار ثور میں، اس سر روزہ قیام کی بظاہر دو جہیں صوم ہوتی ہیں۔ اولاً یہ کہ: رات کی تاریکی کچھ کم ہوجائے تاکہ چاندنی میں سفر آسان و زیادہ سے زیادہ فاصلے تک ہوسکے، دوم یہ کہ قریش کے ارکانی تو قب کا خطرہ باقی نہ رہے۔

ربابِ ہجرت لکھتے ہیں کہ پیغمبرؐ و دوستانے کی رات میں غارِ ثور میں رہتے تھے۔

۱۵۳/۱۰۱۵۳ بن ہشام ۱۲/۱۲۶۱ مے بکری / باب ہجرت ابی، ۱۵۳/۱۰۱۵۳ یرد بھٹے بھی روایت

ابن ہشام ۱۲/۱۲۹، ۱۵۳/۱۰۱۵۳ بن ہشام ۱۲/۱۲۹، مقدسی ۱۲/۱۲۹، طبری ۱۲/۱۲۹، ۱۵۳/۱۰۱۵۳ MARGOLIOUTH RISE p 208

۱۵۳/۱۰۱۵۳ بن ہشام ۱۲/۱۲۹، ۱۵۳/۱۰۱۵۳ بن ہشام ۱۲/۱۲۹، ۱۵۳/۱۰۱۵۳ بن ہشام ۱۲/۱۲۹، ۱۵۳/۱۰۱۵۳ بن ہشام ۱۲/۱۲۹

طبری کا بیان ہے :-

” آنحضرتؐ کا خروج، دو شنبے کا واقعہ ہے، اور مدینے میں ورود دو شنبہ ۱۲ ربیع الاول کا واقعہ ہے۔“

اس حساب سے پہلا دو شنبہ ۵ ربیع الاول کو پڑتا ہے، چنانچہ بن سعد نے صریحت کی ہے :-
 ” رسول اللہؐ کا خروج، دو شنبے کی رات میں ربیع الاول کی چار تیس گزاریاں ہوئیں۔“
 تمام متذہبن کا اس پر اتفاق ہے کہ آنحضرتؐ ۱۲ ربیع الاول ۶۱۰ء کو دو شنبے کے دن واردِ مکہ ہوئے تھے۔
 ابن اسحاق کا بیان ہے :-

” رسول اللہؐ مدینے میں ۱۲ ربیع الاول کو دو شنبے کے روز تشریف لائے بیکہ دو پہر ہو چکا تھا، اور سورج سمت الراس پر تھا۔“

واقعی فرماتے ہیں :-

” رسول اللہؐ دو شنبے کے دن ۱۲ ربیع الاول کو مدینے پہنچے۔“

ابن سعد کے نزدیک یہ تاریخ مجمع علیہ ہے :-

” اور آنحضرتؐ نے جب مکے سے ہجرت فرمائی تو آپ دو شنبے کے دن ۱۲ ربیع الاول کو مدینے پہنچے اور یہ تاریخ مجمع علیہ ہے۔“

چنانچہ سعدی، مقدسی اور طبری وغیرہ تمام بڑے بڑے مصنفین نے اسی کو اختیار کیا ہے، حتیٰ کہ اکثر مستشرقین اور علماء یورپ بھی اس سے انکار نہ کر سکے، شیخ اکابر بھی اسی کو تسلیم کرتے ہیں۔

۵۷ طبری ۲/۲۵۷، بن ہشام ۲/۵۷، بر سعد ۲/۲۵۷، بن سعد ۵۷، ۵۷ اس ہشام ۲/

۵۷ وندی ۲/۵۷، بر سعد ۲/۵۷، بن سعد ۲/۵۷، بن سعد ۲/۵۷، بن سعد ۲/۵۷

۵۷ طبری ۲/۲۵۷، بن ہشام ۲/۵۷، بر سعد ۲/۲۵۷، بن سعد ۵۷، ۵۷ اس ہشام ۲/

MAN AND HIS FAITH P. 5 - MOHAMED THE PROPHET OF ALLAH P. 61

۵۷ طبری ۲/۲۵۷، بن ہشام ۲/۵۷، بر سعد ۲/۲۵۷، بن سعد ۵۷، ۵۷ اس ہشام ۲/

البتہ البرونی اور اس کے بعد چندنے مصنفین سیرت مثلاً مارگولیتھ (MARGOLIDUTH) ^۱ نے
 ایچ جی ویلز (H.G. WELLS) ^۲ مولنا شیلی وغیرہ کے نزدیک یہ تاریخ ۸ ربیع الاول مطابق ۲۰ ستمبر ۶۲۲ء
 تھی، جس کی وجہ بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے، کہ عام قمری حساب سے ۱۲ ربیع الاول ۱۰۰ھ کو دوشنبہ ممکن نہیں، خالص
 قمری تقویم کی جدولوں کے مطابق دوشنبے کا دن صرف ۸ ربیع الاول کو پڑتا ہے، اس لئے آج کل جی تاریخ قبول
 ہوتی جا رہی ہے۔

مگر میرے نظریہ تقویم کے بموجب ۱۲ ربیع الاول ۱۰۰ھ کو دوشنبہ ہی کا دن تھا، کیوں کہ اس سال کی
 ماہ ربیع الاول کی پہلی تاریخ، بخشبہ ۱۱ نومبر ۶۲۲ء کے مطابق تھی، جس کے حساب سے ۱۲ ربیع الاول کو دوشنبے
 کا دن اور جولین (GULIAN) تاریخ ۲۲ نومبر ۶۲۲ء ہونا چاہئے، جو روایات کے عین مطابق ہے۔

میاں مجھے پرسیوال (PERCIVAL) کے نظریہ کے متعلق بھی کچھ عرض کرنا ہے، جس کو پیش نظر رکھ کر سر ویم میور
 نے اپنی گراں قدر کتاب لکھی ہے، کیوں کہ اس نظریہ کے بموجب بھی ۱۲ ربیع اول ۱۰۰ھ کو دوشنبہ کا دن پڑتا ہے
 اور دھوکا ہوتا ہے کہ شاید یہ نظریہ صحیح ہے، لیکن جیسا کہ کہا جا چکا ہے اس میں سب سے بڑی غامی یہ ہے کہ اس نظریہ
 سے واقعات سیرت کے موسم بالکل اُلٹے ہو جاتے ہیں، اسی واقعہ کو دیکھئے کہ یہ میور کے نزدیک ۲۸ جون ۶۲۲ء
 کا ہے یعنی انتہائی موسم گرما کا، لیکن تمام کتب سیرت میں یہ روایت ملتی ہے، کہ ہجرت کی شب حضرت علیؑ آنحضرتؐ
 کے بستر پر خود آنحضرتؐ کی اُڈنی چادر (برد) اوڑھ کر سوئے تھے، ^۳ اس روایت کو میور نے بھی پوری آفتاب
 سے بیان کیا ہے، حالانکہ ۲۸ جون میں مکہ کا موسم اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ کوئی شخص معمولاً اُڈنی کپڑے یا
 چادر اوڑھ کر سو سکے، روایات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ مدینے میں داخل ہوئے تو فصل خریف سمیٹی جا رہی
 تھی، گویری والنسٹ میں موسم آخری ہو چلا تھا۔

^۱ MARGOLIDUTH - RISE P 212 ^۲ H.G. WELLS - OUT LINE P. 600
^۳ سیرۃ النبی ۱/۲۷۷ - ^۴ IT WAS MONDAY JUNE 28 AD 622 - MUIR - LIFE 168
^۵ ابن ہشام ۲/۱۲۶، ابن سعد ۱/۵۳، طبری ۲/۲۳۳، ۲۳۴، ^۶ بخاری میں ہے کہ جب رسول اللہؐ مدینے پہنچے

تو عبد اللہ بن سلام ایک نعمتان میں مصروف رہے تھے، "وہو فی الحبل راہلہ مخترفا لہم"

۱۔ ہجرۃ النبی، نوردیکھے ابن سعد ۱/۵۳

۱۲ ربیع الاول: قبا میں آمد کی تاریخ ہے، جو حوالی مدینہ میں ایک چھوٹی سی بستی تھی، یہاں انصار کے کئی خانہ آباد تھے، جن میں غالباً سب سے ممتاز عمرو بن عوف کا خانہ تھا۔ اس خانہ کے رئیس کلثوم بن ہدم تھے جو مہاجرین کی پہلے سے میزبانی کر رہے تھے، آنحضرتؐ بھی یہیں مقیم ہوئے۔
 ”قبا“ میں اگرچہ آپؐ کی اقامت تقریباً دو مہینے (چودہ راتیں) (۱۲ ربیع الثانی) رہی، جب کہ انس بن مالک کی روایت سے ثابت ہے، (یعنی تقریباً ۲۵/۲۶ ربیع الاول تک) لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس عرصے میں آپؐ شہر آتے جاتے رہے چنانچہ ۱۶ ربیع الاول کو جمعہ کے دن آپؐ نے خناس مدینہ میں نماز ادا فرمائی۔ اور پہلا خطبہ جو سالم کے محلے میں دیا۔

مدینہ میں جب تعمیر مسجد کا انتظام شروع ہوا، تو آنحضرتؐ ابویوب کے مکان میں مقیم ہو گئے۔ جہاں تقریباً سات مہینے قیام فرمایا۔

دیل میں ان واقعات کی تاریخوں پر دو ملاحظہ فرمائیے !

۱۔ غار ثور کو روانگی۔ — جمعہ ۲ ربیع الاول — مطابق ۱۲ نومبر ۶۲۲ء

۲۔ غار میں سہ روزہ قیام۔ — جمعہ ۲ دوسنبہ ۲۵ ربیع — ۱۲/۱۵ نومبر ۶۲۲ء

۳۔ قبا میں آمد۔ — دوشنبہ ۱۲ ربیع الاول — ۲۲ نومبر ۶۲۲ء

۴۔ مدینہ میں نزوح۔ — جمعہ ۲ ربیع الاول — ۲۶ نومبر ۶۲۲ء

۵۔ مدینہ میں مستقل قیام۔ — یکشنبہ ۲۵/۲۶ ربیع — ۵ دسمبر ۶۲۲ء

موسس بھی فرماتے ہیں کہ چودہ دن کے بعد جو وہ چھ شہر کی طرف تشریف فرما ہوئے، لیکن صحیح روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ ”قبا“ میں آنحضرتؐ کو دو دو گنہ گار کو ہوا تھا، چودہ دن کے بعد پندرھویں دن پھر دوسنبہ ہی ہوگا، نہ کہ جمعہ، چودہ ازیں روز سے یسویٰ سے کیا۔ رائج بھی نقل کیا ہے، جو کسی طرح صحیح نہیں، اگر یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ درود قبا کی صحیح تاریخ ۲ سنبہ سر کو ہو، جسے اختیار کیا ہے (جو بھی بڑا بڑا ٹھیک نہیں ہیں، کیوں کہ

اسے یسویٰ سے لے کر ۲ سنبہ سر کو تک سنی روایت ہے

۲۰ ستمبر کو سورج برج میزان کے قریب ہوتا تھا، نہ کہ برج سرطان میں جیسا کہ اس زائچہ میں دکھایا گیا ہے۔

۳۶۲

اصل کتاب میں اگرچہ اس سلسلہ کے مندرجہ ذیل واقعات پر تفصیلی بحث کی گئی ہے، مگر برہان میں صرف غزوہ ذات الحشرہ اور ابواء کی تفصیلات پر غور کیا جائے گا، باقی واقعات کی توقیت صرف مجملہ پیش کی جا رہی ہے۔

۱۔ صوم عاشورا - بیان کیا جا چکا ہے کہ پیغمبر اسلام نے مدینہ پہنچ کر عاشورے کے روزے کا حکم دیا تھا، یہ واقعہ بابت سلسلہ کا ہے، سلسلہ کا نہیں، کیوں کہ آپ نے ربیع الاول سلسلہ میں ہجرت فرمائی تھی اور آپ کی ہجرت کے بعد پہلا یوم عاشورا محرم سلسلہ میں آیا تھا، (پوری تفصیلات کے لئے دیکھئے برہان / جولائی سلسلہ)

۲-۳۔ غزوہ ذات الحشرہ + غزوہ ابواء دیکھتے منظر متراہنہ۔

۴۔ غزوہ طلب کو زین جابر فہری : ابن سبکت کے بیان سے معلوم ہوتا ہے، کہ یہ واقعہ جمادی الاخریٰ سلسلہ کا تھا، چنانچہ ابن حبیب نے اس کی تاریخ ۱۲ جمادی الاخریٰ سلسلہ ہی بیان کی ہے، بخلاف اس کے داقدی اور ابن سعد کے نزدیک یہ واقعہ ربیع الاول سلسلہ کا ہے، دو تقویمی جدول کی رو سے یہ دونوں مہینے متبادل ہیں، اس سے ان روایات میں تضاد نہیں رہتا، ابن حبیب نے اس کی تاریخ بیان کرنے ہوئے تریا ہے کہ ۱۲ جمادی کو دو شنبہ تھا، جو اگرچہ حسابی رو سے ۳ کو پڑتا ہے، مگر یہ ایک دن کا فرق، قابلِ غور نہیں،

۵۔ غزوہ ابواء : اس غزوہ پر جانے کی تاریخ ابن حبیب کے موجودہ نسخے میں ۳ ربیع الاخر یوم دو شنبہ نظر آتی ہے مگر ساتھ ہی تاریخ مراجعت دو شنبہ ۲۰ ربیع الاخر بیان کی گئی ہے، یہ دونوں تاریخیں آپس میں مطابقت نہیں کرتیں۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تاریخ روانگی بجائے ۳ کے ۱۳ مرتب کیوں کہ ۲۰ کو جب دو شنبہ ہوگا تو اس سے پہلے صرف ۶ اور ۱۳ کو دو شنبہ ممکن ہے۔ (دیکھئے برہان ستمبر سلسلہ ۱۹۶۲ء) اس تاریخ میں بھی صرف ایک دن کا فرق محسوس ہوتا اور مکی تقویم کے بموجب ۱۲ کو دو شنبہ پڑتا ہے۔

۶۔ تحویل قبلہ : ام زہری نے اس واقعے کی تاریخ جمادی بن کی سب مگر عام روایات میں شعبان بتائی ہے اس واقعے پر بھی دو تقویمی کارفرمائی کا احساس ہوتا ہے، چنانچہ سلسلہ میں مکی جمادی مدنی شعبان کا متبادل مہینہ تھا۔

۷۔ سریرہ عبداللہ بن جحش : یہ واقعہ مکی رجب کا معلوم ہوتا ہے کیوں کہ روایات سے ثابت ہے کہ قریش کے

نزدیک یہ حرام مہینہ تھا، جس کی خواتن درزی پراخوں نے سخت احتجاج کیا تھا، (دیکھئے قرآن

۸۔ غزوہ ینبع : ابن حبیب نے اس کی تاریخ پخشنبہ ۲ شعبان ۱۰۰ سنہ بیان کی ہے جو بالکل صحیح ثابت

ہوئی ہے اور یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ یہ واقعہ مکی تقویم کے بموجب ریکارڈ ہوا تھا، (مقابلہ کیجئے برہان مئی / ۲۸۶)

۹۔ بنو غفار اور اسلام سے معاہدات : ابن حبیب نے بیان کیا ہے کہ ان معاہدات کے لئے پیغمبر اسلام

شعبہ ۱۴ شعبان کو ساذم سفر ہوئے تھے، مکی تقویم کے بموجب ۱۴ شعبان ۱۰۰ سنہ کو مسہ شعبہ ہی پڑتا ہے، اور یہ ریکارڈ

یقیناً مکی ہے (مقابلہ کیجئے برہان مئی / ۲۸۶)

۱۰۔ غزوہ بدر : اس غزوے کی مشہور تاریخ اگرچہ جمعہ ۱۲ رمضان ہے مگر سیرۃ کی سب سے بڑی سند

عروہ بن زبیر نے اس کی تاریخ ۶ رمضان بھی بیان کی ہے (دور مشہور ۱۸/۲) سبالی قاعدے سے رمضان کی پہلی

اگرچہ جمعہ کو تھی لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رواد کے نزدیک جمعہ کی پہلی تسلیم کی گئی تھی، جس کے اعتبار سے ۱۶ رمضان

کو جمعہ ہی پڑتا ہے، روایات سے اس غزوے کا موسم گرم ثابت ہوتا ہے، چونکہ مکی تقویم کے بموجب رمضان ۱۰۰ سنہ

جون ۱۰۰ سنہ سے مطابق تھا اس لئے یہ ریکارڈ مکی معلوم ہوتا ہے۔ (مقابلہ کیجئے برہان مئی / ۲۶۹)

۱۱۔ غزوہ بنو سہیم : ابن سعد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مہم کا قتل ثوال ۱۰۰ سنہ سے تھا مگر

دافدی نے اس کی تاریخ مرم ۱۰۰ سنہ بیان کی ہے، دو تفویض نظریہ سے یہ تضاد کلیتہً دور ہو جاتا ہے۔

۱۲۔ قتل ابو علفک : اس واقعے کی تفصیلات سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ واقعہ شدید موسم گرما کا تھا، مکی

جدول تقویم کی رو سے ثوال ۱۰۰ سنہ جون سے مطابق ہے، اس سے یہ مکی ریکارڈ معلوم ہوتا ہے (مقابلہ کیجئے برہان مئی / ۲۶۹)

۱۳۔ سر یہ غالب بن عبد اللہ : اس واقعے کی تاریخ پر غزوہ بنو سہیم کے مسافہ اصل کتابیں پوری

بحث کی گئی ہے۔

۱۴۔ غزوہ بنو قینقاع : اس عہدے کی تاریخ دافدی نے ہفتہ نصف ثوال بیان کی ہے، مکی

تقویم کے بموجب ۱۴ ریاہ رتول کو مہلتے ہی کا دن پڑتا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ مکی ریکارڈ تھا، ابن حبیب

نے اس کی تاریخ پخشنبہ ۲ شعبان بیان کی ہے جو غالباً یہودیوں کی جلا وطنی کی تاریخ ہے، یہ تاریخ مدنی معلوم

ہوتی ہے، اس واقعے پر بھی دو تفویض کا رفرائی کا یہ محسوس ہوتا ہے۔

۱۵۔ نکاح حضرت فاطمہؑ : طبری نے اس کی تاریخ آخر صفر بیان کی ہے جو غالباً مدنی روایت ہے علمائے شیعہ یکم ذوالحجہ پر متفق ہیں جو کی ریکارڈ معلوم ہوتا ہے، جدول تطبیق کو دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ابتداء ذوالحجہ مکی، آخر صفر مدنی سے متصل تھی۔

۱۶۔ غزوہ سویق : اس واقعہ کا ہمدانی ابن اسحاق اور واقفی کے درمیان متفق علیہ ہے، مگر واقفی نے اس کی تاریخ یکشنبہ ۷ ذوالحجہ بیان کی ہے، جو کی حساب پر قطعاً درست اترتی ہے،

۱۷۔ قتل کعب بن اشرف : اس کا ریکارڈ مدنی معلوم ہوتا ہے، کیوں کہ مکی ربیع الاول ۳۱ سنہ موسم سرما میں آیا تھا،

۱۸۔ غزوہ ذوالمر : اس واقعے کی توقیت پر بھی دو تقریبی کارفرمائی کا اثر واضح طور پر محسوس ہوتا ہے۔ کیوں کہ ابن اسحاق کی صراحت سے اس کی تاریخ آخر ذوالحجہ ۲۱ سنہ ثابت ہوتی ہے، جبکہ واقفی کے نزدیک یہ ربیع الاول ۳۱ سنہ کا واقعہ تھا۔ جدول سے اندازہ ہوتا ہے کہ ۲۱ سنہ یر ذوالحجہ اور ربیع الاول متبادں ہونے لگے !

۳۱۲

مکی	جولین	مدنی ہجری
۱۰ محرم ۲۱ سنہ یوم عاشورا	۲۰ اکتوبر ۶۲۳ سنہ یکشنبہ	ربیع ۲
غزوہ ابواہلہ غزوہ بروایت ابن اسحاق و واقفی وغیرہ	۳۱ اکتوبر ۶۲۳ سنہ دوسنبہ	۵۰ دی
غزوہ طلب کرز بن جابر فہری بروایت واقفی، وابن سعد	۳۰ نومبر ۶۲۳ سنہ چہارشنبہ	۲ جمادی
غزوہ بواط - واپسی مدینہ ۲۰ ربیع الآخر، ابن حبیب	۲۵ دسمبر ۶۲۳ سنہ پنجشنبہ	ربیع
تحویل قبلہ بروایت زہری	۲۸ دسمبر ۶۲۳ سنہ شنبہ	جمادی
تحویل قبلہ - (عام روایت)		شعب

مکی	جولین	مدنی ہجری
جمادیٰ	۲۶ فروری یکشنبہ	رمضان
رتب	۲۷ مارچ شنبہ	شوال
شعبان	۲۵ اپریل چهار شنبہ	ذیقعدہ
رمضان	۲۵ مئی جمعہ	ذوالحجہ
شوال	۲۷ جون یکشنبہ	محرم
ذیقعدہ	۲۷ جولائی شنبہ	صفر
ذوالحجہ	۲۷ اگست چهار شنبہ	ربیع

نوٹ :- ۶ جون ۱۳۸۲ کو بہارِ شنب کے دن چاند گرہن ہوا تھا، جس سے شنبے کی چودس اور چہار شنبے کی

پورن ماسٹی تھی۔

غزوۃ ذات العشرہ

غزوۃ ابوا ، ودان

جمادی اولیٰ = صفر ۱۳۵۵ مطابق اکتوبر ۱۹۳۵ء

تقریباً تمام اہل سیرۃ اتفاق ہے کہ سب سے پہلی ہجرت میں پیغمبر اسلام بنفس نفیس شریک تھے غزوۃ ابوا ہے، جس کو غزوۃ ودان بھی کہتے ہیں، مقدس میں ہے، کتب، وفدی، ابن ہشام، بن سعد، ابن حبیب اور طبری وغیرہ نے اس کے بعد جدتِ خرمین نے مسند غزوات کی ابتداء اسی غزوے سے کی ہے۔

اس پر بھی سب اتفاق ہے کہ غزوۃ ابوا صفر ۱۳۵۵ کا واقعہ ہے، بلکہ شرح مواہب میں تو یہاں تک ہے

سے دیکھنے میں ہے ۲۰ - ۲۱ - ۲۲ - ۲۳ - ۲۴ - ۲۵ - ۲۶ - ۲۷ - ۲۸ - ۲۹ - ۳۰ - ۳۱ - ۳۲ - ۳۳ - ۳۴ - ۳۵ - ۳۶ - ۳۷ - ۳۸ - ۳۹ - ۴۰ - ۴۱ - ۴۲ - ۴۳ - ۴۴ - ۴۵ - ۴۶ - ۴۷ - ۴۸ - ۴۹ - ۵۰ - ۵۱ - ۵۲ - ۵۳ - ۵۴ - ۵۵ - ۵۶ - ۵۷ - ۵۸ - ۵۹ - ۶۰ - ۶۱ - ۶۲ - ۶۳ - ۶۴ - ۶۵ - ۶۶ - ۶۷ - ۶۸ - ۶۹ - ۷۰ - ۷۱ - ۷۲ - ۷۳ - ۷۴ - ۷۵ - ۷۶ - ۷۷ - ۷۸ - ۷۹ - ۸۰ - ۸۱ - ۸۲ - ۸۳ - ۸۴ - ۸۵ - ۸۶ - ۸۷ - ۸۸ - ۸۹ - ۹۰ - ۹۱ - ۹۲ - ۹۳ - ۹۴ - ۹۵ - ۹۶ - ۹۷ - ۹۸ - ۹۹ - ۱۰۰ - ۱۰۱ - ۱۰۲ - ۱۰۳ - ۱۰۴ - ۱۰۵ - ۱۰۶ - ۱۰۷ - ۱۰۸ - ۱۰۹ - ۱۱۰ - ۱۱۱ - ۱۱۲ - ۱۱۳ - ۱۱۴ - ۱۱۵ - ۱۱۶ - ۱۱۷ - ۱۱۸ - ۱۱۹ - ۱۲۰ - ۱۲۱ - ۱۲۲ - ۱۲۳ - ۱۲۴ - ۱۲۵ - ۱۲۶ - ۱۲۷ - ۱۲۸ - ۱۲۹ - ۱۳۰ - ۱۳۱ - ۱۳۲ - ۱۳۳ - ۱۳۴ - ۱۳۵ - ۱۳۶ - ۱۳۷ - ۱۳۸ - ۱۳۹ - ۱۴۰ - ۱۴۱ - ۱۴۲ - ۱۴۳ - ۱۴۴ - ۱۴۵ - ۱۴۶ - ۱۴۷ - ۱۴۸ - ۱۴۹ - ۱۵۰ - ۱۵۱ - ۱۵۲ - ۱۵۳ - ۱۵۴ - ۱۵۵ - ۱۵۶ - ۱۵۷ - ۱۵۸ - ۱۵۹ - ۱۶۰ - ۱۶۱ - ۱۶۲ - ۱۶۳ - ۱۶۴ - ۱۶۵ - ۱۶۶ - ۱۶۷ - ۱۶۸ - ۱۶۹ - ۱۷۰ - ۱۷۱ - ۱۷۲ - ۱۷۳ - ۱۷۴ - ۱۷۵ - ۱۷۶ - ۱۷۷ - ۱۷۸ - ۱۷۹ - ۱۸۰ - ۱۸۱ - ۱۸۲ - ۱۸۳ - ۱۸۴ - ۱۸۵ - ۱۸۶ - ۱۸۷ - ۱۸۸ - ۱۸۹ - ۱۹۰ - ۱۹۱ - ۱۹۲ - ۱۹۳ - ۱۹۴ - ۱۹۵ - ۱۹۶ - ۱۹۷ - ۱۹۸ - ۱۹۹ - ۲۰۰ - ۲۰۱ - ۲۰۲ - ۲۰۳ - ۲۰۴ - ۲۰۵ - ۲۰۶ - ۲۰۷ - ۲۰۸ - ۲۰۹ - ۲۱۰ - ۲۱۱ - ۲۱۲ - ۲۱۳ - ۲۱۴ - ۲۱۵ - ۲۱۶ - ۲۱۷ - ۲۱۸ - ۲۱۹ - ۲۲۰ - ۲۲۱ - ۲۲۲ - ۲۲۳ - ۲۲۴ - ۲۲۵ - ۲۲۶ - ۲۲۷ - ۲۲۸ - ۲۲۹ - ۲۳۰ - ۲۳۱ - ۲۳۲ - ۲۳۳ - ۲۳۴ - ۲۳۵ - ۲۳۶ - ۲۳۷ - ۲۳۸ - ۲۳۹ - ۲۴۰ - ۲۴۱ - ۲۴۲ - ۲۴۳ - ۲۴۴ - ۲۴۵ - ۲۴۶ - ۲۴۷ - ۲۴۸ - ۲۴۹ - ۲۵۰ - ۲۵۱ - ۲۵۲ - ۲۵۳ - ۲۵۴ - ۲۵۵ - ۲۵۶ - ۲۵۷ - ۲۵۸ - ۲۵۹ - ۲۶۰ - ۲۶۱ - ۲۶۲ - ۲۶۳ - ۲۶۴ - ۲۶۵ - ۲۶۶ - ۲۶۷ - ۲۶۸ - ۲۶۹ - ۲۷۰ - ۲۷۱ - ۲۷۲ - ۲۷۳ - ۲۷۴ - ۲۷۵ - ۲۷۶ - ۲۷۷ - ۲۷۸ - ۲۷۹ - ۲۸۰ - ۲۸۱ - ۲۸۲ - ۲۸۳ - ۲۸۴ - ۲۸۵ - ۲۸۶ - ۲۸۷ - ۲۸۸ - ۲۸۹ - ۲۹۰ - ۲۹۱ - ۲۹۲ - ۲۹۳ - ۲۹۴ - ۲۹۵ - ۲۹۶ - ۲۹۷ - ۲۹۸ - ۲۹۹ - ۳۰۰ - ۳۰۱ - ۳۰۲ - ۳۰۳ - ۳۰۴ - ۳۰۵ - ۳۰۶ - ۳۰۷ - ۳۰۸ - ۳۰۹ - ۳۱۰ - ۳۱۱ - ۳۱۲ - ۳۱۳ - ۳۱۴ - ۳۱۵ - ۳۱۶ - ۳۱۷ - ۳۱۸ - ۳۱۹ - ۳۲۰ - ۳۲۱ - ۳۲۲ - ۳۲۳ - ۳۲۴ - ۳۲۵ - ۳۲۶ - ۳۲۷ - ۳۲۸ - ۳۲۹ - ۳۳۰ - ۳۳۱ - ۳۳۲ - ۳۳۳ - ۳۳۴ - ۳۳۵ - ۳۳۶ - ۳۳۷ - ۳۳۸ - ۳۳۹ - ۳۴۰ - ۳۴۱ - ۳۴۲ - ۳۴۳ - ۳۴۴ - ۳۴۵ - ۳۴۶ - ۳۴۷ - ۳۴۸ - ۳۴۹ - ۳۵۰ - ۳۵۱ - ۳۵۲ - ۳۵۳ - ۳۵۴ - ۳۵۵ - ۳۵۶ - ۳۵۷ - ۳۵۸ - ۳۵۹ - ۳۶۰ - ۳۶۱ - ۳۶۲ - ۳۶۳ - ۳۶۴ - ۳۶۵ - ۳۶۶ - ۳۶۷ - ۳۶۸ - ۳۶۹ - ۳۷۰ - ۳۷۱ - ۳۷۲ - ۳۷۳ - ۳۷۴ - ۳۷۵ - ۳۷۶ - ۳۷۷ - ۳۷۸ - ۳۷۹ - ۳۸۰ - ۳۸۱ - ۳۸۲ - ۳۸۳ - ۳۸۴ - ۳۸۵ - ۳۸۶ - ۳۸۷ - ۳۸۸ - ۳۸۹ - ۳۹۰ - ۳۹۱ - ۳۹۲ - ۳۹۳ - ۳۹۴ - ۳۹۵ - ۳۹۶ - ۳۹۷ - ۳۹۸ - ۳۹۹ - ۴۰۰ - ۴۰۱ - ۴۰۲ - ۴۰۳ - ۴۰۴ - ۴۰۵ - ۴۰۶ - ۴۰۷ - ۴۰۸ - ۴۰۹ - ۴۱۰ - ۴۱۱ - ۴۱۲ - ۴۱۳ - ۴۱۴ - ۴۱۵ - ۴۱۶ - ۴۱۷ - ۴۱۸ - ۴۱۹ - ۴۲۰ - ۴۲۱ - ۴۲۲ - ۴۲۳ - ۴۲۴ - ۴۲۵ - ۴۲۶ - ۴۲۷ - ۴۲۸ - ۴۲۹ - ۴۳۰ - ۴۳۱ - ۴۳۲ - ۴۳۳ - ۴۳۴ - ۴۳۵ - ۴۳۶ - ۴۳۷ - ۴۳۸ - ۴۳۹ - ۴۴۰ - ۴۴۱ - ۴۴۲ - ۴۴۳ - ۴۴۴ - ۴۴۵ - ۴۴۶ - ۴۴۷ - ۴۴۸ - ۴۴۹ - ۴۵۰ - ۴۵۱ - ۴۵۲ - ۴۵۳ - ۴۵۴ - ۴۵۵ - ۴۵۶ - ۴۵۷ - ۴۵۸ - ۴۵۹ - ۴۶۰ - ۴۶۱ - ۴۶۲ - ۴۶۳ - ۴۶۴ - ۴۶۵ - ۴۶۶ - ۴۶۷ - ۴۶۸ - ۴۶۹ - ۴۷۰ - ۴۷۱ - ۴۷۲ - ۴۷۳ - ۴۷۴ - ۴۷۵ - ۴۷۶ - ۴۷۷ - ۴۷۸ - ۴۷۹ - ۴۸۰ - ۴۸۱ - ۴۸۲ - ۴۸۳ - ۴۸۴ - ۴۸۵ - ۴۸۶ - ۴۸۷ - ۴۸۸ - ۴۸۹ - ۴۹۰ - ۴۹۱ - ۴۹۲ - ۴۹۳ - ۴۹۴ - ۴۹۵ - ۴۹۶ - ۴۹۷ - ۴۹۸ - ۴۹۹ - ۵۰۰ - ۵۰۱ - ۵۰۲ - ۵۰۳ - ۵۰۴ - ۵۰۵ - ۵۰۶ - ۵۰۷ - ۵۰۸ - ۵۰۹ - ۵۱۰ - ۵۱۱ - ۵۱۲ - ۵۱۳ - ۵۱۴ - ۵۱۵ - ۵۱۶ - ۵۱۷ - ۵۱۸ - ۵۱۹ - ۵۲۰ - ۵۲۱ - ۵۲۲ - ۵۲۳ - ۵۲۴ - ۵۲۵ - ۵۲۶ - ۵۲۷ - ۵۲۸ - ۵۲۹ - ۵۳۰ - ۵۳۱ - ۵۳۲ - ۵۳۳ - ۵۳۴ - ۵۳۵ - ۵۳۶ - ۵۳۷ - ۵۳۸ - ۵۳۹ - ۵۴۰ - ۵۴۱ - ۵۴۲ - ۵۴۳ - ۵۴۴ - ۵۴۵ - ۵۴۶ - ۵۴۷ - ۵۴۸ - ۵۴۹ - ۵۵۰ - ۵۵۱ - ۵۵۲ - ۵۵۳ - ۵۵۴ - ۵۵۵ - ۵۵۶ - ۵۵۷ - ۵۵۸ - ۵۵۹ - ۵۶۰ - ۵۶۱ - ۵۶۲ - ۵۶۳ - ۵۶۴ - ۵۶۵ - ۵۶۶ - ۵۶۷ - ۵۶۸ - ۵۶۹ - ۵۷۰ - ۵۷۱ - ۵۷۲ - ۵۷۳ - ۵۷۴ - ۵۷۵ - ۵۷۶ - ۵۷۷ - ۵۷۸ - ۵۷۹ - ۵۸۰ - ۵۸۱ - ۵۸۲ - ۵۸۳ - ۵۸۴ - ۵۸۵ - ۵۸۶ - ۵۸۷ - ۵۸۸ - ۵۸۹ - ۵۹۰ - ۵۹۱ - ۵۹۲ - ۵۹۳ - ۵۹۴ - ۵۹۵ - ۵۹۶ - ۵۹۷ - ۵۹۸ - ۵۹۹ - ۶۰۰ - ۶۰۱ - ۶۰۲ - ۶۰۳ - ۶۰۴ - ۶۰۵ - ۶۰۶ - ۶۰۷ - ۶۰۸ - ۶۰۹ - ۶۱۰ - ۶۱۱ - ۶۱۲ - ۶۱۳ - ۶۱۴ - ۶۱۵ - ۶۱۶ - ۶۱۷ - ۶۱۸ - ۶۱۹ - ۶۲۰ - ۶۲۱ - ۶۲۲ - ۶۲۳ - ۶۲۴ - ۶۲۵ - ۶۲۶ - ۶۲۷ - ۶۲۸ - ۶۲۹ - ۶۳۰ - ۶۳۱ - ۶۳۲ - ۶۳۳ - ۶۳۴ - ۶۳۵ - ۶۳۶ - ۶۳۷ - ۶۳۸ - ۶۳۹ - ۶۴۰ - ۶۴۱ - ۶۴۲ - ۶۴۳ - ۶۴۴ - ۶۴۵ - ۶۴۶ - ۶۴۷ - ۶۴۸ - ۶۴۹ - ۶۵۰ - ۶۵۱ - ۶۵۲ - ۶۵۳ - ۶۵۴ - ۶۵۵ - ۶۵۶ - ۶۵۷ - ۶۵۸ - ۶۵۹ - ۶۶۰ - ۶۶۱ - ۶۶۲ - ۶۶۳ - ۶۶۴ - ۶۶۵ - ۶۶۶ - ۶۶۷ - ۶۶۸ - ۶۶۹ - ۶۷۰ - ۶۷۱ - ۶۷۲ - ۶۷۳ - ۶۷۴ - ۶۷۵ - ۶۷۶ - ۶۷۷ - ۶۷۸ - ۶۷۹ - ۶۸۰ - ۶۸۱ - ۶۸۲ - ۶۸۳ - ۶۸۴ - ۶۸۵ - ۶۸۶ - ۶۸۷ - ۶۸۸ - ۶۸۹ - ۶۹۰ - ۶۹۱ - ۶۹۲ - ۶۹۳ - ۶۹۴ - ۶۹۵ - ۶۹۶ - ۶۹۷ - ۶۹۸ - ۶۹۹ - ۷۰۰ - ۷۰۱ - ۷۰۲ - ۷۰۳ - ۷۰۴ - ۷۰۵ - ۷۰۶ - ۷۰۷ - ۷۰۸ - ۷۰۹ - ۷۱۰ - ۷۱۱ - ۷۱۲ - ۷۱۳ - ۷۱۴ - ۷۱۵ - ۷۱۶ - ۷۱۷ - ۷۱۸ - ۷۱۹ - ۷۲۰ - ۷۲۱ - ۷۲۲ - ۷۲۳ - ۷۲۴ - ۷۲۵ - ۷۲۶ - ۷۲۷ - ۷۲۸ - ۷۲۹ - ۷۳۰ - ۷۳۱ - ۷۳۲ - ۷۳۳ - ۷۳۴ - ۷۳۵ - ۷۳۶ - ۷۳۷ - ۷۳۸ - ۷۳۹ - ۷۴۰ - ۷۴۱ - ۷۴۲ - ۷۴۳ - ۷۴۴ - ۷۴۵ - ۷۴۶ - ۷۴۷ - ۷۴۸ - ۷۴۹ - ۷۵۰ - ۷۵۱ - ۷۵۲ - ۷۵۳ - ۷۵۴ - ۷۵۵ - ۷۵۶ - ۷۵۷ - ۷۵۸ - ۷۵۹ - ۷۶۰ - ۷۶۱ - ۷۶۲ - ۷۶۳ - ۷۶۴ - ۷۶۵ - ۷۶۶ - ۷۶۷ - ۷۶۸ - ۷۶۹ - ۷۷۰ - ۷۷۱ - ۷۷۲ - ۷۷۳ - ۷۷۴ - ۷۷۵ - ۷۷۶ - ۷۷۷ - ۷۷۸ - ۷۷۹ - ۷۸۰ - ۷۸۱ - ۷۸۲ - ۷۸۳ - ۷۸۴ - ۷۸۵ - ۷۸۶ - ۷۸۷ - ۷۸۸ - ۷۸۹ - ۷۹۰ - ۷۹۱ - ۷۹۲ - ۷۹۳ - ۷۹۴ - ۷۹۵ - ۷۹۶ - ۷۹۷ - ۷۹۸ - ۷۹۹ - ۸۰۰ - ۸۰۱ - ۸۰۲ - ۸۰۳ - ۸۰۴ - ۸۰۵ - ۸۰۶ - ۸۰۷ - ۸۰۸ - ۸۰۹ - ۸۱۰ - ۸۱۱ - ۸۱۲ - ۸۱۳ - ۸۱۴ - ۸۱۵ - ۸۱۶ - ۸۱۷ - ۸۱۸ - ۸۱۹ - ۸۲۰ - ۸۲۱ - ۸۲۲ - ۸۲۳ - ۸۲۴ - ۸۲۵ - ۸۲۶ - ۸۲۷ - ۸۲۸ - ۸۲۹ - ۸۳۰ - ۸۳۱ - ۸۳۲ - ۸۳۳ - ۸۳۴ - ۸۳۵ - ۸۳۶ - ۸۳۷ - ۸۳۸ - ۸۳۹ - ۸۴۰ - ۸۴۱ - ۸۴۲ - ۸۴۳ - ۸۴۴ - ۸۴۵ - ۸۴۶ - ۸۴۷ - ۸۴۸ - ۸۴۹ - ۸۵۰ - ۸۵۱ - ۸۵۲ - ۸۵۳ - ۸۵۴ - ۸۵۵ - ۸۵۶ - ۸۵۷ - ۸۵۸ - ۸۵۹ - ۸۶۰ - ۸۶۱ - ۸۶۲ - ۸۶۳ - ۸۶۴ - ۸۶۵ - ۸۶۶ - ۸۶۷ - ۸۶۸ - ۸۶۹ - ۸۷۰ - ۸۷۱ - ۸۷۲ - ۸۷۳ - ۸۷۴ - ۸۷۵ - ۸۷۶ - ۸۷۷ - ۸۷۸ - ۸۷۹ - ۸۸۰ - ۸۸۱ - ۸۸۲ - ۸۸۳ - ۸۸۴ - ۸۸۵ - ۸۸۶ - ۸۸۷ - ۸۸۸ - ۸۸۹ - ۸۹۰ - ۸۹۱ - ۸۹۲ - ۸۹۳ - ۸۹۴ - ۸۹۵ - ۸۹۶ - ۸۹۷ - ۸۹۸ - ۸۹۹ - ۹۰۰ - ۹۰۱ - ۹۰۲ - ۹۰۳ - ۹۰۴ - ۹۰۵ - ۹۰۶ - ۹۰۷ - ۹۰۸ - ۹۰۹ - ۹۱۰ - ۹۱۱ - ۹۱۲ - ۹۱۳ - ۹۱۴ - ۹۱۵ - ۹۱۶ - ۹۱۷ - ۹۱۸ - ۹۱۹ - ۹۲۰ - ۹۲۱ - ۹۲۲ - ۹۲۳ - ۹۲۴ - ۹۲۵ - ۹۲۶ - ۹۲۷ - ۹۲۸ - ۹۲۹ - ۹۳۰ - ۹۳۱ - ۹۳۲ - ۹۳۳ - ۹۳۴ - ۹۳۵ - ۹۳۶ - ۹۳۷ - ۹۳۸ - ۹۳۹ - ۹۴۰ - ۹۴۱ - ۹۴۲ - ۹۴۳ - ۹۴۴ - ۹۴۵ - ۹۴۶ - ۹۴۷ - ۹۴۸ - ۹۴۹ - ۹۵۰ - ۹۵۱ - ۹۵۲ - ۹۵۳ - ۹۵۴ - ۹۵۵ - ۹۵۶ - ۹۵۷ - ۹۵۸ - ۹۵۹ - ۹۶۰ - ۹۶۱ - ۹۶۲ - ۹۶۳ - ۹۶۴ - ۹۶۵ - ۹۶۶ - ۹۶۷ - ۹۶۸ - ۹۶۹ - ۹۷۰ - ۹۷۱ - ۹۷۲ - ۹۷۳ - ۹۷۴ - ۹۷۵ - ۹۷۶ - ۹۷۷ - ۹۷۸ - ۹۷۹ - ۹۸۰ - ۹۸۱ - ۹۸۲ - ۹۸۳ - ۹۸۴ - ۹۸۵ - ۹۸۶ - ۹۸۷ - ۹۸۸ - ۹۸۹ - ۹۹۰ - ۹۹۱ - ۹۹۲ - ۹۹۳ - ۹۹۴ - ۹۹۵ - ۹۹۶ - ۹۹۷ - ۹۹۸ - ۹۹۹ - ۱۰۰۰ - ۱۰۰۱ - ۱۰۰۲ - ۱۰۰۳ - ۱۰۰۴ - ۱۰۰۵ - ۱۰۰۶ - ۱۰۰۷ - ۱۰۰۸ - ۱۰۰۹ - ۱۰۱۰ - ۱۰۱۱ - ۱۰۱۲ - ۱۰۱۳ - ۱۰۱۴ - ۱۰۱۵ - ۱۰۱۶ - ۱۰۱۷ - ۱۰۱۸ - ۱۰۱۹ - ۱۰۲۰ - ۱۰۲۱ - ۱۰۲۲ - ۱۰۲۳ - ۱۰۲۴ - ۱۰۲۵ - ۱۰۲۶ - ۱۰۲۷ - ۱۰۲۸ - ۱۰۲۹ - ۱۰۳۰ - ۱۰۳۱ - ۱۰۳۲ - ۱۰۳۳ - ۱۰۳۴ - ۱۰۳۵ - ۱۰۳۶ - ۱۰۳۷ - ۱۰۳۸ - ۱۰۳۹ - ۱۰۴۰ - ۱۰۴۱ - ۱۰۴۲ - ۱۰۴۳ - ۱۰۴۴ - ۱۰۴۵ - ۱۰۴۶ - ۱۰۴۷ - ۱۰۴۸ - ۱۰۴۹ - ۱۰۵۰ - ۱۰۵۱ - ۱۰۵۲ - ۱۰۵۳ - ۱۰۵۴ - ۱۰۵۵ - ۱۰۵۶ - ۱۰۵۷ - ۱۰۵۸ - ۱۰۵۹ - ۱۰۶۰ - ۱۰۶۱ - ۱۰۶۲ - ۱۰۶۳ - ۱۰۶۴ - ۱۰۶۵ - ۱۰۶۶ - ۱۰۶۷ - ۱۰۶۸ - ۱۰۶۹ - ۱۰۷۰ - ۱۰۷۱ - ۱۰۷۲ - ۱۰۷۳ - ۱۰۷۴ - ۱۰۷۵ - ۱۰۷۶ - ۱۰۷۷ - ۱۰۷۸ - ۱۰۷۹ - ۱۰۸۰ - ۱۰۸۱ - ۱۰۸۲ - ۱۰۸۳ - ۱۰۸۴ - ۱۰۸۵ - ۱۰۸۶ - ۱۰۸۷ - ۱۰۸۸ - ۱۰۸۹ - ۱۰۹۰ - ۱۰۹۱ - ۱۰۹۲ - ۱۰۹۳ - ۱۰۹۴ - ۱۰۹۵ - ۱۰۹۶ - ۱۰۹۷ - ۱۰۹۸ - ۱۰۹۹ - ۱۱۰۰ - ۱۱۰۱ - ۱۱۰۲ - ۱۱۰۳ - ۱۱۰۴ - ۱۱۰۵ - ۱۱۰۶ - ۱۱۰۷ - ۱۱۰۸ - ۱۱۰۹ - ۱۱۱۰ - ۱۱۱۱ - ۱۱۱۲ - ۱۱۱۳ - ۱۱۱۴ - ۱۱۱۵ - ۱۱۱۶ - ۱۱۱۷ - ۱۱۱۸ - ۱۱۱۹ - ۱۱۲۰ - ۱۱۲۱ - ۱۱۲۲ - ۱۱۲۳ - ۱۱۲۴ - ۱۱۲۵ - ۱۱۲۶ - ۱۱۲۷ - ۱۱۲۸ - ۱۱۲۹ - ۱۱۳۰ - ۱۱۳۱ - ۱۱۳۲ - ۱۱۳۳ - ۱۱۳۴ - ۱۱۳۵ - ۱۱۳۶ - ۱۱۳۷ - ۱۱۳۸ - ۱۱۳۹ - ۱۱۴۰ - ۱۱۴۱ - ۱۱۴۲ - ۱۱۴۳ - ۱۱۴۴ - ۱۱۴۵ - ۱۱۴۶ - ۱۱۴۷ - ۱۱۴۸ - ۱۱۴۹ - ۱۱۵۰ - ۱۱۵۱ - ۱۱۵۲ - ۱۱۵۳ - ۱۱۵۴ - ۱۱۵۵ - ۱۱۵۶ - ۱۱۵۷ - ۱۱۵۸ - ۱۱۵۹ - ۱۱۶۰ - ۱۱۶۱ - ۱۱۶۲ - ۱۱۶۳ - ۱۱۶۴ - ۱۱۶۵ - ۱۱۶۶ - ۱۱۶۷ - ۱۱۶۸ - ۱۱۶۹ - ۱۱۷۰ - ۱۱۷۱ - ۱۱۷۲ - ۱۱۷۳ - ۱۱۷۴ - ۱۱۷۵ - ۱۱۷۶ - ۱۱۷۷ - ۱۱۷۸ - ۱۱۷۹ - ۱۱۸۰ - ۱۱۸۱ - ۱۱۸۲ - ۱۱۸۳ - ۱۱۸۴ - ۱۱۸۵ - ۱۱۸۶ - ۱۱۸۷ - ۱۱۸۸ - ۱۱۸۹ - ۱۱۹۰ - ۱۱۹۱ - ۱۱۹۲ - ۱۱۹۳ - ۱۱۹۴ - ۱۱۹۵ - ۱۱۹۶ - ۱۱۹۷ - ۱۱۹۸ - ۱۱۹۹ - ۱۲۰۰ - ۱۲۰۱ - ۱۲۰۲ - ۱۲۰۳ - ۱۲۰۴ - ۱۲۰۵ - ۱۲۰۶ - ۱۲۰۷ - ۱۲۰۸ - ۱۲۰۹ - ۱۲۱۰ - ۱۲۱۱ - ۱۲۱۲ - ۱۲۱۳ - ۱۲۱۴ - ۱۲۱۵ - ۱۲۱۶ - ۱۲۱۷ - ۱۲۱۸ - ۱۲۱۹ - ۱۲۲۰ - ۱۲۲۱ - ۱۲۲۲ - ۱۲۲۳ - ۱۲۲۴ - ۱۲۲۵ - ۱۲۲۶ - ۱۲۲۷ - ۱۲۲۸ - ۱۲۲۹ - ۱۲۳۰ - ۱۲۳۱ - ۱۲۳۲ - ۱۲۳۳ - ۱۲۳۴ - ۱۲۳۵ - ۱۲۳۶ - ۱۲۳۷ - ۱۲۳۸ - ۱۲۳۹ - ۱۲۴۰ - ۱۲۴۱ - ۱۲۴۲ - ۱۲۴۳ - ۱۲۴۴ - ۱۲۴۵ - ۱۲۴۶ - ۱۲۴۷ - ۱۲۴۸ - ۱۲۴۹ - ۱۲۵۰ - ۱۲۵۱ - ۱۲۵۲ - ۱۲۵۳ - ۱۲۵۴ - ۱۲۵۵ - ۱۲۵۶ - ۱۲۵۷ - ۱۲۵۸ - ۱۲۵۹ - ۱۲۶۰ - ۱۲۶۱ - ۱۲۶۲ - ۱۲۶۳ - ۱۲۶۴ - ۱۲۶۵ - ۱۲۶۶ - ۱۲۶۷ - ۱۲۶۸ - ۱۲۶۹ - ۱۲۷۰ - ۱۲۷۱ - ۱۲۷۲ - ۱۲۷۳ - ۱۲۷۴ - ۱۲۷۵ - ۱۲۷۶ - ۱۲۷۷ - ۱۲۷۸ - ۱۲۷۹ - ۱۲۸۰ - ۱۲۸۱ - ۱۲۸۲ - ۱۲۸۳ - ۱۲۸۴ - ۱۲۸۵ - ۱۲۸۶ - ۱۲۸۷ - ۱۲۸۸ - ۱۲۸۹ - ۱۲۹۰ - ۱۲۹۱ - ۱۲۹۲ - ۱۲۹۳ - ۱۲۹۴ - ۱۲۹۵ - ۱۲۹۶ - ۱۲۹۷ - ۱۲۹۸ - ۱۲۹۹ - ۱۳۰۰ - ۱۳۰۱ - ۱۳۰۲ - ۱۳۰۳ - ۱۳۰۴ - ۱۳۰۵ - ۱۳۰۶ - ۱۳۰۷ - ۱۳۰۸ - ۱۳۰۹ - ۱۳۱۰ - ۱۳۱۱ - ۱۳۱۲ - ۱۳۱۳ - ۱۳۱۴ - ۱۳۱۵ - ۱۳۱۶ - ۱۳۱۷ - ۱۳۱۸ - ۱۳۱۹ - ۱۳۲۰ - ۱۳۲۱ - ۱۳۲۲ - ۱۳۲۳ - ۱۳۲۴ - ۱۳۲۵ - ۱۳۲۶ - ۱۳۲۷ - ۱۳۲۸ - ۱۳۲۹ - ۱۳۳۰ - ۱۳۳۱ - ۱۳۳۲ - ۱۳۳۳ - ۱۳۳۴ - ۱۳۳۵ - ۱۳۳۶ - ۱۳۳۷ - ۱۳۳۸ - ۱۳۳۹ - ۱۳۴۰ - ۱۳۴۱ - ۱۳۴۲ - ۱۳۴۳ - ۱۳۴۴ - ۱۳۴۵ - ۱۳۴۶ - ۱۳۴۷ - ۱۳۴۸ - ۱۳۴۹ - ۱۳۵۰ - ۱۳۵۱ - ۱۳۵۲ - ۱۳۵۳ - ۱۳۵۴ - ۱۳۵۵ - ۱۳۵۶ - ۱۳۵۷ - ۱۳۵۸ - ۱۳۵۹ - ۱۳۶۰ - ۱۳۶۱ - ۱۳۶۲ - ۱۳۶۳ - ۱۳۶۴ - ۱۳۶۵ - ۱۳۶۶ - ۱۳۶۷ - ۱۳۶۸ - ۱۳۶۹ - ۱۳۷۰ - ۱۳۷۱ - ۱۳۷۲ -

کہ اسی صفر میں خدا نے جہاد کی اجازت دی تھی۔^۱

علمائے سیرت کے اس متفقہ خیال کا مقابلہ بخاری کی کتاب المغازی سے کیا جائے تو ایک تناقض نظر آتا ہے، اس لئے کہ امام بخاریؒ نے سلسلہ غزوات کی ابتداء غزوہ عسیرہ سے کی ہے۔ اور دلیل میں زید بن ارقمؓ کی یہ روایت پیش کی ہے:

”زید بن ارقم سے دریافت کیا گیا کہ رسول اللہؐ نے کتنی لڑائیاں لڑیں؟ تو انہوں نے جواب دیا۔

انہیں^{۱۹}، ان سے پوچھا گیا کہ تم کتنی لڑائیوں میں شریک تھے؟ فرمایا سترہ میں، پھر ان سے کہا گیا کہ سب سے پہلا غزوہ کون سا ہے؟ تو فرمایا ”عسیرہ یا عسیرہ“^{۲۰}

اگر یہ صحیح ہے کہ رسول اللہؐ کو ”صفر“ ہی میں جہاد کی اجازت دی گئی تھی، اور اسی مہینے آپؐ قریش کے کاؤانی شاہراہ کی ناکہ بندی اور پردوسی قبائل سے خیر سگالی کے معاہدے کرنے کے لئے نکل کھڑے ہوئے تھے (جو مدینے کی سواشی ضروریات کے لئے بے حد ضروری تھے) تو غزوہ ذات العسیرہ اسی صفر سنہ میں ہونا چاہئے، اس لئے کہ حضرت زید کی شہادت ایسے شخص کی شہادت ہے جو مجلد ۹ کے، ۱۱۱ ہجری میں رسول اللہؐ کے فتنے کار اور ساتھی رہ چکے تھے۔

اس کے مقابلے میں ابن اسحقؒ اور واقدیؒ وغیرہ کا اس پر اتفاق ہے، کہ یہ واقعہ (یعنی غزوہ عسیرہ) صفر سنہ کا نہیں، بلکہ جمادی الاول سنہ کا ہے، اس طرح عام طور پر یہ مہم غزوہ ابواء سے دو ڈھائی مہینے بعد کی تسلیم کی جاتی ہے۔

محدثین اور سیرت نگاروں کے اس اختلاف کا نتیجہ یہ ہے کہ دونوں روایتیں بظاہر مشکوک ہو جاتی ہیں، اور کبھی ہم بخاری اور زید بن ارقمؓ پر جرح کرنے لگتے ہیں، اور کبھی سیرت نگاروں پر، لیکن واقعی طور پر جانچ کیجئے، تو یہ صرف ایک تقویٰ فریب ثابت ہوتا ہے، جس میں سیرت نگار ورنہ درجہ دراز سے مبتدا ہیں۔

سنہ کی دو تقویٰ جدولوں پر نظر ڈالئے تو مکی صفر کے مقابلے میں مدنی جمادی الاولیٰ نظر آئے گا، جس کے

۱۔ شرح مواہب، ۱/۲۴۶، سنہ بخاری کتاب المغازی، سن رویت کو واقدیؒ در طبریؒ وغیرہ نے بھی حق کیا ہے دیکھئے واقدیؒ ۴/

طبری واقعات سنہ۔ ۳ پیغمبر اسلام کے غزوات کی تعداد مختلف مصنفین نے مختلف بیان کی ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ بعض نے

بعوث اور سرایا کو بھی غزوات میں شامل کر لیا ہے، بعض نے ایسا نہیں کیا۔ ۳ دیکھئے ابن ہشام ۲/۲۴۹ واقدی ۳/

ابن سعد ۴/۳، طبری ۲/۲۴۰، ابن حبیب ۱/۱۰۱، ابوداؤد ۳/۳۴۶، عیون الآثار ۲۲۶

یہ معنی ہیں کہ سنیوں میں یہ دونوں مہینے ایک ساتھ چل رہے تھے، مئی تقویم کے بموجب اسی مہینے کا نام "صفر" تھا جو اکتوبر اعتبار سے جمادی الاولیٰ کہلاتا تھا، اس طرح دونوں واقعے ایک ہی ماہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

سیرت نگاروں نے "غزوہ ابوا" کو محض اس لئے مقدم قرار دیا کہ روایات کے بموجب یہ واقعہ "صفر" نام کے مہینے کا تھا، جو جمادی سے پہلے آتا ہے، اس کے مقابلے میں ذات العشرہ کو تیسرا غزوہ صرف اس لئے تسلیم کیا گیا کہ از روئے روایات یہ جمادی الاولیٰ کا واقعہ تھا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر اسلام مدینہ کے قرب و جوار کی بستیوں سے معاہدہ کے لئے نکلتے، تو آپ پہے ذات العشرہ پہنچے، جہاں "بنو نضیر" اور "بنو مدیج" سے گفتگو ہوئی، اور وہاں سے کئی شہر میں طے پائیں، لیکن "بنو نضیر" کے اہل مسکن "ابو" یا "ودان" میں تھے، چنانچہ آپ وہاں بھی تشریف لے گئے، اور "بنو نضیر" کے ساتھ معاہدے کی آخری توثیق دیں ہوئی، "بنو نضیر" کا سردار اس زمانے میں مخش بن عمرو تھا۔ ذات العشرہ کے ذیل میں جو معاہدہ ہوا، اس کے متعلق طبری میں منقول ہے :-

"اور اس میں بنو مدیج دوران کے خلفاء بنو نضیر سے معاہدہ کیا۔"

گویا ابتدائی معاہدہ بنو مدیج سے ہوا تھا، اور اس کے ذیل میں بنو مدیج کے حبیب بنو نضیر سے بھی معاہدہ کیا گیا، لیکن "غزوہ ابوا" کے ذیل میں جو معاہدہ مذکور ہے، اس میں صرف بنو نضیر کا ذکر ہے، بنو مدیج کا نہیں۔ "سواں ذیل میں آنحضرتؐ نے "بنو نضیر" سے معاہدہ کیا اور جس شخص سے یہ معاہدہ کیا، وہ مخش بن عمرو تھا جو اس زمانہ میں بنو نضیر کا سردار تھا۔"

ابن حبیب نے بھی صرف بنو نضیر کا ذکر کیا ہے، اور بنو مدیج کی طرف کوئی اشارہ نہیں۔

"سو بنو نضیر سے معاہدہ کیا، اور ان کے سے ایک نجر بن لکھن درودن اور ابوا تک تشریف لے گئے۔"

اس کے صاف معنی یہ ہیں، کہ غزوہ عسیرہ کے فوراً بعد آپ ابوا، "تشریف لے گئے، اس لئے کہ اگر آپ

ابوا پہنچے تشریف لے جاتے تو بنو نضیر سے معاہدہ کی بجائے بنو مدیج سے، تو پھر غزوہ عسیرہ میں اس کے ساتھ کی

۱۔ ابن ہشام ۲/۲۰۱، مسودہ ۳، ج ۲، ۲۵۹، وغیرہ۔ ۲۔ ابن ہشام ۳/۲۶۹، ابن سعد ۲/۲۰۱، ج ۲، ۲۵۹، وغیرہ۔

۳۔ ابن ہشام ۲/۲۰۱، مسودہ ۳، ج ۲، ۲۵۹، وغیرہ۔ ۴۔ ابن ہشام ۳/۲۶۹، ابن سعد ۲/۲۰۱، ج ۲، ۲۵۹، وغیرہ۔

ضرورت نہیں تھی، یہاں یہ بات بھی خاص طور پر قابلِ لحاظ ہے کہ جلد اہل سیر کے نزدیک ان دونوں مہموں میں فوج کے علمبردار حمزہ بن عبدالمطلب تھے، جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ایک ہی فوج ان دونوں مقامات پر پہنچی تھی، جس کا پہلا ہدف "عشیرہ ثقا، اور دوسرا ابوا"۔

ذات العشیرہ کا کل وقوع "ینبع" سے قریب ہے، بلکہ سیرت نگار اس کو بطن ینبع ہی قرار دیتے ہیں، جس کے یہ معنی ہیں کہ یہ فوج "ینبع" ہوتی ہوئی "ابوا" پہنچی تھی۔

ابن اسحق کی روایت کے بموجب "عشیرہ" سے واپسی کی تاریخ بتدائی جمادی الاخریٰ سنہ ہے۔

"تو وہاں جمادی الاول اور کچھ راتیں جمادی الاخریٰ تک قیام فرمایا، اس کے بعد مدینہ تشریف لائے"۔
مگر یہ تاریخ "عشیرہ" سے مدینہ پہنچ جانے کی معلوم ہوتی ہے، کیوں کہ اس سے کچھ ہی دن بعد ۱۲ جمادی الاخریٰ کو غزوہ کربن جابر فہری پیش آیا تھا۔ ابن اسحق کا بیان ہے۔

"اور حضرت نے غزوہ عشیرہ" سے واپسی پر مدینے میں بہت تھوڑی راتیں قیام فرمایا تھا، جن کی

تعداد دس تک نہیں پہنچی، کہ کربن جابر فہری نے مدینے کی چراگاہ پر چھاپا مارا"۔

در بقول ابن حبیب کرب کے تھے کی تاریخ ۱۱ جمادی الاخریٰ ہے۔ اس لئے آنحضرت کو عشیرہ سے جمادی الاخریٰ کے ابتدائی ہفتے میں مدینے پہنچ جانا چاہئے۔

ابن سعد کے بیان کے بموجب غزوہ ذات العشیرہ کا مقصد ابوسفیان کے اس تجارتی کاررواں پر چھاپہ مارنا

تھا، جو مکے سے شام کو ماں تجارت لئے جارہا تھا، اور یہ وہی قافلہ تھا جس کی واپسی پر مفسان سنہ میں بدر کی

مشہور لڑائی ہوئی تھی۔ مگر سیرۃ کی سب سے بڑی سند غزوہ بن زبیر کی تہادت اس کے خلاف ہے۔ وہ کہتے ہیں

کہ ابوسفیان کا قافلہ مکے سے اس وقت روانہ ہو رہا تھا جب سریر عبد اللہ بن جحش میں ابن حنفیہ قتل ہو چکا تھا۔ اور

مسلم قرسی کا قافلہ ٹوٹ چکے تھے، یہ وہی وجہ سنہ کا ہے، اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غزوہ عشیرہ کا تعلق

ابوسفیان کے قافلے کی دیکھ بھال سے تھا۔ (باقی)

ذوقی رام حسرت

(ایک گمنام فارسی شاعر — ایرانی جس کا اعتراف کرتے تھے)

جناب عابد رضا بیدار

ذوقی رام ہندوستان کے اُن چند اُنے گئے خوش نصیبوں میں ہیں جن کی فارسی شاعری کی اہمیت کا اعتراف ان کے ہم عصر اساتذہ ایران نے بھی کیا ہے، لیکن افسوس یہ ہے کہ، اتنا اچھا کہنے والا شاعر در اس کی یادگار صرف تو شعر ہیں اور وہ بھی خدا بھدا کر کے مستحق کا اور قدرت اللہ شوق کا جنھوں نے حق آشنائی ادا کیا اور اپنے عصر کے ایک اچھا کہنے والے شاعر کا کلام ایک حد تک محفوظ کر دیا، ایک دو شعر بعض دوسرے تذکرہ نگاروں نے بھی دیئے ہیں (مخزن مغرب قلمی، از احمد علی سندیلوی - اور - روزِ روشن (مطبوعہ) ہیں) لطیفہ یہ ہے کہ مصحفی کے مطبوعہ تذکرے "عقدِ ثریا" میں یہ اشعار موجود نہیں ہیں جیسے کہ اور دوسرے شاعروں کے اشعار بھی حذف کر دیئے گئے ہیں، یہ اشعار قلمی نسخہ سے لئے گئے ہیں جو رام پور میں محفوظ ہے۔ اسی طرح شوق کا تذکرہ "تکلمۃ الشعراء" بھی غیر مطبوعہ ہی ہے،

خود شاعر کے بارے میں ایک دل چسپ بات نوٹ کرنے کے قابل یہ ہے کہ اُردو تذکروں میں اس کے جو دس پندرہ اور شعر ملتے ہیں وہ محض فضول اور رسمی قسم کی شاعری کا نمونہ ہیں، درحقیقت کہ خود اُردو دالوں نے لکھا بھی ہے کہ وہ محض تفننِ طبع کے طور پر کہے گئے ہیں، عرصہ ہوا اُردو ادب اعلیٰ گڑھ، کی ایک اشاعت میں "ہیبت قلی حسرت" پر ایک مقالہ کے ذیل میں میں نے ذوقی رام حسرت کے ان سے منسوب وہ سب شعر درج کر دیئے تھے، اور یہ نایاب اس ذیل میں تھا کہ رام پور میں ایک ضخیم قلمی اُردو دیوان ذوقی رام حسرت کے نامہ، عمال میں درج تھا جو حقیقت میں ہیبت قلی حسرت کا ثابت ہوا، خیر اس حملہ معترضہ سے ہٹ کر اصل بات کی طرف آئیے کہ ذوقی رام کے جو فارسی شعر ملے ہیں وہ ایسے

عمدہ اسلوب وریاکیزہ تخیل کے حامل ہیں کہ میں نے خیال کیا کہ انہیں یکجا کر کے منظر عام پر لے کر دیکھنا اور پڑھنے والوں کے لئے ذہنی آسودگی، خیال انگیزی اور لطیف کا باعث ہوگا۔

ان اشعار کی پیش کش کے سلسلہ میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ایرانیوں کی تقلید میں یا اسے مجہول اور بے معرفت کا فرق میں نے ختم نہیں کیا ہے، اس لئے کہ نہ ہم دیسے بولتے ہیں نہ پڑھتے ہیں، اور یوں بھی یہ فرق برقرار رکھنا اکثر الفاظ کے معانی فوراً سمجھ لینے کے لئے ضروری بھی ہے۔

ذوقی رام کے حالات ان کے ایک قریبی دوست مصحفی کی زبانی یوں ہیں کہ :-

تساہ جہاں آباد، دہلی وطن تھا، قوم کے لحاظ سے بنگال یا بنیے تھے، متقدمین شعراء کے کلام کا ہمیشہ مطالعہ کرتے رہتے تھے اور اس طرح اساتذہ کے کلام سے زبان و محاورہ پر قابو پا کر اس میں زبان و بیان کی یہ نچنگی حاصل کر لی کہ بلا تکلف انھیں فغانی کا صحیح معنی، دردِ وحشی کا طرز شناس کہا جاسکتا تھا، مشن اچھی خاصی تھی اس لئے دو ضخیم دیوان لکھ ڈیے ایک تہذیب کے، تہذیب عالم تلاش میں، اور دوسرا متقدمین کی وضع پر عشق خیز اور شور انگیز۔ ویسے ان اشعار میں بھی جو نسبت مضمون کے سلسلہ میں ہیں کچھ درد کی آمیزش ہوتی ہے اس لئے شاعر نے سوچا کہ بھر دوں دیوان کو گلاڈ کر دیا جائے۔

اکثر اوقات نواب عظیم الدولہ بہادر یعنی ابوالقاسم خاں صافی مرحوم، ذوقی رام کے روت افزا کلام کو لطف اٹھاتے، مرزا محمد علی فروغ شاہزادہ ایران، اور دوسرے ایرانی مرزا، اور نور العین دکن بوش بہاں آباد میں آئے ہوئے تھے اور آپس میں طرحی غزلیں کہتے تھے، ذوقی رام کی شاعری کے سامنے سر ہٹکا دیتے تھے، محی وردہ اور ربین میں ذوقی رام سے مدت العمر کبھی کوئی غلطی سرزد نہیں ہوتی، اور اس لحاظ سے ہندوستان کے دوسرے شاعروں کی بہ نسبت ذوقی رام مرزا یان ایران کے نزدیک زیادہ محترم تھے،

اس کمال فن کے باوجود ذوقی رام نے اپنے آپ کو کبھی کبھی نہیں سمجھا، طبیعت میں خاکساری اور حسرتی تھی۔

مصحفی کے پندرہ سو رساں ہمدرد پر کے ایک میں صبر قدرت، اللہ شوق نے ذوقی رام کے بارے میں لکھا۔

ذوقی رام حسرت ایک بقدر تھی، دلعزیزی تھا، خوش مقام اور مہمان رگین کے مندرجہ ذیل دور پڑے

تیسریں اور خوشگوار ذوق کے حال، متقدمین اور متخرین شعراء کے دوا دین سے ہزاروں شعر

نوگ زبان پر رہتے تھے، فارسی زبان کے قواعد پر کھری نظر تھی، دودیاں ہیں، درمقدونیاں جو
 لوگوں کی مدح و قدح میں کہی ہیں، شور، طبعیت تھی، درمراں میں کچھ سودا نیت بھی تھی، کبھی سے
 ہیگانہ داری تھے، کبھی سے غم و غنا، کسرت و سرفرازی، پرچہ رہتا تھا۔ اور کسی کے
 سامنے پرستے کے ہونے کا واسطہ نہ تھا، تو کبھی یہودی ہو جاتا تھا، دلوں کی وضع
 بھی، لیکن سنواری میں اس عہد میں معدوم ہو گیا تھا، چہ بیت زری کے کرام پور میں وقت
 پالی، ایک دیوان تو تم تب چھوڑا جس کی، رہا تہمت سے، دوسرے بول کا سودا اب رہ گیا۔
 شوق کے ۶ سال بعد قدرت اللہ قاسم نے لکھ

لہزدنی رام شاہ جہاں آباد کے مہاجرین میں سے تھے، ان شہر کی مسرت کے ساتھ کہتے تھے،
 ایک دن سب جس میں شہر کی ایک عورت نے تھیں، تو ان ہی سے نہ مستعدا جی در
 مناسب تھی، بس پر پیر نیوں کے لئے، تو ان ہی سے ان ہی ہوتی تھی، ٹری مسکینی میں
 اور پردیکی بن کر زندگی گزار دی، بہت جلدی، اور توفیق نصیب تھی، کچھ عرصہ ہو، انتقال ہو گیا۔
 کبھی کبھی تغنی طبع کے طور پر اڑاؤ اور بڑی شہرہ بیت تھی۔

جد علی سہیلوی صاحب مخزن مغرب نے پہلے شعر فنیل کی زبان سے سن کر اپنے تذکرہ میں لکھنے سے تھے، مصطفیٰ صاحب
 تیسرے سے یہ بھی لکھا ہے کہ فرخا باری میں ایک عرصہ گزارا، مگر اس سے لکھنے لکھی ہے کہ ایک مدت دکن میں بیعت
 میں گزری، لیکن یہ صحیح بیعت تھا، اور اس کے بعد چار برس کی مدت ہوئی اور روم پور میں سارا زمانہ گزرا، اور
 دہلی میں رہا، اور پھر روم پور میں رہا، اور پھر روم پور میں رہا، اور پھر روم پور میں رہا، اور پھر روم پور میں رہا،
 کے لئے یہ ہے، ان کے لئے یہ ہے، اور یہ دونوں دونوں میں تو ان کے وہ ہیں، پونے پر پوتے،

سنواری میں روم پور میں موجود ہیں، شہر اشیاء کی خرید و فروخت، شہر شہر میں درشت و شہر میں (کلام کا بہت
 کچھ نہیں پتا، یہ دودیاں جن کا ذکر لوگوں نے کیا ہے، کبھی سے کچھ معلوم ہیں، شہر میں اور، لکھنا نام ہے،
 کس پر شہر تھی، تہا ہے، اور یہ ہے، کس کے لئے، کس کے لئے، کس کے لئے، کس کے لئے، کس کے لئے، کس کے لئے،
 کس پر پورے دیو نوں پر ہیں، یہ شہر میرد درہ، مقدریا، لکھنا شہر، مخزن مغرب اور دہلی

سے جمع کئے گئے ہیں، زیادہ تر "عقد ثریا" سے شمار نمبر ۳، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵،
 "تکملہ اشعار" سے ۱، ۲، ۳، ۴، ۵، ۶، ۷، ۸، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵،
 ۹۸ "رد و روشن" سے لے ہیں۔

- ۱- بے می سوختم از گرمی ہر تو در دلہا چہ سازم ماہ من اکنوں کہ گشتی شمع مغلہا
- ۲- چو سرو استادہ بر پا در صہت ہر سو خوش اندامی سر کویت نیا با نئے شدہ زبں پائے در گہلا
- ۳- چشم بد و درازیں رشک رسائی کہ تراست می فرستم بکے تا صہبہ نا بینا را
- ۴- خون نکاہ ز غم بحر، تن زار مرا کہ شجہ دست نہ شد در کمر یار مرا
- ۵- بعد عمرے کہ دو چارم شدہ تنہا لے شوق ساعے گریہ ز چشے میرا ز کار مرا
- ۶- سخت بے صبرم و در دور رخت نیست کہ از و کسب نواں بکرد شکبہ بی را
- ۷- بواہوس خواندی نظیرم لے بقریا منت شوم کاش پیشت اعتبار بواہوس باشد مرا
- ۸- عیب ما شیوہ بمذنی دے خورشیدی نیست عاشقی در گرد عاقبت اندیشی نیست
- ۹- حال چو نیست چو ما و تو رسیم اے مغرور در مقامیکہ کسے راجکے پیشی نیست
- ۱۰- حسرتا عمر تو متابع بہ وفایش شد حیف زد کجا سنیوہ بیداد و خفا کیشی نیست
- ۱۱- تا بعد مرگ ہم نگزارد مرا بخویش رخ فاک من گزشت دعرار اہانہ ساخت
- ۱۲- زور خود می آرز مودم یا فسراق میاں صبرم چہ نامردانہ رفت
- ۱۳- اشکے نقش اندیم کہ دریا شدنی نیست سد سہر جہر و نہ ، ، ، شدنی نیست
- ۱۴- لب ہم بر لب لعل تو و خوابم ببرد گوش کن معنی دچسپ شکر خواب اینست
- ۱۵- گر ہما فسر جہشید و اگر خورشید صفت دہن ہمسر خست سہر ہمہ کفر ست
- ۱۶- از وفا است چو آن فتنہ گر با برداشت اول از خنجر بیداد سہر ما برداشت
- ۱۷- حسرت آں عاشق و دیوانہ ما در زادیم کہ تا دست بھفتی پدیر ما برداشت
- ۱۸- چہ کنم ترک نغمہ عشق بستان کارم ببرد ورنہ آں نیست کہ از خواری خود عارم نیست

- ۱۹- "دور شو" گفتی، ازیں در سر من قربانت
من بہ پانیکہ روم، طاقت رفتارم نیست،
- ۲۰- نجات دل کہ ازاں طرہ گرہ گیر است
اسیر قید وفا خانہ داد زنجیر است
- ۲۱- فغان کہ میکشیم زار و کس نمی پرسد
کہ دیں ستمکش بے چارہ را چہ فقیر است
- ۲۲- بیدار دل بدوری ما شاد کرد و رفت
دیدنی دلا کہ یار چہ بیدار کرد و رفت
- ۲۳- تاہتی گردید از خون بار پر مینار لیش (کہا)
مست یار من دل است این ساغر شراب نیست
- ۲۴- مشکل اے دل کہ بہم رابطہ صورت بند
با چہیں بے سرو پا یار باں تمکین است
- ۲۵- عاشق قید بلند تو شدن جرم نیست
باید اے شوخ ستمگر بسردارم کشت
- ۲۶- این انتظار آمدنت یا قیامت است
ہر روز از تو وعدہ فردا قیامت است
- ۲۷- گودرہ تو محشر آشوب فتنہ است
در جلوہ گاہ ناز تو بر پا قیامت است
- ۲۸- عشق است و عشق در دو جہاں گوشہ فراغ
دتیا عذاب بودہ و عقبی قیامت است
- ۲۹- دلبرم نا موافق افتاد است
در پے جان عاشق افتاد است
- ۳۰- عشق و شعر است شغل حسرت را
قول و فعلش مطابق افتاد است
- ۳۱- نے گل و باغ و چمنم آرزو ست
ہوئے تو نسریں بدتم آرزو ست
- ۳۲- تاسیر کوشش کہ رساند مرا
مرد غریبم، چمنم آرزو ست
- ۳۳- شانہ صفت چند زخم سینہ چاک
زلف شکن در شکم آرزو ست
- ۳۴- دل بیتاب چو در سینہ تپیدن گیرد
مصطرب، شک بہر گوشہ دویدن گیرد
- ۳۵- چشم شوخ بہم رم شوخ مرا موسم حظ
چو غزالے ست کہ در سبزہ چریدن گیرد
- ۳۶- غم بھراں عذاب دل بلائے جسم و جاں باشد
فراق دوستاں یارب نصیب دشمنان باشد
- ۳۷- چو از نامہر با نیہاش نالم، گویدم طنزاً
چہ حظ از ذوق عشق آن را کہ یارش مہرباں باشد
- ۳۸- دل، دیدہ لطفم خواہد از دے لطف لطف است این
چناں لطف نہانی گرم و دہم نہاں باشد
- ۳۹- بود آنکہ خدا ناکردہ با اغیار آئینش
ولے ہم بندہ معذورم کہ عاشق بدگماں باشد

- ۴۰۔ جوابِ داغہائے سینہ مارا چہ خواہی گفت پس ز روزے دو چوں گلزار خوبی را خور باشد
- ۴۱۔ خوش است اخفائے عشق اما محالست این کہ حسرت بود پیوستہ در کارے و انکارش ازاں باشد
- ۴۲۔ رفتی دایں دل صد پارہ بخوں می غلطہ در نظر حسرت نظارہ بخوں می غلطہ
- ۴۳۔ عاشق دل شدہ راز نگ از آسائش نیست ہر کجا دیدہ ام افکار بخوں می غلطہ
- ۴۴۔ آں جواں دست بدوش دگراں می آید جانب من نگران، نغزہ زناں می آید
- ۴۵۔ دو چارم در رہ کتب چو شد آں حیلہ جو طفلم بن گفتا برو از پیش من استاد می آید
- ۴۶۔ نہ کند صبر دل ادل چو گرفتار شود طفل داد نہ خورد زودا چو بیمار شود
- ۴۷۔ حسرت از عشق بتاں روز بتاں بود کہ تو دل بہر کس کہ دہد دشمن جاں تو شود
- ۴۸۔ عاشق از تن بگفائے تو بہ ناچاری داد ایں قدر ہم نتواں داد دل آزاری داد
- ۴۹۔ عضو عضو چوں صنوبر ہمہ دل بوئے کاش کہ بیک دل نتواں داد گرفتاری داد
- ۵۰۔ تا بخواہش من دیوانہ نہ بینم حسرت آں پری چشم مرا شیوہ بیداری داد
- ۵۱۔ دیکہ آں مہرے بہر مہرباں باشد دلم بخویش رقیبانہ بدگساں باشد
- ۵۲۔ کجا روم کہ در آئین فتنہ انگیزی زمین کوئے بتاں رشک آساں باشد
- ۵۳۔ شریک غالب رسوائیم تو خواہی بود در اں بگوشش کہ راز دوسو نہاں باشد
- ۵۴۔ چو افتش ز قفا خوں نصیب اغیار است چرا کسے ز سپے رزق دیگر باشد
- ۵۵۔ "یکام دشمنم از عشق پاک ورنہ شوی کہ خواہشت ہمہ دم کام دشمنان باشد
- ۵۶۔ خوشم بشیرہ بیداد او در آخر حسن کہ چند روز دگر ایں بسر ہماں باشد
- ۵۷۔ ستم ظریفی زارش بخوں نشاند مرا خوش آن کسے کہ نگارش خوش انہاں باشد
- ۵۸۔ یاد دل بے صبر و طاقت امتحانم می کند طور ادالبتہ رسوائے جہانم می کند
- ۵۹۔ حلقہ دایے کہ یارب چشم در راہ منست خار خار دل بروں از آسشیانم می کند
- ۶۰۔ یک قدم ناکر وہ طے راہ دیار او بہوز رشک قاصد قصد جان تا توانم می کند

- ۶۱- میدادیش چو خوشی جفا جوی اے فلک بے صبری ایں ہمہ بمن آموختن چہ بود
- ۶۲- حسرت بساز باستم یار تنہ خو پروانہ راز شمع بجز سوختن چہ بود
- ۶۳- با خیال گل چناں شادم کہ مرغ گلستاں رشک بر ذوق گرفتاری دایم من برد
- ۶۴- پروا دارد خدا این ظلم اے صیاد کافر دل کہ گل در بوستان بشکفتہ ببل در قفس باشد
- ۶۵- از نق بشرم رخ نکشودہ آتش زد بخلق داغ آں روزم کہ دامن بر زمین خواہ کشید
- ۶۶- تو کافر گر بہ این حسن خدائی رو بدیر آری عجب گر بہمن بت بشکند ز ناز بکشايد
- ۶۷- روز عشق تو جہز من کسے نمی داند چہ حاجت است بگفتن کسے نمی داند
- ۶۸- کشودہ درخوری بروے خلق ہنوز بغیر دل تو بستن کسے نمی داند
- ۶۹- شرم اے شرم کسے باد روا بود این ظلم عاشق از یار بایں شوق جدا بنشیند
- ۷۰- کشاید تا دلم ے کاش بر من چتے بندید کہ شب دست فلاں بند قبے ناز بکشايد
- ۷۱- زما چو بار در گشت دیر دگر دریں دیار اگر نیست در دیار دگر
- ۷۲- تمام عمر تو حسرت بہ بت پرستی رفت چہ کافری کہ نمی آید از تو کار دگر
- ۷۳- تا صبح منفق من پند تو چوں گوش کنم یاد آمد ریشاد جملہ فراموش کنم
- ۷۴- اے خوش آں دم کہ چو گویم بخوبی رزں تہذ سویم بغضب بینی وفا موش کنم
- ۷۵- مگر کجی و ہوس ہوس دگر رش حسرت در رخ او مگر از دور بکسرت بینم
- ۷۶- گر سینے روز تو نم بتو خود کام کنم بادہ در ساع و حوں در دل یم کم
- ۷۷- پستم پوشیدہ چو از من بہ تغافل گزرد بہر تسکین دل خود نگہش نام کنم
- ۷۸- نہ صبا صبر دل من ز خدا خواہ کہ من نتوانم کہ فغان بادل محزون نکم
- ۷۹- چناں خوارت کند عشق گلے یارب کہ یاد آری کہ من ہرگز نہ با خوش دے یک روز خندیم
- ۸۰- چہ درخون ننظم خاک بر فرق و قاداری کہ بایں جستجو پائے سگ کویت نبوسیم

- ۸۱- گر تو نتوانی بداد ماری، بیداد کن
اے بقر بانت، بہر تقدیر، را یاد کن
- ۸۲- خوش آن ستا کہ چون در خاک فون غلطیہ ام بند
بخود گوید کہ مسکین چنین درخون پدید از من
- ۸۳- ہر باغ نامرادی تا دلم را بیشتر سوزد
در آید گرم و حرف خواہش دل واکشید از من
- ۸۴- نشد دل سوزی عاشق، کند آتش عتاب من
نمود اے داسے ہرگز ذرہ پرورد آفتاب من
- ۸۵- چو بد مستان کہ دد ساغر کشی با ہم گرہ بند
خراب دں شدم چنداں کہ دل ہم شد خراب من
- ۸۶- دوستی ہیں کہ موافق شدہ بادشمن من
یار سنگیں دل او بے مہر و وفا دشمن من
- ۸۷- زخمی اے دوست کہ در عشق تو حالے دایم
کہ مرا یار تو خواہد بدعا دشمن من
- ۸۸- حسرت اکنون چہ کنم بر چہ نہم دل من زار
دل جدا دیدہ جدا، عشق جدا دشمن من
- ۸۹- کے دو چار من شوی تا گویمت
آن توئی ظالم کہ این ہا کردہ
- ۹۰- شکستی عہد را خود نام من پیمان شکن کردن
ز یکرنگی گناہ خویش را نسبت بمن کردی
- ۹۱- اے بے خبر از یار و دنا دار کجائی
باز آد بہیں حال دل زار کجائی
- ۹۲- اے آنکہ زنی طعنہ بر موائی عاشق
بیدرد برد محرم اسرار کجائی
- ۹۳- شراب شکم نمک زخم جدا میست
اے مرہم ریشی دل انگار کجائی
- ۹۴- گرفتہ ام این کہ بجرم دنا مرا بخش
اسیر تست جہانے کرا کرا بخش
- ۹۵- کجارت آن کہ تسکین دل بیتاب میگردی
بہزم دس خود گاہے بمطمع یاد می گردی
- ۹۶- کجائی رفت بے تاب نہ از طعن کساں نارغ
چو دیدی مرا غافل برہ فریاد می گردی
- ۹۷- زکاۃ لطف بسیارے کہ با ہر نا کساں گردی
چہ می شد گر بہ ما ہم اند کے بیداد می گردی
- ۹۸- پشیمانی تو از خود کردہ با من اے دل دشمن
تو ترک دوست با این صبر بے نیاد می گردی
- ۹۹- در طوب درش چہ گفتہ آید نبتیک
کاینچی از سلام رسم باشد نہ علیک
- ۱۰۰- این حضرت عشق است نگہدار ادب
این ارض مقدس است نہ خلع نعلیک

اسپین میں امام ابن حزم کی نو سو سالہ یادگار تقریب

از مولانا سی طہر سارک پوری 'اڈیسٹر'، 'اسٹلاخ' بمبئی

تھوڑی ساں کی بات سنا کر کسی کے کیا تا جرتب کے یہاں 'انکیت' کے نام سے طب کی ایک کتاب دیکھنے میں آئی تھی جو اس کے ایک مشہور مسلمان فلسفی و شیعہ کی تالیف تھی، اس وقت مصنف کا نام یاد نہیں آ رہا ہے۔ اسے مدرسہ کے سرکارین جمعیتہ الادب عربی نے بڑے ہتمام سے آرٹ پیپر پر قلمی نسخہ کا نوٹے کر شائع کیا تھا، تقریباً چار سو صفحات کی تھی، مسروق پرکھ کر یہ کتاب سکونت پس سکندر جبر فر کوک زیر سرپرستی قائم شدہ جمعیت کی طرف سے تیار کی جا رہی ہے، اسی وقت یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ وطنیت اور قومیت ہی کے نام سے ہی حکومت اسپین نے ساری علوم و فنون کی طرف کچھ وجہ تو کی، شاید آگے چل کر اس کے نتائج اچھے نکلیں۔

اس کے بعد تقریباً تین سال ہوئے بمبئی کے مدرسہ عربیہ کو تیسویں سال تک دن عرب بعد ایک اندکی موجودات مسلمان رہ نہائی سے مراد تھوئی۔ حوغی شہر کا لنگ سے و پس ہونا ہوا ایک، دھور کے سے بمبئی میں ٹھہر گیا تھا۔ یہ موجودات اسپینی دور مری ری زبان کے سوادہ اور کوئی زبان ہیں جانتا تھا، ہم نے اپنے ایک مصری گریجوٹ دوست کے ذریعہ اس سے بات کی، اس نے بتایا کہ اسپین میں بحر زل اور مرکش کے تین ہزار مسلمان مزدور اور عمال کی حیثیت سے مسمیہ ہیں، وہ تھوئی کام کرتے ہیں، وہاں پر ان سولہ نوں کی نہ کوئی تنظیم ہے نہ کوئی مسجد و مکتب ہے اور نہ ہی ان کا کوئی ترجمان اخبار یا رسالہ ہے۔ اسپین کے عیسائی باشندے اپنے عقیدے میں بہت ہی سخت ہیں، حتیٰ کہ عیسائیوں کے دوسرے دینوں یعنی رد شہک میں آرتے اور یہی ان کے ساتھ کسی قسم کی مدد داری اور رعایت ہر نہتے ہیں۔ یہاں فریومند محکمہ کی مخصوص نوبت ہیں بہت سے مسلمان شہاں ہیں بلکہ ان کا تفسیر اعلیٰ یکے سلسلہ نوبتی ہے۔

چند دن ہوئے ایک کتاب "تتعلل الاسباب فی اسبوعین" ہاتھ لگی تھی جس کے دیکھنے سے اندازہ ہوا کہ اسپینی زبان عربی زبان سے اب تک بے حد متاثر ہے، تقریباً ہر مفرد لفظ کے شروع میں "ال" کا استعمال عام ہے اور بہت سے الفاظ عربی ہی کے ہیں جن کو سپینی لب و لہجہ میں ڈھال لیا گیا ہے۔ اسی دوران میں طنجد سے بن الاقوامی تولیت کے ختم ہونے کی بات آئی تو سب سے پہلے جنرل خراکو نے بحق مزب اقصی (مرکش) اس سے اپنی دست برداری ظاہر کی جس سے جانبین میں اعتماد و تعلق کی خوشگوار فضا پیدا ہوئی، نیز مراکش اور الجزائر کی آزادی اور ذمہ دارانہ روش نے اسپین سے ان کے تعلقات کی نوعیت میں دوستانہ رنگ بھرا، اور ایک دوسرے سے قریب ہوئے، اس کے بعد اسپین میں کئی ایسے ادارے قائم ہوئے جن میں اسلامی اور عربی علوم و فنون پر اسکاٹ و تحقیقات ہو رہی ہیں۔

چنانچہ (۱) معہد الاسباب فی العربی للثقافة (۲) مدرستة الابحاث العربیہ میڈرڈ۔

(۳) مدرستة الابحاث العربیة غرناطہ (۴) معہد الدراسات الاسلامیہ میڈرڈ، وغیرہ کسی نہ کسی مقدار اور انداز میں کام کر رہے ہیں جن میں عرب فضلا و محققین بھی شامل ہیں جیسے ڈاکٹر حسین مونس وکیل معہد دراسات عربیہ میڈرڈ، اور ڈاکٹر محمود علی مکی وکیل معہد دراسات اسلامیہ میڈرڈ۔

ان ہی مذکورہ بالا عربی و اسلامی ابحاث و دراسات کے اداروں نے اس سال ۱۲ مئی ۱۹۶۳ء سے لے کر ۱۸ مئی تک مشہور اندلسی عالم امام ابن حزمؒ کا نو سو سالہ جشن منایا اور حکومت اسپین کی نگرانی میں یہ پورا مہمہ اسی اندلسی امام اسلام کی یادگار بنانے میں گذرا۔

جشن امام ابن حزمؒ کے وطن قرطبہ میں بڑے تزک و احتشام کے ساتھ منایا گیا، اس میں جس محققین و فضلاء نے امام ابن حزمؒ پر مقالات پیش کئے، جن میں چوڑا مستشرقین اور چھ عرب فضلا و تھے، نیز اس جشن میں اسپین میں موجود تمام عرب ہالک کے سفراء اور مندوبین نے شرکت کی۔ اور اسپین کے مشہور و ماہر مصور و فنکارانہادیوریت نے ابن حزمؒ کی تصانیف کی روشنی میں ان کا خیالی مجسمہ تیار کیا، جسے بڑی شان و شوکت سے ۱۲ مئی کو باب اسطارین (موجودہ باب الشیلیہ) کے سامنے ایک چوڑے پر نصب کیا گیا، اس کی نقاب کشائی کے موقع پر اسپین کا سرکاری سرکار نے یادگار کی قومی ترانہ گایا اور مجسمہ کے قدموں پر پھول پھنکار کئے گئے، ۱۵ مئی کو امام ابن حزمؒ کے نام اور یادگار کی تختی کی نقاب کشائی کی گئی جسے ان کے مکان کی جگہ پر لگایا گیا ہے، اس یادگار تقریب کے موقع پر امام

یہ شہر پہلے کے قریب واقع ہے، کئی بار اس دروازہ کی اصلاح و مرمت ہو چکی ہے، اسی دروازہ کے سامنے امام ابن حزم کا
 اسٹیچو بینڈ چبوترے پر نصب کیا گیا ہے۔ چونکہ عبدالرحمن المستنصر جدیدی قتل کر دیا گیا، اس لئے ابن حزم وزارت سے خود بخود
 لگ ہو گئے اور، اپنے مکان بلاط معیشت میں رہنے لگے۔ کیونکہ یہ محلہ جامع قرطبہ سے قریب تھا۔ جہاں آپ درس تدریس
 کے سے جایا کرتے تھے، مگر تشدد کی وجہ سے اواخر ۱۱۶۴ھ (سنہ ۱۷۵۰ء) میں ان کا اور ان کے مناد ابو خبیر مسعود بن
 سعید کو جامع قرطبہ چھوڑنی پڑی، اس واقعہ کی وجہ سے ابن حزم بہت رنجیدہ ہوئے، یہاں تک کہ قرطبہ چھوڑ کر اندلس کے
 فقہف علاقوں میں ٹھہرتے رہے۔ اسی درمیان میں وہ ایک مرتبہ قرطبہ آئے اور حینہ، مغبرہ اور بلاط معیشت کے تصور و
 محلات کی تباہی و بربادی کا منظر دیکھا تو پھر وہاں سے نکل کر اندلس کے مغرب علاقہ میں گئے، جہاں "ہفت لیشم" نام کے
 ایک گاؤں میں ن کی خاندانی جاگیر اور جائداد تھی، آٹھ کل س گاؤں کا نام مونیجی رہے، جو شہر مونیجیہ کے شمالی جانب سات
 کیومیٹر پر واقع ہے، اس دور افتاد مقام پر امام ابن حزم نے تقریباً ۲۵ سال بسر کئے، اور درس و تدریس، تصنیف
 و تالیف میں رہ کر علمی و دینی خدمات انجام دیں، یہاں تک کہ سی جلد پر ۲۸ مرتبہ ۱۱۸۳ھ بمطابق ۱۷۶۹ء اگست ۱۱۸۳ھ
 کو فوت ہوئے، (رحمہ اللہ تعالیٰ)

جن مغربی مستشرقین و مصلحان نے جن میں بن حزم یقیناً لائبریری کے ان کے نام اور مقالات منونات یہ ہیں:-

- (۱) ڈاکٹر ل. برنہٹ خینیس برونیس برشونہ یوسٹی "بن حزم کے نزدیک علمائے ریاضیات کا مقام"
- (۲) ڈاکٹر وجیہ الزنادیز پروفیسر یونینوسٹی، "بن حزم کے نزدیک علمائے ریاضیات کے ہر مسئلے"
- (۳) ڈاکٹر شارل مل پروفیسر پیرس، "بن حزم کے نزدیک علمائے ریاضیات کے ہر مسئلے"
- (۴) ڈاکٹر نویل اڈہ باخیمبٹ کنزہ کیٹی "بن حزم کے نزدیک علمائے ریاضیات کے ہر مسئلے"
- (۵) ڈاکٹر خاشینو بوسک بر، پروفیسر غناطیو یوسٹی، "بن حزم کے نزدیک علمائے ریاضیات کے ہر مسئلے"
- (۶) ڈاکٹر فرناندو دی ماجرانجا سنت، "بن حزم کے نزدیک علمائے ریاضیات کے ہر مسئلے"
- (۷) ڈاکٹر دیو کا بائیس رو درجبت، پروفیسر غناطیو یوسٹی، "بن حزم کے نزدیک علمائے ریاضیات کے ہر مسئلے"
- (۸) ڈاکٹر برومار منیت مونتبٹ، "بن حزم کے نزدیک علمائے ریاضیات کے ہر مسئلے"
- (۹) ڈاکٹر ایاس بترس (لیطرس) سادی، پروفیسر غناطیو یوسٹی، "بن حزم کے نزدیک علمائے ریاضیات کے ہر مسئلے"
- (۱۰) ڈاکٹر خاشینو بوسک بر، پروفیسر غناطیو یوسٹی، "بن حزم کے نزدیک علمائے ریاضیات کے ہر مسئلے"

- (۱۱) ڈاکٹر مجاہد کروٹ ایڑنا میٹ، پروفیسر مسلمہ یونیورسٹی، دورِ خدمت میں ثقافتِ اندلسیہ اور ابن حزم کے افکار۔
- (۱۲) ڈاکٹر ضامہ ادلیفر آسین، مدیر مدرسہ ابھاث عربیہ میڈرڈ، ابن حزم کی طوق الحامہ اور اسپینی ادب میں اس کا اثر۔
- (۱۳) ڈاکٹر ہنری یتراس، مدیر دار بلاسکت میڈرڈ، دسویں صدی کے ادب میں اندلسی فن کے منصوبے،
- (۱۴) ڈاکٹر لوئس سکیوری لوئینا، مدیر مدرسہ ابھاث عربیہ غرناطہ، ابن حزم کی نقطہ العود میں جدید نظریے،
- یہ اسپین کے مستشرقین ہیں جن کے ناموں کو عربی سے یاد کیا ہے، اسپینی زبان میں ان کا تلفظ کچھ مختلف ہوگا۔
- عرب اساتذہ کے نام اور ان کے مقالات کے عنوانات یہ ہیں:-

- (۱) ڈاکٹر سعید الانفانی، عمید کلیئۃ الآداب، دمشق یونیورسٹی، ابن حزم کے نظریات لغت میں۔
- (۲) ڈاکٹر حسین تونس، مدیر مہجد دراسات اسلامیہ، میڈرڈ، ابن حزم کے نزدیک علوم کے مراتب۔
- (۳) ڈاکٹر محمود علی مکی، وکیل مہجد دراسات اسلامیہ میڈرڈ، قرطبہ کے فقہی کارنامہ میں ابن حزم کا موقف۔
- (۴) ڈاکٹر جمال الدین، لشیان، پروفیسر اسکندریہ یونیورسٹی اور مشیر ثقافتی برائے سفارت جمہوریہ عربیہ متحدہ تھینہ بباط،
- اسکندریہ اور ابن حزم کے تعلقات۔
- (۵) ڈاکٹر احمد مختار عبادی، پروفیسر اسکندریہ یونیورسٹی و بباط یونیورسٹی، ابن حزم اور ابن النخعیہ کے باہمی تعلقات۔
- (۶) استاذ محمد عبداللہ عنان، ابن حزم و مختلف اقوام کا اجتماع۔
- غالب گمان ہے ان تمام مقالات و محاضرات کو اور نام ابن حزم کے نو سو سالہ یادگاری جشن کی جملہ کارروائیوں کی کمیٹی کی طرف سے کتابی شکل میں شائع کیا جائے گا۔ اس تفریق کے موقع پر جلسہ گاہ میں عربی زبان میں یہ بورڈ ڈیزائن کیا گیا تھا:

احتفال الذکری
المئوية التاسعة لوفات
ابن حزم القرطبی
قرطبة من ۱۲ الی ۱۸ مایو ۱۹۶۳
بلدیۃ قرطبة
مہجد الدراسات الاسلامیۃ فی مدینہ
مدرسة الابھاث العربیۃ فی غرناطہ
المہجد (اسپانی) العربی بلثقافت

سید احمد کا شفی

فارسی اور ہندی کا ایک غیر معروف شاعر

از جناب زیدی جعفر صاحب ایم اے ریسرچ اسکالر ہندی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

سید احمد کا شفی فارسی اور ہندی کے ایک قابلِ قدر شاہِ گزرے ہیں، ہندوستانی علماء اور ویاد کی تاریخ آپ کا نام کبھی فراموش نہیں کر سکتی، آپ قطب الاولیاء میر سید محمد قدس اللہ تعالیٰ عنہ کی فرزند تھے، اور اپنے والد بزرگوار کی ہی طرح جملہ خصوصیات کے مالک تھے، ان دونوں بزرگوار کی ذات بابرکات نے میر غلام علی آزاد بلگرامی جیسے جید عالم کو اس قدر متاثر کیا کہ انہیں انیس لمحققین کہتے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ انیس لمحققین کے اب تک صرف دو قلمی نسخے میری نگاہوں سے گزرے ہیں جن میں ایک حبیب گنج کلکشن مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کا ہے، اور دوسرا کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد کا۔ یہ کتاب چار فصلوں پر مشتمل ہے جن میں پہلی اور دوسری فصل میں حضرت قطب الاولیاء میر سید محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ اور حضرت سلطان الاولیاء میر سید محمد قدس سرہ کے احوال اور اقوال تفصیل کے ساتھ درج کئے گئے ہیں۔

میر سید احمد سے متعلق آزاد بلگرامی نے لکھا ہے کہ آپ سادات صحیح النسب سے ہیں، اور آپ کے آباؤ اجداد کرام قصبہ جالندھر میں رہتے تھے، آپ کے دادا میر ابو سعید نے کالی کی سکونت اختیار کر لی تھی، آپ کے والد میر سید محمد مظہر تجلیات ازل وابد تھے، آپ کی تصنیفات میں 'ردائے عجبات عربی' 'رسالہ تحقیق روح' 'امرار توحید' 'ارشاد السالکین' 'رسالۃ الفنا' 'عقائد الصوفیہ' 'رسالہ عمل عمون' 'واردات' اور 'تفسیر سورۃ فاتحہ' کا ذکر آزاد نے انیس لمحققین میں کیا ہے۔ میر سید محمد کو عربی اور فارسی کی طرح ہندی زبان پر بھی عبور حاصل تھا۔

در آپ نے باقاعدہ طور پر اس زبان میں شاعری بھی کی ہے۔ آپ کا ایک ہندی دیوان کتب خانہ عسفیہ حیدر آباد دکن میں موجود ہے۔

میر آزاد بلگرامی سے سید احمد قدس مدظلہ سے مقصد غنیمت درت کی ہیں ان کا، خذ جناب محمد علی المعروف شیخ خوب اللہ کی تصنیفات میں جن کی نقد دہلیس کے قریب ہے، ناری کے دوسرے تذکروں میں چند ہی جے ہیں جن میں آپ کی ذات مبارکہ پر کچھ لکھنے کی زحمت کی گئی ہے، جناب خدام سرور ہندی نے خزانہ رسیہ بندہ بنو غنیمت پر آپ سے متعلق چند سطریں اس طرح درت کی ہیں :

میر سید احمد گیسو دراز کا پوری قدس سرہ سرہ مرید سید محمد است با مع علوم نقیہ دہلی

و حق نق و معارف و عشق و محبت و سحر و جود و اشعار فارسی و ہندی گئے ۔

خدام سرور صاحب نے سید حمک رسد گیسو دراز کا تذکرہ کیا ہے جو ناری خزانہ لاسند کے علاوہ در کہیں نہیں ملتا۔ ان کی تحریر سے یہ فہم ہوتا ہے کہ ہندی میں اشعار کہنے گئے ہیں، ان میں میں کیا تخلص کرتے تھے اس طرف سرور صاحب نے اشارہ نہیں کیا ہے۔

میر آزاد بلگرامی نے تذکرہ بدیعنا میں اس کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ تعلق خدام سرور ہندی

ساکس کالی است ۔۔۔ بحیب کشرینی خدائے دربار میں خدائے دربار، دونوں کی انساب مرتب

است و نظم ہندی ہم بہر تہہ کورت رسدہ است ۔۔۔ بدیع قلمی ص ۲۰، شہ ۱۸۶، عسفیہ حیدر آباد

اس سے یہ تو ظاہر ہی ہو جاتا ہے کہ آپ کا فارسی میں کا تعلق تخلص سے کبھی بڑی بڑھ چکا ہے۔

صاحب دیوان شاعر تھے اور ہندی میں بھی آپ کے شوار کہتے تھے، آپ کے سدا وادت سے متعلق میر آزاد بلگرامی یا کسی دوسرے تذکرہ نگار نے کچھ بھی نہیں لکھا ہے، سدا وادت آزاد کے مطابق ۱۹ صفر سنہ ۱۲۹۱ ہجری ہے۔

چوبیس سال کی عمر میں اپنے والد، جد حضرت غلب الاولیاء کی مسجد بنیٹھے، علم تفسیر جناب شیخ محمد بن ابی

سے حاصل کیا اور دیگر علوم اپنے والد سے سیکھے۔ رت ذیہ مہجہ کو درت زب کے دس چھک منتر سے

سماع و سرود کی محفلوں کے طرف سے مقبول ہیں، باری دہانے خواجہ انمیری رحمہ اللہ سے بے پناہ محبت تھی،

اس کے باوجود نقس ہندی سلسلہ کے مجدد ہیں، حقیقہ زور تھے، اشعار زیادہ تر فی البدیہہ کہا کرتے تھے اور یہی

سالم آپ کے والد ماجد کا تھا۔ حضرت شہاد لدہا بیان کرتے ہیں کہ ایک شب آنجناب قطب الاولیاء کے عرس کی مجلس میں تشریف فرمائے تھے مجھ سے کہا کہ دو ات و قلم اور کاغذ ماد چنانچہ میں نے قلم و دو ات اور کاغذ پیش خدمت کیا، اسی وقت بغیر تل کے زمین زبھورت غزلیں اس کاغذ پر قلم شکس سے رقم کیں۔ (انیس الحقیقین صفحہ ۲۴ مخطوطہ نمبر ۲۱ صیب گنج کلکشن مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) ایک مرتبہ ایک میرے ساتھ ان اور دلیا کو دھوت پرہو گیا، حضرت نے قلم اٹھایا اور فی البدیہہ ایک رباعی لکھی۔

مازہ د روزہ دار چو خوار نیم
در گوشت نشسته رو بدیوار نیم
چیزی کہ ز حق رسد اسد شکر خوریم
بہ میز چہ کینم بیار نیم
ایک مرتبہ حضرت سلطان لادہا جگر آد تشریف لائے، جمعہ کے روز محلہ میدان پورہ کی مسجد میں نماز ادا کرنے کے لئے آئے، حافظ سید ضیاء اللہ بھڑائی جو حضرت سید محمد کے شاگردوں میں تھے آپ سے بے پناہ عقیدت رکھتے تھے، چنانچہ بہت سے موقع پر آنجناب کے بہت سے پتوں کی۔

کاپی منہ بکرا ۱۰۰ سے لے کر احمد منہ اویں قرآن
پس الحقیقین ہیں ز ادب جی آپ کو امت سے متعلق ایک واقعہ نقل کرنے ہیں، ایک مرتبہ کہ جب حضرت سلطان لادہا آگرہ سے بہر تشریف مرفد منورہ حسرت خواہ چشتی علیہ الرحمۃ کی زیارت کے خیال سے دارودہ ہوئے، آپ صاحب ستموں ساتھ سردو کی ٹھہریں کر دیں، ان دنوں میٹرک جاب سے سرود کیلئے سخت مائل تھے، نقشہ یہ سلسلہ کے شاخین میں سے کسی ملک نے جو سلطان کے معاحبوں میں تھا، سلطان تک یہ خبر پہنچائی، شاخین نے ایک شخص کو منع کر کے لئے دیکھا، شاخین کے بونچے پر سلطان داد لیا اسے سردو موقوف کر، اور لاکھوں میں راجد یہ وہاں سے بے شوش ہو کر اس پر راجہ اور سلطان الاولیاء بدستور سماع و سردو میں مشغول ہو گئے، جب اسے غلے سے نہ ہو وہ بادشاہ کی خدمت میں سر ہوا اور تمام سرگزشت اول تا آخر بیان کی، بادشاہ دوبارہ تھوڑا سا سا برائی کو نصیب کیا، چنانچہ محمد مین خان نے مجلس سلطان لادہا کی حاضرت میں، چہ شمس کی طرح بہت سے روپ کے نعرہ پر بیہوش ہو گئے، اور زمین پر لے آئیں حقیقین ہیں، صیب گنج سہوید یونیورسٹی علی گڑھ تہذیبیہ مرکز

تڑپنے لگے، اسی وقت یہ خبر بادشاہ تک پہنچی اور بعد ازاں جب محمد امین خاں بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا بادشاہ مسکرایا اور پوچھا کہ تم نے سنیوں کے کرامات دیکھے جواب دیا جی ہاں جہاں پتاہ دیکھا، کرامت سید برحق ہے۔ بادشاہ دوبارہ مسکرایا اور اس نے محمد امین خاں کو سلطان، لاد میاں کا معتقد بنایا، اسی طرح کے اور بھی بہت سے واقعات ماثر الکرام اور انیس المحققین میں آزاد نے نقل کئے ہیں۔

میری نگاہ سے دیوان کاشفی کے دو نسخے گزرے ہیں ایک رضا اسٹیٹ لائبریری رام پور میں اور دوسرا حبیب گنج کلکشن مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں، رام پور کے نسخہ میں صرف غزلیات ہیں جن کی تعداد ۳۳۸ ہے، حبیب گنج کلکشن کے نسخہ میں کاشفی کے قصائد بھی موجود ہیں۔ درغزبات کی تعداد محض ۳ ہے، آزاد بلگرامی انیس المحققین میں ایک مقام پر لکھتے ہیں:-

دیوان فارسی آئیناب از قصیدہ و غزل درہی مرتب است۔

کاشفی کی رباعیات دونوں میں سے کسی نسخہ میں بھی نہیں ہیں، اس دیوان میں کئی اشعار ایسے ہیں جن سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ یہ حضرت سلطان احمد لیا دکی ہی تصنیف ہے۔ چند قطعے ملاحظہ فرمائیے۔

بود نام مرا احمد در شیوہ اشعار : فتاد زحق کاشفی آخر لقب ما
در کاہی زہی زن گرام کاشفی شد : احمد ترا ازیں بد دیگر لقب نباشد
باشد علم ما بجہاں سید احمد : افتادہ دے کاشفی ازحق لقب ما
کاشفی اپنے داد را جہ لقب : دیار کے ہی مرید تھے جس کی طرف آپ نے اپنے ایک قصیدہ میں اشارہ بھی کیا ہے :-

مرتبے بس بس محمد : کہ روشن شد از دے ہمہ خاندانم
مرا گرچہ فرزند خواندہ یکن : سگب آستانم سگب آستانم
شارکی انکساری کا ایک طرف یہ عالم ہے کہ کہتا ہے کہ شعر کہنا اسے بالکل نہیں آتا لیکن دوسری طرف کچھ اکی خود غلامی ہے کہ وہ شعرا و ماصرن میں خود کو سب سے بہتر بھی سمجھتا ہے :-

سخن گرچہ گفتن ندانم ندانم : دے بہتر از شاعران زمانم
اگر ہند بہر شک ابل عسرتم : اگر خاکیم نیر نورانیانم

اور جب خود ستائی پر اتر پڑتا ہے تو اس کی زبان پر اس طرح کے اشعار بھی بے ساختہ آجاتے ہیں :-

چو برق است طعم چو ابرست کلکم چو دست نظم چو بادست زبانم
 ضعیفم ولے استاده به میدان بجویم کہ من رستم داستانم
 لے بخواند جوہری یک شعر کشفی گرد دیوانش کند از دل تشار نظم او نظم لالی را
 ہر کے حرف زند یک سخن کاشفی شعر تو خوش منون است

کاشفی کی زیادہ تر غزلیں رومانی ہیں شاعر کے لفظوں میں اس کا دل کتب خانہ عشق کی صندوق ہر،
 ایک شعر ملاحظہ فرمائیے :-

جز نسخہ خلاص مجو کاشفی آخر زیں سینہ کہ صندوق کتب خانہ عشق است
 لیکن تصوف اور فلسفہ کی بھی سحر کاریاں مختلف مقامات پر ہوئی ہیں، دیوان کی پہلی غزل کے چند
 اشعار دیکھئے :-

از ہر طرف بگوش من آید ہمیں ندا واللہ ہر آنچہ می نگری نیست جز خدا
 اشکال مختلف کہ مشاہد بھی شوند یک ذات واحدست برنگ جدا جدا
 ہر چند ادب زردگر جسلوہ می کند کہ دل بنار می برد و گاہ از ادا
 دیوان سے چند غزلیں یہاں نقل کی جاتی ہیں، انہیں نہ مندہ تو نہیں کہا جاسکتا پھر بھی کوشش کی گئی
 ہے کہ قارئین ان کے آئینہ میں کاشفی کی غزل گوئی سے متعلق صحیح رائے قائم کر سکیں :-

ہر کے بادہ کش و طالب جام است اینجا ہر کہ بسیار کشد مرد تمام است اینجا
 ماہمہ مقتدیاں روی زے چوں نام کہ مناں بر سر سجادہ امام است اینجا
 سیری از شربت وصلو نکرد حاصل کہ مرا ہر بن تو شند چو کام است اینجا
 فیض مخصوص بوقتے بنود دروہ عشق نیست در وقت سحر آنچہ بشم است اینجا

لے یہ شعر رام پور والے نسخہ میں اس طرح ہے :-

چو شعر کاشفی خواند کے ہر طبع معنی رس مزد سازد نشاری نظم او نظم لالی را

عادتِ بادہ کشان است دگرگوں زاہد زانکہ شوال بہ از ماہِ صیام است اینجا
 ہر کہ گیسوئے ترا دید وریں دام افتاد ماکہ باشیم کہ سیمرخ بدام است اینجا
 کاشفی خواست کہ تا تو بہ کند پیرِ مغاں
 گفت خاموش ز منے تو بہ حرام است اینجا

ساقیا جامِ لبالب ز منے تاب بیار آفتابِ قدحِ درشب ہت تاب بیار
 حسنِ جانان کہ شدہ موئی از دپس منے تاب دیدہ خواہی تو برو دیدہ منے تاب بیار
 مطربِ امشب زدنِ چنگِ ربابِ دہرِ بربط بہرِ عیشِ دلِ من این ہمہ اسباب بیار
 نیمِ بسملِ بر عشاقِ ز تیغِ نگہ اند تشنہ کارِ از مزہِ خنجرِ تر آب بیار
 سنگِ محرابِ دہرِ سختیِ دل اے زاہد زود از ابروِ جانانہ تو محراب بیار
 تھہ عشق کہ لذتِ ہمداقم دارد نزدِ من بہرِ خدا باز باطناب بیار
 کاشفی خواند یک افسانہ ز وصلِ دلدار
 تھہ خوابِ باین دیدہ بے خواب بیار

ماجرہ کش ز ساغر و پیما نہ خودیم یعنی کہ ہست شیوہِ ستانہ خودیم
 نا آشنا بجا دو جانانہ کشتہ ایم تا آشنا بہم رسم و بگیا نہ خودیم
 کہ گریہ می کنم و گہے خندہ می زنم حیراں ازین طبیعتِ طفلانہ خودیم
 بامن مگو حکایتِ مجنوں کہ شام و صبح حیرت زدہ ز قصہ و افسانہ خودیم
 اے کاشفی بکعبہ چرا زو کہنیم ما
 محفوظ چوں بطوفِ صنم خانہ خودیم

غیر از سماع و رقص مرا ہیچ کار نیست
معدود دارا نکہ مرا اختیار نیست
دہر چہ داشت جلوہ جانانہ را صنم
مارا ز گفتگوی کساں ہیچ کار نیست
از بہر طعنہ ہر طرف فوج فوج ہست
شخصے کہ جوت غم نشود در دیار نیست
تو از ہجوم جاتے توالے قدم زدوں
باعاشقاں مگو کہ کسے جاں پیار نیست
حرفے کہ اتفاق بزرگاں برودیت ایں
جز دوست ہیچ کس بہیاں آشکار نیست
صد دل بہ بستہ بر سر فتراک می رسد
باری مرا کہ گفت کہ مردم شکار نیست
در کعبہ و کنشت بہر جا کہ می رود

در چشم کاشفی بخند غیر یار نیست

غزلیات کے علاوہ کاشفی نے قصیدے بھی کہے ہیں جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے، قصیدوں میں کاشفی کا اپنا جداگانہ رنگ ہے، زبان کی شیرینی اور لطافت الفاظ کی نشست و برخاست کاشفی کا حصہ نظر آتا ہے۔ کاشفی کے قصائد میں جیسی روحانی اور موسیقی پائی جاتی ہے اور جتنے پیارے انداز سے حقائق کی ترجمانی کی گئی ہے وہ اس کی زبان دانی اور بحر بیانی کا ایک خوب صورت ترین نمونہ ہے۔ میرے خیال میں کاشفی نے غزلیں اتنی کامیابی کے ساتھ نہیں کہی ہیں جتنی کامیابی سے قصائد کہتے ہوئے نظر آتے ہیں، باری تعالیٰ کی حمد میں ان کے قصیدہ کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیے :

یا ازل الکرم یا ابدی العطا
عنک زوال السقم منک وجود الشفا
منظر قلبی الیک یفرح روحی لدیک
انت لنا مبدأ انت لنا منتهی
بینش اہل نظر دانش اہل ہنر
انداثر فضل تو یافتہ نور و ذکا
تا کند تربیت حکمت تو در ازل
فکر خدا ہوں کدام عقل ارسطو کجا
خاک در پاک تو سرمہ اہل نظر
ای گل ولای رہت غارۂ اہل صف
گر نہ بود یاد تو صیقل دلہای ما
دیرہ نیابہ فروغ سینہ نیابہ جلا
ایں ہمہ ظاہر زما اذاثر فیض تست

کس نبود پا برد گر نبود فصل تو راہبرِ انبیاء دست کش اولیاء
 عشق تو در جان من شوق ترا دل وطن بر تو فدا جان دتن نیست دگر مدعا
 مسجد و تخت نہ را کس نہ تمیزے نمود ہست بیکساں ظہور دیدہ خود بر کشا
 حسن ازل را ظہور ہست بہر جا مدام ہاں دل بیدار کو دیدہ بیتا کجا
 احمد مرسل کہ ہست باعث کون و مکان نقشِ نجینِ رسل تاجِ سیرِ انبیاء
 محرم اسرارِ غیب ضامنِ روزِ حسیب سیدِ خیر البشر سرورِ صدرِ الوریاء
 صاحبِ آخرِ زمان پیشِ رو سابقان راہبرِ انس و جان علمِ وہ ابتدا
 فخرِ بنی آدم ست روحِ بنی ہاشم ست ذیب ہمہ عالم ست ہمہ را مقتدا
 عیسیٰ از دوجاں طلبِ موسیٰ از ودیدہ خواہ خضر از و آب جو آبِ رُخِ انبیاء
 عالم امی لقب دادہ ہمہ را ادب حرفِ نراغہ یلب صاحبِ تعلیمہا
 گوہرِ تاجِ شہاں افسرِ پیغمبران سرورِ ہر دو جہاں صفدرِ روزِ وفا
 لعنتِ نبی جانِ من مدحتش ایمانِ من ہست ہمیں مذہبم نیست دگر مدعا
 گرچہ گنہ کردہ ام در عالم افسردہ ام نامِ نبی بردہ ام کا پہ نبخشہ خدا
 لعنتِ نبیؐ اورا مدحتِ اصحابِ او راست نیاید ز کس ختم کنم بردعا
 تاکہ دریں عالم ست امرِ الہی رواں تاکہ بود در جہاں دینِ پیغمبرِ پسا

شالیِ حالیِ دلم یا دِ خدا یا مدام

لطفِ حبیبِ خدا مہرِ ہمہ اولیاء

کا شفی کا حق چشتیہ سے تھا، اور موصوف کو خواجہ چشتی علیہ الرحمۃ سے بے پناہ عقیدت تھی۔

آپ زیارتِ مرقدِ منورہ کے لئے جمیر شریف بھی تشریف لے گئے تھے، روضہ خواجہ معین الدین چشتی سے اس قدر متثر ہوئے کہ عقائد کا دریا پھوٹ پڑا اور زبانِ مبارکہ، جمیر کا قصیدہ پڑھتی ہوئی نظر آئی، آزاد بلگرامی نے جمیر پر موصوف کے قصیدہ کی تحریف کی سب چند بیات پیشِ خدمت ہیں۔

اے خوشا شہر و سوادِ اجیر کہ برد غم ہمہ یادِ اجمیر
 تدبیرِ لالہ بدایغِ حسرت کہ بردید ز سوادِ اجمیر
 رشکِ صد حورو ملائک باشد مردمِ نیک نہادِ اجمیر
 گبر و ہندار نہ کرد پیدا دردِ خیز است بلادِ اجمیر
 شجرہ طیبہ و گلزارِ بہشت رفتہ از یادِ زیادِ اجمیر
 بخدا گاہ نہ کرد غمگین اے فلک خاطرِ شادِ اجمیر
 لکاس من ناں شدہ مقبول کہ کرد سرمہ در چشمِ رمدادِ اجمیر
 جنگ با نفس و با شیطان باشد بہست زیں گو نہ جہادِ اجمیر
 شکر صد شکر پذیرفت مرا خواجہ نیک نہادِ اجمیر

کاشفی نے جیسا کہ صوفیہ کے شایانِ شان بھی تھا ہندی زبان میں بھی شاعر کی ہے۔ شاعر ہندی کے نام سے کاشفی کے ہندی اشعار مسلم یونیورسٹی کے کتب خانہ میں موجود ہیں، اسے ایک مختصر سا رسالہ کہا جاسکتا ہے جو کہ شاعر نے راجہ سکرنند کے پاس لکھ کر روئے کیا تھا، اور جس سے یہ نسخہ نقل کیا گیا ہے، نسخہ کی ابتدا میں دو صفحوں کا ایک پیش لفظ بھی ہے جو غالباً کاتب نے لکھا ہے، یہ نسخہ فارسی رسم الخط میں ہے اور پیش لفظ فارسی زبان میں، کاتب نے اس رسالہ کو نقل کرنے کا مقصد بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ حق کی ترش میں بھٹکنے والوں کے لئے مفید ثابت ہوگا۔ کاتب کی گاہ میں تصنیف جو کہ فارسی رسم الخط میں ہے اور ہندی زبان میں لکھی گئی ہے عربی کے خیالات کی ترجمانی کرتی ہے۔ اور اس کا یہ خیال درست بھی ہے، ہندی کے مشہور شاعر شاہ برکت اللہ دہلی مصنفِ بیم پرکاش کاشفی کے شاگرد تھے اور اس کا اعتراف خود بھی نے کیا ہے۔

سکھ کچھ تہا کو برسنے جا میں صر کو رنگ

سو چھپ پائی جات ہے حد محمد سنگ (۲۸)

پورہ مورو پیم لگ ناگرد کے ہم داس

مگر کا پس تھانے پوجت من کی آس ۲۹

پیم پرکاش مرتبہ ڈاکٹر شاستری کاشنی ہندی میں احمد تخلص کرتے تھے، موصوف کے چند ہندی دوہے
 بھی ملاحظہ فرمائیے۔

کرنا کیرت کیجئے کیسے کو مت سنوار
 'لا احس' سادھن کہو دیکھو منہ بچار
 جو کچھ بھئی بھلی بھئی بھلی بھلی ٹھہرا د
 احمد آپنہ مانہ رہ ناکنہ جاؤ نہ آؤ
 جو رسنا سب روم ہوئی کیرت کری ندان
 یہ رس لینہ نہ کیسہوں احمد نہیچے جان
 اگت کتھا کہئے کھا جا کے رنگ نہ روپ
 تاکو نینن دیکھے روپ سر روپ انو پ
 آپن چا ترک روپ دھر رت رہت نت پیو
 آپن بوند سوانت ہوئی راکھت جن کو جیو
 پاتی سب کو اولکھت چھانی لکھت نہ کوئی
 بابھاتی چھاتی لکھت پرکٹ پریم پد ہوئی
 کر کانپے لیکھن ڈگے انگ انگ اکلائے
 سُدھ آئے چھاتی پھٹے پاتی لکھی نہ جائے
 رٹ لاگی رسنا ہی ہی جیت ہے پران
 بیگ ملا دہو کنت کول بدھنا موہ ندان
 جب تیں پچھرے پران پت برہ دیت دکھ دد
 چکھ مانو مدھ کر بجئے چاہت نت مکوند



دیارِ غرب کے مشاہدات و تاثرات

(۷)

از سعید احمد اکبر آبادی

یہاں تعلیم کا کیا اہتمام و انتظام اور اس کی عظمت و وقعت ہے اس کا اندازہ اس سے ہوگا کہ پورے کناڈا کی آبادی لے دے کے کل اٹھارہ طیموں سے اور یونٹریں اس ملک کا دارالحکومت نہیں بلکہ صرف ایک شہر ہے جو خوبصورت اور آراستہ ہونے کے علاوہ صنعت و حرفت اور تجارت کا مرکز بھی ہے۔ لیکن اس کے باوجود اس شہر میں تین اور اس سے بالکل متصل ایک اور اس طرح چند میل کے رقبہ میں ہی چار یونیورسٹیاں ہیں، ان کا مختصر تعارف حسب ذیل ہے :-

مونٹریل یونیورسٹی | لاول یونیورسٹی جس کا ذکر آگے آ رہا ہے اس کی ایک شاخ کی حیثیت سے اس کا آغاز ۱۸۲۷ء میں ہوا تھا مگر ترقی کرتے کرتے ۱۹۲۰ء میں مستقل یونیورسٹی بن گئی، ہمارے ملک میں شاید یہ تعجب سے سنا جائے کہ امریکہ اور یورپ کی کم و بیش سب ہی یونیورسٹیوں کا مذہب سے بہت گہرا تعلق رہا ہے اور اس بنا پر یونیورسٹی کے اندرونی اور انتظامی معاملات میں سب سے زیادہ مؤثر شخصیت پوپ کی رہی ہے۔ چنانچہ اس یونیورسٹی سے متعلق بھی ۱۹۱۹ء میں پوپ کا ایک خاص فرمان صادر ہوا جس میں اس یونیورسٹی کے لئے خاص قسم کی رعایتوں اور سہولتوں کے اعلان کے ساتھ اس بات کی صراحت بھی کی گئی تھی کہ اس یونیورسٹی کا نقطہ نظر رومن کیتھولک ہوگا، اس یونیورسٹی میں ذریعہ تعلیم فریچ زبان ہے۔ لڑکوں اور لڑکیوں کے ۳۳ کالج تو اس سے ملحق باقاعدہ ہیں ہی، ان کے علاوہ ۵۸ تعلیمی ادارے اور ہیں۔

جو اگرچہ باضابطہ معن نہیں ہیں مگر یونیورسٹی کے تسلیم شدہ ہیں ان کالجوں اور اداروں کے علاوہ خاص یونیورسٹی کے رقبہ (CAMPUS) میں جو لڑکے اور لڑکیاں تعلیم پاتے ہیں ان کی تعداد پچیس ہزار ہے۔ صرف ایک برس یعنی ۱۹۶۱-۶۲ء میں اس کی آمدنی اکہتر لاکھ چوں ہزار ایک سو اٹھاسی (71,54,188) ڈالر تھی، اور یہ یاد رکھئے کہ کناڈا کا ایک ڈالر ہمارے ہاں کے کم و بیش ساڑھے چار روپے کے برابر ہوتا ہے۔

سرجارج ڈیمیس یونیورسٹی | ۱۸۷۳ء میں مونٹریل کے نوجوان عیسائیوں کی انجمن (Y.M.C.A) نے بطور خود تعمیری کام شروع کیا تھا، بڑھتے بڑھتے اس نے اتنی ترقی کی کہ ۱۹۲۹ء میں یونیورسٹی کی شکل اختیار کر لی، لیکن اس کی کلاسیں سب شام کو ہوتی تھیں، ۳۲ء سے آئس، سائنس اور کامرس کی کلاسیں باقاعدہ دن کے اوقات میں بھی ہونے لگیں، اس یونیورسٹی کی آمدنی ۱۹۶۱-۶۲ء میں دولاکھ تین سو پچھتر ہزار سات سو پچھتر ڈالر اور طلباء کی تعداد حسب ذیل تھی۔

کچھ وقت کے لئے

پورے وقت کے لئے

۳۰ ۲۸۰

۱۰ ۶۲۷

لڑکے

۱۰ ۲۲۲

۲۳۵

لڑکیاں

۴۰ ۵۰۲

۲۰۶۲

۱۰ دل (LAVALL) یونیورسٹی | یہ یونیورسٹی ۱۸۵۲ء میں قائم ہوئی تھی، اس میں تعلیم، انتظام اور ڈسپلن میں سے ہر چیز کی نگرانی کیوبے (کناڈا کا ایک صوبہ) کے آرک بشپ کے ہاتھ میں ہے جو یونیورسٹی کا وزیر کہلاتا ہے، فلسفہ اور دینیات کے لئے اساتذہ کی نامزدگی وزیر ہی کرتا ہے، ان دونوں کے علاوہ آئس اور سائنس کے جتنے مضامین ہیں ان کے لئے چھوٹے بڑے اساتذہ کا تقریر یونیورسٹی کی کونسل کرتی ہے، ۱۹۶۱ء میں اس یونیورسٹی کی لائبریری میں پورے چار لاکھ کتابیں تھیں، اساتذہ کی تعداد ڈیڑھ ہزار اور طلب و طالبات کی تعداد میں ہزار کے قریب تھی،

ملک گل یونیورسٹی | یہ یونیورسٹی اپنے بانی کے نام سے منسوب ہے جو مونٹریل کا ایک نامی گرامی سوداگر تھا۔ ۱۹۶۳ء میں جب اس کا انتقال ہونے لگا تو اس نے چھیالیس ایکڑ زمین اور دس ہزار پونڈ (اول تو پونڈ

ورود بھی۔ ب سے ڈیڑھ سو برس پہلے، حساب لگائیے آج کل کے نرخ سے کتنی رقم ہوئی) کی وصیت اس مقصد کے لئے کی کہ پہلے سے ایک تعلیمی ادارہ جو ROYAL INSTITUTION FOR THE ADVANCEMENT OF LEARNING کے نام سے چلا آ رہا تھا اس کو ترقی دے کر یونیورسٹی بنادیا جائے، چنانچہ اس سلسلہ میں ۱۸۲۱ء میں ایک فرمان شاہی صادر ہوا اور اس کے بعد ۱۸۲۹ء سے تعلیم باقاعدہ یونیورسٹی کے پیمانہ پر شروع ہو گئی، آغاز کار میں تعلیم ڈسین اور آرٹس تک محدود تھی، لیکن زمانہ کے ساتھ ساتھ یہ بھی ترقی کرتی رہی اور اس میں قسم قسم کی فیکلٹیوں اور ان کے لئے شاندار عمارتوں کا برابر اضافہ ہوتا رہا۔ ۱۹۰۷ء میں مکڈانلڈ کالج کے نام سے ایک رہائشی کالج زراعت کا قائم ہوا۔ ۱۹۲۵ء سے اس یونیورسٹی کی رفتار ترقی بہت تیز ہو گئی ہے۔ اور نتیجہ یہ ہے کہ آج وہ ایک عظیم الشان بین الاقوامی یونیورسٹی کی حیثیت سے قائم ہے جہاں دنیا بھر کے علوم و فنون کی تعلیم اور ان میں ریسرچ کا اعلیٰ سے اعلیٰ نظام ہے، یہاں طلباء اور طالبات دونوں کی تعداد مل کر بیس ہزار کے لگ بھگ ہو گئی، اس یونیورسٹی میں ذریعہ تعلیم انگریزی ہے، درہارا انسٹیٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز اسی یونیورسٹی سے متعلق، دراسی کا ایک شعبہ ہے، یہ حال تو صرف ایک شہر کا ہے، پورے ملک میں ۳۳ یونیورسٹیاں ہیں اور ان میں سے ۱۸ یونیورسٹیوں میں دینیات کی فیکلٹی اسی شان کے ساتھ قائم ہے جس شان کے ساتھ دوسری فیکلٹیاں ہیں، یونیورسٹی کا سامان بوجٹ کتنا ہوتا ہے؟ اس وقت مجھے ٹھیک یاد نہیں، لیکن یونیورسٹی میں اساتذہ اور طلباء کو بھی تناسب کی رہتا ہے اور ایک ایک مضمون کی تعلیم پر یونیورسٹی کس فیاضی سے خرچ کرتی ہے اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ہمارے انسٹیٹیوٹ میں (جو صرف پوسٹ گریجویٹ تعلیم کا بندوبست کرتا ہے) لے دے کے طلباء اور طالبات کی تعداد پچیس تیس سے زیادہ نہیں ہوگی، لیکن اس کے باوجود اساتذہ کی تعداد بشمول ڈائریکٹرز ہے جس میں مدبران سچی میں پانچ مسلمان اور ایک بدھ مت، اور وطنی اعتبار سے پانچ مرکن، ایک ترک، ایک انڈویشی، ایک بھارتی، ایک مصری، اور ایک ہندوستانی۔

تخراہوں کے گریڈ وہی ہیں جو تقریباً ہندوستان کی مرکزی یونیورسٹیوں میں ہیں، البتہ ڈالر اور روپیہ کا فرق ہے وہ ذہن میں رکھئے، ان دنوں حضرات کے اندر وہ جو بات عدہ مبران، ٹرٹ تھے ورجن کا کام

تعلیم و درس یا ریسرچ کی نگرانی میں حصہ لینا تھا، تین صاحب ریسرچ ایسوسی ایٹ تھے جن میں دو مسلمان، ایک پاکستانی اور دوسرے ترک تھے اور ایک مسیحی جو ہولینڈ کے رہنے والے تھے، اس قسم کے ریسرچ ایسوسی ایٹ اصحاب کو جو خواہ یا اسکا لرشپ ملتا ہے وہ لکچرر کے گریڈ کا ہوتا ہے پھر طلباء اور طالبات جو یہاں تعلیم پاتے ہیں ان میں اکثریت اسکا لرشپ پانے والوں کی ہوتی ہے، یہ اسکا لرشپ عموماً سوڈا لرس سے لے کر دو سوڈا لریا تک کا ہوتا ہے۔ ریسرچ یعنی پی ایچ ڈی میں جو طلباء یا طالبات داخلہ لیتے ہیں ان کو عام حالات میں تین برس گزارنے ہوتے ہیں اور ان تین برسوں میں سے ایک برس کسی اسلامی ملک میں رہنا ہوتا ہے، اس سے ان لوگوں کو ماہانہ اسکا لرشپ کے علاوہ اسلامی ملک کے اس سفر اور اس میں قیام کے مزید اخراجات بھی یونیورسٹی کی طرف سے دیئے جاتے ہیں، ظاہر ہے کناڈا امریکہ کی طرح غیر معمولی دولت و ثروت کا ملک نہیں ہے، لیکن یہ جو کچھ عرض کیا گیا اس سے اندازہ ہوگا کہ مغرب میں تعلیم کا ایک مرتبہ و مقام ہے؟ اس سلسلہ میں ان کا اسٹنڈرڈ کتنا ادا ہے؟ علاوہ ازیں اسلامی علوم و فنون کا وہاں کیا اہتمام و انتظام ہے؟

”چشم بردے اذکث باز بخویشن نگر“

کو لو کیم | انسٹیوٹ میں عداوہ سمینار در کلاسوں کے ہر مہینہ، اغلباً بدھ کے روز، ورنہ کسی اور دن بھی اور بعض دفعہ ہفتہ میں ایک سے زیادہ مرتبہ بھی، مجلس مذاکرہ ہوتی تھی جسے کو لو کیم کہتے تھے، شام کو چار بجے چار کا گھنٹہ ہوتا تھا، جو وہی گھنٹی بجی سب لوگ کلاس روم میں جمع ہو گئے، کو لو کیم اس گھنٹہ میں بن چار کے بعد منعقد ہوتی تھی، اس کی صورت یہ تھی کہ انسٹیوٹ میں آئے دن نامور، شہسوار، مراد کا نرو و توہر رہتا ہی تھا، اگر ممکن ہوتا تو ان حضرات کو پہلے سے مجلس مذاکرہ میں کسی اسلامی موضوع پر تقریر کرنے یا پرچہ پڑھنے کے لئے، مدہ کر دیا جاتا ورنہ کسی مقامی پروفیسر کو تکلیف دی جاتی اور یا خود انسٹیوٹ کے ساتھ یا طلباء میں سے کسی سے غزیر کرنے کی فرمائش کی جاتی، طلباء میں سے باری باری کوئی طب علم اس کا اپنی راجہ، یا تفریر عموماً چابیس پینتالیس منٹ کی ہوتی تھی، تقریباً تقابہ کے ختم ہونے پر بحث و مذاکرہ کا سلسلہ شروع ہوتا۔ جو موضوع تقریر کی مناسبت، اور اس کی اہمیت کے مطابق

گھنٹہ آدھ گھنٹہ جاری رہتا تھا، اس مجلس میں جن بیرونی حضرات نے تقریریں کیں، ان میں سے چند نام حسب ذیل ہیں۔

(۱) ۱۰ اکتوبر ۱۹۳۷ء کو مشہور فرینچ مستشرق جک برکوئی (JACQUES BERQUE) انسٹیٹوٹ میں آئے، پروفیسر اسمتھ نے ان کے اعزاز میں ایک شاندار لہجے دیا، میں بھی مدعو تھا، موصوف سالہا سال مصر میں (غالبا آثارِ قدیمہ کے محکمہ سے تعلق کی تقریب میں) رہ چکے ہیں، اس لئے عربی بڑی روانی اور قوت کے ساتھ بولتے ہیں، انگریزی اچھی خاصی جانتے ہیں، مگر فرانسیزیوں کا میں نے خاصہ دیکھا ہے کہ اگر انگریزی کے بغیر کوئی چارہ ہی نہیں تب تو خیر، در نہ جہاں تک ممکن ہوگا اپنی مادری زبان کے علاوہ کسی اور زبان میں نہ گفتگو کریں گے اور تقریر! چنانچہ موصوف جو آج کل پیرس کے کالج آف فرانس میں عربی کے پروفیسر ہیں، وہ بھی اس سے مستثنیٰ نہ تھے، یہ دراصل ہونٹرلی یونیورسٹی کی دعوت پر جدید عربی زبان دلائریجر پر چند لکچر دیئے آئے تھے، پروفیسر اسمتھ نے ان کو اپنے ہاں بھی بلا لیا، لہجے کے بعد غالباً تین بجے انھوں نے ہمارے ہاں عربی زبان میں تقریر کی، موضوع بھی عربی زبان ہی تھا، تقریر مختصر تھی مگر دل چسپ اور پُر از معلومات اس کے بعد ایک دن میں نے ان کی جائے قیام پر ملاقات کی، بڑی پاک سے ملے، اور مجھ سے وعدہ لیا کہ وطن کی واپسی پر میں پیرس گیا تو ان سے ضرور ملوں گا، پروفیسر جوزف شاخت عہدِ حاضر کے بڑے نامور مستشرق ہیں ان کی کتاب ”اسلامی فتنہ کے اصل“ بڑی موثر کتاب ہے۔ اب تک اس کے کئی ادیشن شائع ہو چکے ہیں، مارچ ۱۹۳۷ء میں پروفیسر اسمتھ کی دعوت پر یہ بھی انسٹیٹوٹ میں آئے اور وادی زاب پر ایک لکچر دیا۔ ڈاکٹر عزیز احمد جو ایک زمانہ میں عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد دکن میں انگریزی زبان کے استاد تھے، اور اردو کے مشہور افسانہ نویس اور ادیب کی حیثیت سے انڈیا کے ادبی حلقوں میں متعارف ہیں، آج کل ٹورنٹو یونیورسٹی میں اسلامیات کے پروفیسر ہیں، انسٹیٹوٹ کی دعوت پر

۱۔ اس لکچر کا اور پروفیسر شاخت سے گفتگو اور مذاکرہ علیہ کا تذکرہ میں کے خط میں لکھا ہوں جو، نہیں دنوں برہان میں چھپ گیا تھا، یہاں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے

اسی مارچ میں یہ بھی یہاں آئے اور انڈوپاک میں اردو کے مستقبل پر ایک دل چسپ لکچر دیا۔ پروفیسر غزنیا احمد سے غائبانہ میں پہلے سے واقف تھا اور یہ مجھ سے، یہ واقعات عمر میں پہلی مرتبہ تھی، مگر لمبے، س طرح کہ گویا برسوں کے ساتھی اور دوست ہیں، لہٰذا اور چاروں میں بھی شرکت رہی، یہ ”ہندوستان میں اسلامی تحریکات پر ایک کتاب لکھ رہے تھے، اب غائبانہ مکمل ہو کر چھپ بھی گئی ہوگی، برہان اور میری کتابیں ان کی نظر سے گذرتی رہی ہیں، اس موقع پر یہ بھی عرض کر دوں کہ جو بیرونی حضرات انسٹیٹیوٹ میں آتے تھے، ان سب کا بیچ یا دوز پر فیسر اسمتھ کی طرف سے ہوتا تھا اور وہ معزز مہمان کے ساتھ اسٹاف میں سے بھی حسب موقع تین چار، ساتھ کو اور کبھی پورے اسٹاف کو مدعو کرتے رہتے تھے، میرے ساتھ ان کے خصوصی تعلق کی ہی بات ہے کہ اگر انہوں نے دو شخصوں کو بھی مدعو کیا ہے تو مجھے ضرور کیا ہے، اور ایسا تو بسا اوقات ہوا ہے کہ انہوں نے صرف مجھ کو ہی تنہا لپچ پر بلایا ہے، لیکن یہ اسی وقت ہوتا تھا جب کہ وہ کسی علمی مسئلہ پر یا انسٹیٹیوٹ کے کسی معاملہ پر گفتگو کرنا چاہتے تھے، اسمتھ صاحب کی غیر موجودگی میں ان کے قائم مقام پروفیسر چارلس آدم مہمان نوازی کا یہ فرض انجام دیتے تھے۔

ان حضرات کے علاوہ برہان سفارت خانہ کنڈا کے ایک افسر نے بھی ایک مرتبہ اس مجلس مذاکرہ میں حصہ لیا تھا، ان کے علاوہ ہونڈرلی اور ملگل پونیورسٹی کے بعض اساتذہ کو مذہب اور ریاست اور ”سودیٹ روس میں مذہبی حالات پر پھر دینے کی زحمت دی گئی، خود انسٹیٹیوٹ کے اسٹاف میں پروفیسر اسمتھ نے دو مقالے پڑھے۔ ”ڈاکٹر چارلس آدم نے ”مذہب والی کے فلسفہ خلاق پر بحث پڑھ کر سنایا، ڈاکٹر بارکر نے ممالک اسلامیہ میں گھوم پھر کر وہاں کی خاص خاص عمارتوں، مسجدوں اور مختلف مقامات کی جو فلم تیار کی تھی، اپنی تشریح کے ساتھ انہوں نے وہ فلم دکھائی، ایک انڈونیشی پروفیسر ڈاکٹر محمد راشدی جبکہ اسی انسٹیٹیوٹ سے متعلق ہونے سے قبل وہ انڈونیشیا کی طرف سے سودی عرب میں سفیر تھے اپنی حکومت کے ایما سے حج کی ایک فلم تیار کی تھی، ایک دن اسی مجلس مذاکرہ کے پروگرام کے

ما تحت انھوں نے ہم لوگوں کی اس فلم سے تواضع کی، علاوہ انہیں اس مجلس میں ڈاکٹر الحسینی نے "مصر میں جدید نادل نگار" ڈاکٹر برکس نیازی (ترک) نے "ترکی اور سیکولرزم" ڈاکٹر صالح طوغ (ترک) نے "علم حدیث" اور میں نے "موجودہ زمانہ میں ایک اسلامی ریاست کی شکل" پر باری باری سے مقالات پڑھے، میرا یہ مقالہ کافی ہنگامہ خیز ثابت ہوا، اساتذہ اور طلباء کی طرف سے سوالات کی بڑی بھرمار ہوئی، مسٹر ادڈوم (ODOOM) ایک افریقی طالب علم تھا، ایک دن اُس نے اپنے ملک کے مسئلوں کے حالات پر تقریر کی۔

اس انسٹیٹیوٹ کو قائم ہونے سے ابھی چودہ پندرہ برس ہوئے ہیں لیکن اس کو اس قلیل مدت میں ہی عالمگیر شہرت حاصل ہو گئی ہے، اس لئے عالم اسلام کی کسی بڑی شخصیت کا ادھر سے گذر ہوتا ہے تو طبعی طور پر اُسے اس ادارہ کو دیکھنے کی خواہش ہوتی ہے اور وہ از خود یا انسٹیٹیوٹ کی دعوت پر یہاں آتا ہے، اس سلسلہ میں میرے زمانہ قیام میں جو حضرات یہاں آئے اور ان سے ملاقات و گفتگو کا موقع ملا اُن میں امریکہ میں شرقِ اردن کے سفیر، ڈاکٹر یوسف ہیکل، اور اُٹاواہ (کناڈا کا دار الحکومت) میں عرب اتھاریشن افیسر خالد جباع، پروفیسر اسمتھ کے بھائی جو کناڈا کی طرف سے روس میں سفیر ہیں، ایران کے امریکہ میں سفیر اور حکومتِ ملایا کے ایک تعلیمی افسر مشرنگ محمد محی الدین، خاص طور پر لائق ذکر ہیں۔

اوپر جو کچھ عرض کیا گیا ہے اُس سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ مغربی ممالک کی یونیورسٹیوں میں عموماً اور ہمارے انسٹیٹیوٹ میں خصوصاً تعلیم کے مقاصد کی خاطر خواہ تحصیل دیکھیں کے لئے کس کس روم میں لکچر دے دینے کے علاوہ یہ بھی ضروری سمجھا جاتا ہے کہ مختلف مضامین پر سیمینار ہوں، اساتذہ اور طلباء میں سوشل تعلقات ہوں اور اس طرح دونوں کو ایک دوسرے سے قریب آنے اور ایک دوسرے کو سمجھنے کے زیادہ سے زیادہ مواقع ملیں، پھر یونیورسٹی یا ادارہ کے باہر کی دنیا اور اُس کے ممتاز لوگوں سے بھی ان کے تعلقات ہوں، اس سے ذہن میں وسعت اور فکر میں بلندی پیدا ہوتی ہے، یہاں مجھے یاد آیا، مونٹرل سے جو اخبارات متبع ہوتے ہیں اُن میں سب سے زیادہ کثیر الاشاعت اور ہر دل عزیز و نامور "مونٹرل اسٹار" ہے، میں ۵ نومبر ۱۹۵۸ء کو اپنے سیمینار میں جو علمِ اکلام پر مورخہ تھا تقریر کر رہا تھا،

پروفیسر اسمتھ میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں اچانک مذکورہ بالا روزنامہ کا اسٹاف رپورٹر
 مع اپنے فوٹو گرافر کے پہنچ گیا (بعد میں معلوم ہوا کہ اسٹاف رپورٹر نے ایک دن پہلے باقاعدہ اسمتھ صاحب
 سے فون پر اجازت لے لی تھی) اُس نے کچھ دیر کھڑے ہو کر پہلے تو تقریر سنی پھر میری اجازت سے
 اُس نے مجھ سے کچھ سوالات کئے، میں نے جو جوابات دیئے وہ اس نے نوٹ کر لئے اور اس کے بعد ہمارے
 پورے سیمینار کا فوٹو لے کر واپس چلا گیا، دوسرے دن یعنی ۱۶ نومبر کو یہ اخبار آیا تو دیکھا کہ اس کے
 صفحہ ۳ پر بہت نمایاں اور جلی طریقہ پر میرا اور سیمینار کا بڑے سائز پر فوٹو ہے اور اُس کے ساتھ رپورٹر
 کے سوالات کے جواب میں میں نے جو کچھ کہا تھا وہ ایک بیان کی صورت میں جلی ٹائپ کے دو کالموں میں
 شائع کر دیا گیا ہے، میں نے اس بیان میں کہا تھا کہ آج کل کا زمانہ سائنس اور ٹیکنالوجی کی غیر معمولی ترقی کا
 زمانہ ہے۔ لیکن اس ترقی نے جو مذہب اور اخلاقیات کی تقسیم کے بغیر ہے، انسان کے دل کو امن و امانیت
 اور سکون و اطمینان سے محروم کر کے اسے خوف و ہراس اور اضطراب و پریشانی سے بھر دیا ہے۔
 اس بن پر ہماری یہ سائنسی ترقیات اور اُس کی وجہ سے حیرت انگیز ایجادات و اختراعات صرف اُسی وقت
 انسانی تہذیب و تمدن کے لئے مفید اور کارآمد ہو سکتی ہیں جب کہ یونیورسٹیوں میں مذہب اور اخلاق
 کی تعلیم کا بھی اعلیٰ سے اعلیٰ بندوبست ہو اور دنیا کے مختلف مذاہب کے علماء ایک دوسرے سے میل و
 اُن میں باہم افہام و تفہیم کی راہ پیدا ہو۔

مونٹرل اسٹار نے فوٹو کے نیچے اور خبر کے اوپر جو سہ سطری عنوان قائم کیا تھا، اُس میں تیسری
 سطر یہ تھی "یک ہندوستانی مسلمان کی امنِ عالم کے لئے تجویز" جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا، یہ
 اخبار سب سے زیادہ کثیر الاشاعت اور ہر دل عزیز اخبار ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس تاریخ کے پانچ چھ روز
 بعد تک یہ رہا کہ میں بس میں جا رہا ہوں، کسی دکان پر کوئی چیز خریدنے یا کسی رستوران میں کچھ کھانے
 پیے گیا ہوں، جہاں کہیں بھی گیا ہوں کسی مرد یا عورت نے دیکھتے ہی پہچان لیا اور مونٹرل اسٹار
 کی اُس شاعت کے حوالہ سے ہندوستان، ہندو یا امنِ عالم ان میں سے کسی موضوع پر
 گفتگو چھیڑ دی ہے، اس میں شک نہیں کہ مونٹرل اسٹار ایسے بلند پایہ اخبار میں میرے ایسے

طالب علم کا نوٹو در اس اہتمام سے اس کا بیان شائع کرنا ایک بڑا اعزاز ہے، لیکن قدرت نے میری طبیعت بالکل قلندرانہ بنائی ہے جس پر میں اُس کا بڑا شکر گزار ہوں، اس طرح کی چیزوں کی میرے نزدیک قطعاً کوئی اہمیت اور وقعت نہیں، مگر میں نے محسوس کیا کہ آئندہ صاحب کو اس سے بڑی خوشی ہوئی اور انہوں نے اس نوٹو کی پندرہ بیس کاپیاں بنوا کر مقامی اور بیرونی احباب کو بھیجیں۔

ملگل یونیورسٹی کی مجلس مذاکرہ میں تقریر | اس واقعہ کے چند روز بعد ہی یہ واقعہ پیش آیا کہ ملگل یونیورسٹی میں طلباء کی ایک انجمن انٹرنیشنل اسٹوڈنٹس ایسوسی ایشن کے نام سے قائم ہے، اس انجمن نے نومبر کے آخری ہفتہ میں ایک ہفتہ ایشیا متایا، اس سلسلہ میں ایشیا کے ایک ایک ملک کے لئے ایک دن مقرر تھا اور اُس دن اس ملک کا تہذیبی اور کچھل پر دو گرام ہوتا تھا، اور ساتھ ہی اُس روز جو عام ڈنر ہوتا تھا اس میں اُس ملک کے ہی کھانے کھلائے جاتے تھے، چنانچہ ایک دن ہندوستان اور پاکستان کیلئے بھی تھا اور اُس روز ڈنر میں بریانی، شامی کباب، دہی بڑے اور شاہی مٹروں سے مہمانوں کی تواضع کی گئی۔ اس ہفتہ کے پروگرام میں ایک روز یعنی ۲۹ نومبر کو مغرب کے بعد ایک مجلس مباحثہ کا انتظام بھی کیا گیا تھا عنوان بحث تھا "کیونزم اور ایشیا" اس بحث میں حصہ لینے کے لئے پانچ آدمیوں کا پینل بنایا گیا جن میں ایک نام میرا بھی تھا، باقی چار حضرات کے نام یہ ہیں (۱) پروفیسر آسمتھ (۲) پروفیسر مینا ہل بریشر (MICHAEL BRECHAR) ڈپارٹمنٹ آف پائیکل سائنس، (۳) ڈاکٹر جے جے، مور، اسکول آف سوشل درکس اور (۴) ڈاکٹر کیفٹز (KEFFITZ) ٹورنٹو یونیورسٹی، موضوع چونکہ دلچسپ اور مزگا مہ خیز تھا اس لئے یونیورسٹی کا ہاں مغرب و مشرق کے طلباء اور طبابت سے کچھ کچھ بھرا ہوا تھا، بحث کا آغاز پروفیسر مینا ہل بریشر نے کیا، اُس کے بعد میری تقریر ہوئی جس میں نے کہا کہ کیونزم ہمارے زمانہ کی نہایت عظیم نشان اور تہذیبی تحریک ہے، اور اُس نے انسانی افکار و خیالات میں عجیب و غریب انداز پیدا کیا ہے، لیکن چونکہ ایشیا کا تعلق ہے اس تحریک کو اب تک جو کامیابی ہوئی وہ ہوئی، لیکن اب آئندہ اُس کے زیادہ کامیاب ہونے کی توقع نہیں ہے۔ اور اُس کی وجہیں دو ہیں، ایک یہ کہ کیونزم ہمیشہ وہیں پھرتا پھرتا اور زرتی کرتا ہے، جہاں

استعماریت ہو، اور اُس کے ہاتھوں لوگ جبر و ظلم اور اقتصادی وٹ کھسوٹ کا شکار ہوں، اور اب چونکہ ایشیا آزاد ہے اور وہیں قومی حکومتیں قائم ہیں جو عوام کا معیار زندگی ادا نچا کرنے اور ملک سے غربت کے دور کرنے کے لئے جدوجہد کر رہی ہیں اس لئے اب عوام میں کمیونزم کے مقبول ہونے کے امکانات بہت کمزور ہو گئے ہیں اس کے علاوہ دوسری وجہ یہ ہے کہ ایشیا کے جو ملک ابھی گزشتہ چند برسوں میں آزاد ہوئے ہیں وہ سب مذہبی ملک ہیں اور ان ملکوں کے عوام کو مذہب دنیا کی ہر چیز سے زیادہ عزیز ہے، اور چونکہ کمیونزم کا پہلا مذہب پر ہی ہوتا ہے اس لئے ان ملکوں کے عوام اُس کو خوش آمدید نہیں کہہ سکتے، چین اور ویتنام کا ذکر کرتے ہوئے میں نے کہا کہ ان ملکوں میں کمیونزم کا فروغ حکومتوں کی سازش اور حکمران طبقہ کے حد سے زیادہ جبر و تشدد کا نتیجہ ہے۔ عوام کو ابید کو اس میں دخل نہیں ہے۔ یہ اب عام ریمارک کرنے کے بعد میں نے مشن کے طور پر اپنے ملک ہندوستان کا تذکرہ کیا اور بتایا کہ آزادی سے قبل اس ملک میں کمیونسٹ پارٹی کی پوزیشن کیا تھی اور اب کیا ہے، گزشتہ عام انتخابات میں اس پارٹی نے مرکز میں اور ریاستوں میں کتنی نشستیں حاصل کیں، اس کے ساتھ ہی حکومت ہند نے عوام کی فلاح و بہبود کے لئے جو تین پنج سارہ منصوبے بنائے ہیں میں نے اُن کا تذکرہ کیا۔

عجیب بات ہے ہر سب سے بعد جن حضرات نے تقریریں کیں گرجہ ان کے دلائل مختلف تھے لیکن رائے انھوں نے بھی یہی ظاہر کی اور ہر متر نے اپنی تقریر میں ہندوستان کا خاص طور پر جو یہ دیا، جب ہم سب لوگ بول چہ تو اب بناب صدر کے کہنے پر حاضرین کی طرف سے سوالات کا سلسلہ شروع ہوا، ان میں زیادہ سوالات مجھ سے ہی کئے گئے، ایک خاتون تو کبرالا کا قصبہ سے کرکھڑی ہو گئیں، اور انھوں نے پُر زور طریقہ پر کہا کہ اس ریاست میں کمیونسٹ گورنمنٹ آئینی طور پر قائم تھی لیکن کانگریس نے مسلم لیگ جیسی فرقہ پرست جماعت کے ساتھ توڑ جوڑ کر کے ریاست میں برکائے کرے اور اس آئینی حکومت کو ختم کر کے دہلی میں نے جواب میں اُس وقت میری جو پوزیشن تھی اور حکومت کیرالا کے قیامی بل نے جو امت مچی تھی اُس پر روشنی ڈال تو وہ خاتون پھر کچھ کہنے کے لئے دوبارہ کھڑی ہوئیں، مگر اس مرتبہ صدر نے ان کو روک دیا، غرض کہ دو ڈھائی گھنٹہ کی نشست بڑی دلچسپ اور صاف انگیز تھی۔

یہ درخواست ہوئی تو ایک وسیع اور آراستہ ہال میں ہم لوگوں کی کافی، چائے اور اس کے لوازم سے تواضع کی گئی، دوسرے دن خاص یونیورسٹی کے اخبار نگل ڈیلی میں تو اس مباحثہ کی پوری کارروائی چارکالی سرخیوں کے ساتھ درج تھی ہی، شہر کے مقامی اخبارات میں بھی اس کی روداد شائع ہوئی، مونٹرل کے ایک روزنامہ "گازٹ" نے میری تقریر کے بعض جملوں کو عنوان کا جو بنا کر خبر شائع کی۔

اس کے دوسرے ہی دن یعنی ۳۰ نومبر کو یہ واقعہ پیش آیا، صبح کے ساڑھے دس بجے کا وقت تھا میں انسٹیٹوٹ میں اپنے کمرہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک پروفیسر اسمتھ آئے اور کہنے لگے کہ آج ابھی گیارہ بجے مجھے یونیورسٹی کی فیکلٹی آف تھیالوجی میں اسلام پر ایک لکچر دینا تھا، مگر میرا جی چاہتا ہے کہ یہ لکچر میری بجائے آپ دیں، انھوں نے اس کی معذرت بھی کی کہ وہ بالکل وقت کے وقت یہ فرمائش کر رہے ہیں، مگر میں نے اسے بخوشی قبول کر لیا، یونیورسٹی کی عمارت انسٹیٹوٹ کی عمارت سے ذرا فاصلہ پر ہے، پروفیسر اسمتھ اپنی کار میں مجھے فیکلٹی آف تھیالوجی لے گئے، کار سے اتر کر ہم دونوں کلاس کے کمرہ میں پہنچے جو طلباء اور طالبات سے بھرا ہوا تھا۔ وہاں انھوں نے میرا تعارف کرایا اور پھر خود روانہ ہو گئے، اب گیارہ بجے میں نے لکچر شروع کیا۔ تو اس میں اتنی محویت ہوئی کہ گھنٹہ بچ گیا، مگر مجھے خبر بھی نہیں ہوئی، پروفیسر اسمتھ جو مجھے لینے آئے تھے پہلے تو چار پانچ منٹ کلاس سے باہر میرا انتظار کرتے رہے، آخر کلاس روم کا دروازہ کھول میرے سامنے آکر کھڑے ہو گئے، میں نے انہیں دیکھتے ہی معذرت کے الفاظ کہے اور کلاس ختم کر کے باہر آ گیا، اگلے ہفتہ اسی دن اور اسی گھنٹہ میں پھر پروفیسر اسمتھ کا لکچر ہونا تھا، مگر انھوں نے مجھ سے کہا کہ آپ نے گزشتہ ہفتہ پورا گھنٹہ بلکہ اُس سے بھی کچھ زیادہ، اپنے لکچر میں صرف کر دیا، ذرا کسی کو سوال کرنے کا موقع نہیں دیا۔ اس لئے کلاس کی درخواست ہے کہ آج پھر آپ کلاس میں جائیں اور بجائے لکچر دینے کے صرف سوالات کے جوابات دیں، میں اس پر آمادہ ہو گیا اور حسب سابق پروفیسر اسمتھ کا ریلے کر مجھے وہاں پہنچ گئے اس مرتبہ وہ خود بھی کلاس روم میں بیٹھے، اب سوالات یکے بعد دیگرے شروع ہوئے میں جواب دیتا رہا، سوالات اس قسم کے تھے کہ اسلام میں تعدادِ اخراجات کا حکم کیا ہے؟ اسلامی تصوف کی حقیقت کیا ہے؟ قرآن اپنے آپ کو جو دوسری کتبِ الہیہ کا مصدق کہتا ہے، اس کا کیا مطلب ہے؟ وغیرہ وغیرہ، مگر میں نے

اکبتیا

ساتی

از جناب الہ مظفرنگری

وُردِ صبحِ غم ہے آ کر یں مل کر دعا ساتی
خدا شاہد کہ زندانِ ازل کو بزمِ ہستی میں
فرازِ طور پر دیکھا تھا جو موسیٰ غمراں نے
جزاک اللہ دورِ بادہ آسٹامی کا کیا کہنا
نبوں گے ختم سوزِ غم کے ہنگامے سیرِ محفل
جوابِ جامِ حم ہوا در حلیفِ مہر و مہی ہو
فضاؤں سے حریمِ ناز کی دادِ محبت لوں
مرے حق میں کرم یہ سعی بے حاصل کا کیا کم ہے
گرائیں بجبیاں مجھ پر اسی کے لالہ دگل نے
انہیں دادِ وفا میں ہے تامل ہو مگر میں تو
میں ان کے ہر قسم پر اس لئے بیک ہتا ہوں
نہ رہنے دیا دھوکا نہ رہنے مجھے ٹوٹا
انہیں کی سمت ہر سجدہ ہی میرا وہ کہیں بھی ہوں

یہی تو دقت ہے اک ضربِ اِلَّا اللہ کا ساتی
فغانِ انقلاب انگیز کا ہے آسرا ساتی
مجھے بھی پردہ مینا سے وہ جلوہ دکھا ساتی
کہ ہر اک موجِ مے ہے موجِ بحرِ عطا ساتی
مرے دل لے کے پروانے میں کس نے رکھ دیا ساتی
مرے ٹوٹے ہوئے ساغر سے تو وہ دل بنا ساتی
اگر مضربِ غم سے چھیرِ دود سا زونا ساتی
برائے زندگی مرنا تو آس ں ہو گیا ساتی
کہ جس خاکِ چمن کو میں نے دی نشوونما ساتی
لے بیٹھا ہوں ن کے سامنے عذرِ خطا ساتی
مجھے مجبور کر دیتا ہے دستورِ وفا ساتی
مجھے منزل ہی لئے محروم منزل کر دیا ساتی
مجھے مطلق نہیں ہے حاجتِ قبلہ نما ساتی

بے اپنی جستجو میں وہ الہم کو ہے تلاش اپنی
ابھی معصوم کرنا ہے اسے اپنا پتا ساتی

غزل

از جناب سعادتِ نظر آبر

کبھی جو ہم نفسو! آبروئے گلشن تھا
 یہی یہی مرا اُجڑا ہوا شمیم تھا
 بغیضِ عشق وہی شہرِ زندگی ہے اب
 مرادہ دل جو کبھی حشر توں کا مدفن تھا
 کسی کے جلوۂ رنگیں نے آبرو رکھ لی
 کہاں دگر نہ ہماری نظر کا مسکن تھا؟
 نہ احتیاطِ شرارت، نہ شوخیوں سے حذر
 عجیب رنگ میں اے دوست! اپنا بچپن تھا
 یہ ہاتھ جن سے ہے اب چاکِ پردہِ افناک
 وہی تو ہاتھ ہیں جن میں تمہارا دامن تھا
 نہ جانے کیوں شبِ ہجرں بٹھا بٹھا سا ہے؟
 یہی چراغ کبھی آندھیلوں میں روشن تھا
 یہی نہیں کہ لُٹا کا روانِ شوق، نظیراً
 غضب تو یہ ہے کہ خود راہِ برہنہ زن تھا



تبصرے

المختار من شعرا بن الدمینہ : از ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو
تفصیح کلاں، ضخامت تہ صفحات، مائپ بہتر، قیمت پانچ روپے۔

پتہ : ادارہ علوم اسلامیہ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ (یو پی)

اُردو زبان کے علمی، وراثی صنفوں میں ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب آرزو ایک ماہر و محقق غالباً
کی حیثیت سے مشہور ہیں لیکن دراصل وہ عربی شعر و ادب کے محقق و نقاد ہیں اور اس سلسلہ میں ان کی مقدّمہ
علی کاوشیں طبع ہو کر ارباب نظر سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہیں، زیر تبصرہ کتاب بھی اسی سلسلہ کی ایک
کڑی ہے۔

یہ کتاب عربی کے مشہور قدیم شاعر عبداللہ بن دمینہ کے اُن منتخب اشعار پر مشتمل ہے جنہیں خالد بن
نے اپنی کتاب "الاشباہ والنظائر" میں نقل کیا تھا، اگرچہ اس اثر میں لاسٹادراتب منشاخ نے
بڑی محنت و جانفشانی سے ادٹ کر کے ابن الدمینہ کا پورا دیوان ہی شائع کر دیا ہے اور
کتاب اشباہ والنظائر کا پہلا حصہ بھی شائع ہو چکا ہے، تاہم ڈاکٹر صاحب کے اس کارنامہ کی
اہمیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا کیوں کہ خالد بن دمینہ نے صرف ابن الدمینہ کے اشعار منتخب نہیں
کئے بلکہ اُسی مضمون کے دوسرے شعراء کے اشعار بھی نقل کر دیے ہیں، وہ موازنہ کر کے اُن میں سے
ہر ایک کے کلام پر رائے دی ہے، علاوہ ازیں خالد بن دمینہ جیسے بلند پایہ سخن فہم و سخن سنج دیہوں کا کسی نامور
شاعر کے اشعار کا نفس انتخاب بھی کچھ کم، ہم نہیں ہے۔ پھر اس انتخاب میں متعدد اشعار ایسے بھی ہیں

جو دیوان میں موجود نہیں ہیں، چنانچہ فاضل مرتب اُن پر ایک خاص نشان لگاتے چلے گئے ہیں، یہ تو نفسِ متن کا حال تھا، اس کے حواشی عربی زبان و ادب کے طلباء کے لئے خاص طور پر مفید ہیں، ان حواشی میں اگر کوئی شعر کسی کتاب میں کسی دوسرے شاعر کی طرف منسوب ہے — اور ایسے اشعار کثرت سے ہیں۔ تو ڈاکٹر صاحب نے اُن کی مکمل نشان دہی کی، اور اس کے علاوہ بعض اور مفید ادبی معلومات بھی درج کی ہیں، شروع میں جو فاضلانہ مقدمہ ہے اس میں ابن، لد مینہ اور خالد مین کے حالات و سوانح اور ان کے علمی و ادبی کارناموں پر تحقیق کی روشنی میں بحث کی ہے، امید ہے اربابِ ذوق و نظر اس کی قدر کر کے فاضل مرتب کی غیر معمولی محنت اور وسعتِ نظر کی داد دیں گے، البتہ اگر مقدمہ اردو کے بجائے عربی میں یا کم از کم انگریزی میں ہوتا تو اس کی افادیت کا دائرہ بہت وسیع ہو سکتا تھا، پھر اس کا بھی افسوس ہے کہ ایک مختصر کتاب میں سارے تین صفحہ پر غلط نامہ کے باوجود متعدد غلطیاں سی بھی ہیں جو غلط نامہ میں درج ہونے سے رہ گئی ہیں، مثلاً: دیباچہ کے پہلے صفحہ پر سطر ۲۰ میں بجائے ۲۸۰ کے ۳۸۰ ہونا چاہیے۔ ص ۴، سطر ۲ میں ہوتے ہیں کے بجائے ہوتا ہے ص ۱ سطر ۶ میں لم تھوی کے بجائے لم تھو ص ۱۰ س ۱۰ شہس کے بجائے اشمہ ص ۵۲ س ۴ قتیل کے بجائے قتیل ہونا چاہیے۔

کتاب فضائل من اسماء احمد او محمد : از ڈاکٹر مختار الدین احمد آزاد

تقطیع متوسط، ضخامت ۴۲ صفحات، کاغذ اور ٹائپ اعلیٰ، قیمت درج نہیں۔

پتہ :- ادارہ علوم اسلامیہ پونیورسٹی علی گڑھ۔

چوتھی صدی ہجری کے ایک مشہور صوفی در بزرگ الحی فط ابن بکیر بغدادی نے مذکورہ بالا نام سے ایک رس لکھا تھا جس میں ان روایات و جمع باغات جس میں حمہ، حمہ، حمہ نام رکھنے کے فضائل کا ذکر آیا ہے، یہ رسالہ اُس زمانہ میں بڑا مقبول ہو اور متعدد حضرات نے اس کی تلخیص کی، اُن میں ایک تلخیص مسلم لشیرری کی ہے جو چھٹی صدی کے ارباب، مین میں سے ہیں، زیر تبصرہ یہی رسالہ ہے

جسے ڈاکٹر صاحب نے مختلف نسخوں کی مدد سے بالکل مستشرقانہ انداز میں اڈٹ کیا ہے، شروع میں کتاب کے اصل مصنف اور اس کے لمخصین پھر ان لمخصات میں جو فرق باہمی ہے اور اس کتاب میں جو روایتیں درج ہیں وہ کس پایہ اور مرتبہ کی ہیں؟ ان سب کے محققانہ تذکرہ و بیان ہے، سادہ ازیں روایات کے اسانید میں جن جن لوگوں کے نام آئے ہیں اسناد رجال کی مہات کتب کے حوالہ سے ان سب پر بڑے مفید نوٹ ہیں جن کی روشنی میں روایت کی اصل حیثیت واضح ہو جاتی ہے، رسالہ اگرچہ بہت مختصر اور وہ بھی زیادہ تر موضوع روایات پر مشتمل ہے، تاہم بعض اشخاص و افراد اور خود کتاب کی سرگزشت کے سلسلہ میں فاضل مرتب نے جو معلومات جمع کر دی ہیں وہ بہت اہم اور لائق مطالعہ ہیں عربی زبان و ادب کے طلباء کو اس کے مطالعہ سے یہ بھی اندازہ ہوگا کہ کسی رسالہ یا کتاب کو کس طرح اڈٹ کیا جاتا ہے، اس رسالہ کے مقدمہ کی زبان بھی گراؤنڈ کے بجائے عربی ہوتی تو بہتر تھا۔

ترکی : اردو ڈاکٹر کل ایوبی : تقطیع متوسط . ضخامت ۳۴۴ صفحات ، کاغذ درمیانہ اعلیٰ قیمت درج نہیں ، مذکورہ باہمتہ سے ملے گی ۔

خالص علی اور تحقیقاتی کاموں کے علاوہ 'دارۃ علوم اسلامیہ علی گڑھ' کا ایک منصوبہ یہ بھی تھا کہ مغربی ایشیا کے اسلامی ملکوں کے متعلق الگ الگ محبوتی کتابیں اردو میں شائع کی جائیں ، چنانچہ یہ کتاب اسی سلسلہ کی پہلی کڑی ہے۔ لائق مرتب ترکی زبان کے بھی فیض میں ہیں اور اس 'ہمہ خلق و کشمیر' ملک میں ڈیرہ دوہریں رہ بھی چکے ہیں، اس لئے انہوں نے دوسری زبانوں کے علاوہ خود ترکی زبان کے 'خندہ' سے براہ راست استفادہ کر کے یہ کتاب مرتب کی ہے جس میں ملک اور اس کے باشندوں کی تاریخ بیان کرنے کے بعد عثمانی سہنت کے قیام سے لے کر موجودہ عہد تک کا سیاسی، سماجی اور اقتصادی حالات تفصیل سے لکھے ہیں، اس خاص نوعیت کے اعتبار سے غالباً یہ ترکی پر اردو میں پہلی کتاب ہے اور اس سے مطالعہ کے لائق ہے۔ خزینہ مآخر کی جو طویل نہر ہے وہ ریسرچ والوں کے لئے خاص طور پر مفید ہے،

عراق : از ڈاکٹر محمود محسن : تقطیع متوسط : ضخامت ۲۵۷ صفحات ، کاغذ اور ٹائپ اعلیٰ ، قیمت درج نہیں ، پتہ :- مذکورہ بالا۔

یہ کتاب بھی ادارہ علوم اسلامیہ مسلم یونیورسٹی کے مذکورہ بالا منصوبہ کے سلسلہ کی ایک کڑی ہے اور اس کا مقصد عراق کی جو مسلمانوں کے علوم و فنون اور ان کی تہذیب و تمدن کا بڑا اہم مرکز رہا ہے ، علمی ، ثقافتی ، اور تمدنی تاریخ لکھنا نہیں ہے ، بلکہ تاریخ قدیم کے اجمالی پس منظر کے ساتھ برطانوی تسلط سے لے کر اب تک کے سیاسی ، سماجی اور اقتصادی حالات بیان کئے گئے ہیں ، آخر میں مزید مطالعہ کے لئے ان کتابوں کی نشان دہی کی گئی ہے جن سے اس موضوع پر تحقیق میں مدد مل سکتی ہے ، عراق پر اس طرح کی معلوماتی کتاب اردو میں کوئی نہیں تھی اس لئے امید ہے ارباب ذوق اس سے فائدہ اٹھائیں گے۔

نقد ادب : تقطیع خورد ضخامت ۲۰۸ صفحات : کتابت و طباعت بہتر۔
قیمت تین روپیہ : پتہ :- آں پاکستان یو کیشنل کانفرنس ، ناظم آباد ، بی روڈ ، کراچی۔
گزشتہ جنگ عظیم اول کے ختم تک اردو زبان و ادب پر جو نقد ہوتا تھا ، وہ عموماً لسانی ، مروجی ، یا علم معانی و بیان سے متعلق ہوتا تھا ، مولانا شبلی ، مولانا حالی اور وحید الدین سیم پانی پتی اس میدان کے نامور شہسوار تھے جن کی تنقیدات نے زبان اور اس کے ادب کو بہت فائدہ پہونچایا۔ سین گزشتہ ربع صدی میں اس فن کو جو غیر معمولی فروغ ہوا ہے اس نے ادبی نقد کا رخ ہی موڑ دیا ہے۔ اب اس قدر کا تعلق مصنف کے ماحول ، اس کے خیالات ، احساسات ، اور خود اس کی اپنی شخصیت سے جتن ہوتا ہے زبان اور اسلوب بیان سے اس درجہ کا نہیں ہوتا ، لیکن اس نقد کے اصرار اور ارکان کیا ہیں ؟ اور اس سلسلہ میں جدید نقد عام طور پر جو اصطلاحات استعمال کرتے ہیں ان کا مفہوم اور مضب کیا ہے ؟ غالباً اردو میں اس موضوع پر کوئی کتاب موجود نہیں تھی ، اس بنا پر جناب ل۔ احمد اکبر آبادی نے انگریزی کی ایک کتاب "پرنسپلس آف لٹریچر کریٹزم" کا آزاد ترجمہ کر کے اس کمی کو پورا کرنے کی کوشش کی ہے۔

فیصل مترجم اُردو کے بلند پایہ اور کہنہ مشوق انشا پرداز ادیب اور نقاد ہیں، اس لئے ترجمہ کی شگفتگی اور عمدگی میں کیا کلام ہو سکتا ہے، شروع میں لائق مترجم کے ادبی کارناموں پر جناب مخدوم کا جو طویل مقدمہ ہے وہ خود ایک مستقل اور مفید مقالہ کی حیثیت رکھتا ہے، آخر میں انگریزی سے اُردو میں فرہنگ الفاظ بھی بڑے کام کی چیز ہے۔

نظام اصلاح و اصلاح : از مولانا عبد باری ندوی سابق استاد فلسفہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد، تقطیع خورد، ضخامت ۲۸۷ صفحات، کتابت و طباعت بہتر، قیمت جلد 3/50 پتہ :- ادارہ مجلس علمی کراچی :

سورۃ العصر قرآن مجید کی بہت مختصر سورۃ ہے مگر اس قدر مکی تمام بنیادی تعلیمات پر حاوی اور ان کی جامع ہے، اسی بن پر حافظ بن تیمیہ اور بعض اور علماء متقدمین نے خاص اس سورۃ کی تفسیر الگ لکھی ہے، یہ کتاب بھی اسی سورۃ کی تفسیر ہے، مولانا عبد باری صاحب کے علم و فضل اور طہارت دینی کی یہ شبہ نہیں، لیکن ان کے افکار میں اعتدال نہ اس وقت تھا جب کہ وہ فلسفی تھے ورنہ بے شک وہ شاہ جی سہا ہو جاتے، چنانچہ اس بے اعتدالی کے نمونے اس کتاب میں بھی کم نہیں ہیں، لیکن اس سے قطعاً نہ جہاں تک سورۃ کے مضمین و حقائق کی تشریح و تبصیر کا تعلق ہے لفظاً و معنیاً یہ کتاب بڑی بنسیرت، فروزا، دل چسپ اور اس سے لائق مصلحت ہے۔

تومیدی پاکٹ بک حصہ اول : از جناب مولانا عبد ممد شرفان صاحب، تقطیع خورد۔

ضخامت چار موصفحات، کتابت و طباعت معمولی، قیمت مجید پانچ روپیہ :

پتہ :- کتب خانہ رشیدیہ ۳۰ دینہ مارکیٹ، راجہ بازار، راولپنڈی۔

اس رسالہ میں جو چار حصوں پر تقسیم ہے قرآنی آیات، احادیث، آثار صحابہ اور بزرگوں کے

اقوال و رشادات کی روشنی میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ علم، غیب اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں ہو سکتا۔

نہ ذاتی طور پر اور نہ عطائی طور پر، آخر میں ان لوگوں کے دلائل کے جوابات ہیں جو علم الغیب غیر اللہ کے

لئے بھی مانتے ہیں، رسالہ اپنے موضوع پر بحث اور محققانہ ہے، جن حضرات کو اس بحث سے دلچسپی ہو انہیں

اس کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیے

زُہمان

جلد ۵۳ | جمادی الثانی ۱۳۸۴ھ مطابق نومبر ۱۹۶۲ء | شمارہ ۵

فہرست مضامین

- | | | |
|-----|---|--|
| ۲۵۸ | سعید احمد اکبر آبادی | نظرات |
| ۲۶۱ | ارجباب مولوں، سخن الہی صاحب مولیٰ، مہر | واقعاتِ سیرتِ نبویؐ میں توقیفی تضاد اور اس کا حل |
| ۲۸۶ | از مولانا محمد تقی حسنا آئینی ناظم دینیات | احکام شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت |
| | مسلم یونیورسٹی علی گڑھ | |
| ۲۹۳ | زجباب مولوی محمد عصفہ الدین خاں، ایم، اے | حضرت شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز محد دہلوی سے متعلق |
| | مسلم یونیورسٹی علی گڑھ | چند غلط روایات |
| ۳۰۳ | سعید احمد اکبر آبادی | دیباغہ کے مشاہدات و تاثرات |
| | | اک بیتاب |
| ۳۰۵ | عبد القیوم رحمانی | غزل |
| ۳۰۶ | عبد القیوم رحمانی | غزل |
| ۳۱۷ | (دس) | تبصرے |

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نظرات

ہمارے ہمسایہ ملک پاکستان میں آج کل صدارتی انتخاب کی مہم بڑے زور شور سے جاری ہے، یوں تو اس قسم کے میں ہر ملک کے اپنے ہوتے ہیں۔ ہر ملک کے لوگوں کو اختیار ہوتا ہے کہ ٹاٹا کریں یا سیدھا۔ دوسروں کو اس میں مداخلت کرنے کو حق نہیں، لیکن جو چیز اسلام کے نام پر کہیں اور کسی جگہ بھی کی جائے ساری دنیا کے مسلمانوں کو اس سے دلچسپی لینا ناگزیر ہے۔ سادہ زبان پاکستان ہمارا بہت قریبی پڑوسی ملک ہے اور اس حیثیت سے اس کی خوش حالی اور اس کا استحکام طبیعتاً ہر مسلمان کے دل کی رز و ہونی چاہیے۔ اس بنا پر اس صدارتی انتخاب ہم کو بھی دلچسپی ہے اور صدر ایوب خان کے مقابلے میں مس فاطمہ جناح کے امیدوار ہونے نے اس دلچسپی کو دہ چاند کر دیا ہے۔ اس سلسلہ میں یہ دیکھ کر ہر ڈھکھکھوتا ہے کہ جیسا کہ مسلمانوں کی عام فطرت و جبلت بن گئی ہے، اسلام کو اس موقع پر بھی اپنی اغراض و مقاصد کے لئے بڑی جسارت اور دلیوری سے توڑا اور ڈبا رہا ہے۔ گویا دین و شریعت کیا ہوئے؟ موم کی ناک میں جیسا پاپا بنا دیا، مس فاطمہ جناح کی حمایت اگرچہ اس سیاسی یا ملکی مصالحت کے پیش نظر کی جاتی اور اسے اسلام کا پاؤں درمیان میں نہ آتا تو غنیمت تھا، دین سے تو غلبہ و شریعت محض سے باز گیری کے جرم کا رنگاب تو نہ ہوتا، لیکن ستم یا ستم یہ ہے کہ صدر ایوب کی مخالفت میں جو علماء پیش پیش ہیں وہ اعلان پر عدان کر رہے ہیں کہ اسلام میں بک عورت کا سر یا مملکت اسلامی ہونا ممنوع نہیں ہے، اور ایک بڑے مولانا نے تو چیخ کیا ہے کہ اگر ممنوع ہے تو کوئی شخص بتائے کہ قرآن میں یہ حدیث میں اس کا ذکر کہاں ہے؟ ان حضرات سے کوئی پوچھے کہ اگر کسی چیز کے ممنوع ہونے کے لئے قرآن یا حدیث میں اس کا سرحتاً نہ ہو، جو باہمی شرط بنو پھر آپ بینک کے سود و ربح کو بڑھائیں گے؟ در فروع میں وہ تو کون سا نئے در ممنوع قرار دیتے ہیں؟ ان سے قرآن یا حدیث میں کوئی حکم یہ طور پر انکار کیا ہے؟

جہاں تک اصل مسئلہ کا تعلق ہے ہر وہ شخص جس نے قرآن کا مطالعہ ایمان داری اور ہوائے نفس کے بغیر کیا ہے وہ لازمی طور پر اس کو تسلیم کرے گا کہ، سدا م ہرگز، ایک عورت کے سربراہ مملکت ہونے کا حامی اور موید نہیں ہو سکتا، ایک سربراہ مملکت کے لئے ضروری ہے کہ وہ (قرآن کی تصریح کے مطابق) بسطاً فی احسن اور بسطاً فی العالج رکھتا ہو، یعنی ذہنی اور جسمانی قوتوں کے اعتبار سے اسے ممتاز ہونا پڑے، تاکہ تقنین، اور تنفیذ یہ دونوں کام با حسن و جہ انجام دے سکے، وہ سرحدوں کی حفاظت کر سکے، جنگ میں فوج کا قائد بن سکے، مملکت اور ریاست کے اُبھنے ہوئے معاملات کو حسن تدبیر کے ناخن سے کھول سکے، ملک کے داخلی اور خارجی امور میں رہنمائی اور ان کی نگرانی کا فرض ادا کر سکے، ساتھ ہی اُس کی شخصیت ایسی با وقار اور پُر عجب ہونی چاہئے کہ وہ اپنے فیصلوں کو منو، سکے اور اپنے احکام کو نافذ کر سکے۔ زور کے قرآن یہ تمام اوصاف و کمالات بیک وقت ایک مرد میں ہی ہو سکتے ہیں۔ عورت میں نہیں۔ کیوں کہ قرآن عورت کو مرد کے مقابل میں ایک نصف ضعیف و لطیف مانتا ہے اور ظاہر ہے ایک نصف لطیف و ضعیف حکمرانی کے اس بھروسے بوجھ کی تحمل نہیں ہو سکتی۔

کون نہیں جانتا قرآن میں صاف طور پر مذکور ہے: الرِّجَالُ قَوَّاتٌ عَلَى النِّسَاءِ، مرد عورتوں پر محافظ و نگران ہیں، تو کیا ایک عورت کو سربراہ مملکت بنا کر ملک کے تمام مردوں پر حکم و فرمانروا بن دینا قرآن کے اس ارشاد کو یک سخت پلٹ دینا نہیں ہے، ایک فرماں روا کے لئے یہ خفیہ رویہ اختیار ہونا ضروری ہے، اور یہ معلوم ہے کہ از روئے حکام و شریعت و صنفی خصوصیات عورت مرد کی طرح مکمل طور پر اختیار نہیں ہے، چنانچہ ایک عورت کو وراثت میں حصہ مرد سے آدھا ملتا ہے، برابہ اسے نماز اور نیت قرآن سے در روزہ رکھنے سے چند روز کے لئے محروم ہونا پڑتا ہے۔ حمل اور ولادت کے دنوں میں اُس کی معذوریات بڑھ جاتی ہیں۔ اور وکسی کارگر و تقیہ کی تحمل نہیں ہو سکتی، دو عورتوں کی شہادت ایک مرد کے برابر قرار دی گئی ہے، اور وہ بھی اس طرح کہ چار عورتوں کی گواہی دو مردوں کے برابر نہیں، بلکہ ہر حال ایک مرد ضرور ہونا چاہئے، اور قرآن نے اس کی وجہ بھی بت دی: لَيْسَ ذَکَکُمَا أَحَدًا اٰھَمًا اَلْاٰخَرٰی۔ تاکہ ایک عورت بھروسے تو دوسری اسے یاد دلا دے۔

یہی وہ حکم ہے جس کی بنیاد پر عورتوں کو حدیث میں ناقصات فی العقل کہا گیا اور دہر جو معذوری مذکور ہوئی اُس کی وجہ سے ناقصات فی الدین فرمایا گیا ہے اور یہی وہ اسباب ہیں جن کے باعث عورت مذہب میں مستحق نہیں کر سکتی۔

غلام اور بچوں پر جس طرح نماز جمعہ فرض نہیں ہے اسی طرح عورت پر بھی فرض نہیں ہے، جہاد کا اگر حکم دیا جائے تو عورت پر وہ عام نہیں ہوتا، حج مرد پر صرف استطاعت زاد و راحہ کی بنیاد پر فرض ہو جاتا ہے، لیکن عورت کا حال یہ نہیں، اس کے لئے محارم میں سے کوئی ہمراہ ہونا بھی ضروری ہے۔ گھوڑے کی سواری کرنا اسلامی سماجیات میں عورت کے لئے ناجائز ہے، حدیث میں عورتوں کو آگینہ (قوادیر) کہا گیا ہے، اور یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ عورت مرد کے مقابلے میں بہت زود رنج، نازک مزاج اور سریع الخس ہوتی ہے، چنانچہ روزمرہ کا مشاہدہ ہے مذاق میں کوئی بات کہنا درجستہ کی نکمبوں میں، تسو جھٹکے نہیں گئے، کوئی اچھا شعر کہ کر اس کے سامنے پڑھئے، در فوراً اس کا چہرہ تھما اٹھے گا۔ اس کی بھرتی طبی غصہ کی ہوتی ہے اور لغت بھی ہلائی، محبت ہو تو اسے اپنی سب کچھ گنا دینے میں تامل نہیں ہوتا، در غرت ہو تو مزاح بھل کا قماش اس کا محبوب کھیل بن جاتا ہے، یہی وہ عورت کی حلقہ صنف ہے جس کے باعث قرآن میں اسے **فِي نِيصٍ مِّنْ عَيْبِ الْمُؤْمِنِينَ** فرمایا گیا ہے، عہدہ انہیں قرآن میں ہے **وَفُضِّلَ فِي الْمَنَاقِبِ**، وہ عورتیں ہیں اپنے گھروں میں اس سے صرف معلوم ہو کر اسلامی معاشرہ میں ایک عورت کا دائرہ عمل، مورخہ ندوی تک محدود ہے۔ اور اسی بنا پر اسے **رَقَبَةٌ**، **نَدَبٌ**، گھر کی مالکہ کہا جاتا ہے۔ پھر عورتوں کے لئے قرآن میں حجاب کا بھی حکم ہے جس کے باعث وہ مردوں سے اور مردان سے فاصلہ نہیں رکھ سکتے، اب آپ فرمائیں اسلامی معاشرہ کا یہ نظام جو قرآن کی تعلیمات پر مبنی ہے، کیا یہ اس کا ثبوت نہیں ہے کہ از روئے شریعت محمدی، ایک عورت کسی اسلامی محکمہ کی صدر یا فرمانروا نہیں ہو سکتی، صدر ہونا تو بے وہ فوج کی کمانڈر، کنکٹر اور کمشنر، سپرنٹنڈنٹ پولیس، ڈی جی نہیں ہو سکتی صحیح بخاری میں ارشاد نبوی ہے: **"ہرگز وہ قوم فوج نہیں پاسکتی جو اپنے اوپر عورت کو حاکم بنالے"**

لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ اسلام میں یہ حد بندی عورت کی تنقیص ہرگز نہیں ہے، بلکہ اس کی صنف کا خرم اور اس کی رعایت ہے، اسلام ہر چیز کو اس کی اپنی جگہ پر رکھنے کا قائل ہے وہ کل تر سے شعہ، خنجر کا اور نسیم سحر سے بادِ صحر کا کام لینے کا حامی نہیں۔

قسط ہفتم :-

واقعاتِ سیرِ نبویؐ میں ترقیتی تضاد اور اس کا حل

از

جناب مولوی اسحاق ابنی صاحب غلوی، رام پور

۳، ۴، ۵

	مکی	جوین	مدنی
	محرم	۲۱ ستمبر ۱۹۲۲ء جمعہ	ربیع ۲
	صفر	۲۰ اکتوبر ستنبہ	جمادی ۱
۱۔ سمریہ زیدین حارثہ ۱، قرودہ بدھ ۱۶ ماہ بعد بروایت ابن اسحق ۲۔ نکاح حضرت ام کلثوم -	ربیع ۱	۱۹ اکتوبر دوشنبہ	جمادی ۲
غزوہ بکران	ربیع ۲	۱۸ اکتوبر سنبہ	رجب
	جمادی ۱	۱۷ جنوری ۱۹۲۳ء پنجشنبہ	شعبان
	جمادی ۱	۱۵ فروری جمعہ	رمضان
	رجب	۱۴ مارچ پنجشنبہ	شوال
	شعبان	۱۵ اپریل دوشنبہ	ذیقعدہ
	رمضان	۱۵ مئی جمعہ	ذوالحجہ

۲- غزوہ اُحد اشوال سنہ ۳	شوال	۱۳ جون	محرم	۱- سر یہ عبداللہ بن انیس
۳- غزوہ حمرہ الاسد		پنجشنبہ	۴	۲- غزوہ اُحد ۳- حمرہ الاسد
۴- وفد عسل وقارہ				(بروایت عبدالمحمید بن جعفر)
۱- حادثہ رجب بروایت ابن اسحق وغیرہ	ذیقعدہ	۱۳ جولائی	صفر	۱- حادثہ رجب بروایت واقدی و ابن سعد وغیرہ
	ذوالحجہ	۱۱ اگست	ربیع الاول	

۳، ۴

اس سنہ کے مندرجہ ذیل سات واقعات پر بحث کی گئی ہے جن میں سے غزوہ اُحد اور حمرہ الاسد کی پوری بحث یہاں پیش کی جا رہی ہے باقی واقعات کا اختصار یہ ہے :

۱- سر یہ زید بن حارثہ : اس مہم کے متعلق بن اسحق کی تشریح یہ ہے کہ یہ واقعہ غزوہ بدر سے چھ ماہ بعد کا ہے (یعنی ربیع الاول سنہ ۳) بحمدن اس کے واقعہ اور ابن سعد نے اس کو جمادی الاخریٰ کا واقعہ قرار دیا ہے اس واقعے کی تاریخوں پر بھی دو تقویمی کا رفرمان محسوس ہوتا ہے چنانچہ جدول علوم میں ربیع الاول سنہ ۳ جمادی الاخریٰ مدنی کے مطابق ہے ، روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ واقعہ موسم سرما (شمال) کا تھا۔ جدوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ ربیع الاول سنہ ۳ نومبر ۶۰۰ء سے مطابق تھا۔

۲- نکاح حضرت اُم کلثوم : اس واقعے کے متعلق واقدی کی روایت یہ ہے کہ حضرت عثمان سے ان کا نکاح ربیع الاول سنہ ۳ میں ہوا تھا، مگر خستی جمادی الاخریٰ میں ہوئی، جس کی بناء پر کوئی معقول وجہ نہیں معلوم ہوتی، لہٰذا غائب یہ ہے کہ قدر کو اس نکاح کی دو مختلف بتیں پہنچی تھیں ایک ربیع کی دوسری جمادی کی، دونوں میں تطبیق کی خاطر انھوں نے نکاح اور خستی دونوں رسموں کو متحدہ عینہدہ مہینے میں قرار دیا۔

۳- غزوہ بھران : اس غزوے کی تاریخ ربیع الاخریٰ اور جمادی سنہ ۳ بیان کی جاتی ہے۔ چونکہ یہاں کتاب میں اس کے مکی بیرونے کے وجوہ بیان کئے گئے ہیں۔

۴- سر یہ عبداللہ بن انیس : واقدی نے اس کی تاریخ محرم سنہ ۳ بیان کی ہے یعنی غزوہ اُحد

سے تقریباً ڈھائی ماہ بعد کی، لیکن دو تقویمی نقطہ نظر سے یہ سریہ غزوہ احد سے چند روز پہلے کا معلوم ہوتا ہے، دراندازہ ہوتا ہے کہ پیغمبر اسلام نے عبداللہ بن انیس کو اس لئے متعین کیا تھا کہ قریش کو سفیان بن خالد کی فوجی اعانت حاصل نہ ہو سکے جو وہ اس لڑائی کے لئے لینا چاہتے تھے، روایات سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرتؐ کو اطلاع ملی تھی کہ سفیان، مسلمانوں کے خلاف فوج اکٹھا کر رہا ہے: ظاہر ہے کہ یہ فوج قریش کی اعانت کے لئے جمع کی جا رہی ہوگی، ورنہ تنہا بنو ہذیل مدینے پر حملے کی جرأت نہ کر سکتے تھے، اس سریہ کی تاریخ خود عبداللہ نے دو شنبہ ۵ محرم بیان کی ہے جو از روئے حساب صحیح ثابت ہوتی ہے۔

۶، ۵۔ غزوہ احد اور حمراء الاسد: اس پر پوری بحث صفحہ ۲۶۵ پر ملاحظہ ہو۔

۷۔ حادثہ رزح: ابن اسحق کے بیانات سے اندازہ ہوتا ہے کہ غزوہ احد سے کچھ بعد آخر ثوال سنہ میں عضل دقارہ کا وفد مدینے آیا تھا، جس کی درخواست پر آنحضرتؐ نے کچھ آدمی اس کے ساتھ روانہ کر دیئے تھے جو کم سے کم ذیقعدہ سنہ میں روانہ ہوئے ہوں گے، وادی نے اس کی تاریخ صفر سنہ بیان کی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس واقعے کی توقیت پر دو تقویمی اثرات موجود ہیں، ذیقعدہ سنہ مکی، صفر سنہ سے مطابقت ہے، (تفصیلات کے لئے دیکھئے برہان اگست سنہ)

معرکہ احد اور غزوہ حمراء الاسد

شوال (مکی) سنہ = محرم (مدنی) سنہ

ادپر گذر چکا ہے، کہ ہجرت کے بعد مسلمانوں نے قریش مکہ کی جو تجارتی ناکہ بندی کی تھی، وہ اس قدر کامیاب تھی کہ فنوڑ سے ہی عرصہ میں اہل مکہ کو شام اور دوسری شمالی بندرگاہوں کی تجارت سے ہاتھ دھونا پڑے تھے، عراق سے بھی تجارت خطرے میں پڑ چکی تھی، اور ایک چاندی سے لدا ہوا قافلہ زید بن حارثہ کے شکر کا ہدف بن چکا تھا۔

اس تجارتی یا بالفاظ دیگر اقتصادی ناکہ بندی کا اثر اہل مکہ پر نہایت کم ہونا چاہئے، جس سے چھڑکارے کے لئے بجز اس کے کوئی چارہ نہ تھا، کیا تو وہ اسلامی تحریک کے سامنے ہتھیار ڈال دیں، اور گریہ ممکن نہ ہو تو پھر مسلمانوں کے مرکز پر ایسی ضرب لگائیں جس سے اس فولادی نہ کہ برندی کا بال ٹوٹ جائے۔ — چنانچہ

ہم دیکھتے ہیں کہ زید بن حارثہ کے ہاتھوں لٹنے کے چند ہی ماہ بعد قریش نے ایک مضبوط فوج فراہم کر لی، جس نے شوال سنہ میں مدینے کا محاصرہ کر لیا۔

اباب سیر کہتے ہیں کہ اس ناکہ بندی کو توڑنے کے لئے قریش نے غزوہ بدر کے بعد ہی سے تیاریاں شروع کر دی تھیں۔ یہ بات کچھ بعید از قیاس نہیں، اس لئے کہ مسلمانوں کے پیہم دباؤ نے، اُن کی شمال تجارت کو بالکل مغلوب کر رکھا تھا، لیکن اس کا فوری سبب واقعہ زردہ کے غم و غصے کو ہونا چاہئے۔ جس میں تقریباً ایک لاکھ کی چاندی لٹ چکی تھی۔

بہر حال شوال سنہ میں قریش کی فوجیں جس میں مکہ کے قرب و جوار کے قبائل اور خاص طور پر "اعابیش" شامل تھے، مکہ سے نکلیں، تو اس شان و شوکت سے کہ ان کے ہمراہ لات و عزی کی موتیاں تھیں۔ جن کے جلو میں سوار اور پیادے دستے کوچ کر رہے تھے،

مکہ اکہد سے چند روز پہلے پیغمبر اسلام کے چچا عباس بن عبد المطلب نے ایک خفیہ تحریر کے ذریعہ اس لشکر کشی کی اطلاع آنحضرتؐ کے پاس بھیج دی تھی۔ چونکہ اباب شروع شوال سنہ کو مدینے پہنچ گئی تھی پہاڑ شنبہ کے روز (غالباً ۱۸ مارچ کو) قریش کی فوجیں وادی متیق میں ذوالخلیفہ کے مقام پر پہنچ چکی تھیں، جس کا فاصلہ مدینے سے صرف ۵ میل ہے، مدینے کے جنوب میں چونکہ لاوے کی کثرت ہے، اس لئے قریش نے اکہد کی پہاڑی کے دامن کو میدان کارزار تجویز کیا، اور ان کا شکر پیر کاٹ کر شمال میں پہنچا، وہ وہیں خیمہ زن ہو گیا۔

ہفتے کے دن صبح سے لڑائی شروع ہوئی، اور شام دوپہر تک ختم ہو گئی، جس میں مسلمانوں کا شدید نقصان ہوا۔ اور بہت سے نامور شہید کر دیئے گئے، ایک حبشی غلام نے پیغمبر اسلامؐ کے چچا حضرت حمزہؓ پر ایسا

لگایا، جس سے وہ ۲۵/۲ - نیزد بکے واندن، ۱۹۸، ۱۹۹ - ۳۵ عہدی ۱۰/۳ - ہمدانہ ۱۰/۳ - ۳۵ عہدی ۱۰/۳ - ۳۵ عہدی ۱۰/۳

نے کارزار اکہد کا نقشہ کھینچے ہوئے بیان کیا ہے کہ "واقعة اوسقیان بحمل اللات والعزی (طری ۳۳)"

جس سے یہ بخوبی ظاہر ہے کہ یہ دونوں کی وادی قریش، نے ساتھ ساتھ لگے تھے، نزدیکی سے ہمدانہ ۱۰/۳ -

لگے واندن ۲۲ - ۲۵ - ۳۵ عہدی ۱۰/۳ - ۳۵ عہدی ۱۰/۳ - ۳۵ عہدی ۱۰/۳ - ۳۵ عہدی ۱۰/۳

دار کیا، کہ اسلام کی شمشیر بھی ٹوٹ گئی، خود رسول اللہ کے چوہیں آئیں، چہرہ مبارک پر زخم آیا۔ اور آپ گریہ کر پڑے۔ اس پر یہ افواہ پھیل گئی، کہ ابن قتیہ کے ہاتھوں آپ شہید ہو گئے، اور لڑائی کا بیان ختم ہو گیا۔

قریش نے کشتگان بدر کا جی بھر کے بدنہ کیا، اور شہداء کی لاشوں کا منہ کر ڈالا۔ مسکونہ ہوا ہے کہ فتح منی کے نشے میں سرشار سرداران قریش اسی تادیب کو کافی سمجھتے تھے، اور ان کی فوجیں واپس ہونے لگیں، قریش کے لشکر کا بڑا حصہ نابالغ واپس ہو چکا تھا، کہ سالہ قریش کو سختی کے صحت و سلامت ہونے کی اطلاع ملی، جس پر سال آئندہ پھر ایک بار قسمت آزمائی کا چیلنج دے کر یہ آخری دستہ بھی واپس ہو گیا۔

غزوہ حمرہ الاسد دوسرے دن یکشنبہ کے روز علی الصبح ایک منی شخص یہ خبر لایا، کہ تمام مل پر قریش کا لشکر ترک گیا ہے، اور ابوسفیان کی خواہش ہے، کہ اس ادھوری کامرانی کو مکمل بنائے میں تبدیلی کر دی جائے۔ واقعہ نے اس واقعے کی پوری تفصیل بیان کی ہے، اور عبدالحمید بن جعفر کی یہ روایت میں دین درج کی ہے کہ:-

”جب محرم کے مہینے میں یکشنبہ کی رات آئی، تو عمر بن حوٹ منی، رسول اللہ۔ روزے پر حاضر ہوئے۔ ہاں اذان دے کر دروازے پر بیٹھے، آنحضرت کی آمد کا انتظار کر رہے تھے، جب آپ باہر تشریف لائے تو منی آنحضرت کے پاس جا کر کھڑے ہوئے اور برائے یا رسول اللہ میں، پیہ گھرتے واپس آ رہا تھا، جب میں ”عل“ پہنچا، تو قریش وہاں خیمہ زن تھے، جس نے سوچا کہ میں ان میں جاؤں۔ دران کی باتیں سنوں، تو میں ان کے پاس پہنچا، وہیں ابوسفیان اور ان کے دوستوں کی بات جیسٹ سنی، وہ کہتے تھے، کہ ہم نے کچھ نہ کیا، اور تم نے دشمن کی شوکت و قوت توڑ دی ہے، تو چلو واپس جاؤ، بقیہ کا بھی قلع قمع کر دو، اور صفوان بن امیہ انکار کر رہا تھا اس پر انہوں نے اسے بوجھ دیا کہ کو طلب کیا، اور ان سے وہ باتیں بیان کیں جو منی نے کہی تھیں، ان دونوں نے کہا، کہ دشمن کے تعاقب میں چلے، ورنہ ڈر ہے کہ وہ ہمارے بل و میل پر آ پڑیں گے۔

ماز کے بعد آپ نے سلام بھیرا۔ تو لوگ اکٹھے ہو گئے، آپ نے بال کو کھم دیا کہ وہ لوگوں میں خوش

۱۵۱ ہجرام ۳/۴۳ - ۱۵۲ ہجرام ۳/۴۴ - ۱۵۳ ہجرام ۳/۴۵ - ۱۵۴ ہجرام ۳/۴۶ - ۱۵۵ ہجرام ۳/۴۷ - ۱۵۶ ہجرام ۳/۴۸ - ۱۵۷ ہجرام ۳/۴۹ - ۱۵۸ ہجرام ۳/۵۰ - ۱۵۹ ہجرام ۳/۵۱ - ۱۶۰ ہجرام ۳/۵۲ - ۱۶۱ ہجرام ۳/۵۳ - ۱۶۲ ہجرام ۳/۵۴ - ۱۶۳ ہجرام ۳/۵۵ - ۱۶۴ ہجرام ۳/۵۶ - ۱۶۵ ہجرام ۳/۵۷ - ۱۶۶ ہجرام ۳/۵۸ - ۱۶۷ ہجرام ۳/۵۹ - ۱۶۸ ہجرام ۳/۶۰ - ۱۶۹ ہجرام ۳/۶۱ - ۱۷۰ ہجرام ۳/۶۲ - ۱۷۱ ہجرام ۳/۶۳ - ۱۷۲ ہجرام ۳/۶۴ - ۱۷۳ ہجرام ۳/۶۵ - ۱۷۴ ہجرام ۳/۶۶ - ۱۷۵ ہجرام ۳/۶۷ - ۱۷۶ ہجرام ۳/۶۸ - ۱۷۷ ہجرام ۳/۶۹ - ۱۷۸ ہجرام ۳/۷۰ - ۱۷۹ ہجرام ۳/۷۱ - ۱۸۰ ہجرام ۳/۷۲ - ۱۸۱ ہجرام ۳/۷۳ - ۱۸۲ ہجرام ۳/۷۴ - ۱۸۳ ہجرام ۳/۷۵ - ۱۸۴ ہجرام ۳/۷۶ - ۱۸۵ ہجرام ۳/۷۷ - ۱۸۶ ہجرام ۳/۷۸ - ۱۸۷ ہجرام ۳/۷۹ - ۱۸۸ ہجرام ۳/۸۰ - ۱۸۹ ہجرام ۳/۸۱ - ۱۹۰ ہجرام ۳/۸۲ - ۱۹۱ ہجرام ۳/۸۳ - ۱۹۲ ہجرام ۳/۸۴ - ۱۹۳ ہجرام ۳/۸۵ - ۱۹۴ ہجرام ۳/۸۶ - ۱۹۵ ہجرام ۳/۸۷ - ۱۹۶ ہجرام ۳/۸۸ - ۱۹۷ ہجرام ۳/۸۹ - ۱۹۸ ہجرام ۳/۹۰ - ۱۹۹ ہجرام ۳/۹۱ - ۲۰۰ ہجرام ۳/۹۲ - ۲۰۱ ہجرام ۳/۹۳ - ۲۰۲ ہجرام ۳/۹۴ - ۲۰۳ ہجرام ۳/۹۵ - ۲۰۴ ہجرام ۳/۹۶ - ۲۰۵ ہجرام ۳/۹۷ - ۲۰۶ ہجرام ۳/۹۸ - ۲۰۷ ہجرام ۳/۹۹ - ۲۰۸ ہجرام ۳/۱۰۰ - ۲۰۹ ہجرام ۳/۱۰۱ - ۲۱۰ ہجرام ۳/۱۰۲ - ۲۱۱ ہجرام ۳/۱۰۳ - ۲۱۲ ہجرام ۳/۱۰۴ - ۲۱۳ ہجرام ۳/۱۰۵ - ۲۱۴ ہجرام ۳/۱۰۶ - ۲۱۵ ہجرام ۳/۱۰۷ - ۲۱۶ ہجرام ۳/۱۰۸ - ۲۱۷ ہجرام ۳/۱۰۹ - ۲۱۸ ہجرام ۳/۱۱۰ - ۲۱۹ ہجرام ۳/۱۱۱ - ۲۲۰ ہجرام ۳/۱۱۲ - ۲۲۱ ہجرام ۳/۱۱۳ - ۲۲۲ ہجرام ۳/۱۱۴ - ۲۲۳ ہجرام ۳/۱۱۵ - ۲۲۴ ہجرام ۳/۱۱۶ - ۲۲۵ ہجرام ۳/۱۱۷ - ۲۲۶ ہجرام ۳/۱۱۸ - ۲۲۷ ہجرام ۳/۱۱۹ - ۲۲۸ ہجرام ۳/۱۲۰ - ۲۲۹ ہجرام ۳/۱۲۱ - ۲۳۰ ہجرام ۳/۱۲۲ - ۲۳۱ ہجرام ۳/۱۲۳ - ۲۳۲ ہجرام ۳/۱۲۴ - ۲۳۳ ہجرام ۳/۱۲۵ - ۲۳۴ ہجرام ۳/۱۲۶ - ۲۳۵ ہجرام ۳/۱۲۷ - ۲۳۶ ہجرام ۳/۱۲۸ - ۲۳۷ ہجرام ۳/۱۲۹ - ۲۳۸ ہجرام ۳/۱۳۰ - ۲۳۹ ہجرام ۳/۱۳۱ - ۲۴۰ ہجرام ۳/۱۳۲ - ۲۴۱ ہجرام ۳/۱۳۳ - ۲۴۲ ہجرام ۳/۱۳۴ - ۲۴۳ ہجرام ۳/۱۳۵ - ۲۴۴ ہجرام ۳/۱۳۶ - ۲۴۵ ہجرام ۳/۱۳۷ - ۲۴۶ ہجرام ۳/۱۳۸ - ۲۴۷ ہجرام ۳/۱۳۹ - ۲۴۸ ہجرام ۳/۱۴۰ - ۲۴۹ ہجرام ۳/۱۴۱ - ۲۵۰ ہجرام ۳/۱۴۲ - ۲۵۱ ہجرام ۳/۱۴۳ - ۲۵۲ ہجرام ۳/۱۴۴ - ۲۵۳ ہجرام ۳/۱۴۵ - ۲۵۴ ہجرام ۳/۱۴۶ - ۲۵۵ ہجرام ۳/۱۴۷ - ۲۵۶ ہجرام ۳/۱۴۸ - ۲۵۷ ہجرام ۳/۱۴۹ - ۲۵۸ ہجرام ۳/۱۵۰ - ۲۵۹ ہجرام ۳/۱۵۱ - ۲۶۰ ہجرام ۳/۱۵۲ - ۲۶۱ ہجرام ۳/۱۵۳ - ۲۶۲ ہجرام ۳/۱۵۴ - ۲۶۳ ہجرام ۳/۱۵۵ - ۲۶۴ ہجرام ۳/۱۵۶ - ۲۶۵ ہجرام ۳/۱۵۷ - ۲۶۶ ہجرام ۳/۱۵۸ - ۲۶۷ ہجرام ۳/۱۵۹ - ۲۶۸ ہجرام ۳/۱۶۰ - ۲۶۹ ہجرام ۳/۱۶۱ - ۲۷۰ ہجرام ۳/۱۶۲ - ۲۷۱ ہجرام ۳/۱۶۳ - ۲۷۲ ہجرام ۳/۱۶۴ - ۲۷۳ ہجرام ۳/۱۶۵ - ۲۷۴ ہجرام ۳/۱۶۶ - ۲۷۵ ہجرام ۳/۱۶۷ - ۲۷۶ ہجرام ۳/۱۶۸ - ۲۷۷ ہجرام ۳/۱۶۹ - ۲۷۸ ہجرام ۳/۱۷۰ - ۲۷۹ ہجرام ۳/۱۷۱ - ۲۸۰ ہجرام ۳/۱۷۲ - ۲۸۱ ہجرام ۳/۱۷۳ - ۲۸۲ ہجرام ۳/۱۷۴ - ۲۸۳ ہجرام ۳/۱۷۵ - ۲۸۴ ہجرام ۳/۱۷۶ - ۲۸۵ ہجرام ۳/۱۷۷ - ۲۸۶ ہجرام ۳/۱۷۸ - ۲۸۷ ہجرام ۳/۱۷۹ - ۲۸۸ ہجرام ۳/۱۸۰ - ۲۸۹ ہجرام ۳/۱۸۱ - ۲۹۰ ہجرام ۳/۱۸۲ - ۲۹۱ ہجرام ۳/۱۸۳ - ۲۹۲ ہجرام ۳/۱۸۴ - ۲۹۳ ہجرام ۳/۱۸۵ - ۲۹۴ ہجرام ۳/۱۸۶ - ۲۹۵ ہجرام ۳/۱۸۷ - ۲۹۶ ہجرام ۳/۱۸۸ - ۲۹۷ ہجرام ۳/۱۸۹ - ۲۹۸ ہجرام ۳/۱۹۰ - ۲۹۹ ہجرام ۳/۱۹۱ - ۳۰۰ ہجرام ۳/۱۹۲ - ۳۰۱ ہجرام ۳/۱۹۳ - ۳۰۲ ہجرام ۳/۱۹۴ - ۳۰۳ ہجرام ۳/۱۹۵ - ۳۰۴ ہجرام ۳/۱۹۶ - ۳۰۵ ہجرام ۳/۱۹۷ - ۳۰۶ ہجرام ۳/۱۹۸ - ۳۰۷ ہجرام ۳/۱۹۹ - ۳۰۸ ہجرام ۳/۲۰۰ - ۳۰۹ ہجرام ۳/۲۰۱ - ۳۱۰ ہجرام ۳/۲۰۲ - ۳۱۱ ہجرام ۳/۲۰۳ - ۳۱۲ ہجرام ۳/۲۰۴ - ۳۱۳ ہجرام ۳/۲۰۵ - ۳۱۴ ہجرام ۳/۲۰۶ - ۳۱۵ ہجرام ۳/۲۰۷ - ۳۱۶ ہجرام ۳/۲۰۸ - ۳۱۷ ہجرام ۳/۲۰۹ - ۳۱۸ ہجرام ۳/۲۱۰ - ۳۱۹ ہجرام ۳/۲۱۱ - ۳۲۰ ہجرام ۳/۲۱۲ - ۳۲۱ ہجرام ۳/۲۱۳ - ۳۲۲ ہجرام ۳/۲۱۴ - ۳۲۳ ہجرام ۳/۲۱۵ - ۳۲۴ ہجرام ۳/۲۱۶ - ۳۲۵ ہجرام ۳/۲۱۷ - ۳۲۶ ہجرام ۳/۲۱۸ - ۳۲۷ ہجرام ۳/۲۱۹ - ۳۲۸ ہجرام ۳/۲۲۰ - ۳۲۹ ہجرام ۳/۲۲۱ - ۳۳۰ ہجرام ۳/۲۲۲ - ۳۳۱ ہجرام ۳/۲۲۳ - ۳۳۲ ہجرام ۳/۲۲۴ - ۳۳۳ ہجرام ۳/۲۲۵ - ۳۳۴ ہجرام ۳/۲۲۶ - ۳۳۵ ہجرام ۳/۲۲۷ - ۳۳۶ ہجرام ۳/۲۲۸ - ۳۳۷ ہجرام ۳/۲۲۹ - ۳۳۸ ہجرام ۳/۲۳۰ - ۳۳۹ ہجرام ۳/۲۳۱ - ۳۴۰ ہجرام ۳/۲۳۲ - ۳۴۱ ہجرام ۳/۲۳۳ - ۳۴۲ ہجرام ۳/۲۳۴ - ۳۴۳ ہجرام ۳/۲۳۵ - ۳۴۴ ہجرام ۳/۲۳۶ - ۳۴۵ ہجرام ۳/۲۳۷ - ۳۴۶ ہجرام ۳/۲۳۸ - ۳۴۷ ہجرام ۳/۲۳۹ - ۳۴۸ ہجرام ۳/۲۴۰ - ۳۴۹ ہجرام ۳/۲۴۱ - ۳۵۰ ہجرام ۳/۲۴۲ - ۳۵۱ ہجرام ۳/۲۴۳ - ۳۵۲ ہجرام ۳/۲۴۴ - ۳۵۳ ہجرام ۳/۲۴۵ - ۳۵۴ ہجرام ۳/۲۴۶ - ۳۵۵ ہجرام ۳/۲۴۷ - ۳۵۶ ہجرام ۳/۲۴۸ - ۳۵۷ ہجرام ۳/۲۴۹ - ۳۵۸ ہجرام ۳/۲۵۰ - ۳۵۹ ہجرام ۳/۲۵۱ - ۳۶۰ ہجرام ۳/۲۵۲ - ۳۶۱ ہجرام ۳/۲۵۳ - ۳۶۲ ہجرام ۳/۲۵۴ - ۳۶۳ ہجرام ۳/۲۵۵ - ۳۶۴ ہجرام ۳/۲۵۶ - ۳۶۵ ہجرام ۳/۲۵۷ - ۳۶۶ ہجرام ۳/۲۵۸ - ۳۶۷ ہجرام ۳/۲۵۹ - ۳۶۸ ہجرام ۳/۲۶۰ - ۳۶۹ ہجرام ۳/۲۶۱ - ۳۷۰ ہجرام ۳/۲۶۲ - ۳۷۱ ہجرام ۳/۲۶۳ - ۳۷۲ ہجرام ۳/۲۶۴ - ۳۷۳ ہجرام ۳/۲۶۵ - ۳۷۴ ہجرام ۳/۲۶۶ - ۳۷۵ ہجرام ۳/۲۶۷ - ۳۷۶ ہجرام ۳/۲۶۸ - ۳۷۷ ہجرام ۳/۲۶۹ - ۳۷۸ ہجرام ۳/۲۷۰ - ۳۷۹ ہجرام ۳/۲۷۱ - ۳۸۰ ہجرام ۳/۲۷۲ - ۳۸۱ ہجرام ۳/۲۷۳ - ۳۸۲ ہجرام ۳/۲۷۴ - ۳۸۳ ہجرام ۳/۲۷۵ - ۳۸۴ ہجرام ۳/۲۷۶ - ۳۸۵ ہجرام ۳/۲۷۷ - ۳۸۶ ہجرام ۳/۲۷۸ - ۳۸۷ ہجرام ۳/۲۷۹ - ۳۸۸ ہجرام ۳/۲۸۰ - ۳۸۹ ہجرام ۳/۲۸۱ - ۳۹۰ ہجرام ۳/۲۸۲ - ۳۹۱ ہجرام ۳/۲۸۳ - ۳۹۲ ہجرام ۳/۲۸۴ - ۳۹۳ ہجرام ۳/۲۸۵ - ۳۹۴ ہجرام ۳/۲۸۶ - ۳۹۵ ہجرام ۳/۲۸۷ - ۳۹۶ ہجرام ۳/۲۸۸ - ۳۹۷ ہجرام ۳/۲۸۹ - ۳۹۸ ہجرام ۳/۲۹۰ - ۳۹۹ ہجرام ۳/۲۹۱ - ۴۰۰ ہجرام ۳/۲۹۲ - ۴۰۱ ہجرام ۳/۲۹۳ - ۴۰۲ ہجرام ۳/۲۹۴ - ۴۰۳ ہجرام ۳/۲۹۵ - ۴۰۴ ہجرام ۳/۲۹۶ - ۴۰۵ ہجرام ۳/۲۹۷ - ۴۰۶ ہجرام ۳/۲۹۸ - ۴۰۷ ہجرام ۳/۲۹۹ - ۴۰۸ ہجرام ۳/۳۰۰ - ۴۰۹ ہجرام ۳/۳۰۱ - ۴۱۰ ہجرام ۳/۳۰۲ - ۴۱۱ ہجرام ۳/۳۰۳ - ۴۱۲ ہجرام ۳/۳۰۴ - ۴۱۳ ہجرام ۳/۳۰۵ - ۴۱۴ ہجرام ۳/۳۰۶ - ۴۱۵ ہجرام ۳/۳۰۷ - ۴۱۶ ہجرام ۳/۳۰۸ - ۴۱۷ ہجرام ۳/۳۰۹ - ۴۱۸ ہجرام ۳/۳۱۰ - ۴۱۹ ہجرام ۳/۳۱۱ - ۴۲۰ ہجرام ۳/۳۱۲ - ۴۲۱ ہجرام ۳/۳۱۳ - ۴۲۲ ہجرام ۳/۳۱۴ - ۴۲۳ ہجرام ۳/۳۱۵ - ۴۲۴ ہجرام ۳/۳۱۶ - ۴۲۵ ہجرام ۳/۳۱۷ - ۴۲۶ ہجرام ۳/۳۱۸ - ۴۲۷ ہجرام ۳/۳۱۹ - ۴۲۸ ہجرام ۳/۳۲۰ - ۴۲۹ ہجرام ۳/۳۲۱ - ۴۳۰ ہجرام ۳/۳۲۲ - ۴۳۱ ہجرام ۳/۳۲۳ - ۴۳۲ ہجرام ۳/۳۲۴ - ۴۳۳ ہجرام ۳/۳۲۵ - ۴۳۴ ہجرام ۳/۳۲۶ - ۴۳۵ ہجرام ۳/۳۲۷ - ۴۳۶ ہجرام ۳/۳۲۸ - ۴۳۷ ہجرام ۳/۳۲۹ - ۴۳۸ ہجرام ۳/۳۳۰ - ۴۳۹ ہجرام ۳/۳۳۱ - ۴۴۰ ہجرام ۳/۳۳۲ - ۴۴۱ ہجرام ۳/۳۳۳ - ۴۴۲ ہجرام ۳/۳۳۴ - ۴۴۳ ہجرام ۳/۳۳۵ - ۴۴۴ ہجرام ۳/۳۳۶ - ۴۴۵ ہجرام ۳/۳۳۷ - ۴۴۶ ہجرام ۳/۳۳۸ - ۴۴۷ ہجرام ۳/۳۳۹ - ۴۴۸ ہجرام ۳/۳۴۰ - ۴۴۹ ہجرام ۳/۳۴۱ - ۴۵۰ ہجرام ۳/۳۴۲ - ۴۵۱ ہجرام ۳/۳۴۳ - ۴۵۲ ہجرام ۳/۳۴۴ - ۴۵۳ ہجرام ۳/۳۴۵ - ۴۵۴ ہجرام ۳/۳۴۶ - ۴۵۵ ہجرام ۳/۳۴۷ - ۴۵۶ ہجرام ۳/۳۴۸ - ۴۵۷ ہجرام ۳/۳۴۹ - ۴۵۸ ہجرام ۳/۳۵۰ - ۴۵۹ ہجرام ۳/۳۵۱ - ۴۶۰ ہجرام ۳/۳۵۲ - ۴۶۱ ہجرام ۳/۳۵۳ - ۴۶۲ ہجرام ۳/۳۵۴ - ۴۶۳ ہجرام ۳/۳۵۵ - ۴۶۴ ہجرام ۳/۳۵۶ - ۴۶۵ ہجرام ۳/۳۵۷ - ۴۶۶ ہجرام ۳/۳۵۸ - ۴۶۷ ہجرام ۳/۳۵۹ - ۴۶۸ ہجرام ۳/۳۶۰ - ۴۶۹ ہجرام ۳/۳۶۱ - ۴۷۰ ہجرام ۳/۳۶۲ - ۴۷۱ ہجرام ۳/۳۶۳ - ۴۷۲ ہجرام ۳/۳۶۴ - ۴۷۳ ہجرام ۳/۳۶۵ - ۴۷۴ ہجرام ۳/۳۶۶ - ۴۷۵ ہجرام ۳/۳۶۷ - ۴۷۶ ہجرام ۳/۳۶۸ - ۴۷۷ ہجرام ۳/۳۶۹ - ۴۷۸ ہجرام ۳/۳۷۰ - ۴۷۹ ہجرام ۳/۳۷۱ - ۴۸۰ ہجرام ۳/۳۷۲ - ۴۸۱ ہجرام ۳/۳۷۳ - ۴۸۲ ہجرام ۳/۳۷۴ - ۴۸۳ ہجرام ۳/۳۷۵ - ۴۸۴ ہجرام ۳/۳۷۶ - ۴۸۵ ہجرام ۳/۳۷۷ - ۴۸۶ ہجرام ۳/۳۷۸ - ۴۸۷ ہجرام ۳/۳۷۹ - ۴۸۸ ہجرام ۳/۳۸۰ - ۴۸۹ ہجرام ۳/۳۸۱ - ۴۹۰ ہجرام ۳/۳۸۲ - ۴۹۱ ہجرام ۳/۳۸۳ - ۴۹۲ ہجرام ۳/۳۸۴ - ۴۹۳ ہجرام ۳/۳۸۵ - ۴۹۴ ہجرام ۳/۳۸۶ - ۴۹۵ ہجرام ۳/۳۸۷ - ۴۹۶ ہجرام ۳/۳۸۸ - ۴۹۷ ہجرام ۳/۳۸۹ - ۴۹۸ ہجرام ۳/۳۹۰ - ۴۹۹ ہجرام ۳/۳۹۱ - ۵۰۰ ہجرام ۳/۳۹۲ - ۵۰۱ ہجرام ۳/۳۹۳ - ۵۰۲ ہجرام ۳/۳۹۴ - ۵۰۳ ہجرام ۳/۳۹۵ - ۵۰۴ ہجرام ۳/۳۹۶ - ۵۰۵ ہجرام ۳/۳۹۷ - ۵۰۶ ہجرام ۳/۳۹۸ - ۵۰۷ ہجرام ۳/۳۹۹ - ۵۰۸ ہجرام ۳/۴۰۰ - ۵۰۹ ہجرام ۳/۴۰۱ - ۵۱۰ ہجرام ۳/۴۰۲ - ۵۱۱ ہجرام ۳/۴۰۳ - ۵۱۲ ہجرام ۳/۴۰۴ - ۵۱۳ ہجرام ۳/۴۰۵ - ۵۱۴ ہجرام ۳/۴۰۶ - ۵۱۵ ہجرام ۳/۴۰۷ - ۵۱۶ ہجرام ۳/۴۰۸ - ۵۱۷ ہجرام ۳/۴۰۹ - ۵۱۸ ہجرام ۳/۴۱۰ - ۵۱۹ ہجرام ۳/۴۱۱ - ۵۲۰ ہجرام ۳/۴۱۲ - ۵۲۱ ہجرام ۳/۴۱۳ - ۵۲۲ ہجرام ۳/۴۱۴ - ۵۲۳ ہجرام ۳/۴۱۵ - ۵۲۴ ہجرام ۳/۴۱۶ - ۵۲۵ ہجرام ۳/۴۱۷ - ۵۲۶ ہجرام ۳/۴۱۸ - ۵۲۷ ہجرام ۳/۴۱۹ - ۵۲۸ ہجرام ۳/۴۲۰ - ۵۲۹ ہجرام ۳/۴۲۱ - ۵۳۰ ہجرام ۳/۴۲۲ - ۵۳۱ ہجرام ۳/۴۲۳ - ۵۳۲ ہجرام ۳/۴۲۴ - ۵۳۳ ہجرام ۳/۴۲۵ - ۵۳۴ ہجرام ۳/۴۲۶ - ۵۳۵ ہجرام ۳/۴۲۷ - ۵۳۶ ہجرام ۳/۴۲۸ - ۵۳۷ ہجرام ۳/۴۲۹ - ۵۳۸ ہجرام ۳/۴۳۰ - ۵۳۹ ہجرام ۳/۴۳۱ - ۵۴۰ ہجرام ۳/۴۳۲ - ۵۴۱ ہجرام ۳/۴۳۳ - ۵۴۲ ہجرام ۳/۴۳۴ - ۵۴۳ ہجرام ۳/۴۳۵ - ۵۴۴ ہجرام ۳/۴۳۶ - ۵۴۵ ہجرام ۳/۴۳۷ - ۵۴۶ ہجرام ۳/۴۳۸ - ۵۴۷ ہجرام ۳/۴۳۹ - ۵۴۸ ہجرام ۳/۴۴۰ - ۵۴۹ ہجرام ۳/۴۴۱ - ۵۵۰ ہجرام ۳/۴۴۲ - ۵۵۱ ہجرام ۳/۴۴۳ - ۵۵۲ ہجرام ۳/۴۴۴ - ۵۵۳ ہجرام ۳/۴۴۵ - ۵۵۴ ہجرام ۳/۴۴۶ - ۵۵۵ ہجرام ۳/۴۴۷ - ۵۵۶ ہجرام ۳/۴۴۸ - ۵۵۷ ہجرام ۳/۴۴۹ - ۵۵۸ ہجرام ۳/۴۵۰ - ۵۵۹ ہجرام ۳/۴۵۱ - ۵۶۰ ہجرام ۳/۴۵۲ - ۵۶۱ ہجرام ۳/۴۵۳ - ۵۶۲ ہجرام ۳/۴۵۴ - ۵۶۳ ہجرام ۳/۴۵۵ - ۵۶۴ ہجرام ۳/۴۵۶ - ۵۶۵ ہجرام ۳/۴۵۷ - ۵۶۶ ہجرام ۳/۴۵۸ - ۵۶۷ ہجرام ۳/۴۵۹ - ۵۶۸ ہجرام ۳/۴۶۰ - ۵۶۹ ہجرام ۳/۴۶۱ - ۵۷۰ ہجرام ۳/۴۶۲ - ۵۷۱ ہجرام ۳/۴۶۳ - ۵۷۲ ہجرام ۳/۴۶۴ - ۵۷۳ ہجرام ۳/۴۶۵ - ۵۷۴ ہجرام ۳/۴۶۶ - ۵۷۵ ہجرام ۳/۴۶۷ - ۵۷۶ ہجرام ۳/۴۶۸ - ۵۷۷ ہجرام ۳/۴۶۹ - ۵۷۸ ہجرام ۳/۴۷۰ - ۵۷۹ ہجرام ۳/۴۷۱ - ۵۸۰ ہجرام ۳/۴۷۲ - ۵۸۱ ہجرام ۳/۴۷۳ - ۵۸۲ ہجرام ۳/۴۷۴ - ۵۸۳ ہجرام ۳/۴۷۵ - ۵۸۴ ہجرام ۳/۴۷۶ - ۵۸۵ ہجرام ۳/۴۷۷ - ۵۸۶ ہجرام ۳/۴۷۸ - ۵۸۷ ہجرام ۳/۴۷۹ - ۵۸۸ ہجرام ۳/۴۸۰ - ۵۸۹ ہجرام ۳/۴۸۱ - ۵۹۰ ہجرام ۳/۴۸۲ - ۵۹۱ ہجرام ۳/۴۸۳ - ۵۹۲ ہجرام ۳/۴۸۴ - ۵۹۳ ہجرام ۳/۴۸۵ - ۵۹۴ ہجرام ۳/۴۸۶ - ۵۹۵ ہجرام ۳/۴۸۷ - ۵۹۶ ہجرام ۳/۴۸۸ - ۵۹۷ ہجرام ۳/۴۸۹ - ۵۹۸ ہجرام ۳/۴۹۰ - ۵۹۹ ہجرام ۳/۴۹۱ - ۶۰۰ ہجرام ۳/۴۹۲ - ۶۰۱ ہجرام ۳/۴۹۳ - ۶۰۲ ہجرام ۳/۴۹۴ - ۶۰۳ ہجرام ۳/۴۹۵ - ۶۰۴ ہجرام ۳/۴۹۶ - ۶۰۵ ہجرام ۳/۴۹۷ - ۶۰۶ ہجرام ۳/۴۹۸ - ۶۰۷ ہجرام ۳/۴۹۹ - ۶۰۸ ہجرام ۳/۵۰۰ - ۶۰۹ ہجرام ۳/۵۰۱ - ۶۱۰ ہجرام ۳/۵۰۲ - ۶۱۱ ہجرام ۳/۵۰۳ - ۶۱۲ ہجرام ۳/۵۰۴ - ۶۱۳ ہجرام ۳/۵۰۵ - ۶۱۴ ہجرام ۳/۵۰۶ - ۶۱۵ ہجرام ۳/۵۰۷ - ۶۱۶ ہجرام ۳/۵۰۸ - ۶۱۷ ہجرام ۳/۵۰۹ - ۶۱۸ ہجرام ۳/۵۱۰ - ۶۱۹ ہجرام ۳/۵۱۱ - ۶۲۰ ہجرام ۳/۵۱۲ - ۶۲۱ ہجرام ۳/۵۱۳ - ۶۲۲ ہجرام ۳/۵۱۴ - ۶۲۳ ہجرام ۳/۵۱۵ - ۶۲۴ ہجرام ۳/۵۱۶ - ۶۲۵ ہجرام ۳/۵۱۷ - ۶۲۶ ہجرام ۳/۵۱۸ - ۶۲۷ ہجرام ۳/۵۱۹ - ۶۲۸ ہجرام ۳/۵۲۰ - ۶۲۹ ہجرام ۳/۵۲۱ - ۶۳۰ ہجرام ۳/۵۲۲ - ۶۳۱ ہجرام ۳/۵۲۳ - ۶۳۲ ہجرام ۳/۵۲۴ - ۶۳۳ ہجرام ۳/۵۲۵ - ۶۳۴ ہجرام ۳/۵۲۶ - ۶۳۵ ہجرام ۳/۵۲۷ - ۶۳۶ ہجرام ۳/۵۲۸ - ۶۳۷ ہجرام ۳/۵۲۹ - ۶۳۸ ہجرام ۳/۵۳۰ - ۶۳۹ ہجرام ۳/۵۳۱ - ۶۴۰ ہجرام ۳/۵۳۲ - ۶۴۱ ہجرام ۳/۵۳۳ - ۶۴۲ ہجرام ۳/۵۳۴ - ۶۴۳ ہجرام ۳/۵۳۵ - ۶۴۴ ہجرام ۳/۵۳۶ - ۶۴۵ ہجرام ۳/۵۳۷ - ۶۴۶ ہجرام ۳/۵۳۸ - ۶۴۷ ہجرام ۳/۵۳۹ - ۶۴۸ ہجرام ۳/۵۴۰ - ۶۴۹ ہجرام ۳/۵۴۱ - ۶۵۰ ہجرام ۳/۵۴۲ - ۶۵۱ ہجرام ۳/۵۴۳ - ۶۵۲ ہجرام ۳/۵۴۴ - ۶۵۳ ہجرام ۳/۵۴۵ - ۶۵۴ ہجرام ۳/۵۴۶ - ۶۵۵ ہجرام ۳/۵۴۷ - ۶۵۶ ہجرام ۳/۵۴۸ - ۶۵۷ ہجرام ۳/۵۴۹ - ۶۵۸ ہجرام ۳/۵۵۰ - ۶۵۹ ہجرام ۳/۵۵۱ - ۶۶۰ ہجرام ۳/۵۵۲ - ۶۶۱ ہجرام ۳/۵۵۳ - ۶۶۲ ہجرام ۳/۵۵۴ - ۶۶۳ ہجرام ۳/۵۵۵ - ۶۶۴ ہجرام ۳/۵۵۶ - ۶۶۵ ہجرام ۳/۵۵۷ - ۶۶۶ ہجرام ۳/۵۵۸ - ۶۶۷ ہجرام ۳/۵۵۹ - ۶۶۸ ہجرام ۳/۵۶۰ - ۶۶۹ ہجرام ۳/۵۶۱ - ۶۷۰ ہجرام ۳/۵۶۲ - ۶۷۱ ہجرام ۳/۵۶۳ - ۶۷۲ ہجرام ۳/۵۶۴ - ۶۷۳ ہجرام ۳/۵۶۵ - ۶۷۴ ہجرام ۳/۵۶۶ - ۶۷۵ ہجرام ۳/۵۶۷ - ۶۷۶ ہجرام ۳/۵۶۸ - ۶۷۷ ہجرام ۳/۵۶۹ - ۶۷۸ ہجرام ۳/۵۷۰ - ۶۷۹ ہجرام ۳/۵۷۱ - ۶۸۰ ہجرام ۳/۵۷۲ - ۶۸۱ ہجرام ۳/۵۷۳ - ۶۸۲ ہجرام ۳/۵۷۴ - ۶۸۳ ہجرام ۳/۵۷۵ - ۶۸۴ ہجرام ۳/۵۷۶ - ۶۸۵ ہجرام ۳/۵۷۷ - ۶۸۶ ہجرام ۳/۵۷۸ - ۶۸۷ ہجرام ۳/۵۷۹ - ۶۸۸ ہجرام ۳/۵۸۰ - ۶۸۹ ہجرام ۳/۵۸۱ - ۶۹۰ ہجرام ۳/۵۸۲ - ۶۹۱ ہجرام ۳/۵۸۳ - ۶۹۲ ہجرام ۳/۵۸۴ - ۶۹۳ ہجرام ۳/۵۸۵ - ۶۹۴ ہجرام ۳/۵۸۶ - ۶۹۵ ہجرام ۳/۵۸۷ - ۶۹۶ ہجرام ۳/۵۸۸ - ۶۹۷

کے تعاقب کے لئے جانے کا اعلان کر دیں۔

بیان کیا جاتا ہے کہ جب اقرار کے دن آپؐ نے مدینہ میں صبح کی تو دشمنوں کے تعاقب کا حکم دیا۔

اس پر مسلمان باوجود زخموں کے نکل پڑے۔

مؤرخین کہتے ہیں، کہ آنحضرتؐ اس خبر کو پا کر قریش کے تعاقب میں مقام حمراء الاسد تک تشریف لے گئے، جہاں تین

روز قیام فرمایا، یہی وجہ ہے کہ اس واقعہ کو غزوہ حمراء الاسد کا نام دیا گیا ہے۔

واقعی کی اس روایت سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کے راوی اول کے ذہن میں معرکہ احد اور غزوہ حمراء الاسد کی

تاریخ وقوع محرم کا مہینہ تھا، جیسا کہ "لما کان فی المحرم" کے الفاظ سے ظاہر ہے، حالانکہ بلا استثناء تمام

علماء اسلام کا اتفاق ہے کہ یہ دونوں غزوے شوال سنہ کے واقعات ہیں، چنانچہ خود واقعی نے بھی اس کو

شوال ہی کے ذیل میں بیان کیا ہے۔

یہ سوال، کہ غزوہ احد محرم کا واقعہ تھا، یا شوال کا؟ میری دو تقویمی جدول سے حل ہو جاتا ہے۔

سنہ کی جدول تقویم میں مکی شوال مطبق ۳ رجون سنہ کا متوازی مدنی مہینہ "محرم" ہے، جس سے یہ بات طے

ہو جاتی ہے کہ یہ اختلاف روایات میں دو نظریہ حرمانی کا نتیجہ ہے، نیز یہ کہ شوال کے متعلق جو روایتیں ملتی ہیں،

وہ مکی تقویم کے بموجب یکا روڈ کی گنتی تھیں، اس خیال کی تصدیق موسیٰ اشارات سے بھی ہوتی ہے، روایات

بتاتی ہیں کہ غزوہ احد اور حمراء الاسد جس موسم میں ہوئے، اس میں تازہ کھجوریں چل چکی تھیں، چنانچہ میور (Muir)

نے بصراحت بیان کیا ہے، کہ غزوہ حمراء الاسد کے دوران میں پوری مسلمان فوج کو یہی راشن تقسیم کیا گیا تھا۔

"اس مقام پر شک نے تین دن قیام کیا، اور تازہ کھجوروں پر بسر کی، ایک با افراط فصل پرش کو

اُسی وقف چنا گیا تھا۔"

۱۔ واقعی ۳، ۸، ۳۱، ۱۔ ابن ہشام ۳/۱۰۸؛ طبرستان ۲۸/۲؛ ابن خلدون ۲/۲۴۔ ۲۔ واقعی ۱۹۷۰۔

AT THIS SPOT THE ARABY SPENT THREE DAYS AND

REGALED THEMSELVES WITH 'FRESH' DABI A PLentiful

LARVEST OF WHICH HAD JUST BEEN GATHERED (MUIR- LIFE 267)

غزوہ حراء الاسد سے واپسی کے کچھ ہی دن بعد ایک جان نثار صحابی کی بیوہ نے جن کے شوہر اسی غزوہ حراء میں شہید ہوئے تھے، آنحضرت کی مع چند اصحاب کے اپنے باغ میں دعوت کی، تو سایہ دار درختوں کے نیچے پھر کاؤ کر کے فرش بچھایا گیا، اور کھانے کے بعد تازہ اور نرس کھجور دیں (رطب) کا ایک طباق مہمانوں کے سامنے پیش ہوا روایت میں یہ بھی صراحت ہے کہ یہ کھجوریں فصل کے پہلے "پاس سے کچھ ہی بعد کے پھل" تھے۔

تجارت میں عام طور پر رطب کا موسم جون اور جولائی ہے۔ اب اگر اس واقعے کو قمری شوال سنہ کا قرار دیا جائے تو مارچ سنہ کے مطابق ہوگا۔ اور یہ زمانہ "رطب" کا ہرگز نہیں، حیرت ہے کہ میور (MUIR) نے اُحد کی تاریخ جنوری سنہ قرار دی ہے، جس میں تازہ کھجوریں تو درکنار پھل بھی نہیں ہوتا، اور اس پر مستزاد یہ کہ مذکورہ بالا دونوں روایتیں بڑی تفصیل کے ساتھ نقل بھی کی ہیں۔

اس مرحلے کے بعد ہمیں اس غزوے کی تاریخوں پر نظر ڈالنا چاہئے، ابن کثیر کا بیان ہے:-
 "اُحد کا واقعہ سنہ میں ہوا، جس کو زہری، قتادہ، موسیٰ بن عقبہ، محمد بن اسحاق، و مالک نے بیان کیا ہے، ابن اسحق کا قول نصف شوال کا ہے، قتادہ کا بیان ہے کہ یہ واقعہ ہفتے کے دن ۱۱ شوال سنہ کا ہے، مالک کے قول کے موجب یہ دن کے ابتدائی حصے کا واقعہ ہے۔
 ان تاریخوں میں قسطلانی نے قتادہ کی تاریخ کو متفق علیہ قرار دیا ہے، اور اگرچہ باقی تاریخیں بھی بیان کی ہیں لیکن سب کی سب قیل کے ساتھ، وہ کہتے ہیں:

"شوال سنہ میں ہفتے کے دن ۱۱ شوال پر سب کا اتفاق ہے، اور بعض لوگ کہتے ہیں،
 ۷ شوال اور بعض کے نزدیک نصف شوال ہی"۔

ابن سید الناس نے "عیون الاثر" میں ابن عائد کی سند سے جو مشہور سیرت نگار ہیں ۱۱ تاریخ بیان کی ہے۔
 "غزوہ اُحد ابن عائد کے نزدیک شوال سنہ میں ہفتے کے دن ۱۱ تاریخ کو ہوا تھا۔
 تعجب یہ ہے، کہ دیہ بکری نے خود بن اسحق سے ایک روایت شوال کی نقل کی ہے، اور اگر ہر سیرت

۱۵ داقدی ۳۲/۱ ۱۵ MUIR LIFE 252 - سنہ 267, 273 IBID -

۱۶ بیہ ۱۱۶ - ۱۱۷ - ۱۱۸ - ۱۱۹ - ۱۲۰ - ۱۲۱ - ۱۲۲ - ۱۲۳ - ۱۲۴ - ۱۲۵ - ۱۲۶ - ۱۲۷ - ۱۲۸ - ۱۲۹ - ۱۳۰ - ۱۳۱ - ۱۳۲ - ۱۳۳ - ۱۳۴ - ۱۳۵ - ۱۳۶ - ۱۳۷ - ۱۳۸ - ۱۳۹ - ۱۴۰ - ۱۴۱ - ۱۴۲ - ۱۴۳ - ۱۴۴ - ۱۴۵ - ۱۴۶ - ۱۴۷ - ۱۴۸ - ۱۴۹ - ۱۵۰ - ۱۵۱ - ۱۵۲ - ۱۵۳ - ۱۵۴ - ۱۵۵ - ۱۵۶ - ۱۵۷ - ۱۵۸ - ۱۵۹ - ۱۶۰ - ۱۶۱ - ۱۶۲ - ۱۶۳ - ۱۶۴ - ۱۶۵ - ۱۶۶ - ۱۶۷ - ۱۶۸ - ۱۶۹ - ۱۷۰ - ۱۷۱ - ۱۷۲ - ۱۷۳ - ۱۷۴ - ۱۷۵ - ۱۷۶ - ۱۷۷ - ۱۷۸ - ۱۷۹ - ۱۸۰ - ۱۸۱ - ۱۸۲ - ۱۸۳ - ۱۸۴ - ۱۸۵ - ۱۸۶ - ۱۸۷ - ۱۸۸ - ۱۸۹ - ۱۹۰ - ۱۹۱ - ۱۹۲ - ۱۹۳ - ۱۹۴ - ۱۹۵ - ۱۹۶ - ۱۹۷ - ۱۹۸ - ۱۹۹ - ۲۰۰ - ۲۰۱ - ۲۰۲ - ۲۰۳ - ۲۰۴ - ۲۰۵ - ۲۰۶ - ۲۰۷ - ۲۰۸ - ۲۰۹ - ۲۱۰ - ۲۱۱ - ۲۱۲ - ۲۱۳ - ۲۱۴ - ۲۱۵ - ۲۱۶ - ۲۱۷ - ۲۱۸ - ۲۱۹ - ۲۲۰ - ۲۲۱ - ۲۲۲ - ۲۲۳ - ۲۲۴ - ۲۲۵ - ۲۲۶ - ۲۲۷ - ۲۲۸ - ۲۲۹ - ۲۳۰ - ۲۳۱ - ۲۳۲ - ۲۳۳ - ۲۳۴ - ۲۳۵ - ۲۳۶ - ۲۳۷ - ۲۳۸ - ۲۳۹ - ۲۴۰ - ۲۴۱ - ۲۴۲ - ۲۴۳ - ۲۴۴ - ۲۴۵ - ۲۴۶ - ۲۴۷ - ۲۴۸ - ۲۴۹ - ۲۵۰ - ۲۵۱ - ۲۵۲ - ۲۵۳ - ۲۵۴ - ۲۵۵ - ۲۵۶ - ۲۵۷ - ۲۵۸ - ۲۵۹ - ۲۶۰ - ۲۶۱ - ۲۶۲ - ۲۶۳ - ۲۶۴ - ۲۶۵ - ۲۶۶ - ۲۶۷ - ۲۶۸ - ۲۶۹ - ۲۷۰ - ۲۷۱ - ۲۷۲ - ۲۷۳ - ۲۷۴ - ۲۷۵ - ۲۷۶ - ۲۷۷ - ۲۷۸ - ۲۷۹ - ۲۸۰ - ۲۸۱ - ۲۸۲ - ۲۸۳ - ۲۸۴ - ۲۸۵ - ۲۸۶ - ۲۸۷ - ۲۸۸ - ۲۸۹ - ۲۹۰ - ۲۹۱ - ۲۹۲ - ۲۹۳ - ۲۹۴ - ۲۹۵ - ۲۹۶ - ۲۹۷ - ۲۹۸ - ۲۹۹ - ۳۰۰ - ۳۰۱ - ۳۰۲ - ۳۰۳ - ۳۰۴ - ۳۰۵ - ۳۰۶ - ۳۰۷ - ۳۰۸ - ۳۰۹ - ۳۱۰ - ۳۱۱ - ۳۱۲ - ۳۱۳ - ۳۱۴ - ۳۱۵ - ۳۱۶ - ۳۱۷ - ۳۱۸ - ۳۱۹ - ۳۲۰ - ۳۲۱ - ۳۲۲ - ۳۲۳ - ۳۲۴ - ۳۲۵ - ۳۲۶ - ۳۲۷ - ۳۲۸ - ۳۲۹ - ۳۳۰ - ۳۳۱ - ۳۳۲ - ۳۳۳ - ۳۳۴ - ۳۳۵ - ۳۳۶ - ۳۳۷ - ۳۳۸ - ۳۳۹ - ۳۴۰ - ۳۴۱ - ۳۴۲ - ۳۴۳ - ۳۴۴ - ۳۴۵ - ۳۴۶ - ۳۴۷ - ۳۴۸ - ۳۴۹ - ۳۵۰ - ۳۵۱ - ۳۵۲ - ۳۵۳ - ۳۵۴ - ۳۵۵ - ۳۵۶ - ۳۵۷ - ۳۵۸ - ۳۵۹ - ۳۶۰ - ۳۶۱ - ۳۶۲ - ۳۶۳ - ۳۶۴ - ۳۶۵ - ۳۶۶ - ۳۶۷ - ۳۶۸ - ۳۶۹ - ۳۷۰ - ۳۷۱ - ۳۷۲ - ۳۷۳ - ۳۷۴ - ۳۷۵ - ۳۷۶ - ۳۷۷ - ۳۷۸ - ۳۷۹ - ۳۸۰ - ۳۸۱ - ۳۸۲ - ۳۸۳ - ۳۸۴ - ۳۸۵ - ۳۸۶ - ۳۸۷ - ۳۸۸ - ۳۸۹ - ۳۹۰ - ۳۹۱ - ۳۹۲ - ۳۹۳ - ۳۹۴ - ۳۹۵ - ۳۹۶ - ۳۹۷ - ۳۹۸ - ۳۹۹ - ۴۰۰ - ۴۰۱ - ۴۰۲ - ۴۰۳ - ۴۰۴ - ۴۰۵ - ۴۰۶ - ۴۰۷ - ۴۰۸ - ۴۰۹ - ۴۱۰ - ۴۱۱ - ۴۱۲ - ۴۱۳ - ۴۱۴ - ۴۱۵ - ۴۱۶ - ۴۱۷ - ۴۱۸ - ۴۱۹ - ۴۲۰ - ۴۲۱ - ۴۲۲ - ۴۲۳ - ۴۲۴ - ۴۲۵ - ۴۲۶ - ۴۲۷ - ۴۲۸ - ۴۲۹ - ۴۳۰ - ۴۳۱ - ۴۳۲ - ۴۳۳ - ۴۳۴ - ۴۳۵ - ۴۳۶ - ۴۳۷ - ۴۳۸ - ۴۳۹ - ۴۴۰ - ۴۴۱ - ۴۴۲ - ۴۴۳ - ۴۴۴ - ۴۴۵ - ۴۴۶ - ۴۴۷ - ۴۴۸ - ۴۴۹ - ۴۵۰ - ۴۵۱ - ۴۵۲ - ۴۵۳ - ۴۵۴ - ۴۵۵ - ۴۵۶ - ۴۵۷ - ۴۵۸ - ۴۵۹ - ۴۶۰ - ۴۶۱ - ۴۶۲ - ۴۶۳ - ۴۶۴ - ۴۶۵ - ۴۶۶ - ۴۶۷ - ۴۶۸ - ۴۶۹ - ۴۷۰ - ۴۷۱ - ۴۷۲ - ۴۷۳ - ۴۷۴ - ۴۷۵ - ۴۷۶ - ۴۷۷ - ۴۷۸ - ۴۷۹ - ۴۸۰ - ۴۸۱ - ۴۸۲ - ۴۸۳ - ۴۸۴ - ۴۸۵ - ۴۸۶ - ۴۸۷ - ۴۸۸ - ۴۸۹ - ۴۹۰ - ۴۹۱ - ۴۹۲ - ۴۹۳ - ۴۹۴ - ۴۹۵ - ۴۹۶ - ۴۹۷ - ۴۹۸ - ۴۹۹ - ۵۰۰ - ۵۰۱ - ۵۰۲ - ۵۰۳ - ۵۰۴ - ۵۰۵ - ۵۰۶ - ۵۰۷ - ۵۰۸ - ۵۰۹ - ۵۱۰ - ۵۱۱ - ۵۱۲ - ۵۱۳ - ۵۱۴ - ۵۱۵ - ۵۱۶ - ۵۱۷ - ۵۱۸ - ۵۱۹ - ۵۲۰ - ۵۲۱ - ۵۲۲ - ۵۲۳ - ۵۲۴ - ۵۲۵ - ۵۲۶ - ۵۲۷ - ۵۲۸ - ۵۲۹ - ۵۳۰ - ۵۳۱ - ۵۳۲ - ۵۳۳ - ۵۳۴ - ۵۳۵ - ۵۳۶ - ۵۳۷ - ۵۳۸ - ۵۳۹ - ۵۴۰ - ۵۴۱ - ۵۴۲ - ۵۴۳ - ۵۴۴ - ۵۴۵ - ۵۴۶ - ۵۴۷ - ۵۴۸ - ۵۴۹ - ۵۵۰ - ۵۵۱ - ۵۵۲ - ۵۵۳ - ۵۵۴ - ۵۵۵ - ۵۵۶ - ۵۵۷ - ۵۵۸ - ۵۵۹ - ۵۶۰ - ۵۶۱ - ۵۶۲ - ۵۶۳ - ۵۶۴ - ۵۶۵ - ۵۶۶ - ۵۶۷ - ۵۶۸ - ۵۶۹ - ۵۷۰ - ۵۷۱ - ۵۷۲ - ۵۷۳ - ۵۷۴ - ۵۷۵ - ۵۷۶ - ۵۷۷ - ۵۷۸ - ۵۷۹ - ۵۸۰ - ۵۸۱ - ۵۸۲ - ۵۸۳ - ۵۸۴ - ۵۸۵ - ۵۸۶ - ۵۸۷ - ۵۸۸ - ۵۸۹ - ۵۹۰ - ۵۹۱ - ۵۹۲ - ۵۹۳ - ۵۹۴ - ۵۹۵ - ۵۹۶ - ۵۹۷ - ۵۹۸ - ۵۹۹ - ۶۰۰ - ۶۰۱ - ۶۰۲ - ۶۰۳ - ۶۰۴ - ۶۰۵ - ۶۰۶ - ۶۰۷ - ۶۰۸ - ۶۰۹ - ۶۱۰ - ۶۱۱ - ۶۱۲ - ۶۱۳ - ۶۱۴ - ۶۱۵ - ۶۱۶ - ۶۱۷ - ۶۱۸ - ۶۱۹ - ۶۲۰ - ۶۲۱ - ۶۲۲ - ۶۲۳ - ۶۲۴ - ۶۲۵ - ۶۲۶ - ۶۲۷ - ۶۲۸ - ۶۲۹ - ۶۳۰ - ۶۳۱ - ۶۳۲ - ۶۳۳ - ۶۳۴ - ۶۳۵ - ۶۳۶ - ۶۳۷ - ۶۳۸ - ۶۳۹ - ۶۴۰ - ۶۴۱ - ۶۴۲ - ۶۴۳ - ۶۴۴ - ۶۴۵ - ۶۴۶ - ۶۴۷ - ۶۴۸ - ۶۴۹ - ۶۵۰ - ۶۵۱ - ۶۵۲ - ۶۵۳ - ۶۵۴ - ۶۵۵ - ۶۵۶ - ۶۵۷ - ۶۵۸ - ۶۵۹ - ۶۶۰ - ۶۶۱ - ۶۶۲ - ۶۶۳ - ۶۶۴ - ۶۶۵ - ۶۶۶ - ۶۶۷ - ۶۶۸ - ۶۶۹ - ۶۷۰ - ۶۷۱ - ۶۷۲ - ۶۷۳ - ۶۷۴ - ۶۷۵ - ۶۷۶ - ۶۷۷ - ۶۷۸ - ۶۷۹ - ۶۸۰ - ۶۸۱ - ۶۸۲ - ۶۸۳ - ۶۸۴ - ۶۸۵ - ۶۸۶ - ۶۸۷ - ۶۸۸ - ۶۸۹ - ۶۹۰ - ۶۹۱ - ۶۹۲ - ۶۹۳ - ۶۹۴ - ۶۹۵ - ۶۹۶ - ۶۹۷ - ۶۹۸ - ۶۹۹ - ۷۰۰ - ۷۰۱ - ۷۰۲ - ۷۰۳ - ۷۰۴ - ۷۰۵ - ۷۰۶ - ۷۰۷ - ۷۰۸ - ۷۰۹ - ۷۱۰ - ۷۱۱ - ۷۱۲ - ۷۱۳ - ۷۱۴ - ۷۱۵ - ۷۱۶ - ۷۱۷ - ۷۱۸ - ۷۱۹ - ۷۲۰ - ۷۲۱ - ۷۲۲ - ۷۲۳ - ۷۲۴ - ۷۲۵ - ۷۲۶ - ۷۲۷ - ۷۲۸ - ۷۲۹ - ۷۳۰ - ۷۳۱ - ۷۳۲ - ۷۳۳ - ۷۳۴ - ۷۳۵ - ۷۳۶ - ۷۳۷ - ۷۳۸ - ۷۳۹ - ۷۴۰ - ۷۴۱ - ۷۴۲ - ۷۴۳ - ۷۴۴ - ۷۴۵ - ۷۴۶ - ۷۴۷ - ۷۴۸ - ۷۴۹ - ۷۵۰ - ۷۵۱ - ۷۵۲ - ۷۵۳ - ۷۵۴ - ۷۵۵ - ۷۵۶ - ۷۵۷ - ۷۵۸ - ۷۵۹ - ۷۶۰ - ۷۶۱ - ۷۶۲ - ۷۶۳ - ۷۶۴ - ۷۶۵ - ۷۶۶ - ۷۶۷ - ۷۶۸ - ۷۶۹ - ۷۷۰ - ۷۷۱ - ۷۷۲ - ۷۷۳ - ۷۷۴ - ۷۷۵ - ۷۷۶ - ۷۷۷ - ۷۷۸ - ۷۷۹ - ۷۸۰ - ۷۸۱ - ۷۸۲ - ۷۸۳ - ۷۸۴ - ۷۸۵ - ۷۸۶ - ۷۸۷ - ۷۸۸ - ۷۸۹ - ۷۹۰ - ۷۹۱ - ۷۹۲ - ۷۹۳ - ۷۹۴ - ۷۹۵ - ۷۹۶ - ۷۹۷ - ۷۹۸ - ۷۹۹ - ۸۰۰ - ۸۰۱ - ۸۰۲ - ۸۰۳ - ۸۰۴ - ۸۰۵ - ۸۰۶ - ۸۰۷ - ۸۰۸ - ۸۰۹ - ۸۱۰ - ۸۱۱ - ۸۱۲ - ۸۱۳ - ۸۱۴ - ۸۱۵ - ۸۱۶ - ۸۱۷ - ۸۱۸ - ۸۱۹ - ۸۲۰ - ۸۲۱ - ۸۲۲ - ۸۲۳ - ۸۲۴ - ۸۲۵ - ۸۲۶ - ۸۲۷ - ۸۲۸ - ۸۲۹ - ۸۳۰ - ۸۳۱ - ۸۳۲ - ۸۳۳ - ۸۳۴ - ۸۳۵ - ۸۳۶ - ۸۳۷ - ۸۳۸ - ۸۳۹ - ۸۴۰ - ۸۴۱ - ۸۴۲ - ۸۴۳ - ۸۴۴ - ۸۴۵ - ۸۴۶ - ۸۴۷ - ۸۴۸ - ۸۴۹ - ۸۵۰ - ۸۵۱ - ۸۵۲ - ۸۵۳ - ۸۵۴ - ۸۵۵ - ۸۵۶ - ۸۵۷ - ۸۵۸ - ۸۵۹ - ۸۶۰ - ۸۶۱ - ۸۶۲ - ۸۶۳ - ۸۶۴ - ۸۶۵ - ۸۶۶ - ۸۶۷ - ۸۶۸ - ۸۶۹ - ۸۷۰ - ۸۷۱ - ۸۷۲ - ۸۷۳ - ۸۷۴ - ۸۷۵ - ۸۷۶ - ۸۷۷ - ۸۷۸ - ۸۷۹ - ۸۸۰ - ۸۸۱ - ۸۸۲ - ۸۸۳ - ۸۸۴ - ۸۸۵ - ۸۸۶ - ۸۸۷ - ۸۸۸ - ۸۸۹ - ۸۹۰ - ۸۹۱ - ۸۹۲ - ۸۹۳ - ۸۹۴ - ۸۹۵ - ۸۹۶ - ۸۹۷ - ۸۹۸ - ۸۹۹ - ۹۰۰ - ۹۰۱ - ۹۰۲ - ۹۰۳ - ۹۰۴ - ۹۰۵ - ۹۰۶ - ۹۰۷ - ۹۰۸ - ۹۰۹ - ۹۱۰ - ۹۱۱ - ۹۱۲ - ۹۱۳ - ۹۱۴ - ۹۱۵ - ۹۱۶ - ۹۱۷ - ۹۱۸ - ۹۱۹ - ۹۲۰ - ۹۲۱ - ۹۲۲ - ۹۲۳ - ۹۲۴ - ۹۲۵ - ۹۲۶ - ۹۲۷ - ۹۲۸ - ۹۲۹ - ۹۳۰ - ۹۳۱ - ۹۳۲ - ۹۳۳ - ۹۳۴ - ۹۳۵ - ۹۳۶ - ۹۳۷ - ۹۳۸ - ۹۳۹ - ۹۴۰ - ۹۴۱ - ۹۴۲ - ۹۴۳ - ۹۴۴ - ۹۴۵ - ۹۴۶ - ۹۴۷ - ۹۴۸ - ۹۴۹ - ۹۵۰ - ۹۵۱ - ۹۵۲ - ۹۵۳ - ۹۵۴ - ۹۵۵ - ۹۵۶ - ۹۵۷ - ۹۵۸ - ۹۵۹ - ۹۶۰ - ۹۶۱ - ۹۶۲ - ۹۶۳ - ۹۶۴ - ۹۶۵ - ۹۶۶ - ۹۶۷ - ۹۶۸ - ۹۶۹ - ۹۷۰ - ۹۷۱ - ۹۷۲ - ۹۷۳ - ۹۷۴ - ۹۷۵ - ۹۷۶ - ۹۷۷ - ۹۷۸ - ۹۷۹ - ۹۸۰ - ۹۸۱ - ۹۸۲ - ۹۸۳ - ۹۸۴ - ۹۸۵ - ۹۸۶ - ۹۸۷ - ۹۸۸ - ۹۸۹ - ۹۹۰ - ۹۹۱ - ۹۹۲ - ۹۹۳ - ۹۹۴ - ۹۹۵ - ۹۹۶ - ۹۹۷ - ۹۹۸ - ۹۹۹ - ۱۰۰۰

کر لیا جائے کہ اس میں خود دیار بکری کی غلطی یا بھول چوک کو دخل نہیں ہے، تو یہ چلتا ہے، کہ اس سخن کے بعض نسخوں میں تاریخ بھی موجود تھی، جو ب نہیں ملتی۔

بخلاف اس کے واقعات نے اس کی تاریخ ہفتہ، رشوال اور ابن اسحق نے بروایت شہر ہفتہ نصف شوال بیان کی ہے جس سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے، کہ نیک کے دن پر سب کا اتفاق ہے۔ لیکن تاریخوں میں کسی غلط فہمی کے باعث اختلاف ہو گیا ہے، ان میں سب سے قدیم روایت قنابہ کی ہے۔ جو ۱۱ شوال کی ہے، اور غالباً یہی صحیح ہے، کیوں کہ مکی شوال کی پہلی تاریخ کو موجودہ حساب کے مطابق پنجشنبہ تھا، اس اعتبار سے ۱۰ تاریخ کو ہفتہ ہونا چاہئے۔ لیکن بیساکہ بن کی حاجکا ہے، حسابی رویت اور واقعی رویت میں ایک دن کا فرق کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔

بہرہ وادی اور ابن اسحق کی مشہور تاریخ تو اس کے غلط ہونے کے متعلق میرا گمان یہ ہے کہ اس کی بڑی وجہ غالباً نزد حمزہ اسد کا، یعنی اختلاف ہے۔ کیوں کہ ان دونوں واقعات میں صرف ایک دن کا آکاسچیا ہے، نیز یہ کہ غزوہ حمزہ اسد ایک ذیلی غزوہ تھا، اس سے ابتدائی دست ویزوں میں ان دونوں کا تذکرہ ساتھ ساتھ ہوا ہوگا۔ اور چونکہ ان دونوں میں یہ ذیل غلط فہمی کا باعث بن گیا ہو۔

غزوہ حمزہ اسد ۱۴ دن بعد کئے گئے۔ اگر تاریخ میں یہ دن جوڑ دیے جائیں تو اس سخن کی تاریخ بتائی جاوے۔ اور اگر مکر دینے میں تو واقعات کی تاریخ بتی ہے۔

بہرہ سورت میرد رائے میں ابن اسحق اور واقعاتی دونوں کی تاریخیں غلط ہیں، اور ان کو صرف اسی سورت میں صحیح قرار دیا جاسکتا ہے، جب یہ فرض کر لیا جائے، کہ غزوہ اسد کی شوال کا نہیں بلکہ صدفی شوال کا واقعہ ہے۔ لیکن اس مفروضے کو تسلیم کرنے کی بظاہر کوئی وجہ نہیں۔

۱۔ واقعاتی / ۱۹۸ - نیز دیکھئے ابن سعد ۲ / ۲۰ -

۲۔ بن ہشام ۳ / ۱۲ - نیز دیکھئے طبری ۳ / ۱۱ -

مکی	جولین	ہجری	
محرم	۱۰ ستمبر ۱۶۲۵ء سہ شنبہ	۲ ربیع	۱- سربراہ المسلمہ - یکم محرم ۲- غزوہ دومہ اچندل یکم محرم برداشت ابن حبیب
صفر	۹ اکتوبر چهار شنبہ	۱ جمادی	۳- حادثہ پر معونہ
ربیع	۸ نومبر جمعہ	۲ جمادی	۴- غزوہ بنو نضیر شنبہ ۱۲ ربیع برداشت ابن حبیب
ربیع	۷ دسمبر سہ شنبہ	۳ رجب	
جمادی	۶ جنوری ۱۶۲۶ء دو شنبہ	شعبان	
جمادی	۴ فروری سہ شنبہ	۲ رمضان	۵- قتل ابورافع سلام بن ابی، تحقیق
رجب	۶ مارچ پنج شنبہ	شوال	
شعبان	۴ اپریل جمعہ	ذیقعدہ	۶- غزوہ بدر موعود برداشت ابن اسحق پنج شنبہ یکم شعبان - (ابن حبیب)
رمضان	۴ مئی یک شنبہ	ذوالحجہ	
شوال	۲ جون دو شنبہ	محرم ۱۵۶۴ھ	
ذیقعدہ	۲ جولائی چهار شنبہ	صفر	
ذوالحجہ	۱۳ جولائی پنج شنبہ	ربیع	
فسی	۱۳ اگست سہ شنبہ	ربیع	؟ غزوہ دومہ اچندل یکم محرم

۵۴

اس سنہ کے مندرجہ ذیل چھ واقعات کو ہاتھ لگایا گیا ہے :

۱ و ۲۔ سریہ ابوسلمہ مخزومی اور غزوہ دومۃ الجندل : اہل سیرت بیان کرتے ہیں کہ محرم سنہ میں آنحضرت نے ابوسلمہ کو ایک قلیل فوج کے ساتھ قبائل نجد کی طرف روانہ کیا تھا، اس کی تاریخ یکم محرم سنہ بیان کی جاتی ہے، مگر میرا خیال ہے کہ یہ سریہ غزوہ دومۃ الجندل کا ذیلی سریہ تھا جو سنہ کا واقعہ بیان کیا جاتا ہے کتاب میں اس کے وجہ بیان کئے گئے ہیں، افسوس کہ ابھی تک اس کا واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ غالباً غزوہ دومۃ الجندل کا تعلق بھی سنہ سے تھا۔

۳۔ حادثہ بیر معونہ : ابن اسحق اور واقدی دونوں متفق ہیں کہ یہ واقعہ صفر سنہ کا ہے۔ میری رائے میں یہ صفر ہی تھا اور حادثہ رجب سے تقریباً چار ماہ بعد کا واقعہ ہے جیسا کہ ابن اسحق کا خیال ہے۔

۴۔ غزوہ بنو نضیر : اس واقعہ کی تاریخ ابن سبیب نے سہ شنبہ ۱۲ ربیع الاول سنہ بیان کی ہے جو کئی تقویم کے حساب سے ٹھیک بیٹھتی ہے۔ دستخط کی تقویم کے اعتبار سے یہ تاریخ سلف ہے۔

۵۔ قتل ابورافع : اس کے سلسلہ میں حدیث تاریخ مختلف اراے ہیں کہ کس سنہ کا واقعہ ہے بعض اس کو حجابی الاخریٰ سنہ کا، بعض سنہ کا اور بعض رمضان سنہ کا واقعہ قرار دیتے ہیں، ان مختلف تاریخوں میں دو تقویمی جدول توازن پیدا کر دیتی ہے، کتاب میں اس پر پوری بحث ہے۔

۶۔ غزوہ بدر موعده : اس پر پوری بحث برہان میں شائع ہو رہی ہے۔

غزوہ بدر موعده

شعبان سنہ = ذیقعدہ سنہ

ربابہ تاریخ بیان کرتے ہیں کہ جنگ اُحد میں ہوسفیان نے پیغمبر اسلام کو چیلنج کیا تھا، کہ اگلے سال پھر میدان بدر میں قسمت کرمان ہوگی، یہاں قریش کو ایک سال پہلے سکست ڈش ہو چکی تھی، آنحضرتؐ کو یہ چیلنج یاد تھا، چنانچہ اس سال کا فی لشکرے کر پٹ منقرہ یام میں میدان بدر کی طرف بڑھے، قریش بھی

پورے ساز و سامان کے ساتھ نکلے، اور ظہران تک پہنچے ہوں گے، کہ ان کی ہمتوں نے جواب دے دیا۔
اور موسم کی موافقت کی وجہ سے واپس چلے گئے۔

اس غزوے کو بدر موعِد کا نام اسی چیلنج کی وجہ سے دیا گیا ہے، ممکن ہے کہ اس مہم کی صرف یہی وجہ ہو۔
مگر میں سمجھتا ہوں، کہ اس میں مدنی تجارت کو فروغ اور قریش کی تجارتی ناکہ بندی کی مصلحت کو بہت بڑا دخل تھا۔
ابن اسحاق نے اس غزوے سے پہلے غزوۃ ذات الرقاع کا ذکر کیا ہے، لیکن واقعہ کی ترتیب
کے بموجب غزوۃ ذات الرقاع بدر موعِد سے بعد کا واقعہ ہے، اور یہی خیال درست ہے، ابن اسحاق نے
بدر موعِد کی تاریخ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

”بعد ازاں رسول اللہ شعبان کے مہینے میں ابوسفیان کے وعدے کے بموجب نکلے“ ۱۷

ابن حبیب نے زیادہ صراحت کے ساتھ، دن اور تاریخ بھی بیان کی ہے:

”اور پچھلے دن مستقل شعبان کو نکلے، اور چہرہ رجب کے دن ۲۰ کو واپس تشریف لائے“ ۱۸

اس کے مقابلے میں واقعہ اور ابن سعد کا بیان بالکل جدا ہے، طہقات میں ہے:

”رسول اللہ نے بدر موعِد کے لئے لشکر کشی فرمائی، اور یہ بدر قتال سے جدا گانہ غزوہ ہے،
اور یہ ہلال ذیقعدہ (یکم ذیقعدہ) کا واقعہ ہے“ ۱۹

گویا بجز چاند کی پہلی تاریخ کے ابن اسحاق اور واقعہ کے مکاتیب میں کوئی مشترک تاریخی تصور نہیں،

لیکن حقیقت یہ ہے، کہ اس غزوہ کی بھی دو ابتدائی دستاویزی انگ الگ الگ محسوس ہوتی ہیں، جن میں سے
ایک مکی تقویم کے بموجب تھی، اور دوسری مدنی کے!

میری سسٹم کی جدول تقویم میں مکی شعبان کا متبادل مدنی مہینہ ذیقعدہ ہے، جس سے اس خیال کی

۱۷ ابن ہشام ۳/۲۲۰ - طبری ۳/۲۱۱ - ابن ہشام ۳/۲۱۳، ۱۸ واقعہ /

ابن سعد ۲/۲۳۰، مسعودی التنبیہ / ۲۳۷-۲۳۸،

۱۹ ابن ہشام ۳/۲۲۰، نیز دیکھئے طبری ۳/۲۱۱، ابن سید بن س / ۵۳ -

۱۸ ابن حبیب ۱۱۳، ۱۹ ابن سعد ۲/۳۶ - نیز دیکھئے واقعہ /

تصدیق ہوتی ہے، اور نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ دونوں دستاویزی الگ، الگ ریکارڈ کی گئی تھیں، یہاں یہ بات خاص طور پر قابلِ لحاظ ہے کہ دونوں دستاویزوں میں تاریخِ روانگی چاند کی پہلی تاریخ بیان کی گئی ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں، کہ ایک راوی کے نزدیک یہ واقعہ یکم شعبان کا تھا، تو دوسرے کی نظر میں یکم ذیقعدہ کا،

ابن حبیب نے اس غزوے کی تاریخِ روانگی پچھلے شنبہ مستہل شعبان اور واپسی کی تاریخ چار شنبہ ۲۰ شعبان بیان کی ہے، دستِ سفید کی ہجری تقویم کے مطابق ہمال ذیقعدہ سنہ کی رویت ٹھیک پچھلے کو ہوئی تھی، جو روایت کے عین مطابق ہے۔

۶۱۵ھ

مکی	جولین	ہجری	
۱۔ غزوہ ذات لرقاع محرم ہجرات واقفی	۲۸ ستمبر ۶۱۵ یکشنبہ	جمادیٰ ۱	۱۔ غزوہ ذات لرقاع ہجرات روایت میں آگئی ۱۰ جمادی الاولیٰ ہجرات ابن حبیب
صفر	۲۸ اکتوبر یکشنبہ	جمادیٰ ۲	۱۔ چاند گرہن -
ربیع ۱	۲۶ نومبر چهار شنبہ	رجب	۸
۲ ربیع	۲۶ دسمبر جمعہ	شعبان	۳۔ غزوہ بنو مصطلق، معہ یحییٰ بن ہجرات ابن حبیب، ہجرات مسعود بن اور قسطلانی ۲ شعبان -
جمادیٰ ۱	۲۴ جنوری ۶۱۶ یکشنبہ	رمضان	۴۔ بنو قریظہ کی دستاویز تاریخ اور بنو غلطہ
جمادیٰ ۲	۲۴ فروری دو شنبہ	شوال	۵۔ غزوہ خندق - پنجشنبہ ۱۰ شوال (ابن حبیب)
رجب	۲۴ مارچ یکشنبہ	ذیقعدہ	۶۔ غزوہ بنو قریظہ ۲۵ دن محاصرہ

۴ - جو قریفہ سے واپسی دوسرے ۲۲ دھج ۱۱ صبت	۲۳ اپریل پنجشنبہ	شعبان
۲ - پہلی مقرر کی فصل دستاویز ۳ مارچ اور دن غلط	۲۳ مئی شنبہ	رمضان
	۲۲ جون دوشنبہ	شوال
	۲۱ جولائی شنبہ	ذیقعدہ
	۲۰ اگست پنجشنبہ	ذوالحجہ

۶۵

اس سنہ کے مندرجہ ذیل واقعات سے بحث کی گئی ہے :

- ۱ - غزوہ ذات الرقاع : اس پر پوری بحث برہان میں شائع ہو رہی ہے۔
- ۲ - چاند گرہن ۱۰ھ : مؤرخین میں کہتے ہیں کہ جمادی الاخریٰ ۱۰ھ میں مدینے کے اندر ایک چاند گرہن دیکھا گیا تھا، از روئے حساب ۹ نومبر ۱۰ھ کو ایک چاند گرہن ہوا تھا جو صدفی جمادی الاخریٰ سے مطابق ہوتا ہے۔

- ۳ - غزوہ بنو مصطلق : اس غزوے کے متعلق حوا میں اختلاف ہے کہ یہ ۱۰ھ کا واقعہ ہے یا ۱۱ھ کا، حضرت عائشہؓ کی ایک روایت سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ غزوہ خندق سے پہلے کا واقعہ تھا، اس کی زنج ہفتہ کیم تعصبات (روایت من حبیب) در روایت مسعودی ۳، معرب میں مذکور ہے۔

ہفتہ ۲، معرب ۱۰ھ سے ۱۱ھ تک عیال میں ہوتا ہے

- ۴ - پہلی مقرر کی فصل دستاویز : دوسرے ۲۲ دھج ۱۱ صبت

یہ سن ۱۰ھ و ۱۱ھ کا ہے جو ۱۱ھ سے ۱۲ھ تک

تحریر ہے، یہ تاریخ نہ کی تقویم پر پوری اترتی ہے نہ مدنی پر۔

۵-۶۔ غزوہ خندق و بنو قریظہ : ان واقعات کی صحیح تاریخیں محفوظ نہیں اور اندازہ

ہوتا ہے کہ ابتدائی دستاویزوں میں ان کی کتابت غیر واضح تھی، کتاب میں ان پر پوری بحث ہے، نیز لا حظمہ فرمائیے برہان ستمبر ۱۹۶۴ء۔

غزوہ ذات الرقاع

محرم ۱۰ھ = جمادی الاولیٰ ۶۱۰ھ

قتل ابورافع سلام بن ابی حقیق کے ذیل میں گزر چکا ہے، کہ بنو نضیر نے مدینے سے نکلنے کے بعد گویا بیڑا اٹھایا تھا کہ اسلحہ کی تحریک کا کلبہ استعمال کر دیا جائے گا، چنانچہ انھیں کی کوششوں کا نتیجہ تھا، کہ اواخر ۱۰ھ میں خیبر اور مدینے کے قرب و جوار کے قبائل متحد ہونا شروع ہوئے اور قریشی جو سیاسی اعتبار سے بستر مرگ پر تھکے تھے، یہودی مسیحائی سے پھر زندہ ہونے لگے، جس کے نتیجے میں ۱۰ھ کا وہ مشہور معرکہ ہوا، جو غزوہ خندق کے نام سے مشہور ہے۔ لیکن اسی ۱۰ھ میں جنگ خندق سے چند ماہ پہلے دو غزوے اور ہوئے تھے، یعنی غزوہ ذات الرقاع اور غزوہ بنو معصہ یعنی یا مُرِیسع، یہ بھی اسی یہودی تحریک کا نتیجہ معلوم ہوتے ہیں۔

غزوہ ذات الرقاع کے متعلق یہ صراحت ملتی ہے، کہ یہ اقدام بنو غطفان اور بنو غطفان کی دوسری شاخوں یعنی بنو محارب، بنو ثعلبہ اور بنو رعیہ کے خدات تھے، جو یہودیوں یا بنو نضیر کے بہترین دوست تھے اور خیبر کے باطل نسل رہتے تھے، خبر آئی تھی کہ یہ قبائل مدینے پر حملے کی تیاریاں کر رہے ہیں، جس پر پیغمبر اسلامؐ نے انھیں منتشر کر دینے کے لئے خود ان کے مساکن تک کو پکارا، ابن سعد کا بیان ہے، کہ ”سو آنحضرتؐ کے اصحاب نے اطلاع دی کہ بنو نمار اور ثعلبہ اپنے لئے جماعتیں فراہم

کر رہے ہیں..... سو آپؐ نکلے۔“

ابن حقیق نے اسی غزوے کا مہینہ جمادی الاولیٰ ۱۰ھ بیان کیا ہے، یعنی غزوہ بنو نضیر سے صرف

دیر ۱۰ ماہ بعد جیسا کہ عبارت ذیل سے پتہ چلتا ہے :

”بعد ازاں آنحضرتؐ مدینے میں غزوہ بنو نضیر کے بعد جو ربیع الاخریٰ اور جمادی الاولیٰ کے ابتدائی حصے کا واقعہ ہے، مقیم رہے، اس کے بعد نجد پر بنی محارب اور بنی ثعلبہ کے ارادے سے لشکر کشی فرمائی، جو غطفان کی شاخیں ہیں“ ۱۰

ابن جریر نے اس غزوے کی تاریخ اور دن زیادہ تفصیل سے متعین کیا ہے۔

”اور آنحضرتؐ دو شنبے کے دن ۱۰ اور جمادی الاولیٰ کو نکلے اور اسی مہینے میں چہار شنبے کے دن واپس تشریف لائے“ ۱۱

بخلاف اس کے واقعی اور ابن سعد نے اس کو محرم ۱۰ سنہ کا واقعہ قرار دیا ہے، جیسا کہ حقیقات میں ہے :

رسول اللہؐ ذات الرقاع پر لشکر کشی محرم میں ہوئی، اور آپؐ ہجرت کی اتالیقیں ۱۰ محرم کو نکلتے ۱۲
مواہب میں اس اختلاف کی صدائے بازگشت ملاحظہ ہو :

”اس امر میں اختلاف ہے، کہ یہ واقعہ کب کا ہے، بن اسحاق کے نزدیک ۲ ذی الحجہ کے بعد ۱۰ سنہ کے ربیع الآخر اور جمادی الاولیٰ کے کچھ حصے میں ہوا، اور ابن سعد اور ابن حبان کی رائے میں محرم ۱۰ سنہ کا واقعہ ہے“ ۱۳

اس ابتدائی اختلاف کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعض علماء نے اس کو غزوہ بنو نضیر ۱۰ سنہ سے بھی بعد میں جگہ دی :

”اور ابو معشر کا خیال ہے کہ یہ بنو قریظہ کے بعد کا واقعہ ہے“ ۱۴

نظاہر ہے کہ یہ جملہ اختلافات اس دستاویز میں اختلاف کا نتیجہ ہیں، جو سیرت کے ابتدائی مدونین کو ملی تھیں، چنانچہ ابن سعد اور ابن حبان کی روایت کے بموجب میری مرتبہ جدول میں مکی محرم کو دیکھتے تو اس کا

۱۰ سنہ بن ہشام ۳/۲۴۲ - نیز دیکھئے ابن سید اندلس ۲/۵۲ - ۱۰ سنہ بن جریر ۳/۱۱۳ - ۱۰ سنہ ابن سعد ۱/

۱۰ سنہ ابن جریر ۳/۱۱۳ - نیز دیکھئے مسعودی التنبیہ ۲/۲۴۸ - ۱۰ سنہ مسعودی ۱۳ - ۱۰ سنہ ابن جریر ۳/

ربیع ۲	۱۲ جمادی الثانی ۶۲۸ پنجشنبہ	رمضان	
۱۔ قتل خسرو پرویز۔ بروایت واقدی شعبہ ۱۰، ۱۱ جمادی	۱۳، ۱۴ فروری ۶۲۸ شنبہ	شوال	۱۔ قتل خسرو پرویز ۲۷ فروری ۶۲۸ یورپی تاریخ ۲۔ سریہ کز بن جابر فہری ان غنیمت۔ بروایت واقدی۔
۲۔ سریہ کز بن جابر فہری بروایت ابن اسحق	۱۳ مارچ یکشنبہ	ذیقعدہ	۳۔ غزوہ ہندیمیر، روانگی دوشنبہ یکم ذیقعدہ بروایت ابن سعد۔
ربیع	۱۲ اپریل شنبہ	ذوالحجہ	۴۔ سہارن دحبہ بن خلیفۃ الکلبی اپریل ۶۲۸ (یورپی تاریخ)
شعبان	۱۱ رمی چهارشنبہ	محرم	
رمضان	۱۰ جون جمعہ	صفر	
شوال	۹ جولائی شنبہ	ربیع ۱	
ذیقعدہ	۸ اگست دوشنبہ	ربیع ۲	
ذوالحجہ	۱۱ ستمبر شنبہ	جمادی ۱	غزوہ نو محبان بروایت ابن اسحق غزوہ ذی قرد

نوٹ :- پچیسے دو کسبہ سالوں میں ہند کے مہینہ خسرو میں بڑھائے گئے تھے، ان سالوں

میں خسرو مہینے کے ساتھ ہیں (دیکھئے مقالہ ص ۷۰)

۱۷۶

اس سنہ کے مندرجہ ذیل واقعات سے بحث کی گئی ہے:

- ۱-۲۔ قتل خسرو پرویز اور صلح حدیبیہ : جرہان میں پوری بحث ملاحظہ فرمائیے۔
- ۳۔ سریہ کرزین جابر فہری : اس وقت کی دو تقویمی کارفرمائی محسوس ہوتی ہے اس کی ایک تاریخ جمادی الاخری بیان کی جاتی ہے، دوسری شوال سنہ ۱۷۶ھ کے اندازہ ہوتا ہے کہ شوال سنہ مدنی کا اختتام جمادی الاخری مکی کی ابتدا کے مطابق تھا۔
- ۴۔ سفارت حبیبہ بنت خلیفۃ الکلبی : اس کی تاریخ یورپی مصنفین کے یہاں بھی محفوظ ہے، جو روایتی تاریخ سے مطابقت کرتی ہے۔

۵۔ غزوہ بنو نضیر : کتاب میں تفصیل بحث ہے۔

۶۔ غزوہ ذی قرد : " " " " " "

صلح حدیبیہ

جمادی دوم سنہ ۱۷۶ھ = ذیقعدہ ۱۷۵ھ

ہجرت کے بعد قریش در سدر من جنیں ہول نہیں، ان میں سنہ تک حملے کی پہل ہمیشہ قریش کے

ہتھ پڑی۔

مدینہ پر پہلا حملہ جمادی سنہ مدنی میں کرزین جابر نے کیا تھا۔ اس کے بعد ذی قعدہ سنہ ۱۷۶ھ میں خود ہر سفیان نے مدینہ پر لشکر کشی کی، جس کو غزوہ سویق کہتے ہیں، پھر سنہ ۱۷۷ھ میں معرکہ احد ہوا، جس میں بظاہر مسلمانوں کو شکست ہوئی، اس کے بعد سنہ ۱۷۸ھ میں بوسفیان کے چیلنج کی بنا پر تیس برس بعد کا غزوہ ہوا۔ سنہ ۱۷۹ھ میں قریش کے سب سے بڑے حملے کو خندق کے ذریعہ روکا گیا، جس میں قریش دران کے اتحادیوں کی پوری طاقت نے کام کیا تھا، لیکن کامیابی نہ ہونے کی وجہ سے ہمیشہ پست ہو کر رہ گئیں۔ خود اعتمادی، درسا کھ ختم ہو جائے تو پھر کچھ نہیں ہوتا۔ یہاں پہلے بغیر سدا نے اسی دفت میں گولی فرمائی تھی، کہ قریش کا یہ آخری حملہ تھا جو ہو چکا۔

اب ہر قسم کی پہل مسلمانوں کے ہاتھ میں تھی، چنانچہ سترہ کے موسم بہار میں یہ فیصلہ کیا گیا، کہ قبلہ اسلام یعنی کعبے کی زیارت کی جائے، جو ہنوز مشرکین کے تصرف میں تھا، یہ اقدام ظاہر ہے کہ جتنی سیاسی مصالح پر مبنی تھا، اس سے کہیں زیادہ جہارت مندانہ تھا، اس لئے کہ عین اس زمانے میں جبکہ کعبے کے اندر پورے عرب کے مشرکین کا اجتماع ہوتا تھا، مٹھی بھر مسلمانوں کی حیثیت ہی کیا تھی؟

قریش کو جب آنحضرتؐ کی آمد کا علم ہوا، تو چراغ پا ہو گئے، بے دین مسلمانوں کو حج بیت اللہ کی اجازت انکے سیاسی مفاد کے خلاف تھی، اور اگرچہ ایام حج اور ایام عمرہ میں وہ رواج اور دستور کے مطابق کسی کو زیارت بیت اللہ سے روکنے کا حق نہ رکھتے تھے۔ لیکن تاریخ بتاتی ہے کہ مسلمانوں کو روکنے کے لئے مضبوط فوجی دستے نفر رکھے گئے، جنہوں نے شاہراہیں بند کر دیں، یہی وجہ تھی کہ آنحضرتؐ نے عام راستہ ترک کر کے صُدیبہ کا راستہ اختیار کیا۔
اور اعلان کر دیا کہ مسلمانوں کی غرض جنگ نہیں بلکہ محف عمرہ ہے۔ ساتھ ہی حضرت عثمانؓ کو کعبے بھیجا، تاکہ وہ اکابر قریش کو ہر طرح مطمئن کر دیں۔

مگر اس کا کوئی مفید نتیجہ نہ نکلا، اور قریش اپنی ہٹ پر اڑے رہے، دریں اثنا یہ خبر رُنگی، کہ حضرت عثمانؓ کو اہل مکہ نے قتل کر ڈالا، جس کو سن کر رسول اللہؐ نے مکے پر حملے کا ارادہ کر لیا، اور وہ مشہور ہجرت مینا شروع کی جس کو تاریخ کی زبان میں "ہجرت رضوان" کہا جاتا ہے۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت کی خبر اگرچہ غلط تھی، تاہم اس ہجرت سے بڑے دُور رس نتائج نکلے، اور قریش ایک ایسی صلح پر مجبور ہو گئے، جس کی اُمید نہ تھی۔

بیان کیا جاتا ہے کہ گفت و شنید کے بعد ایک صلح نامہ مرتب ہوا، جس میں فریقین نے دس سال تک ایک دوسرے پر حملہ نہ کرنے کی گارنٹی دی، عمرے کے متعلق یہ طے ہوا کہ سالِ تہجد انھیں ایام میں مسجد ن زیارت بیت اللہ کے لئے آسکیں گے۔ اور صرف تین دن میں مناسک ادا کر کے واپس چلے جائیں گے، حدودِ حرم میں اسلحہ لانے کی اجازت نہ ہوگی، ان شرائط کے ساتھ بعض دوسری شرطیں بھی تھیں، جن میں سب سے اہم

۱۔ MARGOLIOUTH - RISE P 345 - ۲۔ طبری ۳ - ۳۵۵ - ۳۵۶ - ۳۵۷ - ۳۵۸ - ۳۵۹ - ۳۶۰ - ۳۶۱ - ۳۶۲ - ۳۶۳ - ۳۶۴ - ۳۶۵ - ۳۶۶ - ۳۶۷ - ۳۶۸ - ۳۶۹ - ۳۷۰ - ۳۷۱ - ۳۷۲ - ۳۷۳ - ۳۷۴ - ۳۷۵ - ۳۷۶ - ۳۷۷ - ۳۷۸ - ۳۷۹ - ۳۸۰ - ۳۸۱ - ۳۸۲ - ۳۸۳ - ۳۸۴ - ۳۸۵ - ۳۸۶ - ۳۸۷ - ۳۸۸ - ۳۸۹ - ۳۹۰ - ۳۹۱ - ۳۹۲ - ۳۹۳ - ۳۹۴ - ۳۹۵ - ۳۹۶ - ۳۹۷ - ۳۹۸ - ۳۹۹ - ۴۰۰ - ۴۰۱ - ۴۰۲ - ۴۰۳ - ۴۰۴ - ۴۰۵ - ۴۰۶ - ۴۰۷ - ۴۰۸ - ۴۰۹ - ۴۱۰ - ۴۱۱ - ۴۱۲ - ۴۱۳ - ۴۱۴ - ۴۱۵ - ۴۱۶ - ۴۱۷ - ۴۱۸ - ۴۱۹ - ۴۲۰ - ۴۲۱ - ۴۲۲ - ۴۲۳ - ۴۲۴ - ۴۲۵ - ۴۲۶ - ۴۲۷ - ۴۲۸ - ۴۲۹ - ۴۳۰ - ۴۳۱ - ۴۳۲ - ۴۳۳ - ۴۳۴ - ۴۳۵ - ۴۳۶ - ۴۳۷ - ۴۳۸ - ۴۳۹ - ۴۴۰ - ۴۴۱ - ۴۴۲ - ۴۴۳ - ۴۴۴ - ۴۴۵ - ۴۴۶ - ۴۴۷ - ۴۴۸ - ۴۴۹ - ۴۵۰ - ۴۵۱ - ۴۵۲ - ۴۵۳ - ۴۵۴ - ۴۵۵ - ۴۵۶ - ۴۵۷ - ۴۵۸ - ۴۵۹ - ۴۶۰ - ۴۶۱ - ۴۶۲ - ۴۶۳ - ۴۶۴ - ۴۶۵ - ۴۶۶ - ۴۶۷ - ۴۶۸ - ۴۶۹ - ۴۷۰ - ۴۷۱ - ۴۷۲ - ۴۷۳ - ۴۷۴ - ۴۷۵ - ۴۷۶ - ۴۷۷ - ۴۷۸ - ۴۷۹ - ۴۸۰ - ۴۸۱ - ۴۸۲ - ۴۸۳ - ۴۸۴ - ۴۸۵ - ۴۸۶ - ۴۸۷ - ۴۸۸ - ۴۸۹ - ۴۹۰ - ۴۹۱ - ۴۹۲ - ۴۹۳ - ۴۹۴ - ۴۹۵ - ۴۹۶ - ۴۹۷ - ۴۹۸ - ۴۹۹ - ۵۰۰ - ۵۰۱ - ۵۰۲ - ۵۰۳ - ۵۰۴ - ۵۰۵ - ۵۰۶ - ۵۰۷ - ۵۰۸ - ۵۰۹ - ۵۱۰ - ۵۱۱ - ۵۱۲ - ۵۱۳ - ۵۱۴ - ۵۱۵ - ۵۱۶ - ۵۱۷ - ۵۱۸ - ۵۱۹ - ۵۲۰ - ۵۲۱ - ۵۲۲ - ۵۲۳ - ۵۲۴ - ۵۲۵ - ۵۲۶ - ۵۲۷ - ۵۲۸ - ۵۲۹ - ۵۳۰ - ۵۳۱ - ۵۳۲ - ۵۳۳ - ۵۳۴ - ۵۳۵ - ۵۳۶ - ۵۳۷ - ۵۳۸ - ۵۳۹ - ۵۴۰ - ۵۴۱ - ۵۴۲ - ۵۴۳ - ۵۴۴ - ۵۴۵ - ۵۴۶ - ۵۴۷ - ۵۴۸ - ۵۴۹ - ۵۵۰ - ۵۵۱ - ۵۵۲ - ۵۵۳ - ۵۵۴ - ۵۵۵ - ۵۵۶ - ۵۵۷ - ۵۵۸ - ۵۵۹ - ۵۶۰ - ۵۶۱ - ۵۶۲ - ۵۶۳ - ۵۶۴ - ۵۶۵ - ۵۶۶ - ۵۶۷ - ۵۶۸ - ۵۶۹ - ۵۷۰ - ۵۷۱ - ۵۷۲ - ۵۷۳ - ۵۷۴ - ۵۷۵ - ۵۷۶ - ۵۷۷ - ۵۷۸ - ۵۷۹ - ۵۸۰ - ۵۸۱ - ۵۸۲ - ۵۸۳ - ۵۸۴ - ۵۸۵ - ۵۸۶ - ۵۸۷ - ۵۸۸ - ۵۸۹ - ۵۹۰ - ۵۹۱ - ۵۹۲ - ۵۹۳ - ۵۹۴ - ۵۹۵ - ۵۹۶ - ۵۹۷ - ۵۹۸ - ۵۹۹ - ۶۰۰ - ۶۰۱ - ۶۰۲ - ۶۰۳ - ۶۰۴ - ۶۰۵ - ۶۰۶ - ۶۰۷ - ۶۰۸ - ۶۰۹ - ۶۱۰ - ۶۱۱ - ۶۱۲ - ۶۱۳ - ۶۱۴ - ۶۱۵ - ۶۱۶ - ۶۱۷ - ۶۱۸ - ۶۱۹ - ۶۲۰ - ۶۲۱ - ۶۲۲ - ۶۲۳ - ۶۲۴ - ۶۲۵ - ۶۲۶ - ۶۲۷ - ۶۲۸ - ۶۲۹ - ۶۳۰ - ۶۳۱ - ۶۳۲ - ۶۳۳ - ۶۳۴ - ۶۳۵ - ۶۳۶ - ۶۳۷ - ۶۳۸ - ۶۳۹ - ۶۴۰ - ۶۴۱ - ۶۴۲ - ۶۴۳ - ۶۴۴ - ۶۴۵ - ۶۴۶ - ۶۴۷ - ۶۴۸ - ۶۴۹ - ۶۵۰ - ۶۵۱ - ۶۵۲ - ۶۵۳ - ۶۵۴ - ۶۵۵ - ۶۵۶ - ۶۵۷ - ۶۵۸ - ۶۵۹ - ۶۶۰ - ۶۶۱ - ۶۶۲ - ۶۶۳ - ۶۶۴ - ۶۶۵ - ۶۶۶ - ۶۶۷ - ۶۶۸ - ۶۶۹ - ۶۷۰ - ۶۷۱ - ۶۷۲ - ۶۷۳ - ۶۷۴ - ۶۷۵ - ۶۷۶ - ۶۷۷ - ۶۷۸ - ۶۷۹ - ۶۸۰ - ۶۸۱ - ۶۸۲ - ۶۸۳ - ۶۸۴ - ۶۸۵ - ۶۸۶ - ۶۸۷ - ۶۸۸ - ۶۸۹ - ۶۹۰ - ۶۹۱ - ۶۹۲ - ۶۹۳ - ۶۹۴ - ۶۹۵ - ۶۹۶ - ۶۹۷ - ۶۹۸ - ۶۹۹ - ۷۰۰ - ۷۰۱ - ۷۰۲ - ۷۰۳ - ۷۰۴ - ۷۰۵ - ۷۰۶ - ۷۰۷ - ۷۰۸ - ۷۰۹ - ۷۱۰ - ۷۱۱ - ۷۱۲ - ۷۱۳ - ۷۱۴ - ۷۱۵ - ۷۱۶ - ۷۱۷ - ۷۱۸ - ۷۱۹ - ۷۲۰ - ۷۲۱ - ۷۲۲ - ۷۲۳ - ۷۲۴ - ۷۲۵ - ۷۲۶ - ۷۲۷ - ۷۲۸ - ۷۲۹ - ۷۳۰ - ۷۳۱ - ۷۳۲ - ۷۳۳ - ۷۳۴ - ۷۳۵ - ۷۳۶ - ۷۳۷ - ۷۳۸ - ۷۳۹ - ۷۴۰ - ۷۴۱ - ۷۴۲ - ۷۴۳ - ۷۴۴ - ۷۴۵ - ۷۴۶ - ۷۴۷ - ۷۴۸ - ۷۴۹ - ۷۵۰ - ۷۵۱ - ۷۵۲ - ۷۵۳ - ۷۵۴ - ۷۵۵ - ۷۵۶ - ۷۵۷ - ۷۵۸ - ۷۵۹ - ۷۶۰ - ۷۶۱ - ۷۶۲ - ۷۶۳ - ۷۶۴ - ۷۶۵ - ۷۶۶ - ۷۶۷ - ۷۶۸ - ۷۶۹ - ۷۷۰ - ۷۷۱ - ۷۷۲ - ۷۷۳ - ۷۷۴ - ۷۷۵ - ۷۷۶ - ۷۷۷ - ۷۷۸ - ۷۷۹ - ۷۸۰ - ۷۸۱ - ۷۸۲ - ۷۸۳ - ۷۸۴ - ۷۸۵ - ۷۸۶ - ۷۸۷ - ۷۸۸ - ۷۸۹ - ۷۹۰ - ۷۹۱ - ۷۹۲ - ۷۹۳ - ۷۹۴ - ۷۹۵ - ۷۹۶ - ۷۹۷ - ۷۹۸ - ۷۹۹ - ۸۰۰ - ۸۰۱ - ۸۰۲ - ۸۰۳ - ۸۰۴ - ۸۰۵ - ۸۰۶ - ۸۰۷ - ۸۰۸ - ۸۰۹ - ۸۱۰ - ۸۱۱ - ۸۱۲ - ۸۱۳ - ۸۱۴ - ۸۱۵ - ۸۱۶ - ۸۱۷ - ۸۱۸ - ۸۱۹ - ۸۲۰ - ۸۲۱ - ۸۲۲ - ۸۲۳ - ۸۲۴ - ۸۲۵ - ۸۲۶ - ۸۲۷ - ۸۲۸ - ۸۲۹ - ۸۳۰ - ۸۳۱ - ۸۳۲ - ۸۳۳ - ۸۳۴ - ۸۳۵ - ۸۳۶ - ۸۳۷ - ۸۳۸ - ۸۳۹ - ۸۴۰ - ۸۴۱ - ۸۴۲ - ۸۴۳ - ۸۴۴ - ۸۴۵ - ۸۴۶ - ۸۴۷ - ۸۴۸ - ۸۴۹ - ۸۵۰ - ۸۵۱ - ۸۵۲ - ۸۵۳ - ۸۵۴ - ۸۵۵ - ۸۵۶ - ۸۵۷ - ۸۵۸ - ۸۵۹ - ۸۶۰ - ۸۶۱ - ۸۶۲ - ۸۶۳ - ۸۶۴ - ۸۶۵ - ۸۶۶ - ۸۶۷ - ۸۶۸ - ۸۶۹ - ۸۷۰ - ۸۷۱ - ۸۷۲ - ۸۷۳ - ۸۷۴ - ۸۷۵ - ۸۷۶ - ۸۷۷ - ۸۷۸ - ۸۷۹ - ۸۸۰ - ۸۸۱ - ۸۸۲ - ۸۸۳ - ۸۸۴ - ۸۸۵ - ۸۸۶ - ۸۸۷ - ۸۸۸ - ۸۸۹ - ۸۹۰ - ۸۹۱ - ۸۹۲ - ۸۹۳ - ۸۹۴ - ۸۹۵ - ۸۹۶ - ۸۹۷ - ۸۹۸ - ۸۹۹ - ۹۰۰ - ۹۰۱ - ۹۰۲ - ۹۰۳ - ۹۰۴ - ۹۰۵ - ۹۰۶ - ۹۰۷ - ۹۰۸ - ۹۰۹ - ۹۱۰ - ۹۱۱ - ۹۱۲ - ۹۱۳ - ۹۱۴ - ۹۱۵ - ۹۱۶ - ۹۱۷ - ۹۱۸ - ۹۱۹ - ۹۲۰ - ۹۲۱ - ۹۲۲ - ۹۲۳ - ۹۲۴ - ۹۲۵ - ۹۲۶ - ۹۲۷ - ۹۲۸ - ۹۲۹ - ۹۳۰ - ۹۳۱ - ۹۳۲ - ۹۳۳ - ۹۳۴ - ۹۳۵ - ۹۳۶ - ۹۳۷ - ۹۳۸ - ۹۳۹ - ۹۴۰ - ۹۴۱ - ۹۴۲ - ۹۴۳ - ۹۴۴ - ۹۴۵ - ۹۴۶ - ۹۴۷ - ۹۴۸ - ۹۴۹ - ۹۵۰ - ۹۵۱ - ۹۵۲ - ۹۵۳ - ۹۵۴ - ۹۵۵ - ۹۵۶ - ۹۵۷ - ۹۵۸ - ۹۵۹ - ۹۶۰ - ۹۶۱ - ۹۶۲ - ۹۶۳ - ۹۶۴ - ۹۶۵ - ۹۶۶ - ۹۶۷ - ۹۶۸ - ۹۶۹ - ۹۷۰ - ۹۷۱ - ۹۷۲ - ۹۷۳ - ۹۷۴ - ۹۷۵ - ۹۷۶ - ۹۷۷ - ۹۷۸ - ۹۷۹ - ۹۸۰ - ۹۸۱ - ۹۸۲ - ۹۸۳ - ۹۸۴ - ۹۸۵ - ۹۸۶ - ۹۸۷ - ۹۸۸ - ۹۸۹ - ۹۹۰ - ۹۹۱ - ۹۹۲ - ۹۹۳ - ۹۹۴ - ۹۹۵ - ۹۹۶ - ۹۹۷ - ۹۹۸ - ۹۹۹ - ۱۰۰۰

شرط یہ تھی کہ قبائل عرب میں ہر قبیلے کو یہ اختیار ہوگا کہ خواہ وہ مسلمانوں کے وفاق میں داخل ہو، یہ قریش کے ساتھ رہے۔ جس کے کھٹے معنی یہ تھے، کہ فریقین کے جملہ معاہدہ قبائل کے حقوق بھی دیں ہوں گے جو اصل فریق کے تھے۔

ابن اسحق اور واقدی دونوں متفق ہیں، کہ آنحضرتؐ اس عمرے کے لئے ذیقعدہ سنہ میں غایم مکہ ہوئے تھے:

ابن اسحق کا بیان ہے کہ

”اور آنحضرتؐ ذیقعدہ میں عمرے کی نیت سے نکلے رات کا اردہ نہ تھا“
واقعی فرماتے ہیں:

”اس کے بعد آنحضرتؐ نے ذیقعدہ میں عمرہ حُدیبیہ فرمایا۔“

ابن سعد نے مدینے سے روانگی کا دن در تاریخ بھی متعین کیا ہے:

”اور آپؐ اس کے لئے دوشنبہ کے دن یکم ذیقعدہ کو روانہ ہوئے“

وسٹیفیڈ کی تنویم کے بموجب یکم ذیقعدہ کو کثرت سے ریت ہے، مگر یہ یک روزہ تفاوت کوئی اہمیت نہیں رکھتا، ابن حیب نے حکم ذیقعدہ کو بحسب ما روا ہے، جو از روئے حساب غلط ہے۔

محمد بن کوفی اس سے اتفاق ہے کہ یہ واقعہ ذیقعدہ میں واقع ہے، مگر محدثین و سیرت نگاروں کی اس ہم آہنگی کے باوجود کتب سیرت میں بعض روایات ایسی متی ہیں جن سے چند در چند تاریخی شکوک پیدا ہوتے ہیں۔

طبری نے ایرل قدیم کے ذیل میں حکمران کے حوالہ سے لکھا ہے:-

”سوال اللہ نے کسریٰ کو ہدک کیا، اور اس کی خبر رسول اللہؐ کے پاس حدیبیہ کے زمانے میں

پہنچی، تو خود آنحضرتؐ اور آپؐ کے بعد اس کا تعلق سرور ہونے لگا۔“

۱۵۰۰ ہجری ۱۰۰۰ قمری ۱۰۰۰ شمسی ۱۰۰۰ میلادی ۱۰۰۰

۱۵۰۰ ہجری ۱۰۰۰ قمری ۱۰۰۰ شمسی ۱۰۰۰ میلادی ۱۰۰۰

۱۵۰۰ ہجری ۱۰۰۰ قمری ۱۰۰۰ شمسی ۱۰۰۰ میلادی ۱۰۰۰

گو یا کسریٰ کا قتل اور صلح حدیبیہ ایک ہی زمانے کی باتیں تھیں، لیکن مؤرخین اسلام کے نزدیک کسریٰ کا قتل متفقہ طور پر جہادِ الاولیٰ کا قصہ ہے، ابن خلدون کا بیان ہے، کہ آنحضرتؐ کو اس قتل کی اطلاع بصراحتِ یوم و تاریخ فوراً بذریعہ وحی ہو گئی تھی،

”اور وحی آئی کہ اللہ نے کسریٰ پر اس کے بیٹے شیرویہ کو مستط کر دیا اور اس نے قتلِ رات اور

فلاں مہینے میں اس کو قتل کر ڈالا یعنی ۱۰ جمادی الثانی سنہ ۳ھ

واقعی نے اس سے بھی زیادہ صراحت کے ساتھ کسریٰ کے قتل کی تاریخ بیان کی ہے، فرماتے ہیں :-

”شیرویہ نے اپنے باپ کسریٰ کو سہ شنبے کی رات میں ۱۰ جمادی الاول سنہ کو قتل کیا، جبکہ

چھ گھنٹے گزر چکے تھے“

ان دونوں روایتوں میں سنہ تو بالبداهت مہوکت بہت معلوم ہوتا ہے، کیوں کہ جب اس قتل کی اطلاع

صلح حدیبیہ کے موقع پر سنہ میں آئے پہنچ گئی تھی، تو پھر سنہ کے کوئی معنی نہیں رہتا، البتہ جمادی الاول اور

ذیقعدہ میں جو فرق ہے، اس پر غور کرنا ضروری ہے،

گرد قحطی مسلمان سنیین کے یہاں کسریٰ کے قتل کی تاریخ فرضی نہیں اور یہ وقت جہادِ اولیٰ سنہ کا ہے

جیسا کہ واقعی ۱۰ تمہ منہ من بین انہما ہے، تو پھر صلح حدیبیہ اسی جہادِ اولیٰ میں یا اس کے متصل ہونا چاہیے۔

ورنہ یہ ماننا پڑے گا کہ یہ اطلاع تقریباً چھ ماہ بعد کے پہنچی تھی، اور صلح حدیبیہ در کسریٰ کا قتل ہم زمانہ واقعات

نہیں، حالانکہ تمام مؤرخین مددِ یہی تسلیم کرتے چلے رہے ہیں

یوسف نے در کسریٰ کا قتل بیان کیا ہے، کہ وہ جوپ کے ہمسایہ، یزید بن ابی مرہ سے میں شکست

ہوئی تھی، جس زمانے میں صلح حدیبیہ واقع ہوئی تھی، یہ خبر کے نقول میں اس شکست کی اطلاع

حدیبیہ پہنچی تو تمام مسلمانوں میں ایک مسرت کی لہر دوڑ گئی تھی

۳ھ میں حدود ۲۳۸ ۳۷۱ عری ۲۹۱ میں شروع ہوا اور ۳۷۱ میں ختم ہوا۔

حدیبیہ میں جہادِ اولیٰ میں صلح حدیبیہ سے پہلے صلح حدیبیہ سے پہلے

۳۷۱ عری ۲۹۱ میں شروع ہوا اور ۳۷۱ میں ختم ہوا۔ ۳۷۱ عری ۲۹۱ میں شروع ہوا اور ۳۷۱ میں ختم ہوا۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ علماءِ رمازِ پنج کے نزدیک یہ دونوں واقعات بالکل قریب العہد ہیں، اور ان میں چھ سات ماہ کا بعد نہیں، ان تاریخی شہادتوں کے پیش نظر ہمیں سلسلہ کی دو اتومی جدول کا امتحان لینا چاہئے کہ اس سلسلہ میں وہ کیا رہنمائی کر سکتی ہے؟

سلسلہ کی جدول سے اندازہ ہوتا ہے، کہ مکی جمادی الاول کا تیسرا دن تری مہینہ شوال سنہ ۱۰۲۷ کے بعد ذی قعدہ آتا ہے، یعنی وہی ذیقعدہ مدنی جس میں تمام سیرت نگاروں کے نزدیک صحیح حدیبیہ ہوئی تھی، اس طرح دونوں واقعات بالکل ہم عہد ہو جاتے ہیں، اور کسریٰ کا واقعہ قتل جو نیزا میں جمادی الاول کے مہینے میں ہوا تھا، اس کی طالع جمادی الاول کی کے داخل میں مکی پہنچنا بالکل قدرتی بات ہے۔

اس اتومی شہادت سے یہ نتیجہ نکلتا ہے، کہ کسریٰ کے قتل کی روایت مکی تفہیم کے بموجب ریکارڈ کی گئی کفنی اور صلح حدیبیہ کا ریکارڈ مدنی تفہیم کے مطابق چہا رہا ہے۔

من سب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں واقعہ کی بیان کردہ تاریخ قتل برہمی ایک نظر ڈال لی جائے، جو بعض مؤرخین کے سے باعث شک و موجب ہے۔ چلے گا کہ یہ اندازہ ہو سکے، کہ اس روایت کی بڑی کوئی تاریخی افادیت ہے یا نہیں؟

واقعہ کا بیان ہے، کہ یہ واقعہ شنبہ ۱۰ جمادی الاول کے ہے، ازروئے حساب مکی جمادی الاول کی پہلی تاریخ شنبہ ۱۳ فروری سنہ ۱۰۲۷ کے مطابق تھی، اس حساب سے ۱۰ جمادی ۱۰۲۷ کو دو شنبہ ۲۲ فروری سنہ ۱۰۲۷ ہجری، لیکن روایت میں چونکہ یہ شنبہ کی صراحت ہے، اس بنا پر یہ ماننا پڑے گا کہ روایت مذکورہ دنا بعد تسلیم کی گئی تھی، اور ۱۰ جمادی کو شنبہ اور فروری کی ۲۳ تاریخ تھی۔

یورپی مصنفین میں اختلاف ہے، کہ یہ واقعہ کس تاریخ کا ہے، گیبون (GIBBON) نے کسریٰ کی گرفتاری

۱۰۲۷ کے نزدیک واقعہ کی روایت مذکورہ ہے، جب یہ دو لکھتے ہیں، اور قادی کی یہ روایت ہے کہ قتل

۱۰ جمادی، دونوں کو ہوا صحیح بھی ان ذہن سے یہ متعدد ملی تیسریں ہیں، اور پھر دیکھتے ہیں کہ رٹ برنی

اور دومی درمیان سے متعلق ہے، اس سے یہ ذکر کرنا اس میں صرف سلسلہ

۱۰۲۷ E. GIBBON, DECLINE VOL III P 302, MAKGOLO, IN R ۹۰ 367

اور اس کے ساتھ ۱۸ شہزادگان کلبے درد اور قتل ۲۵ فروری ۱۹۲۸ء کا واقعہ ظاہر کیا ہے، اور ان کی رائے میں پانچویں دن کسری کو بھی قتل کر دیا گیا تھا، گویا ۲۹ فروری کو۔ ڈاکٹر تمیز شدہ نے خود قیصر کے ایک خط کی سند سے تاریخ قتل ۲۴ فروری ۱۹۲۸ء بیان کی ہے۔ اگر اس تاریخ کے ساتھ یہ روایت شامل کر دی جائے، کہ کسری کا قتل گرفتاری کے پانچویں دن ہوا تھا تو خسرو کی گرفتاری کا واقعہ ٹھیک ۲۳ فروری ۱۹۲۸ء کا تسلیم کرنا پڑے گا۔ جو واقعتاً کی روایت کے بموجب تاریخ قتل ہے، اور کہا جاسکتا ہے، کہ واقعی کے روادے گرفتاری اور قتل دونوں کو ایک ہی دن کا واقعہ سمجھا، اس طرح واقعی اور یونانی مصنفین کی تاریخوں میں ایک نہایت ہی قریبی تعلق ہوتا ہے۔ اور جو فرض رہتا ہے، وہ صرف ذرائع اطلاع کے اختلافات کا قدرتی نتیجہ قرار دیا جاسکتا ہے، بہر حال عربی روایات کو یونانی مستنبین کی روایات پر یہ نفوق حاصل ہے کہ ان میں اس واقعے کی تاریخ کے ساتھ دن بھی متعین کیا گیا ہے۔ جو تقویمی حساب سے صحیح آتا ہے، اور خوب ہوتا ہے کہ اتنے قدیم زمانے میں مسلمانوں کے ذرائع اطلاع کس درجہ صحیح تھے۔

ان مراحل سے گزرنے کے بعد ابھی ایک مسئلہ اور باقی ہے، جو ان سے بھی زیادہ اہم اور قابل غور ہے۔ تمام سیرت کی کتابوں میں یہ بات واضح کی گئی ہے، کہ حدیبیہ کا نعت آیا مہرج یا عمرہ سے تھا، اور اس مہینہ کو ادا کرے کے لئے قبائل بھوک درجوں کے میں جمع ہو رہے تھے، مسلمان بھی اسی غرض کے لئے وہاں پہنچنے چاہتے تھے، لیکن روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ واقعہ حدیبیہ مدنی ذیقعدہ میں پیش آیا جس کا ایام حج سے کوئی تعلق نہیں تھا، سوال پیدا ہوتا ہے، کہ مدنی ذیقعدہ میں قبائل عرب کا یہاں اجتماع کیسے؟ اس کا جواب بھی دو تقویمی جدولوں دے گی۔

چنانچہ اسے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمان مدنی ذیقعدہ کا تبادلہ مہینہ جمادی الثانی میں کر چکے تھے جس کے بعد جب کا مقدس مہینہ شروع ہوتا ہے، جو مکی تقویم کے بموجب عمرے یا حج، منسخر کہ مہینوں میں شمار ہوتا تھا۔

سے دیکھ کر یوں معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸ شہزادگان کی قتل ۱۹۲۸ء بیان کی ہے (دیکھ بکری ۲/۱۱)۔

مورف راسل راجاس دوم ۱۹۳۲ء صفحہ ۱۰ (انگریزی حصہ) کے طور پر ۱۵۰۔

ورایم جاہلیت میں اس مہینے میں بھی وہی ہی اجتماع اور یہی ہوتی تھی جیسی ذوالحجہ کے مقدس مہینے میں فرق صرف یہ تھا کہ رجب کے فریضے کو حج، صغریٰ عمرہ کہا جاتا تھا، اور ذوالحجہ کے فریضہ کو حج اکبر کہہ لیا جاتا تھا یعنی ذوالحجہ میں عربوں کے نزدیک عمرہ "قلو ممنوع" تھا، اور اس کو بڑا گناہ سمجھتے تھے، حتیٰ کہ سنہ تک منسوخ تقویم کے بعد بھی (حجۃ الوداع کے موقع پر) جب آنحضرتؐ نے حج کے ساتھ عمرے کا حکم دیا، تو خود مسجد منیٰ پر یہ بات گروں گدڑ کی تھی، اس لئے یہ بات دل قیاس نہیں، کوئی صریح ایام حج میں آپؐ نے عمرے کا حکم دیا ہو، بخیر و بد، مخصوص اس حالت میں کہ آپؐ بہ صلیح آئین اور پُر امن طریقے پر یہ امر اہم اور کرنا چاہتے تھے۔

روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ صدیقہ کے موقع پر عمرے ہی کے لئے تشریف لائے تھے، اور عمرے ہی کا احرام باندھا تھا، حج کی کوئی نیت نہ تھی، اس بات کی تصدیق مزید حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی مندرجہ ذیل روایت سے بھی ہوتی ہے۔

ابن عمرؓ سے روایت ہے، اس سے وہی ثابت کیا گیا، کہ آنحضرتؐ نے کتنے عمرے فرمائے؟
جواب دیا: "جہنم میں سے ایک رجب کے مہینے میں تھا (احمر کھنسی رجب سوال کرنے والا کہتا ہے کہ اس کے بعد میں نے حضرت عائشہؓ سے وہی فتنہ کیا، کہ تم مومنین کیا آپؐ نے نہیں سنا کہ ابو عبد الرحمن (عبداللہ بن عمرؓ) کیا کہتے ہیں؟ میں نے کہا وہ کہتے ہیں، کہ رسول اللہؐ نے جو عمرے کئے، ان میں ایک رجب میں تھا۔ وہ برس، کہ ابو عبد الرحمن یہ حذر کرے، آنحضرتؐ نے کوئی عمرہ بس نہیں کیا جس میں نہ وہ عبد اللہ موجود نہ ہوں، نہ آنحضرتؐ نے رجب میں کوئی عمرہ نہیں کیا" لکھ

عبداللہ بن عمرؓ کے سر بیان سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ ان کے نزدیک آنحضرتؐ نے کم از کم ایک عمرہ صحیحہ کا شہر رجبہ عن رجبہ الحرام جو رجب اکبر الشہر الحرام حرمہ فی الحرامہ
یہ حدیث عربیہ ۱۰۰۰ سے رجبہ آپؐ کا ذوالحجہ اب احمد بن حنبلہ نے شہر الحجۃ من الحجۃ الحرامہ
فی الارض "نحو ذوالحجہ" بردار کئے "فی سس" ۷۷۵ باب عمرہ لکھ بخاری حجۃ الوداع
لکھ کرد خیر ابو بکر ۱۰۰۰ - یزدی ۱۰۰۰ - ۱۰۰۰

عمرہ رجب میں کیا تھا، جس میں بقول حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی شریک تھے، اور ان کو شاہد یعنی کامرہ حاصل تھا،

جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے، روایات سے آنحضرت کے کل چار عمرے ثابت ہوتے ہیں، جن میں ایک تو یہ عمرہ حدیبیہ ہے، دوسرا عمرہ القضاء جو ٹھیک انیس ایام میں مکہ میں واقعہ تھا۔ تیسرا فتح مکہ کے بعد عمرہ جعرانہ کے نام سے مشہور ہے، جو تنفقہ طور پر ذیقعدہ کا واقعہ ہے، اور چوتھا عمرہ حجۃ الوداع کے ساتھ ادا فرمایا تھا۔ ظاہر ہے کہ ان چاروں عمروں میں دو عمرے یعنی عمرہ جعرانہ اور عمرہ حجۃ الوداع تو رجب میں ہو سکتے، اس سے یہ تو عمرہ حدیبیہ رجب میں ہوگا، یا عمرہ القضاء جس کے لئے آنحضرت حسب مواہد ٹھیک اُن ہی ایام میں عازم مکہ ہوئے تھے، جس میں عہد نامہ حدیبیہ ہوا تھا۔

میری رائے میں عمرہ حدیبیہ تو رجب شروع ہونے سے کچھ دن پہلے کا واقعہ ہے، لیکن عمرہ القضاء ٹھیک رجب میں ادا کیا گیا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جو اس کے رجب میں ہونے سے انکار کیا ہے، اس کی وجہ یہی تھی اور مدنی تقویم کا فرق معلوم ہوتا ہے، جس کو انھوں نے نظر انداز فرما دیا۔

نوٹ :- بعض علماء نے تاریخ کا بیان ہے کہ صلح حدیبیہ کے سال ایک سورج گرہن بھی ہوا تھا مگر افسوس ہے کہ اس کا صحیح مہینہ محفوظ نہیں، تاکہ اس روایت کی جانچ کی جاسکتی ہو۔ اتنا اندازہ ضرور ہوتا ہے کہ یہ گرہن شاید واقعہ حدیبیہ کے بعد ہوا تھا، لکن CUNNINGHAM نے ۱۰ اپریل ۱۶۲۸ء کو یک سورج گرہن کا بتہ دیا ہے۔ مگر معلوم نہیں کہ یہ حجاز میں نظر آسکتا تھا یا نہیں، علماء ہیئت غور فرمائیں۔

تصحیح

”گزشتہ شریعت، یعنی برہان (کتوبر ۱۹۳۳ء) کے صفحہ ۲۱ کی جدول میں پہلا ہی بندہ

۲۱ اکتوبر ۱۹۳۳ء غلطی سے ۲۰ اکتوبر ۱۹۳۳ء چھپا ہے۔

اسی طرح صفحہ ۲۱ میں نزودۃ ذات العشیرہ کے تحت ”جمادی اول۔ ص ۱۳۳۳ء مطابق کتب ۱۳۳۳ء“

غلطی سے ۱۳۳۵ء چھپ گیا ہے، درج ذیل تصحیح فرمائیں:

احکام شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت

از مولانا محمد تقی صاحب امینی، ناظم دینیات مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

معاشرہ کی حالت ہمیشہ یکس من ہمیشہ یکس رہتی ہے بلکہ اس میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے، یہ تبدیلی کبھی یکس نہیں رہتی ہے۔ معمول ہوتی ہے جو رات کے آثار چرچاؤ سے روئی رہتی ہے۔ درجہ بھی ہمہ گیر ہوتی ہے جو ایک دور کے بعد دوسرے دور کے آنے سے ظہور پذیر ہوتی ہے۔

پہلی صورت میں زیادہ کم و کدش کی ضرورت نہیں پڑتی ہے بلکہ چند احکام و مسائل کے موقع دہل میں تبدیلی سے کام چل جاتا ہے۔

لیکن دوسری صورت میں چند مسائل پر بات نہیں تم ہوتی ہے بلکہ اس کے لئے قانونی نظام کو نئے انداز میں ڈھالنے اور نئے قوانین وضع کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

معاشرے میں جب توانائی ہوتی ہے اور رہنماؤں میں صلاحیت کے ساتھ ذمہ داری کا احساس ہوتا ہے تو ترتیب و تدوین کا کام بڑی خوش سہولتی سے انجام پاتا ہے، لیکن جب معاشرہ کمزور و ناتوان ہوتا ہے، دھڑلہ باز رہنماؤں میں ہمیشہ بھڑکی قوم کی مخالفت کا شدید احساس نہیں ہوتا ہے یا ذاتی دگروسی اقتدار کے تحفظ کی زیادہ فکر ہوتی ہے تو مذکورہ کام میں بڑی حوصلہ شکنی ہوتی ہے، اور ایک عرصہ تک مستقل و مسلسل جدوجہد کے بغیر کام کی کوئی صورت نظر نہیں آتی ہے۔

مسلم قوم کے زوال نے ایک نئے دور کو جنم دیا ہے جس کے نظریات نے ایمان و اعتقاد کی بنیادیں ہلا دی ہیں، اور معاشرہ کی جدید سکیں نے مذہب و زندگی کے ہر شعبہ میں بے شمار

نئے مسائل پیدا کر دیئے ہیں۔

پہلے جو کام ایک گوشہ میں ہوا کرتا تھا اب اس کے لئے ایک وسیع دنیا وجود میں آگئی ہے، پہلے ایک فرد کی صلاحیت کافی ہوتی تھی اب تقسیم کار کے بغیر چارہ نہیں رہ گیا ہے، پہلے تجدیدِ دین کی بات ایک معاشرہ تک محدود تھی اب اس کا تعلق ایک "دور" سے ہو گیا ہے۔

ایسی حالت میں کسی ایک تنظیم و تحریک سے ملت کی تمام ضرورتوں کو وابستہ کرنا کس قدر نا تجربہ کاری ہے، اور خود تنظیم و تحریک کا ملت کے ہر گوشہ میں رہنمائی کا مدعی بننا کس قدر خود فیزی ہے؟

جو جس کا میدان ہے بس اسی تک اپنی جولانیوں کو محدود رکھے اگر کسی اور میدان میں دست درازی کا ارادہ ہو تو پہلے سے سبکدوشی کا اعلان کر دے ورنہ کام کسی میدان میں نہ ہوگا اور نام ہر ایک کی فہرست میں آجائے گا۔

قوم و ملت کو اپنے رہنماؤں سے یہی توقع رکھنی چاہیے کہ ان کے پیش نظر کام ہے محض نام نہیں ہے، مسلم قوم کی موجودہ حالت اس وقت مسلم قوم کا عیال ہے ایسے مریض کا ہے جس کے آثارِ صحت نمایاں ہیں لیکن کمزوری بدستور باقی ہے، جب کوئی مریض رو بہ موت ہوتا ہے تو صرف دو دس سے کام نہیں چلتا ہے بلکہ مفصل انداز میں غذا کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔

اگر اس کو غذا نہ پہنچائی گئی تو نفاہت کی وجہ سے مزاج میں چڑچڑاہٹ پیدا ہو جائے گا، اور پھر دوا پینے سے بھی انکار کر دے گا۔

در اگر خدا نخواستہ صد میں آ کر عیب کی بدایت کے خلاف خود ہی غذا استعمال کرنے لگا تو بد پرہیزی کی وجہ سے اس کی زندگی کا جو حشر ہو گا وہ لگ رہا سوچنے کی بات ہے کہ پھر عیب و تیمار دار کا کیا مصرت ہائی رہے گا؟ جب شناخت ہی پر دوسروں کا قصہ ہو جائے گا تو آتشِ مذہب کیسے برقرار رہے گا؟

جب وہ تو نا بھی تو اس کو جس وقت مسلم قوم قوی اور توانا تھی اس وقت نئی غذا کی ضرورت تھی اور نہ موجودہ غذا کی نئی غذا کی ضرورت تھی | کئے لئے نئے ڈبے اور پکیٹ درکار تھے بلکہ ملکی، در معاشرتی قوانین کا جو ذخیرہ موجود تھا۔ وہ وقت اور موسم کے لحاظ سے کافی تھا اور حسب ضرورت استعمال کرنے میں آزادی تھی،

پھر ایسے صورت سے دوچار ہوئی کہ اس کی زندگی کا سب کچھ ٹٹ گیا وہ بیمار ہوئی درجہ ری آخری ڈگری تک پہنچ گئی، لیکن چونکہ اس کی روح میں وحی الہی کی آواز سرایت تھی اس بہ پر جان بھی سننے میں کہ میاں ہو گئی۔ اس اثنا میں وہ سری ضعیف و ناتواں قوم اس کی زندگی کے روشن اورتا ایک پہلو سے روشنی ور عبرت حاصل کر کے قوی و توانا ہو گئی، اُس نے زمانہ کا رخ موڑا اور ایک نئے دور کا آغاز کیا۔

اب جبکہ مسلم قوم نے رو بھرت ہو کر زندگی میں دوبارہ قدم رکھنا چاہا تو وہ دور ختم ہو چکا ہے جس کا آغاز خود اس نے کیا تھا، دورہ دنیا لٹ چکی ہے جس کو اپنے ہاتھوں بن یا اور سب یا تھا۔

بگھلا دور ہی مشکل میں | قانونِ فطرت کے مطابق کرنی "دور" اس طرح نہیں ختم ہوتا ہے کہ وہ دوبارہ اپنی شکل پھر وہیں نہیں آئے | میں و پس آئے، اور کوئی دنیا اس سے نہیں ملتی ہے کہ وہ اپنی حالت پر پھر آباد کی جائے، یہ دنیا نام کون، نسب دے یہاں ہر بگاڑ کے ساتھ بناؤ اور ہر تزیین کے ساتھ تعمیر ہے، خود فطرت ہر گوشہ میں کاٹ چھانٹ کرتی ہے، در خوب سے خوب تر شی کو فٹ کرتی ہے، جب کوئی شے ایک جگہ فٹ ہوئی تو کتر شے کے سے وہ جگہ نہ چھوڑے گی مگر قبضہ کے لئے اس سے بند و برتر شے کا ہونا ضروری ہے۔

اس بنا پر یہ واقعہ منقول ہے کہ سابق دور واپس آئے گا اور اس کے موثرہ میں ملکی و معاشی قانون علیٰ حالہ نافذ ہوں گے۔ سابق قدرت مراد اس کی قدرت ہے نہ کہ معنوی و روحانی خصوصیت کہ جس کی وہی سی ہے (فدح عالم کا انداز ہے)

دور کا خیر کئے معر | جس نئی دنیا میں اس سے قدم رکھتا ہے اس میں رہنا اور چلنا ہے (سر کے سر کے) | جو وہیں ہے، اس کے حسبِ حالت و وسائل کو سمجھ ضروری ہے، در تقاضوں و مسائل ہوں گے، مگر یہ ہے۔ مسور، مصدق و درخشندہ، اس کی بہت سی شاخیں درجہ ہو چکی ہیں، معاشی، سیکموں اور زندگی بخو پیزوں کو یک نیا رنگ ہوا ہے صنعت و حرفت کی وسیع پیمانہ پر تنظیم ہو گئی ہے درجہ برت وغیرہ کی نئے انداز میں تشکیل ہو چکی ہے۔

درجہ برت و ضرورت پر مبنی ختم ہونی ہے بلکہ حسبِ منفعہ اور دفعِ مضر کا سوال ہے اور

درجہ برت کے لئے درجہ برت کے موجودہ معاشی و معاشی کے لئے کام ہو رہا ہے۔

ملکی و معاشرتی قوانین میں | ادھر ہمارے ملکی و معاشرتی قوانین میں بعض ایسے ہیں جن کا دور ختم ہو چکا ہے اور بعض
فساد اور تبدیلی کی ضرورت ہے | ایسے ہیں جن کی دنیا لٹ چکی ہے اور بہت سے وہ ہیں جن کے لئے نیا قالب تیار
کئے بغیر چارہ نہیں ہے،

نیز موجودہ دور کے بہت سے قوانین اپنے ذخیرہ میں شامل ہونے کے لائق ہیں اور بہت سے معاملات
کے نئے نئے قوانین وضع کرنے کی ضرورت ہے۔

قانون کی ترتیب و تنظیم کا یہ کام اگر معاشرتی تبدیلی کے آثار چڑھائے سے متعلق ہوتا تو زیادہ کد کاوش
کی ضرورت نہ تھی، چند احکام و مسائل کے موقع و محل میں تبدیلی سے کام چل جاتا اور اس کے ذریعہ وقت کی
ضرورتیں پوری ہوتی رہتیں جیسا کہ تاریخ میں اس کی نظیریں موجود ہیں۔

لیکن اس وقت کا کام مستقل دور کی تبدیلی سے متعلق ہے اس بنا پر چند مسائل کے اُلٹ پھیر سے بات
نہ بنے گی بلکہ فردعی نظام میں ترمیم و تنسیخ اور اضافہ کے ساتھ اس کو جدید انداز میں ڈھانا ہے۔ اور اصول
نظام کی حفاظت کے ساتھ اس کو نئی ترتیب و تنظیم کا جامہ پہنانا ہے، ظاہر ہے یہ کام مستقل اور مسلسل
جدوجہد کے بغیر نہیں انجام پاسکتا ہے۔

میں شرع شریعت سازی کی بنیاد ہے | ”معاشرہ“ شریعت سازی کی بنیاد ہے اور احوال و مصالح عمارت
تعمیر کرنے کے سامان، جب معاشرہ میں تبدیلی ہوگی تو لازمی طور سے احکام شرعیہ کی شکل و صورت بدلے گی۔
اور جب احوال و مصالح باقی نہ رہیں گے تو ان سے بنی ہوئی عمارت بھی ختم ہو جائے گی۔

ہدایت الہی نے ہمیشہ ”شرائع“ کے نزول میں بنیاد و سامان دونوں کا یہ نظریہ ہے اور اسی وجہ
سے شرائع و مذاہب کے اختلاف کو برقرار رکھا ہے۔

جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اگر کسی زمانہ میں ان کا لحاظ نہ کیا گیا تو شریعت اور معاشرہ کا رشتہ
منقطع ہو جائے گا، پھر شریعت زندگی سے کنارہ کشی پر مجبور ہوگی اور اس کی چاکری میں مشغول رہے گی۔

ہدایت کے بنیادی قواعد میں | جب تک نزولِ شرائع کا سلسلہ جاری رہا ہدایت نے صرف زمانہ نزول
نئے حوال و نظروں کی جگہ موجودہ کے معاشرہ کو اپنا مطلع نظر بنایا اور جب یہ سلسلہ بند ہوا تو ہدایت کے بنیادی

تو اعد میں تمام ان نئے احوال و ظروف کو بھی جگہ دی گئی جو بعد میں ظہور پذیر ہوتے وائے تھے، چنانچہ نزولِ ہدایت کے وقت عرب کا معاشرہ سادہ تھا، عقلی روشنگری اور تمدنی سچ و سچ کو اس میں دخل نہ تھا، سادہ ذہن کے مطابق احکام شرعیہ نہایت سادگی کے ساتھ عرب کے جسم و بدن پر فٹ گئے۔

لیکن جب فنونِ کثرت برقی اور یزانی، رومی، کلدانی، حبشی، قبیلی، ترکستانی اور سندھی قومیں اسلام کے حلقہ جوش ہوئیں، یا زیرِ قندار آئیں وہ اپنا مخصوص معاشرہ اور تمدن ساتھ لائیں۔ ان کے عادات و معاملات مختلف تھے، معاشی و سیاسی نظام میں تفاوت تھا، کہیں ایرانی تہذیب و قانون کو ذیل تھا تو کہیں رومی تمدن و قانون کا اثر۔ غرض سبھیوں کے اختلاط سے ایک عجیب کشمکش پیدا ہوئی۔ اور ان کے ساتھ مواعلات سے نئی نئی سرودیں ابھریں اور بہت سے نئے مسائل جس طبع قرار پائے، جن کی وجہ سے عرب کی سادگی کو دھن پہنچا، اور احکام کی سادگی کو تمدن کی چاشنی دے کر ان کے دامن کو وسیع کرنے کی ضرورت پیش آئی۔

دورِ در میں رہنمایانِ امت کی رہنمائی یہ وقت رہنمایانِ امت کے لئے نہایت نازک اور دشوار گزار تھا، اگر خدائے خواستہ ان پر تہود طاری ہوتا یا، سلام کو آزادی دینے والی وقت کے بجائے اس کو محض کرنے والی آہنی زنجیر سمجھتے تو اسلام صرف عرب میں محدود ہو کر رہ جاتا، اور ہمیشہ کے لئے اس کی عالمگیریت ختم ہو جاتی۔ لیکن فقہائے کرام کو اللہ تعالیٰ کی روٹ کر وٹ چھین نصیب کرے انھوں نے جس انداز سے اسلام کی رہنمائی کے فرسٹ سٹیج انجام دیئے اور نئے احوال و ظروف کو جس ہمت کے ساتھ ہدایت کے وسیع دامن میں سمیٹ کر قانون کی تاریخ اور نئی خدمات میں اس کی نظیر نہیں ملتی ہے۔

چنانچہ احکام و قوانین کا جو ذخیرہ ہمارے پاس موجود محفوظ ہے اس کی وسعت و تنوع کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ہارون الرشید کی سلطنت جو سندھ سے شیشائے کوچک تک پھیلی ہوئی تھی وہ انہیں حکام و قوانین پر مبنی تھا اور اس دور کے تمام و تفاوت دامن موت نہیں کے مطابق فیصلہ ہوتے تھے۔

بدینہ کی پالیسی یہ ہے کہ معاشی و اقتصادی احوال و ظروف کی رہنمائی میں ہدایتِ الہی کی پالیسی "ازالہ کی کبھی نہیں رہی کہ ہمیشہ وہ "ازالہ ہی کی حکمت پر کاربند رہی ہے، یعنی تاریخ

کے کسی دور میں ایسی کوئی نظیر نہیں ملتی ہے کہ ہدایت نے معاشرہ کے مروجہ احکام و مراسم یا مرغوبات و مألوفات کے بارے میں شمشیر پر پیام ہو کر فیصلہ کیا ہو کہ جو بات مروجہ دیکھی اس کو ختم کر دیا، درجہ چیز لوگوں کی پسندیدہ ہوئی اس سے روک دیا بلکہ ہمیشہ اس نے لوگوں کی نفسیات اور مزاجی کیفیات کے پیش نظر اپنے لئے جو جامہ تیار کیا اس میں تقریباً وہی سب سامان لگایا جو مروج اور معاشرہ میں موجود تھا، پہلے اس نے روح پھونکی اور نقشہ میں اتارا پھر اپنے سانچے میں ڈھال کر قبول کر لیا۔

عرب کا معاشرہ، خری ہدایت کا شرعی مادہ ہے | دور جانے کی ضرورت نہیں ہے آخری ہدایت نے شریعت کے نام سے ملکی و معاشرتی قوانین کا جو جامہ تیار کیا ہے اس میں عرب کے معاشرہ ہی کی ساخت و پرداخت کو دخل ہے، جس طرح ہر زمانہ کا معاشرہ اس وقت کی ہدایت کا شرعی مادہ ہوتا تھا، اسی طرح عرب کا معاشرہ، خری ہدایت کا شرعی مادہ قرار دیا جاتا ہے۔ یہ عیسویہ ات ہے کہ ہدایت کے بنیادی قواعد میں بعد کی ہونے والی تبدیلیوں کو غلطی کی نہ صرف گنجائش دروسعت ہے بلکہ حوصلہ افزائی اور تاکید کہ اس کے بغیر عالمگیریت پر حرف تاتا ہے اور اسلام صرف ایک دور میں محدود ہو جاتا ہے۔

ستفادہ کی | جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد فقہائے کرام نے معاشرتی تبدیلیوں بہت سی رہیں ہیں | کو سمیٹ کر دکھایا اور ہر س چیز کو قبول کیا جو قبول کرنے کے لائق تھی، ہر اس ماں و معاشی نظام سے استفادہ کیا جس سے استفادہ ملک و ملت کے لئے ضروری یا مفید تھا۔ پھر استفادہ کے سرچشمہ کو کسی ایک راستہ میں مقید نہیں کیا بلکہ یہ اس، استحسان، استقلال اور استدلال وغیرہ بہت سی راہیں نکالی ہیں جن کی طرف اشارہ ہدایت کے بنیادی قواعد میں موجود تھا۔ مشرق کی رہنمائی کا دور ختم ہوا۔ اب مغرب کی رہنمائی کا دور ہے۔ یہ وہی مغرب ہے جس کی معاشرت پر ہدایت نامہ ملتی، اور تہذیب و تمدن کی چمک و ملک سے نا آشنا تھی۔

لیکن اس نے دور کے بدلنے میں کامیابی حاصل کر لی ہے، معاشرتی تبدیلیوں کے مقابلہ میں دور کی تبدیلی زیادہ ہم اور دور رس نتائج کی حامل ہوتی ہے۔ چنانچہ عبادت و مولاہت، معاشریات و سیاسیات حدود و تعزیرات وغیرہ کا کوئی شعبہ اس کی زد سے محض نظر نہیں ہے۔

اپنی نااہلی و بے ہمتی کا قصور
سوچنے کی بات یہ ہے کہ ابتداء میں عرب سے باہر قدم نکالتے ہی جن پُر آشوب
حالات سے دوچار ہونا پڑا تھا، آج تہذیبی اور تمدنی اعتبار سے کہیں زیادہ حالات
پُر آشوب ہیں۔

جس طرح مختلف ملکوں کے نظام اور قانون اُس وقت اسلام کو چیلنج کر رہے تھے اس سے
سیکڑوں حصہ زیادہ آج چیلنج کا سامان موجود ہے۔

ہمارے بزرگوں نے پُر آشوب حالات کا مقابلہ کر کے اور چیلنج کا جواب دے کر اُس وقت ساری
دنیا کی رہنمائی کی تھی اور آج ہمارے سامنے صرف مسلم قوم کی رہنمائی کا مسئلہ ہے۔

در اصل ثبوت اپنی نااہلی و قصور اپنی بے ہمتی کا ہے ورنہ ہدایت کا وسیع دامن بے بھی موجود ہے
اور رہنمائی کے لئے قرآن و سنت کی روشنی، صحابہ کی زندگی، در فقہاء کا کارنامہ سب کچھ محفوظ ہے۔

————— (باقی) —————

قَصَصُ الْقُرْآنِ

(چار جلدوں میں جدید پڈیشن)

مؤلف: مولانا محمد حفظ الرحمن صاحب مرحوم

جلد اول: حضرت آدمؑ، حضرت نوحیؑ و حضرت ہرونؑ۔ ص ۵۳۶ قیمت ۸۰ مجلد ۹

جلد دوم: حضرت یوشعؑ یا حضرت یحییٰؑ ص ۲۸۰ ۴/- ۵۰

جلد سوم: انبیاء کے واقعات کے علاوہ بنی قصص قرآنی کا بیڑا۔ ص ۴۴ ۵۰ ۶/۵۰

جلد چہارم: حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عشت پاک اور دعوت حق

ص ۵۲۰ قیمت ۸/- مجلد ۹

پوری کتاب کے مجموعی صفحات ۱۷۸۴۔ بڑی تقطیع قیمت ۲۵/۵۰ مجلد ۲۹/۵۰

مکتبہ بڑھان اڈا بازار، جامع مسجد دہلی

حضرت شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی متعلق چند غلط روایات

جناب مولوی محمد عصفہ الدین خاں، یو۔ اے، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

تاریخ میں بار بار ایسا ہوا ہے کہ اہم شخصیات سے متعلق کچھ افسانے گڑھ لئے گئے، اور ان کی طرف غور کر دیئے گئے، در بعد میں آنے والی نسلوں نے اکثر ان کا برے حسن حقیقت اور کبھی اصل راوی یا اس راوی سے روایت کرنے والوں کی ثقاہت کی بنا پر یا کسی اور وجہ سے ان کو صحیح مان لیا ہے، یہاں تک کہ وہ افسانے اور بے بنیاد قصے ان کی زندگی کا جزء شمار ہونے لگے ہیں مگر جب ان کو تاریخ اور حقائق کی کسوٹی پر پرکھا گیا تو وہ بالکل فرضی اور مہمل ثابت ہوئے۔

اسی قبیل کے چند واقعات حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کے صاحبزادے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی طرف بھی منسوب ہیں، ان میں زیادہ اہم واقعات شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے پہنچے اتروانے اور شاہ عبدالعزیز پر چھپکلی کا اپٹن ملوانے، ان کو زہر دینے اور پھر ان کو اور ان کے چھوٹے بھائی شاہ رفیع الدین کو شہر بدر کرنے اور اسی سفر میں شاہ عبدالعزیز کو گولی لگنے اور اس کی وجہ سے ان کی بسمارت جانے کے ہیں، انہیں سب سے پہلے امیر شاہ خان نے اپنی کتاب "امیر الروایات" میں اس طرح بیان کیا ہے:

"اس زمانے میں ایک اتر واد فاض کا نہایت طلبہ تھا، چنانچہ دہلی میں نجف علی خان کا قسطنطنیہ،

ملکہ یہ کہ یہ میرت دہلی صاحب کے مخطوطات کا مجموعہ ہے، جو مولانا اشرف علی تھانوی کے شاگرد مسلمان پیر شائع ہوئی ہے

جس نے شاہ ولی اللہ صاحب کے پہنچے اتروا کر ہاتھ دیکھا کرے تھے، کہ وہ کوئی کتاب یا مضمون نہ تحریر کر سکیں اور مرزا مظہر جان جاناں کو شہید کر دیا تھا اور شاہ عبدالعزیز صاحب اور شاہ رفیع الدین صاحب کو اپنے قلم و سے نکال دیا تھا اور ہر دو صاحبان مع زنانوں کے شہرہ تک پہیل آئے تھے، اس کے بعد مولانا فخر الدین صاحب کی سعی سے زنانوں کو تو سواری مل گئی تھی اور وہ پھلت روانہ ہو گئے تھے مگر شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالعزیز صاحب کو سواری بھی نہ ملی تھی اور شاہ رفیع الدین تو پہیل لکھو چلے گئے تھے، اور شاہ عبدالعزیز صاحب پہیل جو پور چلے گئے تھے کیوں کہ نہ ان دونوں کو سوار ہونے کا حکم تھا اور نہ ساتھ رہنے کا۔ اور دونہ روافض نے شاہ صاحب کو زہر دیا تھا اور ایک مرتبہ چھپکلی کا اپن مو دیا تھا، جس سے شاہ صاحب کو بھس اور جذام ہو گیا تھا، اور جو پور کے سفر میں شاہ صاحب کو لڑھی لکی تھی، جس سے مزاج میں سخت حدت پیدا ہو گئی تھی جس سے جوئی ہی میں بینائی جاتی رہی تھی، اور ہمیشہ سخت بے چین رہتے تھے۔

اس روایت کو جن صاحب موصوف کے بعد اکثر اکابر علماء نے نہ صرف نقل کیا ہے بلکہ ان کو کافی اہمیت بھی دی ہے، اس سلسلے میں مولانا الحسن عابدی، مولانا محمد یاس اور ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، اس مور پروری دگر میں، غیب ہے کہ حضرات نے ذرا جی غور کیا اور بالکل بے بنیاد افسانوں کو حقیقت سمجھ بیٹھے، اب آئیے ہم ان کا تاریخی روشنی میں مدد کریں۔

اس سے پہلے کہ ہمارے واقعات کو ان حضرات کی زندگیوں میں مدق کریں اور ان پر تفصیلی بحث کریں، مزوری معلوم ہوتا ہے کہ اس پورے افسانے کے ہیرو شخصوں کے متعلق معلومات حاصل کریں۔

۱۔ ردیہ ص ۳۳ - ۲۔ انگریزوں سے دوں مدد ص ۲۲ - ۳۳ - ۴۳۲ -

۳۔ علماء ہند کا شان دار ماضی جلد ۲ - صفحہ ۵۲ -

مرزا نجف خاں اصفہان میں پیدا ہوا، وہ ایران کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتا تھا، اٹھارہ برس کی عمر میں ہندوستان آیا اور محمد قلی خاں کے یہاں جو اس وقت نواب ورنہ کی طرف سے الہ آباد کے قلعہ کا عامل تھا ملازم ہو گیا۔ ۱۷۶۱ء میں شجاع الدولہ نے محمد قلی خاں کو قتل کرا دیا۔ اس کے بعد مرزا نجف خاں بنگال چلا گیا۔ اور میر قاسم کے یہاں ملازم ہو گیا جس کے ساتھ وہ بنڈیل کھنڈ بھی آیا۔ ۱۷۶۵ء میں وہ انگریزوں کے کیمپ میں جو الہ آباد کے قریب تھا شامل ہو گیا۔ اور الہ آباد پر انگریزوں کے قبضے کے سلسلے میں ان کی بڑی مدد کی۔ اس نے مرہٹوں کے خلاف بھی انگریزوں کا یوراساتھ دیا، در بڑی بہادری کا ثبوت دیا جس سے الیورٹ انڈیا کمپنی میں اس کا چھا اثر ہو گیا۔ ۱۷۷۱ء میں وہ مغل بادشاہ شاہ عالم کی ملازمت میں جو اس وقت الہ آباد کے قلعے میں تھا آ گیا۔ اور جب ۱۷۷۶ء میں شاہ عالم الہ آباد سے دہلی آیا تو مرزا نجف خاں کو اپنی فوج کا سپہ سالار بنا کر دیا، یہاں وہ اپنے کارہائے نمایاں کی بنا پر بہت سدا ذوالفقار الدولہ نواب نجف خاں بہادر غالب جنگ کا خطاب مغل دربار سے حاصل کریت ہے اس کے بعد میرا مراد کا خطاب اس کو مل جاتا ہے اور وکیل مہنت کے عہدے پر فائز ہو جاتا ہے جس پر وہ اپنے آخری وقت تک رہتا ہے اس کا انتقال ۲۹ برس کی عمر میں دہلی میں ۸ جمادی الثانی ۱۱۹۶ھ مطابق ۲۲ اپریل ۱۷۸۲ء میں ہو جاتا ہے اور وہیں شاہ مردان کی درگاہ کے پاس دفن کر دیا جاتا ہے، اس طرح سے دہلی میں کل دس سال تین ماہ رہنے کا موقع ملا ہے۔

مرزا نجف خاں کے ان مختصر حالات کے بعد آئیے سب سے پہلے حضرت شاہ ولی اللہ کے پہنچے اتروانے کے قصے پر غور کریں، ہم نے ابھی دیکھا کہ مرزا نجف خاں پہلی مرتبہ مغل بادشاہ شاہ عالم کے ساتھ ۱۷۶۲ء میں دہلی آتا ہے اور دہلی میں اس کا اقامت دار میں تاریخ کے بعد شروع ہوتا ہے اور عجیب اتفاق ہے کہ اس سے پورے دس سال قبل ۱۷۶۲ء میں شاہ ولی اللہ کا انتقال ہو جاتا ہے۔

۱۔ اس سلسلے میں مزید تفصیلات کے لئے دیکھو (۱) واقعات در نکوٹ دہلی صفحہ ۶۶۸ تا ۶۷۰

FALL OF THE GHATIL EMPIRE BY G. N. SARKAR VOL. III (۲)

HISTORY OF FREEDOM MOVEMENT VOL I PP. 126-131 (۳)

۲۔ (۱) مہفوظات شاہ عبدالعزیز صفحہ ۵۵ - (۲) شاہ ولی اللہ وراثت کی سیر کی تحریر صفحہ ۵۵ و ۵۸

اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ شاہ ولی اللہ کے پہنچے نجف خان نے نہیں بلکہ کسی اور شیعہ نے اتروا ہے، تب بھی یہ ایک اہم سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ واقعہ تو شاہ صاحب کی زندگی کا اہم سانحہ رہا ہوگا مگر نہ تو خود انھوں نے، کسی شاگرد یا صاحبزادے نے یا اس زمانے کے کسی تاریخ نگار نے اس کا کہیں ضمیمہ بھی ذکر کیا۔ اور تو اور خود حکمتِ ولی الہی کے شارح اور شاہ ولی اللہ کے مکتب فکر کے سب سے بڑے عالم مولانا سید اللہ سندھی نے بھی کہیں اس کا ذکر نہیں کیا، شاہ صاحبؒ اپنی زندگی کے آخری دور میں ہمہ گیر شہرت اور عزت کے مالک تھے اور اس زمانہ کے تقریباً تمام کہ بریل اور فصدیوں کے شاگرد تھے یا معتقد، مگر کسی نے بھی اس واقعے کے خلاف آواز بلند کرنا تو کیا کہیں تذکرہ تک نہیں کیا۔

علاوہ ازیں اگر شیعہ حضرات تنی عنایت رکھتے تھے کہ شاہ ولی اللہ جیسی شخصیت پر اس طرح مظالم ڈھا سکتے تو پھر انھوں نے ان کے پہنچے ہی کیوں اتروا ہے؟ وہ ان کو کوئی مضمون یا کتاب لکھنے سے باز رکھنے کے لئے اس سے زیادہ موثر اقدامات آسانی سے اٹھا سکتے تھے۔ پہنچے اتروانے کے بعد تو وہ ہر کوئی آسانی سے کر ہی سکتے تھے کیوں کہ ان کا دل وہ غ، زبان اور دوسرے اعضاء بالکل سالم تھے، کوئی بھی شخص اس قدر نادان نہ ہوگا کہ کسی شخص پر قیاض ہو کر صرف اس کے پہنچے اتروا کر تھوڑے اور یہ سمجھ لے کہ اب یہ میرے خلاف کچھ لکھنے یا بولنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے منسوب قلم نے تو غیبت، و افتراء کا پورا حق ادا کر دیا ہے۔ شاہ عبدالعزیز صاحب کی پیدائش ۱۱۷۴ھ میں ہوئی ہے، شاہ ولی اللہؒ کی وفات کے وقت ان کا عمر سترہ سال کی ہوتی ہے۔ اور نجف خان دہلی اُس وقت آتا ہے جبکہ ان کی عمر ۲۴ برس کی تھی اور جب شاہ صاحب کی عمر ۳۱ برس کی ہوتی ہے نجف خان کا انتقال ہو جاتا ہے۔

امیر شاہ صاحب کی روایت سے اندازہ ہوتا ہے کہ نجف خان نے اسی دس سال کے عرصے میں شاہ صاحب پر یہ تمام مظالم ڈھا دیے ہوں گے، اسی دس سال میں ان کے خلاف فرد جرم بھی عائد ہوئی ہوگی۔ ان کی مئی صفت شروع ہوئی ہوگی، دوبار زہر دیا گیا ہوگا، ایک مرتبہ چھپکلی کا پٹن مویا گیا ہوگا۔ اور پھر شہر

بھی کیا ہوگا جو بظاہر دشوار نظر آتا ہے، پھر ایک سوال اور پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ کہ شہر بدر ہونے کے بعد شاہ عبدالعزیز صاحب جو پورے دو بارہ دہلی بخت خان کے زمانے میں تو واپس آئے نہ ہوں گے اس کے مرنے کے بعد ہی آسکتے تھے اور اس وقت ان کی عمر چالیس کے قریب ہوئی ہوگی اور بظاہر ہے کہ بصارت جو پورے واپسی پر ہی زائل ہوئی ہوگی یعنی کم از کم چالیس برس کی عمر میں، مگر خاں صاحب کی روایت کے مطابق شاہ صاحب کی بصارت جوانی ہی میں جاتی رہی۔

چالیس برس کی عمر سے پہلے شاہ صاحب کی کسی تحریر یا تقریر سے کوئی بات شیعوں کے خلاف کھل کر ظاہر نہیں ہوتی، بلکہ اسی زمانے کی تحریر "سراشہا دین" ہے، جس میں اکثر باتیں شیعہ نقطہ نظر کے مطابق ہیں، اور اس تصنیف پر کسی شیعہ کو بٹ ہر کوئی اعتراض بھی نہیں ہے، اس کے علاوہ اسی زمانے کے واقعات ہیں کہ ان کی حضرات اہل بیت سے محبت اور عقیدت کے باعث، کثرت مشرد و سنی۔ رت بھی ان کو شیعہ سمجھنے لگتے ہیں، چنانچہ خود شاہ صاحب اپنی ذاتی قصہ بیان کرتے ہیں کہ ایک رویداد پٹن جس کا نام صرف آفتاب تھا، اور جو شاہ صاحب کے درس میں اکثر حاضر بھی رہتا تھا، ایک مرتبہ جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ذکر شروع ہوا، تو جیسا کہ سنی لوگوں کی عادت ہے کہ جو صحابی ہوں دل و جان سے ان کے فضائل و مناقب کرتے ہیں شاہ صاحب نے اس تذکرہ میں اسی طرح سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مناقب بیان کرنے شروع کر دیے، اس رویداد پٹن نے ان کو شیعہ سمجھ لیا اور درس میں آنا بھی موقوف کر دیا۔

تفسیر فتح لغزیز اور تحفہ اثنا عشریہ جو شاہ صاحب کی سب سے اہم تصانیف ہیں چالیس برس کی عمر کے بعد لکھی گئی ہیں، ان کے اکثر اہم فتوے بھی کم و بیش اس عمر کے بعد ہی کے ہیں، شاہ صاحب نے شیعوں کے خلاف جو سب سے اہم تصنیف کی ہے وہ تحفہ اثنا عشریہ ہے، اگر شیعہ حضرات کبھی بھی شاہ صاحب کے اس ضد تک دشمن ہوئے ہوں گے تو وہ تحفہ اثنا عشریہ کی تصنیف کے بعد ہی ہو سکتے ہیں۔ اور تحفہ اثنا عشریہ کا سال تصنیف ۱۲۰۴ھ مطابق ۱۷۹۰-۱۷۹۱ء ہے، در بخت خان جو حضرت شاہ صاحب متعلق ان تمام

۱۷۹۰ء طبع شد شاہ عبدالعزیز ص ۳۲ - ۱۷۹۱ء تحفہ اثنا عشریہ قلمی سرسیدان و کشن مسلم و یونہی علی گڑھ

دکتاب خانہ رام پور - (۲) روداد کوثر صفحہ ۵۷۴۔

غلط روایات و اکاذیب کا ہیرو ہے اس سلسلہ سے آٹھ برس پہلے یعنی ۱۹۶۱ء مطابق ۱۳۸۲ھ میں انتقال کر جاتا ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ نجف خان کے بعد کسی شیعہ نے ان کے ساتھ اتنا ظلم کیا ہوگا تو یہ بھی ذرا قریب اس نہیں کیوں کہ نجف خان کے مرنے کے بعد دہلی میں شیعوں کا اثر بہت کم ہو جاتا ہے اور غلام قادر روہیہ پٹھان جو کٹر سنی تھا نجف خان کی جگہ لے لیتا ہے۔

اگر کھنڈری دیر کے سے فرض بھی کریں یا اسے کہ شاہ صاحب پران کی عمر کے کسی دور میں یہ واقعات پیش آئے تو یہ واقعات بھی شاہ صاحب کی زندگی کے اہم ترین سانچے ہونے چاہئیں مگر تعجب ہے کہ اس زمانے کے کسی تذکرہ نویس یا اس کے فوراً بعد کے کسی تاریخ نگار نے اس اہم واقعے کا قطعاً ذکر نہیں کیا۔ خود محفوظ میں جہاں شیعوں کی ایذا رسانی کا تذکرہ ہے کہیں بھی اس کا ذکر نہیں، پھر صاحب امیر الروایات کے مطابق شاہ عبدالعزیز صاحب کو دہلی سے جو پور تک اور ان کے بھائی شاہ رفیع الدین صاحب کو لکھنؤ تک پیدل بھیجا گیا مگر تعجب ہے کہ لکھنؤ کے کسی خاندان کے تذکرے میں نہیں ملتا کہ شاہ رفیع الدین صاحب لکھنؤ تشریف لائے اور نہ جو پور کے کسی تذکرے میں یہ حوالہ ملتا ہے کہ شاہ عبدالعزیز صاحب یہاں کبھی تشریف لائے،

اگر یہ واقعہ صحیح بھی ہے تو ان کے تلامذہ کا جال پور سے ہندوستان میں پھیل ہوا تھا، اور ان میں سے کسی نے راستے میں اپنے یہاں ان حضرات کو نہ روکا کہ وہ دھوپ اور لو کی شدت سے کچھ دنوں آرام کر لیتے؟ امیر شاہ صاحب کی روایت کے مطابق شاہ عبدالعزیز صاحب یا شاہ رفیع الدین صاحب خدا نخواستہ مسکین اور غیر معروف، کمزور اور بے یار و مددگار تھے جن پر جو چاہتا جس طریقے سے بھی ظلم ڈھاتا تھا ورنہ کون خیر خواہ بھی نہ تھا کہ اس کے خلاف فریاد کرتا یا آواز اٹھاتا، اس سے شاہ صاحب ہر ظلم کو صبر و شکر کے ساتھ برداشت کرتے رہے۔

۱۔ (۱) واقعات دار الحکومت دہلی جلد اول صفحہ ۶۷۵۔

ممکن ہے خاں صاحب ممدوح طبی اصولوں سے زیادہ بہتر واقفیت رکھتے ہوں مگر پھر بھی یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ صرف لوگ جانے سے کسی شخص کے مزاج میں اس قدر حدت پیدا ہو جائے کہ فوراً ہی مبنائی زائل ہو جائے !!

اس سے قطع نظر اس قسم کی شہادتیں موجود ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کی بصارت تحفہ اثنا عشریہ کے لکھنے سے بہت پہلے زائل ہوئی ہے اور یہ کسی خاص واقعے یا حادثے کا نتیجہ نہ تھی، قاری عبدالرحمن پانی پتی جو شاہ صاحب کے سلسلے کے بڑے بزرگوں میں سے اور شاہ اسحق صاحب کے خاص شاگردوں میں سے تھے فرماتے ہیں:

”شباب میں مبنائی بالکل جاتی رہی تھی، اکثر تناسیف مبنائی کی ہیں“^۲

زمانہ کے لحاظ سے قاری صاحب امیر شاہ خاں صاحب کے مقابلے میں شاہ صاحب سے زیادہ قریب ہیں اور اس سلسلے کے اہم بزرگ اور عالم ہونے کی وجہ سے امیر شاہ خاں صاحب سے زیادہ معتبر بھی ہیں، اگر شاہ صاحب کی بصارت کا جانا ان کے شہر بدر کئے جانے کا نتیجہ ہوتا تو قاری صاحب اس ضمن میں اس کو ضرور بیان کرتے۔

قاری صاحب کے اس بیان کی تصدیق خود شاہ صاحب کے زمانے کے تاریخ نویس عبدالقادر خان کے بیان سے ہوتی ہے، انہوں نے وقائع عبدالقادر خانی میں جس کا قلمی نسخہ رامپور کے کتب خانے میں موجود ہے اور جس کا اردو ترجمہ ابھی حال میں پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کی طرف سے ہوا ہے، شاہ عبدالعزیز صاحب کے تذکرے سے پہلے یوں لکھتے ہیں:

”سہارن دہلی، اب اس شہر کے وہ اہل کمال گناتا ہوں جو بندہ کے زمانے میں موجود تھے“^۳

پھر شاہ صاحب کا ذکر کرتے ہیں اور لکھتے ہیں:

”شاہ عبدالعزیز صاحب مبنائی جاتے رہنے کی وجہ سے خود نہیں لکھ سکتے تھے، دوسرے کو

لے کر شاہ صاحب شاہ عبدالعزیز صاحب کے نوامہ درہند درستان میں اس کے بعد ان کی تحریک کے علمی ورثے تھے۔

^۲ من رن نمبر ۳، جلد ۲- صفحہ ۱۹۴، مارچ ۱۹۳۳ء ^۳ عبدالمحل ترجمہ وقائع عبدالقادر خانی ص ۱۷۵-۱۷۶۔

• بلاتاقی مدد فرماتے تھے یہ

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے شاہ صاحب کو دیکھا کہ اگر ان کی زندگی میں اتنے بڑے واقعات رونما ہوئے ہوتے تو اس کا ذکر یقیناً وہ اس کتاب میں کرتے، وہ شاہ صاحب کی بسمارت جانے کا ذکر کرتے ہیں اور اگر یہ شہر بدر کا نتیجہ ہوتا تو اس ضمن میں ضرور اس کا ذکر ہوتا۔

اس کے بعد وہ حکیم سید عبدالحی صاحب نزہۃ الخواطر کی ساتویں جلد میں فرماتے ہیں:

..... ”ہذا وفد اعترفتہ الامر اض، مؤملہ و ہوا بن حمس و عشرین

و دین ابی المراق و حد امرو لبرص و انعمی و محمود لک ح، حد منہ اربعہ

عشر مہضاً مفعلاً یہ

مرجمد: یہ عام باتیں اس وقت تھیں جبکہ ان کو تیس ہی برس کی عمر میں بہت سارے شدید امراض ہو گئے

تھے، مثلاً ذیابیط، جذام، بربص و سہجہ بن وریجنے بہت سارے مسلک مرص جس کی

عقداد چودہ تک پہنچ گئی تھی۔“

اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کی بسمارت جانہ در دوسرے امر میں بچپن میں ہی کی گئی تھی

منشروع ہو گئے تھے، یہ وہ زمانہ ہے جبکہ بخت خان دہلی بھی نہیں آبا تھا، مورخ عبدالحی صاحب نے بھی کہیں ان

واقعات کا ذکر نہ کیا۔

اس سلسلے میں جو سب سے اہم ثبوت ہے وہ خود شاہ صاحب کا خط ہے جو نذر بخش خان دہلی کے نام

میں محفوظ ہے، اس خط میں شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ”میں نے اپنے بچپن میں اپنے والدین سے اس طرح

کہتے ہیں:

..... ”بعد رسید مسنون، سدا و دعوت ترقیات فی ہر دو ہن کمسوت و دشت

کہ رقیہ کریمہ بعد از غرضتہ بسیار بخت و حصول آرد، حمد لہ کہ خیریتہا معلوم شدہ از احوال

مذاح فقیر کہ سنس رفتہ بود تفصیل آن بموجب دال خواہد دوست سب، مجمل آنکہ

لہ یہاں لکھا ہے کہ یہ خط ۱۲۰۰ھ میں لکھا گیا۔

عارضہ قدیمہ شکم بدستور شدت دارد و بصارت چشم گویا موقوف شدہ درد دندان از خوردن
و نوشیدن و بسیار سخن کردن مانع می شود۔

ترجمہ: سلم مسنون اور ظاہری و باطنی ترقیات کی دعاؤں کے بعد واضح ہو کہ عرصہ دراز کے بعد کرم نامہ
موصول ہوا، الحمد للہ کہ خیرین معلوم ہوئی، اس فقیر کے مزاج کے حالات سے متعلق جو دریافت کیا ہے
اس کی تفصیل دوستوں کے دلوں کے لئے موجب ہلال ہے، مختصر یہ کہ پیٹ کا پرانا مرض بدستور شدید
ہے، آنکھوں کی بینائی گویا ختم ہو چکی ہے۔ اور دانت کا درد کھانے پینے اور زیادہ بولنے سے مانع ہے۔۔۔۔۔
یہ خط ۱۱۸۹ھ کو لکھا ہوا ہے جیسا کہ نیچے صاف مہر سے واضح ہوتا ہے۔
اس مکتوب سے کئی اہم نتائج نکلتے ہیں :-

(۱) شاہ صاحب کی بصارت قطعی طور پر تحفہ اثنا عشریہ کی تصنیف سے کم و بیش پندرہ سال پہلے جبکہ
آپ کی عمر تیس برس کی تھی باقی رہی تھی۔

(۲) یہ بات کسی واقعے یا حادثے سے متعلق نہ تھی بلکہ ان کو شروع عمر ہی سے متعدد امراض لاحق ہو گئے تھے۔
اور صحت خراب رہتی تھی۔

(۳) اگر شاہ صاحب کو بالفرض ول شہر بدر کیا گیا ہو گا تو تیس برس کی عمر سے پہلے کیا گیا ہو گا جو کہ حقائق
کے خلاف اور بعید از قیاس ہے۔

(۴) اگر یہ مان لیا جائے کہ شاہ صاحب کو اس عمر سے پہلے ہی شہر بدر کیا گیا تو اس وقت ان کے
چھوٹے بھائی شاہ عبدالقادر یقیناً حیات تھے۔ امیر شاہ خان صاحب کے بیان کے بعد بن پور سے خاندان کو
شاہ بدر کر دیا جاتا ہے۔ جو تیس پچیس سو ری یضیح دی جاتی ہیں، شاہ عبدالعزیز اور شاہ رفیع اندرین کو مختلف سمتوں
پر مقرر کر دیا جاتا ہے، مگر شاہ عبدالقادر صاحب کا کیا ہوتا ہے؟ درود کہاں جاتے ہیں؟ خان صاحب یہ
بیان کرنا بھول گئے، ان کے خیال میں شاہ عبدالقادر شاہ اس وقت سے پہلے ہی انتقال کر گئے تھے، ورنہ اگر وہ
حیات ہوتے تو مرزا بخش خان ان کو بھی ضرور شہر بدر کرتا اس لئے کہ شاہ عبدالقادر بذات خود شیعوں کی
اعتنا میں نہ تھا۔ شاہ عبدالعزیز صاحب سے کسی طرح کم نہ تھے۔

سہ نمبر مکتوبات شاہ عبدالعزیز و عیالہ فی فی قسطنطنیہ ۱۸۰۸ء خطا بخش نامہ فی پہلہ -

مندرجہ بالا سطور سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ شاہ ولی اللہ، شاہ عبدالعزیز، شاہ رفیع الدین سے متعلق یہ واقعات محض افسانے اور من گڑھت سے قصبے ہیں جن کی کوئی تاریخی حیثیت نہیں، اس میں شبہ نہیں کہ اس زمانے میں شیعہ سنی اختلاف کافی بڑھا ہوا تھا۔ اور شاہ ولی اللہ کی ازالہ الخفاء اور شاہ عبدالعزیز کی تحفہ اشاعہ شریعہ اسی دور اختلاف کی یادگار ہیں، یہ بات بھی یقینی ہے کہ شیعہ حضرات ان کے کافی خلاف ہو گئے تھے، مگر مخالفت میں اس طرح کے غیر مؤثر مظالم جیسا کہ ہم نے دیکھا ناممکن تھے، ہاں البتہ انھوں نے مخالفت میں ان علی تصانیف کا جواب تصانیف سے دیا اور واقعتاً صرف تحفہ اشاعہ شریعہ کی تردید میں سوہ کتا ہی لکھی گئیں، اور یہی بات قیاس سے زیادہ قریب بھی معلوم ہوتی ہے، یہ ممکن ہے کہ بعض بیہودہ قسم کے مخالفین نے ان کو تنگ کیا ہو جیسا کہ خود ان کے ملفوظات سے بھی ظاہر ہے، مگر خاں صاحب کے بیانات قیاس اور تاریخ دونوں کے منافی ہیں۔

تعجب ہے امیر شاہ خاں صاحب کی اس روایت کو ضرورت سے زیادہ کیوں اہمیت دیدی گئی ہے۔ اور اس سے بڑھ کر تعجب اس بات پر ہے کہ مولانا اشرف علی صاحب نے اس پر حاشیہ کیسے لکھ دیا، اس لئے کہ خاں صاحب موصوف باوجود اپنی بزرگی کے علی آدمی نہ تھے، وہ صرف مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور مولانا قاسم نانوتوی رحمہما اللہ اور اس دور کے دوسرے بزرگوں کی صحبت میں رہے، انھوں نے لوگوں کی زبانی جو واقعات سنے تھے انھیں کو بیان کیا کرتے تھے، امیر اردایات ان کی کوئی مستقل تصنیف بھی نہیں ہے، بلکہ ان کے ملفوظات کا مجموعہ ہے اور جس میں غلطی کا پورا پورا احتمال ہے۔

اصل میں مولانا مناظر احسن گیلانی امیر شاہ خاں صاحب سے کافی عقیدت رکھتے تھے اس لئے انھوں نے جو کچھ بھی خاں صاحب سے سنا بلا کسی جرح و تنقیہ کے اس پر ایمان لے آئے اور اپنے زورِ قلم سے رائی کا پرہ اس طرز بنایا کہ دوسرے جذباتی قسم کے حضرات بھی اس کو سچ سمجھ بیٹھے، لیکن تاریخ تازہ ہے اور افسانہ افسانہ! دونوں کبھی ایک نہیں ہو سکتے۔

عربی اسلام پر ونیسرہی کی مشہور آفاق کتاب کے معروف خلاصے کا ترجمہ
ترجمہ: پر ونیسرہ مبارز الدین رفعت

س ۵۰ قیمت - ۶/ مجلد - ۵/، طبع کا پتہ: مکتبہ برہان، اردو بازار جامع مسجد دہلی ۶

دیارِ غرب کے مشاہدات و تاثرات

(۸)

سعید احمد اکبر آبادی

یونیورسٹی میں ایک تقریب | انسٹیٹیوٹ کے ساتھ تعلق کی تقریب سے میں مکمل یونیورسٹی کے تعلیمی اسٹاف میں شامل تھا اس سے یونیورسٹی کی متعدد چھوٹی بڑی تقریبات میں شریک ہونے کا موقع ملا، ہر ایک کا بیان کرنا تو غیر ضروری بھی ہے اور لا طائل بھی، صرف ایک اہم تقریب کا حال سن لیجئے، ہمارے ہاں ایک والس چا نسلر جاتا اور اس کی جگہ دوسرا آتا ہے، تو پوری کارروائی چارج لینے اور دینے کی صرف دفتری ہوتی ہے۔ باقاعدہ کوئی رسم ادا نہیں ہوتی، لیکن وہاں ایسا نہیں ہے، چنانچہ ۱۲ اپریل ۱۹۷۳ء کو شام کے چار بجے یونیورسٹی کے عظیم الشان اسمبلی ہال میں یہ رسم منائی گئی، اس کی شکل کنووکیشن کی سی ہوتی ہے لیکن فرق صرف یہ ہے کہ اس میں صرف اساتذہ اور حکام یونیورسٹی شریک ہوتے ہیں۔ طلباء کو اجازت نہیں ہوتی۔ پروگرام کے مطابق میں ۱۲ بجے ہال کے قریب میں ایک مقررہ جگہ پر پہونچا تو دیکھا کہ سیکڑوں مردوں اور عورتوں کا ایک اچھا خاصہ میلہ تھا۔ ہر ایک اپنا نمبر لے کر ایک کونٹر پر جاتا تھا اور وہاں کونٹرک مرد اسے گاؤن (GOWN) اور ہڈ (HOOD) دے دیتی تھی، میں نے بھی ایسا ہی کیا اور یونیورسٹی کا علمی لباس پہن کر میرے لئے یونیورسٹی کے سینئر اساتذہ کی جو صف مقرر کر دی گئی تھی اس میں آکر کھڑا ہو گیا۔

چار بجنے میں پانچ منٹ باقی تھے کہ ایک اشارہ ہوا اور انسانوں کا یہ سیل روال جوس کی شکل میں قدم سے قدم ملائے اور آنکھیں جھکائے رو نہ ہو گئی، اور چند منٹ میں آئبل ہال میں داخل ہو کر ہر شخص اپنی اپنی جگہ پر خاموشی سے بیٹھ گیا۔ ڈائس پر بحیثیت صدر کے گورنر جنرل جو بھارتی حکومت کے نمائندہ کی حیثیت سے یہاں رہتے اور اپنے عہدہ کے اعتبار سے یونیورسٹی کے چانسلر ہوتے ہیں بیٹھے تھے اور ان کے ارد گرد رونڈہ اور آئندہ دونوں ڈائس چانسلر، رجسٹرار اور ٹریژرر اور ڈین تھے، ڈائس پر ہی بشپ تشریف فرما تھے اور ان کی کرسی گورنر جنرل کی کرسی سے متصل تھی، تقریب کا آغاز اختتام دونوں بائبل کی تلاوت سے ہوا، آغاز میں جو دعا پڑھی گئی وہ بڑی موثر تھی، اس کے بعد ایک مختصر تقریر ہوئی جس میں جانے والے ڈائس چانسلر کی خدمات کا اعتراف اور ان کے بنائین کا خیر مقدم کیا گیا تھا، پھر رسمی طور پر سابق ڈائس چانسلر نے دوسرے کو چابی دی اور جلسہ ختم ہو گیا، پوری تقریب میں چابیس بیس منٹ سے زیادہ نہیں لگے۔

نیشنل کی سوشل ریدگی | انسٹیٹیوٹ کی تعلیمی زندگی کے متعلق تو آپ نے بہت کچھ سن لیا، اب اس کی سوشل ریف کا حال بھی سُننے چلئے۔

مجھ کو ترکیہ اور یورپ میں بارہا یہ محسوس ہوا ہے کہ ان ملکوں میں مذہب اصل شکل و صورت میں قائم ہو یا نہ ہو، یہاں جیسا نیت زندہ ہو یا مردہ، بہر حال حضرت عیسیٰ کی ایک تعلیم نے ان لوگوں کے دل و دماغ اور مزاج و طبیعت پر غیر معمولی اثر کیا ہے اور وہ تعلیم ہے،

”LOVE THY NEIGHBAUR“ اپنے پڑوسی سے محبت کرو، دوسرے انسانوں کا نیاں، اُن کے ساتھ ہمدردی اور ضرورت کے وقت اُن کی مدد کرنے کا جذبہ، ان لوگوں میں، اس کثرت اور شدت سے پایا جاتا ہے کہ گویا وہ ان کا ایک وصف امتیازی بن گیا ہے، کن کن کی پوری مدتِ قیام میں، اگر میں نے راہ چلتے کسی سے خواہ مرد ہو یا عورت، جو ان ہو یا بوڑھا، یہ پوچھ لیا ہے کہ ”جھے خداں جگہ جانا ہے؟“ تو وہ وہیں مجھے لے کر کھڑا ہو گیا ہے، درہمردی

اور اطمینان سے پوری بات بتائی ہے، اگر پھر بھی اس کو شبہ ہو کہ میں کما حقہ نہیں سمجھا تو وہ مجھے لے کر ایک بس کے اسٹیشن (کھڑے ہونے کی جگہ) پر آیا اور جب متعلقہ بس آئی تو مجھے اس میں بٹھا کر کنڈکٹر سے کہا کہ مجھے ندس مقام پر اتار دے اور اس کے بعد وہ رخصت ہوا ہے، یہ فیو فیلنگ یہاں کے خمیر میں داخل ہے، یونیورسٹیاں، تعلیم اور کردار سازی کے مرکز ہوتی ہیں اس سے یہ جو ہر اس احوال میں اور پردان چڑھتا اور نمایاں ہوتا ہے، چنانچہ انسٹیٹوٹ کی چہار دیواری میں اس کا احساس زیادہ ہوتا تھا، سب لوگ ایک خاندان کے افراد کی طرح رہتے تھے، ان میں نہ چھوٹے بڑے کی دیکھ بھال تھی، اور نہ اختلاف مذہب یا اختلاف رنگ و نسل کی بنیاد پر کسی قسم کی جھنجھٹ کا احساس۔

آزادی رائے کا احترام اور وسیع امشرابی کا یہ عام کہنا ڈاک ایک لڑکی نے جو انسٹیٹوٹ میں ملازم تھی اس مقام قبول کر کے یہیں کے ایک ملاپ کے مسلمان طالب علم سے نکاح کر لیا تو کسی کے سامنے پر سکون بھی نہیں پڑی اور ان دونوں کے ساتھ انسٹیٹوٹ کا جو رویہ چھپے سے تھا اس میں ذرا فرق نہیں آیا۔ خواجہ محمد شفیع نے مجھے خود سنایا کہ جب وہ شروع شروع میں مونٹریل آئے ہیں تو چونکہ انہیں کوئی کمرہ کر یہ پرے کر رہنا تھا اس لئے عارضی طور پر انہیں ایک پادری صاحب کے مکان پر سیف معطی (PAYING GUEST) کی حیثیت سے ٹھہرا دیا گیا، اب پہلے ہی وقت کھانا میز پر آیا اور خواجہ صاحب نے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ گوشت وہ صرف کو شر (ذبیحہ یہود) کھا سکتے ہیں، تو میزبان پادری نے اس کا اس درجہ خیال کیا کہ ہفتہ بھر تک کے لئے (جب تک خواجہ صاحب اس مکان پر نہیں رہے) خود بھی ترک لحم کر دیا اور ترکاریوں پر گندہ کی ذبیحہ نصری خواجہ صاحب نہیں کھا سکتے تھے، اور ذبیحہ یہود ایک پادری کے گھر میں نہیں آ سکتا تھا اس لئے نتیجہ یہ ہو کہ آٹھ روز تک کھانے کی میز پر گوشت ہی نہیں آیا۔ شراب ڈشٹن لوگوں کے سامنے ہے۔ یونیورسٹیوں میں ہاتھ بھی پتے ہیں اور طلبہ بھی سین ہمارا انسٹیٹوٹ چونکہ مہامیت سے تین رکھتے تھے، اس لئے شراب کا یہاں گزر نہیں تھا، حالانکہ یہاں روزانہ لپچ کھانے کے سوا وہ دن دن نو تھوڑے بڑے شاندار لپچ اور ڈز بھی ہوتے تھے، اور صرف انسٹیٹوٹ کے حدود میں

نہیں، بلکہ انسٹیٹوٹ کے اساتذہ اور طلباء باہم جو پرائیویٹ دعوتیں اپنے مکانات پر کرتے تھے، وہاں بھی اس دختر رز کی شکل کبھی نظر نہیں آئی، میرے دہاں پہونچنے سے پہلے کی بات ہے۔ ایک مرتبہ انسٹیٹوٹ کے ایک امریکن میراثات کے گھر میں لڑکا پیدا ہوا تو انھوں نے اس خوشی میں چند دوستوں کو انسٹیٹوٹ میں ہی دعوت دی اور سیر بھی منگوائی، اس پر کوئی شخص بول نہ سکا، کہ اگر پروفیسر اسمتھ کو اس کی خبر ہوگئی تو بہت ناراض ہوں گے، معزز میزبان جو انسٹیٹوٹ میں نو وارد تھے انھوں نے یہ سنا تو فوراً سب بوتلیں نالی میں بہا دیں، شرب کی طرح لحم خنزیر کا بھی یہاں گزر نہیں ہو سکتا تھا۔ کرسس اور پھر سالی نو کے دن عیسائی دنیا میں بڑی دھوم دھام، درخشاں شادانہ ط کے ساتھ منائے جاتے ہیں، ان دنوں میں ثقہ بھی غیر ثقہ ہو جاتے ہیں اور بوڑھے بھی جوانوں کی طرح چھل کود کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں دیکھتے "عشق سعدی، بزانو" سہی۔

شب کے وقت جو پارٹیاں ہوتی ہیں ان میں جو صد و ظن سے زیادہ شراب نوشی اور پھر ڈانس یہ دونوں تو لازمی چیزیں ہیں، چنانچہ میں جس ہوٹل میں رہتا تھا، اس کے پردہ پرائیمر کی طرف سے ۱۵ دسمبر ۱۹۷۲ء کی شب میں ایک "سالانہ" کرسس پارٹی ہوئی، اس میں یہی کچھ ہوا، پھر اس طرح کی پارٹیاں سوسائٹی کے کسی ایک طبقہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں۔ یونیورسٹیوں کے احاطوں میں بھی ہوتی ہیں۔ انسان کی فطرت بھی عجیب ہے، اچھے سے اچھے کام کو نیک مقصد وار وہ سے شروع کرتا ہے مگر وقت گزرنے کے ساتھ اس میں تبدیلی پیدا ہوتی رہتی ہے۔ اور، خرچہ کام سترتا سترتا جو تو ب تھا وہ سرمایہ گناہ، معصیت بن جاتا ہے، یہ عین عیسائیوں کے ساتھ مخصوص نہیں، ہر مذہب کے لوگ اس میں مبتلا ہیں، بزرگانِ دین کے مزارات پر عرس اور عید کے میلے ٹھہرے ہوتے ہیں۔ بولی پر رنگ ریزی اور گلاں پاشی ہوتی ہے۔ ان میں کون نہیں جانتا کہ نظر کے ساتھ کتنے دل بھی بھس جاتے ہیں، رور جو گنہ کچھے ثواب ہے آج" کہہ کر اپنی تسلی کر لیتے ہیں۔

لیکن ہمارے انسٹیٹوٹ نے اس تقریب کے موقع پر بھی اپنی روایات کو قائم رکھا۔ چنانچہ سابق برسوں کی طرح اس سال بھی ۲۱ دسمبر کو پروفیسر اور میزبان اسمتھ کی طرف سے انسٹیٹوٹ کے تمام

لوگوں کی مع اُن کے جبر متعلقین کے ایک نہایت عظیم الشان پارٹی خاص انسٹیٹوٹ کی بلڈنگ میں ہوئی۔ کھانے ایک سے ایک بڑھ کر اور اس قدر متنوع کہ خوب شکم میر ہو کر کھانے کے باوجود متعدد قابوں کو ہاتھ بھی نہیں لگایا جاسکا۔ اسمتھ صاحب، ان کی بیگم اور ان کے لڑکے اور لڑکیاں ہمارے ہاں کے نوکروں اور خانسائوں کی طرح ہنستے مسکراتے، ہمانوں کی خاطر تواضع کرتے پھر رہے تھے، یہاں کھانے کے ساتھ پانی تو شاؤنا در ہی پیتے ہیں، ورنہ عام طور پر پھلوں کا عرق یا کافی یا چاء استعمال کرتے ہیں۔ اسمتھ صاحب نے اس موقع پر مختلف پھلوں کے عرق کا انتظام کیا تھا۔ عرق بھی کیسا؟ بالکل تازہ۔ شہد دانگبین کی طرح میٹھا، نسیم سحر کی مانند لطیف و شفات، اور ہرن کی طرح خنک، جو لوگ اس کا ذوق نہیں رکھتے تھے اُن کے لئے کافی بھی تھی۔ کھانے کے بعد (یا شاید کھانے سے پہلے) اب ٹھیک یاد نہیں رہا) متعدد قسم کے کھیل ہوئے تو اُن میں بھی انسٹیٹوٹ کی شان جھلکتی تھی، مثلاً: اسمتھ صاحب نے کہا "جنوب مشرقی ایشیا کے کسی دوا ایسے اسلامی ملکوں کے نام ایک پرچہ پر لکھئے جن کے شروع میں "۹" آتا ہے، یا "اٹھارھویں صدی کے دوا ایسے مسلمان مستنقین کا نام لکھئے، جنہوں نے اپنے قلم سے تلوار کا کام لیا ہے اور اُن کے نام کا پہلا حرف میم ہے، وغیرہ وغیرہ، غرض کہ یہ سب کھیں کو دجو ۴۵ منٹ کے تھے، اسی قسم کے تھے، ان میں مقابلہ ہوتا تھا، اور ناموں کے اعلان کے بعد جب انعام ملتا تھا تو قہقہہ لگتا تھا۔ اس کے بعد ہر ملک کے آدمی نے اپنی اپنی زبان کی کوئی نظم یا غزل سنائی۔ اردو غزل ایک صاحب سنا چکے تھے، اس لئے جب مجھ سے فرمائش کی گئی تو میں نے متنبی کے ایک قصیدہ کے دس بارہ تشبیب کے اشعار سری لہجہ میں گا کر سنائے، پھر انعامات اور تحفے نثرائف تقسیم ہوئے اور آخر میں بائبل کی ایک دعا سب نے مل کر گائی۔ درتقریباً بارہ بجے یہ مجلس برخاست ہو گئی۔ اس میں بھی نہ کہیں شراب تھی، اور نہ قمار نہ فحش مذاق اور نہ کوئی اخلاق ست گری ہوئی حرکت۔ قہقہے تھے مگر پارسایانہ، مذاق وزنہجتے ہوئے نعرے تھے لیکن دس بجے ہوئے۔

یہ ظاہر ہے کہ وہاں کا معیار زندگی ہمارے مقابلہ میں بہت اونچا ہے اور کسی تناسب -

اشیاء کا نرخ اور ان کی قیمتیں بھی ہیں، بس یوں سمجھئے کہ قوت خرید کے اعتبار سے وہاں کا ڈالر اور ہمارا روپیہ دونوں برابر ہیں، ایسے ماحول میں کسی کم آمدنی رکھنے والے پر اچانک کوئی غیر معمولی خرچ آپڑے تو اس کا پریشان ہونا لازمی ہے، لیکن وہاں متعدد قسم کے تیراتی، درفہ عام کے اظہارے ہیں جو اس طرح کے مواقع پر ضرورت مند اصحاب کی امداد و اعانت کرتے ہیں۔ اور اس معاملہ میں ملکی اور غیر ملکی اور ہم مذہب ہونے نہ ہونے کا فرق دامت ز نہیں کرتے، میرے ایک پاکستانی دوست جو انسٹیٹوٹ میں میری طرح ایک سال کے لئے آئے تھے وہ یہاں ستمبر میں پہنچے، اور ایک ماہ کے بعد ہی یعنی اکتوبر میں انہیں یہاں دسٹ پیش آ گیا کہ ایک دن شب میں نو سو بجے کے درمیان کھانا کھا کر وہ چہل قدمی کے لئے نکلے، ابھی تھوڑی دیر گئے تھے کہ اچانک پاؤں پھسلا اور وہ لڑکھڑا کر جو گرے تو پاؤں کی ہڈی ٹوٹ کر ٹوٹ گئی، ان کے پاس سب جو شخص گزر رہا تھا اس نے فوراً مونٹرلی رائل ہسپتال کو فون کر دیا، درجنوں ہسپتال کی ایمبولینس کار آ کر ان کو لے گئی اور امیژن وارڈ میں داخل کر دیا۔ یہاں ان کی مدد چھپتی ہوئی اور پھر نہیں جس درڈ میں داخل کر دیا گیا، وہاں جنرل وارڈ میں ہی مریض کے لئے برتھ کی سہولتیں اور راحت و آرام کی تمام آسائیاں مہیا ہوتی ہیں، اس لئے پرائیویٹ وارڈ کی ضرورت نہیں ہوتی، اسی وارڈ میں یہ ڈیڑھ دو مہینے رہے ہوں گے مگر اب شف خانہ کی طرف سے ان کے نام بل آیا تو وہ آٹھ سو ڈالر کا تھا، ظاہر ہے اس سے ان کو جتنی بھی پریشانی ہوتی کم تھی۔ لیکن اسٹند صاحب کو اس کا علم ہو تو انھوں نے تسلی دی کہ کبکہ آپ گھبرا ئیں نہیں، میں اس کا انتظام کر دوں گا، چنانچہ انھوں نے یونیورسٹی کو ایک خط لکھ دیا، اور یونیورسٹی نے فوراً آٹھ سو ڈالر کا ایک چک ان صاحب کے نام بھیج دیا، معلوم ہوا کہ کسی شخص نے لاکھوں روپیہ کا ایک فنڈ یونیورسٹی کو فنڈ اس مقصد کے لئے ہی دیا ہے کہ یونیورسٹی کا کوئی عازم بیمار ہو جائے اور اس کو اپنی آمدنی و حیثیت سے زیادہ علاج پر خرچ کرنا پڑے تو اس فنڈ سے اس کی مدد کی جائے، چنانچہ یہ امداد اسی فنڈ سے کی گئی تھی۔

بیماری تو سٹیور میں رشتہ بوجہ سافٹ (MEDICAL LEAVE) کے جو

قواعد و ضوابط عام طور پر رائج ہیں، اُن میں مدت ملازمت کے تناسب سے رخصت کے دن متعین ہوتے ہیں، اور بعض خاص صورتوں کو مستثنیٰ کر کے تنخواہ پوری نہیں بلکہ نصف ملتی ہے لیکن یہاں تنخواہ بھی پوری ملے گی اور اوپر سے ایک وقیع امداد بھی ہوگی، مجھے جب یہ معلوم ہوا کہ یہاں علاج اس درجہ گراں ہر تو سخت پریشانی ہوئی، اسمتھ صاحب سے اس کا تذکرہ آیا تو انھوں نے مشورہ دیا کہ میں تندرستی کا بمیہ کرالوں، چنانچہ میں نے بمیہ کرالیا، اس طرح مجھ کو اپنی تنخواہ کا ڈیڑھ فی صد ماہانہ دینا پڑتا تھا۔ اگرچہ اللہ کا ہزار ہزار شکر ہے اس بمیہ سے فائدہ اٹھانے کی نوبت نہیں آئی لیکن یہ اطمینان ہو گیا کہ جب کبھی میں بیمار ہوں گا تو خواہ کوئی بیماری ہو اور علاج کتنے ہی دن چلے، بہر حال دوا دارو، ڈاکٹر کا معائنہ، شفا خانہ کی سہولتیں، نرسنگ وغیرہ جو اعلیٰ سے اعلیٰ پیمانہ پر ہوں گی وہ سب مفت ہوں گی، یہ نفس احساس بہت کچھ تقویتِ دل اور جمعیتِ خاطر کا باعث تھا۔

اسی طرح کی چیزیں ہیں جن کی وجہ سے وہاں معیارِ زندگی کے بہت زیادہ اونچا ہونے کے باوجود لوگوں میں وہ انتشارِ ذہنی، بد دل اور اندرونی الجھن نہیں پائی جاتی، جو ایشیا کے ملکوں میں عام طور پر محسوس کی جاتی ہے۔ وہاں اگر آپ بے روزگار ہیں تو جب تک روزگار نہیں ملے گا، حکومت کی طرف سے آپ کو بے روزگاری کا الاؤنس ملے گا۔ اگر آپ بوڑھے ہو گئے ہیں اور کسبِ معاش کے لائق نہیں رہے تو آپ اپنے بیٹے بیٹی یا کسی عزیزِ قریب پر بوجھ نہیں ہونگے حکومت کی طرف سے بوڑھے مردوں اور عورتوں کے لئے ہر جگہ گھر (HOME) بنے ہوئے ہیں۔ وہاں جا کر داخل ہو جائیے، اس گھر میں آپ کو غذا، لباس، سیر و تفریح، خزانہ داری کا سہارا سامان وہ سب کچھ ملے گا جو اس عمر میں آپ کو صحت مند اور خوش رکھنے کے لئے ضروری ہے۔ آمدنی پرنیکس ہر حکومت لیتی ہے اور اُسے لینا چاہیے، لیکن ہمارے ہاں قاعدہ یہ ہے کہ اگر بالفرض آپ کی آمدنی پانچ سو روپیہ ماہوار ہے۔ تو شرحِ نیکس کے حساب سے اس آمدنی پر نیکس کی جو رقم آپ کے ذمہ نکلتی ہے وہ بہر حال آپ کو ادا کرنی ہوگی۔ خواہ آپ مجاہد ہوں، یا شادی شدہ اور دوسری صورت میں آپ لاؤلڈ ہوں یا تین یا چار بچوں کے مایہ، غرض کہ نیکس

کی رقم مقرر کرنے میں صاحبِ آمدنی کے اخراجات کا قطعاً کوئی لحاظ نہیں کیا جاتا۔ بعض صورتوں
 میں شادی شدہ اور غیر شادی شدہ میں فرق ضرور ہوتا ہے، لیکن تمام واجبی اور لازمی اخراجات
 کی رعایت نہیں کی جاتی، لیکن وہاں یہ بات نہیں ہے، چنانچہ جب میں ستمبر میں مونٹرلی پہونچا
 اور جاتے ہی مجھے اگست کی تنخواہ کا چیک ملا تو میں نے دیکھا کہ اُس میں بارہ فی صدی رستم
 انکم ٹیکس میں وضع کر لی گئی تھی، مجھے اس سے تکلیف تو ہوئی مگر کرتا کیا؟ چپ ہو گیا، دوسرے دن میں
 انسٹیٹوٹ پہونچا تو ڈاکٹر چارلس آڈم مجھے اپنے کمرہ میں لے گئے اور ایک فارم دیا جس کی میں نے
 خانہ پوری کی، اس میں مجھے بتانا پڑا کہ میرے ذمہ کن کن لوگوں کے اخراجات ہیں، بیوی کے علاوہ
 کتنے بچے اور بچیاں ہیں، اُن کی عمر کیا ہے، وہ کسی اسکول یا کالج میں زیرِ تعلیم ہیں یا نہیں؟
 اس طرح میں نے اپنے گھر کے تمام افراد کی فہرست لکھ دی اور اب آڈم صاحب نے حساب لگایا تو
 انکم ٹیکس بہت تھوڑا رہ گیا، اور جو رقم پہلے میری تنخواہ میں سے وضع کر لی گئی تھی وہ واپس مل گئی، اب
 ٹھیک یاد نہیں ہے، مگر یہ حساب کچھ اس قسم کا تھا کہ ایک ہزار ڈالر سالانہ خود صاحبِ آمدنی کا خرچہ۔
 پانچ سو ڈالر بیوی کا، تین تین سو ڈالر فی بچہ، دو سو ڈالر خوش دامن اور اتنا ہی باورچی کا خرچہ، یہ سب
 ملا کر جتنی رقم ہوئی اُس پر کوئی ٹیکس نہیں ہوگا، میں نے وہاں دیکھا کہ شادی بیاہ زعمری میں ہی ہو جاتے ہیں۔
 یونیورسٹی میں طلباء اور طالبات کی ایک بڑی تعداد آپ کو اُن لوگوں کی سٹے کی جو شادی شدہ ہوں گے۔
 میں نے اس کی وجہ پوچھی تو معلوم ہوا کہ لڑکا لڑکی دونوں کو وظیفہ ملتا ہے اس لئے کوئی کسی پر بار نہیں ہوتا۔
 پھر شادی کا نام نہ یہ ہوتا ہے کہ ٹیکس کم ہو جاتا ہے، ہمارے ہاں جب تک صاحبزادہ کی تعلیم ختم نہیں
 ہو جاتی اور وہ برسرِ روزگار ہو کر اپنے پاؤں پر کھڑا نہیں ہو جاتا اُس وقت تک نہ اس غریب کو شادی
 کرنے کی جرات ہوتی ہے اور نہ اُس کے ماں باپ اس کا خیال کرتے ہیں، اور نہ اس حالت میں کوئی لڑکی
 والا ہی اپنی بیٹی دینے کی ہمت کرتا ہے۔ مگر وہاں یہ بات نہیں، اُس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں ہر نوجوان
 جو تعلیم پارہا ہے اُس کا مستقبل غیر یقینی ہے، سے نہیں معلوم کہ تعلیم سے فرحت کے بعد اُسے نوکری
 ملے گی یا نہیں؟ اور اُسے بھی تو کس درجہ کی؟ لیکن وہاں کسی نوجوان بڑے یا لڑکی کے ذہن میں

اس طرح کے شکوک و شبہات نہیں ہوتے، اُن کے سامنے پہلے سے ایک مقصد اور ایک نصب العین ہوتا ہے اور انہیں یقین ہوتا ہے کہ تعلیم ختم کرنے کے بعد اُس نصب العین کے حاصل کرنے میں اُن کے لئے کوئی مانع اور رکاوٹ نہیں ہے، وہاں ہر نوجوان ہمارے ملک کی طرح سرکاری نوکری کا خواہاں نہیں ہوتا، اُس کے نزدیک کسی عہدہ پر فائز ہونا، یا کوئی کاروبار کرنا، دونوں برابر ہیں، اسے کسی کام میں عار نہیں ہے، وہ سمجھتا ہے کہ ملک میں ہر پیشہ اور ہر صنعت و حرفت کے انسان کی کھیت ہے، اس لئے اپنے ذوق اور رجحان کے مطابق ایک پیشہ کا انتخاب کرتا اور اُس کے مطابق ہی تعلیم حاصل کرتا ہے۔ جو لوگ مذہبی تعلیم کی تکمیل کرتے ہیں، یہ سمجھ کر کرتے ہیں کہ انہیں مذہب کی خدمت کرنی ہے، اس بنا پر اُنکی زندگیاں عام طور پر سادہ اور بے تکلف ہوتی ہیں، وہ اس میں خوش رہتے ہیں، اور زیادہ کی ہوس نہیں کرتے۔

میں نے یونیورسٹی کے بعض اساتذہ سے دریافت کیا کہ کیا ط لپ علی کے زمانہ میں شادی کر لینے سے تعلیم میں رخنہ پیدا نہیں ہوتا؟ انھوں نے کہا کہ، اگر اقتصادی بوجھ نہ ہو تو شادی سے نہ صرف یہ کہ تعلیم میں رخنہ پیدا نہیں ہوتا بلکہ اُس سے صحت اچھی رہتی ہے۔ خیالات میں یکسوئی پیدا ہو جاتی ہے اور اس بنا پر اس کا تعلیم پر اثر اچھا ہوتا ہے، جو قوی زندہ اور ترقی یافتہ ہوتی ہیں وہ کس طرح سوچتی ہیں؟ آپ کو اسی سے اندازہ ہو گیا ہو گا، اس سلسلہ میں ایک واقعہ سن لیجئے، کم از کم مجھے تو اس سے بڑی عبرت ہوئی ہے۔

ہمارے انسٹیٹیوٹ میں ایک ہندوستانی نوجوان ایم، اے کلاس میں داخل تھے۔ یہ شادی شدہ ہیں اور ماشاء اللہ تین بچوں کے باپ بھی؛ یہ اُن کا دوسرا سال ایم، اے فائنل کا تھا، اپریل ۱۹۶۳ء میں امتحان ہوا، اور یہ اُس میں بہت اچھے نمبروں سے کامیاب ہو گئے، اب اُن کی خواہش ہوئی کہ پی، ایچ، ڈی میں داخلہ لے لیں اور اس طرح دو تین برس اور یہاں قیام کریں، چنانچہ انھوں نے داخلہ کی درخواست دے دی، اے مئی ۱۹۶۳ء کو اسٹان میٹنگ

ہوئی جس میں میں بھی شریک تھا، داخلہ کی تمام درخواستوں پر اسی میٹنگ میں غور کرتا تھا، جب اس نوجوان کی درخواست زیر غور آئی تو پروفیسر اسمتھ نے بحیثیت ڈائریکٹر کہا کہ ”جہاں تک پی، ایچ، ڈی میں داخلہ کے استحقاق کا تعلق ہے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ امیدوار اس کا بہمہ وجہ مستحق ہے، لیکن ایک بات کا خیال ضرور کرنا چاہئے۔ اور وہ یہ کہ یہ نوجوان دو برس سے اپنی بیوی اور بچوں سے جدا ہے، اب اگر یہ پی، ایچ، ڈی میں داخل ہو جاتا ہے تو اس کے معنی یہ ہونگے کہ وہ کم از کم دو برس اور اپنی بیوی بچوں سے جدا رہے گا، اور یہ بات نہ اس نوجوان کے حق میں اچھی ہے اور نہ اس کے متعلقین کے حق میں، اس لئے میری رائے یہ ہے کہ یہ تو اس سے کہا جائے کہ تم ایک برس کے لئے گھر چلے جاؤ، اور پھر یہاں آکر داخلہ لے لو، اور اگر وہ اسے نہ مانے تو اب دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اس نوجوان کو اسکالرشپ بڑھا کر اتنا کر دیا جائے کہ وہ اپنی بیوی کو بھی یہاں بداسے اور بچوں کو وطن میں نانانی کے پاس چھوڑ آئے، اور اگر بالفرض بیوی یہاں نہ آسکے تو اس نوجوان کو بھارت سے ہندوستان جانے اور واپس آنے کا کرایہ دیا جائے تاکہ موسم گرما کی تعطیل وہ اپنے وطن میں گزار سکے، اسمتھ صاحب نے یہ فرمایا، اور بغیر کسی اختلاف کے، سی پرفیسر ملے ہو گیا۔

ممکن ہے آپ کے نزدیک یہ معمولی واقعہ ہو، لیکن حقیقت یہ ہے میرے دل پر اس کا غیر معمولی اثر ہوا اور یہ خیال کر کے آنکھوں میں نہو بھرتے کہ التذاکیر۔ ایک نو ہزار میل کی مسافت پر رہنے والے یہ اجنبی لوگ ہیں جو دہلی اور دل جوئی کا اس درجہ خیال کرتے ہیں، اور دوسری طرف ہم رہے بردران وطن میں ہی ایسے لوگ موجود ہیں کہ ہمارے گھروں میں آگ لگتی، اور ہم گنتے اور برباد ہوتے ہیں تو بچے بچے تفتیشی کرنے کے جلی گئی باتیں سن کر اور ہم رہے زخموں پر نمک پاشی کرتے ہیں۔ ”ہم ہیں نف دت رہ زکجا ست تاجی“ وہ یوسف کنگان جسے اس کے بھائی گنویں میں جمنیک تھیں، اور یک کاروان سر راہ اسے عطیہ قدرت سمجھ کر اٹھالے۔

دیکھئے، انسٹیٹیوٹ کی ایک اسٹاف میٹنگ رمضان میں (۱۴ فروری ۱۹۶۶ء کو)

سارے تین بجے منفق ہوئی یعنی غروب آفتاب سے کوئی ڈیڑھ گھنٹہ پہلے اس طرح کی میٹنگس میں چائے کا انتظام ہوتا ہی ہے۔ درپھر یہ تو وقت بھی شام کا تھا، چنانچہ حسب معمول سوا چار بجے چائے آئی، لیکن چونکہ بارگاہ حسینی اور میں، ہم تین آدمی روزہ سے تھے، اس سے چائے کسی نے نہیں پی، یونہی رکھی رہی، آخر جب مغرب کا وقت ہوا اور ہم نے روزہ افطار کر لیا تو اب سب نے چائے مع اُس کے لوازم کے پی، اس پر مزید یہ ہوا کہ آپ کو معلوم ہی ہے یہاں ہر کام ”دست خود دہان خود“ کے مصداق ہوتا ہے، چنانچہ اس طرح کی میٹنگ کے بعد ہم ممبران اسمٹاف جن میں ڈاکٹر اور اسٹنٹ ڈاکٹر سب ہی شامل تھے، چائے کی پیالیاں اور دوسرے برتن کچن (مطبخ و دارالطعام) میں اٹھا کر لے جاتے اور وہاں اُن کو دھو دھا تو لہیہ سے صاف صوف کر اماری میں قرینہ سے لگا کر رکھ دیتے تھے، اس میٹنگ میں چونکہ سبھی ممبران اسمٹاف نے ہم تین مسلمانوں کی رعایت سے وقت پر چائے نہیں پی تھی، اس لئے میں نے برتنائے اظہارِ ممنونیت چائے کے برتن اٹھانے میں سبقت لی، لیکن ڈاکٹر، لٹن جوہال لاہوری اور بڑے درویش صفت انسان ہیں وہ اور دو تین اور پروفیسر میرے پیچھے بیکے اور کچن میں پہنچ کر سب برتن مجھ سے یہ کہہ کر چھین لئے کہ آپ کی نماز کو دیر ہو جائے گی آپ نماز پڑھئے، برتن ہم دھو دیں گے۔

یونیورسٹی کے دائرہ میں اس تازہ اور طلباء کا جوا خلاق اور طور طریق زندگی ہوتا ہے وہ درحقیقت پورے سماج کا آئینہ دار ہوتا ہے، یہ جو کچھ آپ نے سنا صرف اربابِ جوامع سے مخصوص نہیں ہے، بلکہ پوری قوم کا مزاج ہی کچھ ایسا بن گیا ہے، ہمارے برصغیر انڈیا پاک میں ہندو مسلمان اپنے اپنے تہوار مناتے اور خوب دعوت و پارٹیاں کرتے ہیں، لیکن ہم میں کتنے ہیں جو غیر ملکی طلباء کو اس موقع پر اپنے ہاں مدعو کرتے ہوں۔ لیکن وہاں عام رواج ہے کہ کرسمس کے موقع پر ہر قسمی حسب حیثیت دوپار غیر ملکی طلباء کو اپنے ہاں پنچ یا ڈنر پہنچا دیا جائے اور اگر کچھ اور بھی نہیں تو کم از کم شام کی چائے پر مدعو کرتے ہیں۔ اور اس طرح گویا تہوار کی خوشی اور اُس کے جشن میں اپنے ساتھ پردیسیوں کو بھی شریک کر لیتے ہیں، معیارِ زندگی اس قدر ادنیٰ اور

گراں ہے کہ جو چیزیں ہمارے ہاں لوازمِ امارت و ریاست میں شامل ہیں، یعنی ٹیلیفون موٹر کار، رفریجریٹر وہ اُن کے ہاں ضروریاتِ زندگی میں داخل ہیں اور اُس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ وقت کی قدر کرتے اور صحت و تندرستی کی اہمیت کو پہچانتے ہیں، اُن کے سوچنے کا انداز یہ ہے کہ فون اور کار کے استعمال سے جو وقت بچتا ہے اگر اُس کا حساب لگایا جائے تو ساٹھ برس کی عمر تک پانچ چھ برس بیٹھیں گے، پس انسان کی یہ کتنی بریفیسی ہے کہ وہ عمر کے اتنے قیمتی برسوں کو یوں ہی ضائع اور بے کار کر دے۔ اور اُن میں وہ اپنی صلاحیتوں اور قابلیتوں سے وہ کام نہ لے جو قدرت نے اس میں ودیعت کی ہیں، یہ صرف ایک شخص کا ذاتی نقصان نہیں بلکہ پوری قوم اور پورے ملک کا ناقابلِ تلافی نقصان ہے۔ پھر یہ نقصان تو وہ ہے جو وقت کے ضائع ہونے سے پیدا ہوا ہے، پیدل چلنے یا سست رفتار گاڑیوں میں بیٹھنے کی وجہ سے قلب و دماغ پر جو نفسیاتی اثرات ہوتے ہیں، اُن کا حساب اس سے الگ ہے یہی حال رفریجریٹر کا ہے، وہ سوچتے ہیں کہ اس پر جو کچھ خرچ آتا ہے اُس کی کوئی حقیقت نہیں ہے، اُس جسمانی اور ذہنی صحت کے مقابلہ میں جو اشیائے خوردنی کو رفریجریٹر میں رکھنے سے حاصل ہوتی ہے، غرض کہ پوری قوم کے فکر کا انداز یہی ہے، اور حکومت بھی جو واقعی عوامی اور فلاحی (WELFARE) حکومت ہے اسی انداز پر سوچتی اور عمل کرتی ہے، آپ کو اگر ٹیلیفون کی ضرورت ہے تو آج درخواست دیجئے اور آج ہی نہیں تو کل آپ کے ہاں فون ضرور لگ جائے گا۔ اگر نقد نہیں خرید سکتے تو قسطوں پر لے لیجئے۔ حسبِ حیثیت آپ کی تنخواہ سے قسطیں وضع ہوتی رہیں گی، یہی حال اور زیادہ سے زیادہ قیمتی چیزوں کا ہے، اشیاء کی اس درجہ گرانی اور معیارِ زندگی کی بلندی کے باوجود پورے ملک میں سسرے سے اُس سرے تک پھر جائیے، آپ کو کہیں گداگر اور بھکاری نہیں ملیں گے۔

تاریخِ علم فقہ - فقہ کی تاریخ و تدوین پر ایک جامع اور مختصر کتاب

مولانا مفتی سعید محمد عابد - حبان صاحب صدر مدرس، مدرسہ عالیہ دھاکہ، قیمت: ۲/- مجلد ۲۵/۲

شعبہ عربیہ - مکتبہ عربیہ اردو بازار جامع مسجد، دہلی ۶

اکبیتا غزل

جناب قتیس رام پوری

تری نظر کہ ہر اک شاخ گل جلا کے رہی
مگر یہ دل کی کلی تجھ پہ مسکرا کے رہی
نسیم صبح نے شمع کو لاکھ لاکھ را
مگر وہ مست پتنگوں کی خاک پا کے رہی
وہ رات جس پہ ترے گیسوؤں کے سائے تھے
ہزار صبح نگاراں کے راز پا کے رہی
بتا رہی ہے دلِ باغباں کی مایوسی
ضرور کوئی کلی آج مسکرا کے رہی
کریم اتیرے کرم سے میں اب وہاں ہوں جہاں
جناب شیخ کی توبہ بھی ڈلگا کے رہی
عجب نہیں کہ حدیثِ کلیم و طور ہی ہو
وہ اک منظر جو مرے دل کو آزما کے رہی
کہیں جو ذکر چھڑا قتیس رہنماؤں کا
تو مجھ کو اپنے بھی لٹنے کی یاد آ کے رہی

غزل

بجلیاں ہیں اور میرا آسٹیاں 'اب کیا کروں؟
 جناب سعادت نظیر
 ٹوٹ پڑنے کو ہے سر پر آسماں 'اب کیا کروں؟
 صدہ جاں گا ہیِ فرقت 'بیاں اب کیا کروں؟
 کہتے کہتے رُک گئی میری زباں 'اب کیا کروں؟
 اُن کے سنگِ ستاں تک میں ابھی پہنچا نہیں
 دوش پر سر ہو گیا 'یارِ گراں 'اب کیا کروں؟
 شمعِ کشتہ درخورِ محفل نہیں 'اے ہم نفس!
 لقمہ جاں 'افسردہ دل رہ کر بیاں 'اب کیا کروں؟
 رہتے رہتے ہو گیا ہے اُنسِ زنداں سے مجھے
 اور کاٹی جا رہی ہیں بیڑیاں 'اب کیا کروں؟
 یاد کی آئیں مجھے فرہاد کی ناکا میاں
 ہو گئی ہے زندگی کوہِ گراں 'اب کیا کروں؟
 'ن کی نظروں کا تقاضا 'مدعا سے دل کہوں"
 اور ادھر کھتی نہیں میری زباں 'اب کیا کروں؟
 پھر گرانا چاہتی ہے بکلیوں پر بجلیاں
 نہ موافق ہے فضا سے آسماں 'اب کیا کروں؟
 جلوہ فردا دکھا آئینہ امروز میں
 عہدِ ماضی کی میں سُن کر داستاں 'اب کیا کروں؟
 اے سعادت! کی بہاریں ہو گئیں نذرِ خزاں
 رُٹ گئی دم بھر میں کیسا گلستاں؟ 'اب کیا کروں؟

تبصرے

بابائے اردو عبدالحق : مُرتبہ جناب عبداللطیف صاحب اعظمی ۔

تفطیع خورد، ضخامت ۳۲۰ صفحات، کتابت و طباعت بہتر، قیمت بند ۴/۵۰
پتہ ۱۔ ادارہ فروغِ اردو امین آباد، لکھنؤ۔

بیسویں صدی میں اردو زبان و ادب کی جو خدمت کمال شیفتگی و فریفتگی کے ساتھ مولوی عبدالحق نے کی ہے، اصل یہ ہے کہ اشخاص و افراد کا ذکر نہیں، دوروں اور جماعتوں تک نے نہیں کی، وہ بیک وقت اردو کے نامور محقق، بلند پایہ ادیب اور انشاء پرور، اعلیٰ درجہ کے نقاد اور مصنف بھی تھے، اور زبان کے بے انتہا مخلص اور وفادار خادم بھی۔ نہیں، اس زبان کے ساتھ محبت نہیں عشق تھا، جس کے سے انھوں نے ہر ممکن قربانی سے کبھی دریغ نہیں کیا، مولوی صاحب کی ان خدمات کے عترت میں سنگٹہ میں جامعہ ملیہ اسلامیہ کے طلباء کے ربانہ جوہر نے اپنا ایک خاص نمبر شائع کیا تھا، زیر تبصرہ کتاب انہیں مضامین اور ان کے ساتھ چند اور مضامین کا جو مولوی صاحب کی وفات کے بعد مختلف رسالوں میں چھپے ہیں، ایک حسین مجموعہ ہے۔ کتاب تین حصوں پر تقسیم ہے۔ پہلے حصہ کا عنوان "سیرت اور شخصیت" ہے اور دوسرے اور تیسرے حصہ کا عنوان علی الترتیب "بابائے اردو کے علمی کارنامے" اور "مکاتیب عبدالحق" ہیں، آخر میں مرحوم کے تعلق سے انجمن ترقی اردو کی ایک سرگزشت بھی ہے جو معلومات افزا ہے۔ پہلے در دو سرے حصہ میں حمد و ثناء

شامل ہیں، سب زبان و بیان اور ترتیب و معلومات کے اعتبار سے دل چسپ و مفید اور لائق مطالعہ ہیں، البتہ یہ مضمون ہمیں سب سے زیادہ پسند آئے، "حدیث دیگر" عابد حسین۔
 "بابائے اردو" رشید احمد صدیقی، "تنقیدات و مقدمات پر ایک نظر" منظور جنگ بہادر اس مضمون کی تو زبان بھی غضب کی دل کش اور پر لطف ہے، "مرقع نگاری" اسلوب احمد، "اسلوب بیان" شمیمہ شوکت، عام قارئین کے علاوہ اردو زبان کے طلباء اور ریسرچ اسکالرس بھی اس سے بہت کچھ فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

- (۱) سہ ماہی اردو کا "بابائے اردو نمبر"، مرتبہ سید وقار عظیم، تقطیع کلاں، ضخامت ۲۶۸ صفحات، کتابت و طباعت بہتر، قیمت سات روپیہ۔
 (۲) قومی زبان کا "بابائے اردو نمبر"، مرتبہ جناب مشفق خواجہ، تقطیع کلاں، ضخامت ۳۷۶ صفحات، کتابت و طباعت بہتر، قیمت تین روپیہ۔
 پتہ دونوں کا: انجمن ترقی اردو پاکستان، اردو روڈ، کراچی۔ ۱۔

"اُردو" انجمن ترقی اردو کراچی کو سہ ماہی وقار عظیم کی دادی مجلہ ہے اور قومی آواز اسی انجمن کا پندرہ روزہ اخبار یہ دونوں الگ الگ رنگ رنگ کے خاص نمبر ہیں جو مولوی عبدالحق صاحب کی یادگار میں ہیں، ان نمبروں کے مقابلہ میں اردو زبان کا مشہور دیب دراہل قلم ہیں۔ درود بک بھی جن کو تحریروں سے کوئی واسطہ نہیں، البتہ یہ کسی نہ کسی حیثیت سے مرحوم سے تعلق رکھتے اور نہیں جانتے تھے، موزالذکر طبقہ کے حضرات تو یہ ہر ہے مرحوم کی شخصی زندگی سے متعلق اپنے تاثرات کے علاوہ اور لکھ ہی کیا سکتے تھے، البتہ تعجب اس بات پر ہے کہ اول الذکر گروہ میں جو حضرات شامل ہیں انہوں نے بھی باسٹیشن سے چند مولوی صاحب کے ساتھ اپنے ذاتی تعلقات یا ان کی شخصی ادبی زندگی کے کسی پہلو سے متعلق اپنے مشاہدات و تاثرات قلمبند کئے ہیں، اور وہ بھی اس طرح کہ گویا خود نہیں کئے بلکہ کھواہے گئے ہیں۔ "ماہنامہ اردو خاص نمبر میں" اردو زبان میں عورت کا حصہ" وحیدہ نسیم۔
 "مولوی عبدالحق" حاکم شاہ، "سدام سندھوی" مولوی صاحب کی سہ ماہی نگاری وقار عظیم۔

”بابائے اُردو جدید تنقید کے بانی“ ریاض الحسن، غاصے اہم اور دل چسپ مقالات ہیں، البتہ قومی زبان کے خاص نمبر میں اشاریہ عبدالحق مرتبہ ابن حسن قیصر و زاہدہ خاتون جو ۱۳۶ صفحات پر پھیلا ہوا ہے اور جو واقعی بڑی محنت اور تلاش سے مرتب کیا گیا ہے بڑے کام کی چیز ہے، اس میں مولوی صاحب کی تحقیقات و تالیفات، تراجم، مرتبہ کتابیں، مقدمات، خطبات، تبصرے نوٹ، تقریریں، مقارنات، غرض کہ مرحوم کی چھوٹی بڑی، معمولی اور غیر معمولی ہر قلمی یادگار کے بارے میں مکمل نشان دہی کی گئی ہے کہ یہ کب اور کس جگہ شائع ہوئی ہے، اس اشاریہ کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ ایک شخص جو ایک بڑے دفتر کا انچارج بھی ہو اور ایک تخریک کا بانی ہونے کی حیثیت سے ہر وقت رواں دواں بھی وہ کس طرح تحقیقی مطالعہ کے ساتھ اس کثرت سے کتابیں تصنیف اور مقالات تحریر کر سکتا ہے، اور پھر لطف یہ کہ ہر تحریر میں تازگی، بیباکیت، اور اُتچ یکساں پائی جاتی ہے، اور کہیں یہ محسوس نہیں ہوتا ہے کہ مسافر قلم آبلہ پانی کا شکار ہو گیا ہے۔

مثنوی حضرت بوعلی شاہ قلندر: مترجم از محمد سلم احمد صاحب نظامی ایم اے،
تفلیع خورد، ضخامت ۷۴ صفحات، کتابت و طباعت بہتر، قیمت مجلد ایک روپیہ۔
پتہ:- کتب خانہ نذیریہ اُردو بازار دہلی۔

حضرت بوعلی شاہ قلندر جن کا مزار پانی پت میں مزاج عوام و خواص ہے اکابر اولیا و صوفیائے وقت میں سے تھے، آپ پر جذب و مستی کی کیفیات کا غلبہ اکثر رہتا تھا، اسی عالم میں جو اشعار آپ کی زبان سے نکلتے تھے وہ بھی سوز و گداز و قسب و جگر پریشانی کے آئینہ دار ہوتے تھے، چنانچہ اس مثنوی میں بھی جو وحدت و جود، فنا، تذکیہ نفس عشق کے صفات و کمالات اور جذب و بیخودی کے مضامین پر مشتمل ہے، سرسستی و سرشاری کی کیفیت پائی جاتی ہے، اور آنکھوں کے سامنے ایک سماں بندھ جاتا ہے، مگر افسوس کہ ترجمہ سلیس و شگفتہ نہیں ہے، جو لوگ فارسی کا ذوق رکھتے ہیں، نہیں اس کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیے۔

(۱) چہرغ دیر و حرم : صفحات ۱۲۰ صفحہ ۱۲۰ - ۱۲۱ ڈاکٹر سید صفدر حسین، تقطیع متوسط

(۲) رقص طاؤس : صفحہ ۱۰۴ - ۱۰۵ کتابت و طباعت اور کاغذ اعلیٰ۔

ہر ایک کی قیمت چار روپیہ، پتہ: نمبر ۴، شردھانند اسکوائر، ارجن روڈ، کرشن نگر، لاہور۔

سید صفدر حسین صاحب مطلع شاعری پر بھی ہال بن کر چکے ہیں لیکن ان کے کلام کی بابت اب ان کے برہمن ہونے کی نوید سنائی ہے، پہلا مجموعہ ان کی غزلیات کا ہے، درود و سراں کی نظموں کا جو گنتی میں چودہ ہیں، یوں تو صفدر صاحب کو غزل اور نظم دونوں پر یکساں قدرت ہے۔ لیکن کچھ عجیب معاملہ ہے، ان کی نظم میں غزل کا رنگ ہے، اور غزل میں نظم کا۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ طبیعت میں غیر معمولی روانی اور بسیاختہ آمد ہے اور قلب سوز و گداز اور کیفیات عشق و محبت کا مخزن، اس لئے جب وہ نظم کہتے ہیں تو قلب کی گداز و ہشتنگی اس پر تغزل کا ملمع چڑھا دیتی ہے اور غزل کہتے ہیں تو طبیعت کی روانی اسے نظم سے ہم آہنگ کر دیتی ہے، چنانچہ ان کی اکثر و بیشتر غزلوں میں جگر کی بعض غزلیات سلسل کا لطف آتا ہے، جن کو سوز و ساز، حسن و عشق کے لطیف و دقیق راز و نیاز اور قلب محبت کے واردات و کیفیات کے حسن بیان و اظہار نے تسلسل کے ساتھ مل کر حسن کی پیشانی کا جھومر بنا دیا ہے۔ نظمیں سب نظم معرہ (غیر متغی) کا بڑا حسین اور کامیاب تجربہ ہیں۔ ان نظموں میں مردوں کی پابندی تو پوری ہے، مگر قافیہ اور ردیف کے اعتبار سے آزاد ہیں۔

تبصرہ نگار کی طرح جن لوگوں کا ذوق غیر مردانہ و غیر متغی نظم یا غزل کو قبول نہیں کرتا وہ اس کے پانچ چھ اشعار بھی نہیں پڑھ سکتے، لیکن صفدر صاحب کی نظموں کا یہ کمال ہے کہ ورق الٹ کر ایک نظم جو پڑھنی شروع کی تو جب تک سب نظمیں نہیں پڑھ ڈالیں کتاب ہاتھ سے نہیں رکھی، ہمارے نزدیک جگر مرد آ، دن اور اختر شیرانی کی شاعرانہ خصوصیات نے مل جل کر کلام صفدر کے پس میں ظہور کیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ یہاں رومانیت اور واقعیت دونوں دست بدست چلتے ہیں۔ دوسری کتاب کے شروع میں ڈاکٹر محمد احسن فاروقی کا مقدمہ بھی ادبی اعتبار سے خاصہ کی چیز ہے۔

بُرہان

جلد ۵۳ | رجب المرجب ۱۳۸۴ھ مطابق دسمبر ۱۹۶۴ء | شمارہ ۶

فہرست مضامین

۳۲۲	سعید احمد اکبر آبادی	نظرات
۳۲۵	از جناب سید حسن الزماں صاحب ایم اے بی کام کراچی	اسلام اور شرح سود
۳۴۲	از جناب مولوی اسحق البٹنی صاحب علوی رام پور	واقعات سیرت نبویؐ میں توقیفی قضا و اور اس کا حل
۳۷۱	سعید احمد اکبر آبادی	دیباغہ کے مشاہدات و تاثرات
۳۸۲	جناب ڈاکٹر محمد عمر صاحب	میر کا سیاسی اور سماجی ماحول
	استاذ جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی	



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نظرات

جو علماء مس فاطمہ جناح کی حمایت کر رہے ہیں اب انہوں نے کہنا شروع کیا ہے کہ عام حالات میں تو عورت بیشک کسی اسلامی مملکت کی سربراہ نہیں ہو سکتی، لیکن اُس وقت جب کہ اسلام کو خطرہ ہو اور ایک عورت کے ذریعہ اسے بچایا جاسکتا ہو تو اب عورت کو سربراہ مملکت بنانا جائز ہے، گزارش یہ ہے کہ یہ صورت امر جنسی کی ہے اور امر جنسی کی حمایت میں عورت کو سربراہ بنانا ہی نہیں بلکہ اور بھی بعض شرعی ممنوعات مثلاً اعضائے ستر کا کشف، شراب کا استعمال، کھل خنزیر وغیرہ سب چیزیں جائز ہو جاتی ہیں، اور جائز نہیں بلکہ بعض اوقات واجب اور فرض ہو جاتی ہیں، لیکن سوال یہ ہے کہ کیا پاکستان میں یہ امر جنسی پیدا ہو گئی ہے؟ اگر وہ حقیقت موجودہ حکومت نے جیسا کہ بڑے زور شور سے کہا جا رہا ہے، اسلام کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا اور گویا کمال آفات ترک کی روح نے صدر ایوب خان کے روپ میں دوبارہ بہمنیہ سے تو یقیناً پاکستان کے دس کروڑ مسلمانوں کے دل میں اُس کا درد اور صدر ایوب کے خلاف سخت غم و غصہ اور نفرت و بغض پیدا کر دیا ہے اور اب ہونا چاہیے اور اب ہونا یہ چاہئے تھا کہ ایک عمر رسیدہ خاتون جس نے اپنی زندگی میں اسلام کے ساتھ وابستگی اور اس کی روایات کے احترام کی کوئی شان و ریشاں کبھی قائم نہیں کی اُس کا سہارا لینے کے بجائے مولانا سید ابوالحسن علی ہودودی کو صدارت کے لئے کھڑا کیا جاتا جو ملک میں اسلام کے سب سے بڑے چیمپین اور اُس کے داعی ہیں، اچھا! مولانا نہ ہی اتنے بڑے ملک میں ایک مرد بھی ایسا نہیں ملا جو صدر ایوب خان ایسے اسلام شکن کے مقابلہ میں آسکتا، حالانکہ جب معاملہ اس درجہ سنگین اور سخت تھا اور ملک کے مسلمانوں کی اکثریت اسلام کی حمایت کے جذبہ سے موصوف سے اس قدر بیزار اور نفور تھی تو ایک مولانا ہودودی کیا ایک معمولی حیثیت کا مسلمان بھی انہیں پرانی سے شکست دے سکتا تھا، لیکن اگر ایسا نہیں ہوا تو اب اس کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ یا تو مہرے سے

یہ کہنا ہی غلط ہے کہ وہاں اسلام کو خطرہ ہے، اور یا اگر واقعی خطرہ ہے تو اس ملک کے مسلمانوں کی اکثریت اسلام کے ساتھ کوئی ہمدردی نہیں رکھتی، اور صدر ایوب خان کی اسلام شکن حرکات و اقامات کا انہیں کوئی رنج اور صدمہ نہیں ہے یہ دوسری بات حدودِ جہید از قیاس ہے اس لئے نتیجہ یہ نکلا کہ اسلام کو خطرہ ہرگز نہیں ہے اور اس بنا پر یہ کہنا کہ امر جنسی کی صورت پیدا ہوگئی ہے بالکل غلط ہے، بلکہ اہل اور سچی بات یہ ہے کہ صدر ایوب خان نے جن جماعتوں، پارٹیوں اور جن افراد اشخاص کو ناراض کر کے ملک میں استحکام پیدا کیا اور اسے آگے بڑھایا ہے انہوں نے موجودہ حکومت سے گلو خلاصی کے لئے قائدِ اعظم کی بہن کا سہارا لیا ہے۔

محترمہ فاطمہ جناح کی جو تقریریں اور بیانات ہماری نظر سے گذرے ہیں ان میں موصوفہ نے کہیں اسلام کا نام نہیں لیا، اور کہا تو بس یہ کہ پاکستان میں جمہوریت کو پامال کر دیا گیا ہے اور وہ اس کو ہی بحال کرنے کی غرض سے میدان میں اتری ہیں، اور لطف یہ ہے کہ ان کے حامی علماء نے بھی موصوفہ کے سر سے سر ہٹا کر وہاں ایک آگ، ناپنا شروع کر دیا ہے، حالانکہ سچی اور صاف بات یہ ہے کہ اسلام بے شبہ حقوقِ انسانی میں مساوات اور عوامی فلاح و بہبود کا سب سے بڑا حامی اور علمبردار ہے لیکن چونکہ وہ جذبات اور نعروں کا کبھی ٹسکا نہیں ہوتا اور ہر چیز کو حقیقت پسندی کی نظر سے دیکھتا اور جانچتا ہے اس لئے جہاں تک حکومت اور ملک کے نظم و نسق کا تعلق ہے اس میں وہ عالم اور عوامی کے درمیان فرق کرتا ہے اپنا بچہ قرآن میں ہے، اِنَّ دِيْنََ الْاِسْلَامِ اَنَّ دِيْنََ يَتَاَمُّوْنَ دِيْنََ لَا يَتَاَمُّوْنَ۔ اس لئے جب تک پورا معاشرہ علم کی دولت سے مالا مال ہو کر اپنے ملکی، در قومی مسائل پر سہیدگی اور ایمان داری سے غور کرنے کے قابل نہیں بن جاتا، اسلام ہر شخص کو حکومت کے معاملات میں دخل دینے اور اس کو مانے یا بگاڑنے کا حق نہیں دے سکتا، قطع نظر اس سے کہ ووٹ دینے والے کس قسم کے لوگ ہیں، جس دوئوں کی اکثریت پر کسی فیصلہ کا درود رکھنا اسلام کے فلسفہ سیاسیات میں معاشرہ کے ساتھ انصاف نہیں، انصافی ہے اور ایک نابینا ڈاکٹر اور علما کی کو ایک ہی درجہ میں رکھنے کے برابر ہے، جس کا نتیجہ مرلین کیمونٹ کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے اس بنا پر سنتِ حیرت اور تعجب کا مقام ہے کہ علماء کا ایک طبقہ بھی وقت کے دن چپے ہوئے نعروں کے قریب کا شکار ہو گیا، جن کا عنوان اگرچہ بڑا دل کش ہے لیکن اس کا کامیاب عملی تجربہ عہدِ حاضر میں ہٹ پیہ کے سوا اور کسی ملک میں اب تک نہیں ہو سکا ہے۔ وہاں بھی اس کی کامیابی کی وجہ سوا اور کا تعلیم یافتہ، دینے والے و

محاطات سے باخبر و باشعور ہونا ہے۔ اسی لئے اسلام پہلے عوام کی تعلیم و تربیت کرتا ہے اور پھر ان کے حالات کے مناسب حکومت کی تشکیل کرتا ہے، جمہوریت اُس کا مقصد نہیں، محض ایک ذریعہ ہے۔ اصل مقصد عوام کی فلاح و بہبود ہے، اور ظاہر ہے حالات کے بدلنے سے حصول مقصد کے ذرائع بھی بدل جاتے ہیں، گس درجہ عبرت اور افسوس کا مقام ہے کہ جو شان دار اور مفید تحریک حکومتِ الہیہ کے نام سے شروع ہوئی، اور بعد میں اس حکومتِ الہیہ نے ”اسلامی حکومت“ اور ”اسلامی جمہوریت“ کا چولا بدلا اب اس تحریک کا بانی اور موسس صرف جمہوریت کا سب سے بڑا مناد و حامی بنا ہوا ہے، تاریخ میں اسی طرح کی کتنی عظیم الشان مذہبی تحریکیں اٹھیں اور انھوں نے شان دار خدمات دین کی انجام بھی دیں، لیکن آخر وقت کی سیاست کے دلدل میں ایسی پھنسیں کہ پھرا نہیں پہنچنا نصیب نہیں ہو سکا۔

فَاھَا شَرَّ آھَا !!

گزشتہ ماہ کی ۲۹ اور ۳۰ کو جمعیت علمائے ہند کی تحریک پر نئی دہلی میں نیشنل جمہوری کنونشن ہوا، اس میں صدرِ استقبالیہ اور صدرِ جلسہ دونوں کے خطبہائے صدارت بہت اچھے اور بڑے جراتمند تھے، ان کے علاوہ شری مارجی ڈیسائی کی تقریر کوستشی کرک وزیرِ اعظم، وزیرِ داخلہ جگجیون رام، مشرکِ شناسمین، وزیرِ آسام فخر الدین علی احمد، مشرکے، ڈی مالویہ اور دوسرے حضرات کی تقریریں بھی اس بات کا ثبوت تھیں کہ فرقہ پرستی اور فسادات نے ملک کو جن خطروں سے دوچار کر دیا ہے، گورنمنٹ کو اور اکثریت کے سنجیدہ اصحاب کو ان کا مکمل احساس ہے اور وہ دل سے اس صورتِ حال کو ختم کرنے کے خواہاں ہیں۔ اس سلسلہ میں جو تجاویز منظور ہوئی ہیں وہ بھی سب اسی احساس کی آئینہ دار اور ترجمان ہیں، اب خدا کرے ان کو عملی جامہ بھی پہنایا جاسکے، البتہ اس بات کا افسوس ہے کہ کنونشن میں برادرانِ وطن کی خصوصاً اور مسلمانوں کی عموماً نمائندگی قاصر خواہ طور پر نہیں ہو سکی۔ اگر ایسا ہوتا تو کنونشن کو اپنے مقاصد کے حاصل کرنے میں زیادہ تقویت ہوتی۔

اسلام اور شرح سود

از جناب سید حسن الزماں صاحب ایم اے، بی کام کراچی

کلام پاک میں دو مقامات پر ربوہ کی حرمت وارد ہوئی ہے، سورۃ آل عمران کی آیت ۱۳۰ میں لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً کے الفاظ ہیں جس سے بعض لوگوں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اس آیت سے مہاجنی سود پر پابندی مقصود ہے، اس کے ساتھ ہی سورۃ البقرہ کے فقرہ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ سے یہ دعویٰ زیادہ مستحکم معلوم ہوتا ہے کہ حرمت سود کی اصل علت ظلم ہے، اس طرح گویا اگر شرح بہت زیادہ نہ ہو اور ساتھ ہی ساتھ ظالمانہ (مثلاً غریب و نادار سے صرفی قرضوں پر ہمنہ ہو تو حرام نہیں ہے اس طرح بینک اسٹریسٹ یا موجودہ تجارتی سود حرمت ربوہ کے دائرے سے خارج ہو جاتا ہے۔

ادپر کے نقطہ نظر کے بالکل برعکس ہمارے بیشتر علماء اسی قدیم نقطہ نظر کے حامل ہیں جس کے تحت ربوہ اپنی شکل میں حرام قرار پاتا ہے اور اس میں موجودہ سود بھی اسی طرح شامل ہے جس طرح قرون اولیٰ کا مہاجنی سود۔ تاریخی مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ مسند ربوہ کی تائید میں اختلاف کا آغاز انیسویں صدی کے آخر سے ہوا۔ شروع میں اس اختلاف کی نوعیت صرف علمی تھی لیکن جوں جوں مسلم قومیں خود مختار ہوتی گئیں، یہ مسئلہ عملی نوعیت اختیار کرتا گیا۔

جو حضرات موجودہ سود کو ربوہ سے مختلف قرار دیتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ ربوہ صرف ذاتی مقاصد کے قرضوں پر زیادتی کا نام ہے اور سود پیداواری اور تجارتی مقاصد کے قرضوں پر یا ربوہ کی شرح بہت زیادہ ہوتی ہے اور سود کی بہت کم یا ربوہ کی رقم دو گنی چو گنی ہو جاتی ہے اور سود کی نہیں ہوتی یا ربوہ سود مرکب کا نام ہے اور سود نام ہے

مفرد سود کا، ربا ایک ظالمانہ طریقہ تھا اور سود منصفانہ شرح ہے ربا محتاج سے اٹھٹھا جاتا تھا اور سود بڑے بڑے سیٹھوں سے وصول کیا جاتا ہے، اور اس طرح یہ سارا اختلاف تاریخی پس منظر کے تعین میں اختلاف کے سوال پر مبنی ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ اُس شرح سود کا پتہ چلانے کی کوشش کی جائے جو آنحضرتؐ کی بعثت کے وقت اہل عرب میں رائج تھا۔

اس مطالعے میں سب سے بڑی دشواری تاریخی مواد کی پیش رفتی ہے، یورپ کی معاشی تاریخ پر تو کتابوں کا انبار لگا ہوا ہے اور یہ مواد صدیوں سے تیار کیا جا رہا ہے، لیکن قبل، اسلام کے عربوں نے نہ تو اپنی تاریخ محفوظ کی اور نہ ایسی دستاویزیں رکھیں جن سے یقینی نتیجے پر پہنچنے میں مدد ملتی۔ حتیٰ کہ خارجی شہادتیں بھی ایسی نہیں ملتی جن سے لین دین کے معاملات کی تفصیلات کا علم ہو سکے، بعد کے دور کے مورخوں اور مصنفوں نے اگر کچھ پتہ چلا یا ہے تو یہ کہ قریش تجارت پیشہ تھے، قرض لیتے دیتے تھے اور سود کا رواج تھا، اس سے یہ منطقی نتیجہ تو نکل سکتا ہے کہ تجارتی قرضوں پر بھی سود کا مین دین ہونا ناگزیر تھا لیکن شرح سود کے تعین میں اس سے کوئی مدد نہیں ملتی، رہ سہ کر، ایک ذریعہ رہ جاتا ہے اور وہ ہے اس زمانے کے عمومی حالات سے عرب کی حالت کا قیاس کیا جائے۔

بہتر ہوگا کہ یہ مطالعہ شروع کرنے سے پہلے یہ واضح کر دیا جائے کہ دنیا میں کہیں ہیں اور کبھی بھی ایک ہی شرح سود رائج نہیں رہی اور نہ آج ہی ایسا ہونا ممکن ہے، قرض کی رقم مدت، ضمانت، ضمانت دینے والے کی حیثیت، دینے والے کی رضا مندی اور سہ زور اور رسد زور کی عام حالت یہ وہ عوامل ہیں جن سے ایک ہی زمانے میں اور ایک ہی جگہ پر کئی کئی شرحیں رائج رہ سکتی ہیں اور رائج رہتی ہیں، مثال کے طور پر اس زمانے میں امریکہ جیسے ترقی یافتہ ملک میں جہاں مرکزی شرح (BANK RATE) ۵.۴ فی صدی رہتی ہے، کاروباری بینکوں میں ۸ تا ۱۰ فی صدی تک پر لین دین ہوتا ہے، اور چھوٹے قرضوں پر یہ شرح بڑھتے بڑھتے بعض صوبوں میں ۲۲ فی صدی سارا نہ تک ہو جاتی ہے، اور یہ سب قانون کے عین مطابق ہوتا ہے، وہ شرحیں اس کے ساتھ ہیں جو خدمت قانون وصول کی جاتی ہیں۔ اور ان چھوٹے قرضوں کے سود میں وہ خاص شرائط ہیں جو خدمت دہیہ کے عنوان سے مقررہ رقم کی شکل میں عیندہ سے وصول کی جاتی ہیں۔

یہ اس ملک کا حال ہے جو سب سے زیادہ ترقی یافتہ ہے، رہا پسماندہ ممالک کا حال تو ان ممالک میں یہ فرق اور بھی وسیع ہو جاتا ہے (اس کی تفصیل اگلے صفحات میں ملے گی) ظاہر ہے اسی صورت میں کسی ایک مقام کی شرح سود پر بحث کرنے کے لئے بھی ایک ضخیم کتاب کی ضرورت ہے، اس لئے اگر کسی مقام کی عمومی یا قانونی شرح سود معلوم ہو جائے تو اس سے یہ نتیجہ نکالنا قطعاً غلط ہوگا کہ وہاں کا سارا کاروبار اسی شرح پر ہوتا ہوگا، اسی طرح کسی جگہ کے بارے میں ایک آدھ واقعہ اگر کسی سودی بین دین کی شرح کامل جائے تو اس سے یہ نتیجہ نکالنا غلط ہوگا کہ اس جگہ بس وہی شرح سود رائج ہوگی، مندرجہ ذیل صفحات میں ہم اپنی بحث صرف عمومی اور قانونی شرح سود تک محدود رکھیں گے۔

بعثت نبویؐ کے وقت رومۃ الصغریٰ نہ صرف جغرافیائی اعتبار سے عربوں سے زیادہ قریب تھا۔ بلکہ سلطنت شاید سب سے زیادہ منظم سلطنت تھی، یہاں کا قانون مرتب تھا، اور اس کا دائرہ کار وسیع، یہ سلطنت ایک طرف یورپ کے بعض علاقوں تک حاوی تھی اور دوسری طرف شام تک اس کی عمل داری تھی، اور عرب تجارتی قافلوں کی آمد و رفت اور بعض عرب قبائل کی مستقل بود و باش کی وجہ سے اہل عرب سے بہت قریب تعلق رکھتی تھی، جان ڈے (JOHN DAY) کی تحقیق کے مطابق چوتھی صدی قبل مسیح میں یہاں شرح سود بارہ فی صدی (۱۲٪) تھی۔ پندرہویں صدی (ق م) میں یہ شرح دس فی صدی رہ گئی، دوسری صدی کے پہلے نصف میں دس فی (DELPHI) میں ۶٪ کی شرح کا پتہ چلتا ہے۔ بعض دستاویزوں سے دوسری صدی عیسوی میں چھ سے نو فی صدی سالانہ تک کی شرح کا ثبوت ملتا ہے۔ ایک مغربی محقق کے بیان کے مطابق آگسٹس نے قانونی شرح سود ۱۲ فی صدی مقرر کی تھی، جسٹینین (JUSTINIAN) نے ۵۲۸ء میں یہ قانون نافذ کیا تھا کہ بڑے لوگوں (ILLUSTRES) سے ۴ فی صدی تاجروں اور صنعت کاروں سے ۸ فی صدی اور سمندری تجارت کے لئے اور جنس کے قرض لینے کی صورت میں شرح سود ۱۲ فی صدی سے زیادہ نہ ہو۔

۵۳۸ء میں جو پردانہ جائیداد کیا گیا تھا اس سے یہ قیاس کیا جاتا ہے کہ ۸ فی صدی کو قانونی شرح بنادیا گیا تھا، مصر اس زمانے میں اسی سلطنت کا ایک حصہ تھا، لیکن یہ یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ وہاں بھی اسی شرح سود پر لین دین ہوتا رہا ہوگا، بہر حال ۵۳۸ء کے ایک معاہدے میں ۱۲ فی صدی شرح کا تعین ملتا ہے۔

اور شاید اسی کو قانونی شرح قرار دیا گیا تھا، اسی طرح قسطنطنیہ میں ایک رائی بنک یا امپریل بنک نے ایک معاہدہ کیا تھا جس کی رو سے ۲۰ سالہ (کم و بیش ۲۰ شلنگ) پر ۸ فی صدی کی قانونی شرح پر ۸ ماہ بعد اسکندریہ میں سود وصول کیا گیا تھا۔ بعد کے دور میں بعض قرضوں پر حبشین کی مقرر کردہ شرح کے خلاف ۱۳½ سے ۱۶ فی صدی تک سود کی وصولی کا ثبوت پایا جاتا ہے۔ ۳

مصر میں حالانکہ سرکاری شرح پر تعامل کی مثالیں بھی کافی ہیں۔ لیکن یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ چوتھی صدی عیسوی کے زرعی مصر میں بعض قرضوں پر پچاس پچاس فی صدی سود بھی لیا گیا تھا، بعض علماء کا مطالعہ یہ بتاتا ہے کہ طلائئ سکوں کے قرض پر سود کا ذکر شاذ و نادر ہی ملتا ہے، بلکہ بعض حالات میں تو پتہ چلا ہے کہ ایسے قرضوں پر سر سے سود ہی نہیں لگایا جاتا تھا۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی مشاہدہ میں آیا ہے کہ مصر کے بازنطینی مہاجروں نے سود پہلے ہی سے وضع کرنے کا طریقہ نکالا تھا۔ بہر حال مصر میں چھٹی صدی تک پچاس فی صدی تک سود لیا جانا ثابت ہے۔ چوتھی صدی کے ادائل میں تو تخم ریزی کے غلے کے قرضے پر بھی پچاس فی صدی سود کا لین دین ہوتا تھا، البتہ چھٹی صدی میں ایسے قرضوں پر سود کی کسی شرح کا پتہ نہیں چلتا۔ ۴

۸۲۷ء سے ۹۶۱ء تک سمندری تجارت میں روپیہ لگانا بڑے دل گردے کا کام تھا۔ کیونکہ چوریوں ڈکیتوں کی وجہ سے تجارت پر خطر تھی، اور منافع غیر یقینی ہو گیا تھا، چنانچہ ان قرضوں پر شرح سود میں کچھ اضافہ کر دیا گیا، پروفیسر پوسٹن کے بیان کے مطابق اس سارے دور میں بھری تجارت کے قرضوں پر شرح ۱۶۶۶ فی صدی سالانہ رہی اسی طرح ۶ فی صدی والی شرح بڑھ کر ۳۳ ۶ ۹ تک پہنچ گئی اور ۸ فی صدی والی شرح ۱۱ ۶ ۱۱ ہو گئی۔ ۵

ان اعداد سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اس زمانے میں بھی ہر قسم کے قرضے کے لئے یکساں شرح مقرر نہیں تھی، بلکہ ۴ فی صدی سے ۱۲ فی صدی تک کے درمیان مختلف شرحیں رکھی گئی تھیں، پھر یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ حبشین نے بازنطینی سلطنت میں بھی قرض کی نوعیت میں مقصد قرض کے لحاظ سے امتیاز نہ برتا تھا۔ اور یہ امتیاز ان جگہوں پر بھی روا رکھا گیا جو بعثت نبوی سے پچاس سال کے اندر اندر اسلامی تہذیب میں شامل ہو گئے۔ یعنی مصر و شام۔

بازنطینی علاقوں سے باہر یورپ کے دوسرے ممالک کے حالات اتنی وضاحت سے نہیں مل سکتے جتنا بازنطین کے لئے ہیں اور حالانکہ بعض بڑے بڑے علماء اور محققین نے اس زمانے کے تاریک برعظیم کے حالات کا اندازہ لگانے کی کوشش کی ہے اس کے باوجود وہاں کے معاشی حالات کے بارے میں معلومات تشنہ ہیں اور خاص طور سے شرح سود کے بارے میں تو اور بھی مایوس کن۔ *

بہر حال اب تک جو بھی اعداد شمار مل سکے ہیں وہ زیادہ تر الف اول کے بعد کے دور کے ہیں لیکن ان شرحوں کے مطالعے سے نہ صرف یہ کہ سود کی شرحوں میں لحاظ مقصد تنوع ملتا ہے بلکہ یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ بارہویں اور تیرہویں صدی سے سود میں کمی کا رجحان پیدا ہوا، وہ پھر چوں چوں تجارت اور صنعت میں ترقی کی رفتار تیز ہوئی، اتنا ہی شرح سود گرتی چلی گئی۔ مثلاً جرمنی اور اطالی کے بعض حصوں میں قرون وسطی کے آغاز میں شرح سود ۲۲ فی صدی تھی لیکن تجارت میں ترقی اور صنعتوں کے قیام نے شرح سود میں کمی پیدا کی تاہم انکلائی میں بینک میں جمع کرانے سے کاری تر شدہ دیے اور سرمایہ کاسے پر تیرھویں صدی میں یہ شرح ۲۰ سے ۲۵ فی صدی تک ہو گئی اور مزید بعد کے دور میں ۸ سے ۱۲ فی صدی تک پہنچ گئی۔ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ۱۲۲۱ء میں کاؤنٹس مین نے اپنے شوہر کا ذریعہ ادا کرنے کے لئے ۳۲,۹۲۶ لایور (LIVRE) کے مواضع میں ۲۹ اور ۱۹۳ لایور قرض لئے گویا شرح سود ۱۶ فی صدی طے پائی۔ اسی طرح بڑے پیمانے کی تجارت میں جہاں قرض لینے والے کی مارگنٹ قریب سفارش ہوتی تھی، بالعموم دس فی صدی سود ادا کیا جاتا تھا۔ ۱۵۰۰ء پندرھویں صدی میں پانچ سے، آٹھ فی صدی تک کی شرح تجارتی قرضوں کے لئے مندرجہ شرح کی جاتی تھی۔ حالانکہ وینس کا تاجر اور مالک جہاز ۲۳ سے ۵۰ فی صدی سود کے کبھی سمندر پار تجارت سے خوب کما سکتا تھا۔

* حال ہی میں اس موضوع پر سڈنی ہومر کی ایک کتاب شائع ہوئی ہے جس کا نام ہے "شرح سود کی تاریخ ۲۰۰۰ قبل مسیح

تائماًل" (SIDNEY HOMER, A HISTORY OF INTEREST RATES

2000 B.C. TO THE PRESENT) یہ کتاب اپنے موضوع کے لحاظ سے منفرد ہے۔ لیکن ۶۰۰ صفحات

کی اس کتاب میں بھی قرون وسطی پر صرف ۶۴ صفحے لکھے گئے ہیں اور ان میں بھی ۱۲ دہائیوں سے پہلے کی شرحیں نہیں

پیش کی گئی ہیں، اس کتاب سے استفادہ نہیں کیا جاسکتا اور اس کی ضرورت محسوس ہوتی۔

اسی طرح چودھویں صدی کے شروع میں نورمبرگ میں یہودی ۹۴ فی صدی شرح پر قرض لیتے تھے، خود یہ لوگ بھی قانو فی شرح سے زیادہ وصول کرتے ہوں گے، جو فلینڈرس کی طرح یہاں بھی ۴۳ فی صدی ہی تھی، لومبارڈ کی شرح کے مقابل میں یہ شرح دو گنی سے چو گنی تک تھی۔^{۱۲} حالانکہ لومبارڈ میں بھی عمومی شرح ۴۳ $\frac{1}{100}$ فی صدی تھی لیکن تجارتی قرضوں پر اس کی نصف (۲۲٪) تھی۔^{۱۳} فرانس، آلی اور اسپین کے دیہاتی علاقوں میں دس سے پچاس فی صدی تک سود لیا جاتا تھا اور مہاجن اور بنے اس سے بھی زیادہ وصول کریتے تھے۔^{۱۴} انگلینڈ ابنت ایسا ملک تھا جہاں شاید دنیا میں سب سے زیادہ سود کھایا جاتا تھا، بالکل ابتدائی دور کے جو ریکارڈ پائے جاتے ہیں ان میں سے ایک دل چسپ ریکارڈ ایک معزز آدمی کے قرض کا ہے۔

اس میں تفصیل سے درج ہے کہ یہ قرضہ رچرڈ ڈا انسٹی (RICHARD DE ANESTI) نے کئی یہودیوں سے ۱۱۹۳-۹۴ء میں لیا، ادائیگی میں کتنے ماہ لگے اور قرض کی یہ رقم سود ملا کر کتنی ہو گئی، عجیب بات یہ ہے کہ اس معاملہ میں شرح سود $\frac{2}{100}$ ۸۶ فی صدی سے گھٹ کر $\frac{1}{100}$ ۴۳ رہ گئی جس کا سبب شاید یہ تھا کہ خود یہودی ساہوکاروں میں سابقہ شروع ہو گئی تھی..... اس کے برعکس ۱۱۸۲ء میں ۷۰ شلنگ کا دیا ہوا ایک قرضہ ۱۳ سال میں بڑھ کر ۸۰ پونڈ ہو گیا تھا۔^{۱۵} بعض دوسری دستاویزوں سے بھی پتہ چلتا ہے کہ سنہ ۱۲۹۰ء تک انگلینڈ میں عمومی شرح ۸۶ فی صدی ہی تھی۔

مندرجہ بالا حقائق کے ساتھ اس امر سے بھی صرف نظر نہیں کرنا چاہئے کہ ۱۲ ویں صدی تک کے مار بک یورپ کی جاہل معیشت میں سرمایہ کی امٹ پھیر بھی برا سے نام نہ تھی اور شرح سود میں کسی نہ یاں اتار چڑھاؤ کا بھی کوئی امکان نہ تھا۔ اسی صورت میں یہ امر عجیبہ از قیاس نہیں ہے کہ ساتویں اور آٹھویں صدی کی شرح گیارہویں اور بارہویں صدی تک برقرار رہی ہوگی، دوسرے الفاظ میں اوپر کے مطالعہ میں جو شرحیں پیش کی گئی ہیں وہ ۷ ویں صدی عیسوی سے ۹ ویں صدی عیسوی تک بھی پائی جاتی ہوں گی۔

ان تمام مباحث سے یہ نتیجہ بھی نکلتا ہے کہ قرون وسطیٰ میں یورپ کے تمام علاقوں میں زری قرضوں پر شرح سود بہت زیادہ تھی لکہ تجارتی قرضوں پر اس سے کم، اور جوں جوں تجارت اور صنعت میں اضافہ ہوتا گیا شرح سود میں کمی آتی گئی۔^{۱۶}

ہندوستان کا معاملہ عرب اور یورپ سے بالکل مختلف رہا ہے، عیسائیوں اور یہودیوں میں سود مذہباً ممنوع تھا، یونانی مفکر عقلی توجیہ کر کے اس کو ظالمانہ قرار دیتے تھے اہل عرب اس کو سماجی اور اخلاقی برائی سمجھتے تھے۔ لیکن ہندوستان میں ہندوؤں کی مذہبی کتاب منو دھرم شاستر نے جو ایک ہزار سال پہلے تک ان کا ضابطہ عمل رہی ہے نہ صرف یہ کہ سود کو جائز قرار دیا ہے بلکہ مختلف جاتیوں کے غئے مختلف شرحیں بھی متعین کی ہیں۔ یعنی برہمن کے لئے ۲۲ فی صدی، کھتری کے لئے ۳۶ فی صدی، ویش کے لئے ۴۸ فی صدی اور شودر کے لئے ۶۰ فی صدی۔ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ شاستروں کے دور میں ذاتوں کے معاملے میں سختی سے امتیاز برتا جاتا تھا اور یہ مجال نہ تھی کہ کوئی شخص وہ پیشہ اختیار کر سکے جو اس سے اپنی ذات والے کے لئے مخصوص ہے، اس طرح ہمیں کھتریوں کی تجارتی شرح ۳۶٪ اور زراعت میں وہ لوگوں اور بیگار کرنے والوں اور پست قوموں کی شرح ۴۸ سے ۶۰ فی صدی تک ملتی ہے۔

بدقسمتی سے چین اور فارس کے بارے میں اب تک ایسی دستاویزی نظر سے نہیں گذریں جو شرح سود پر روشنی ڈال سکیں۔ لاکھ فارس سے عربوں کے برے گہرے تجارتی اور سیاسی روابط تھے، قدیم چین کے بارے میں ول ڈورانٹ (WILL DURANT) کا خیال ہے۔ کہ یہاں قرض اور سکے کے قدیم دستور کے مطابق ہی لین دین ہوتا تھا اور اہل تجارت ایک دوسرے کو ۳۶ فی صدی کی شرح پر قرض دیتے تھے حالانکہ یہ شرح اس زمانے کے روم و یونان کی شرح سے زیادہ نہ تھی۔^{۱۹} فارس میں شاید یہودی قرض کے مین دین کا کاروبار کرتے تھے اور نہ صرف بنگلہ جگہ تجارت پر مبنی انہیں باقیہ تھا، کنز العمال میں جامع عبدالرزق کے حوالے سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رکی ایرانی نے) عبداللہ بن عمرؓ سے بیع دو زندہ کی شرعی حیثیت کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے، اس بیع فی صد فساد کو بھی ربا قرار دیا، ممکن ہے یہ افادہ مجرد ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ فی صدی سالانہ کی شرح ہو جس کا فارس میں رد الج عام ہو۔

مندرجہ بالا سطور سے یورپی ممالک بازنطین، مصر، فارس، اور ہندوستان کی شرحوں کا تسری سا اندازہ ہو گیا ہوگا، عرب ان تمام ممالک کے بچوں بیچ ایک جزیرہ نما ہے اور شماریات کے اصولوں کی روشنی میں خط قیاس کے ذریعہ وہاں کی شرح معلوم کرنا زیادہ مشکل نہیں ہے، ویسے تو ایک مشہور مؤرخ سالد وٹ بیرن (SALD WITTMAYER BARON)

دسویں صدی عیسوی میں اسلامی قلمرو میں کبھی کبھی تیس ۳۰٪ تک کا شرح کا دعویٰ کرتا ہے اور لکھتا ہے کہ:-
 "ظاہر ہے کہ سود کا سودن بڑھی ہوئی شرح (جو بعض اوقات ۳۰ فی صدی سے بھی زیادہ ہو جاتی تھی، جسبکہ
 انگلینڈ میں ۱۸۶۱ء میں ۸۶ فی صدی تک پہنچتی تھی) اور سرمایہ کے فوری الٹ پھیر کی وجہ سے بنکاروں کے
 وسائل میں دن دن دوئی رات چوگنی ترقی ممکن ہو گئی بشرطیکہ وہ اس کاروبار میں چھے رہیں اور اوپر
 کے لوگوں کو کھفہ تحائف پیش کرتے سے اسنے آپ کو محفوظ رکھ سکیں گے۔"

لیکن مندرجہ بالا دعویٰ واضح اور فیصلہ کن نہیں ہے، پہلا، بہام دوسریں یہ ہے کہ اس سے اسلامی قلمرو
 میں "ایک شرح سود کا پتہ چلتا ہے وہ بھی گاہ بگاہ ہے۔ دوسرا، بہام یہ ہے کہ اس سے مسلمانوں کا سہی کاروبار میں
 حصہ لینا ثابت نہیں ہوتا دوسری بات یہ ہے کہ یہ دسویں درگیاں نہ صدی کے متعلق ہے، اور پھر اس سے
 اسلامی قلمرو کا حال معلوم ہوتا ہے عرب کا نہیں، مسلمان اس کا رو بابت اس حد تک ان چھی رکھتے تھے اس کا
 اندازہ اسی محقق کے ذہن کے بیان سے ہو سکتا ہے:-

"مرا کہ وہ اسپہان میں گیا رھویں صدی میں، عقاب ناموں پر چاروں نمودوں میں، پاتا قتل، اس کو
 سو قرار دے کر نابال، اعتراض جیتے جیتے رہے۔"

مسلمانوں کے اس رویے کی تائید پروفیسر پوسٹن (OSTAN) کے ان الفاظ سے بھی ہوتی ہے:-
 "بہر حال شہر قریبی سود کے بین دین پرورد شدہ اختراعی مسکن سرمایہ کاروں اور مسافروں کے ذہنی
 غبی، جس جتن رکھتا تھا یا حیران دہن نہ تھا، نہ سمجھتا تھا، نہ قرار داتا، نے باور
 طور پر یہودیوں اور رومی جیسائیوں کے سے راستہ صاف کر دیا، کیونکہ بازنطینیوں کی طرح یہ بھی
 سود کو جائز سمجھتے تھے۔"

ان اقتباسات سے حقیقت کھل کر سامنے آئی رہ گیا، سویں صدی کے مسلمانوں میں بھی "یسائی" اور
 یہودی ہی سود کا رو بڑھاتے تھے، شرح سود کا جو تصویر اوپر پیش کر گئی ہے، ۱۰ بھی دسویں اور گیارھویں صدی
 سے متعلق ہے لیکن یہ شرع قبل اسلام یہ سود راول کی شرع نہیں قرار دی جاسکتی، بہتہ ہو کا کہ عرب کا شرع کا قیاس
 کرنے سے پہلے اوپر کے مسلمان "مذہب" پیش کر دیا جائے۔

(۱) شرح سود کہیں پر اور کسی زمانے میں بھی یکساں نہیں رہی اور یہ اختلاف نہ صرف علاقے وار تھا بلکہ ایک ہی جگہ پر ایک ہی وقت میں قائم رہتا تھا۔

(۲) صرفیاتی اور زرعی مقاصد کے لئے قرضوں کی شرح تجارتی اور صنعتی قرضوں کی شرح سے دو گنی سے چو گنی تک تھی، شرحیں مقصد قرض کے لحاظ سے کم و بیش ہوتی رہتی تھیں۔

(۳) ہر جگہ ایسی درمیانی شرحیں ضرور پائی گئی ہیں جنہیں حکومت یا سماج نے منصفانہ سمجھایا مقرر کیا ہو، مقاصد کے لحاظ سے منصفانہ اور قانونی شرحیں بھی مختلف رہی ہیں۔

(۴) سب سے زیادہ شرح سود انگلینڈ میں (۸۶٪) تھی اور سب سے کم بازنطینی سلطنت میں (۴٪)

(۵) منصفانہ اور قانونی شرحوں کی خلاف ورزی کی جاتی رہی اور خاص طور سے ان دور افتادہ علاقوں میں جہاں سرمایہ کی قلت ہوتی تھی اور تجارت میں جبرود ہوتا تھا۔

یہ بات بڑی عجیب اور دل چسپ ہے کہ اگر اوپر کے اعداد کو ایک گراف کی شکل میں پیش کیا جائے تو کشیدہ خط سے پتہ چلتا ہے کہ ہم دونوں سمتوں سے جوں جوں عرب کی طرف بڑھتے ہیں شرح سود کم ہوتی جاتی ہے اور جوں جوں دور ہوتے ہیں شرح بڑھتی جاتی ہے۔ (ملاحظہ ہو گراف) صفحہ ۳۴۱

اگر ان دونوں خطوط کو ان کے تنزلی رجحان کے مطابق بڑھ کر ایک دوسرے سے ملایا جائے تو ہمیں خط الف ب کھینچنا پڑے گا جو جزائی حیثیت سے جزیرہ نما سے عرب کا مقام ہے، گراف کے قیاسی اصولوں کے تحت عرب کی شرح سود اسی خط کے قرب و جوار میں ملنا چاہئے، یہ قیاس گزرا گرنے اسباب سے ترین واقعہ معلوم ہوتا ہے۔ مثلاً :-

۱۔ عرب میں زراعت کے قابل چند ہی مقامات تھے بیشتر قبائل یا تو جانور پالتے تھے یا تجارت کرتے تھے، قریش مکہ تمام کے تمام تاجر تھے۔

۲۔ اوپر کی سطروں سے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ تجارتی شرح ہمیشہ درہر جگہ دوسری شرحوں کے مقابل میں نصف یا چوتھائی کے قریب ہوتی تھی۔

۳۔ عرب میں طرز زندگی انتہائی سادہ اور بدویانہ تھا اور نہ دریات مختلفہ۔ تجارت ہمیشہ قریب نہ صرف

سرمایہ کا بہترین استعمال جانتی تھیں بلکہ صاحبِ ثروت بھی تھیں۔

۴۔ عرب کے زراعت پیشہ لوگ صرف زراعت پر اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ اس کے ساتھ ہی ساتھ تجارت

اور ساہوکارہ بھی کرتے تھے، صرف یہودی کی پچاس سے زیادہ بستیاں تھیں اور ان میں تقریباً تمام ہی یہودی زراعت پیشہ ہونے کے ساتھ ساتھ تجارت اور دیہی بنکاری کے کام میں مشہور تھے، بنو ثقیف، بنو نضیر، بنو قریش وغیرہ کے باہمی لین دین کے جو واقعات تاریخ میں ملتے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ زرعی رسد میں اتنی قلت نہیں تھی جو زرعی علاقوں میں شرح سود بڑھانے کا سبب بنتی ہے۔

۵۔ عرب کے محل وقوع نے اسے مشرق و مغرب کی تجارت کا مرکزی نقطہ بنا دیا تھا اس طرح بین الاقوامی اثرات نے اس کی تجارتی حیثیت کو اور زیادہ مستحکم کر دیا۔

۶۔ ان امور کے ساتھ ہی ساتھ اس سے قطع نظر نہیں کیا جاسکتا کہ بازنطین سے عربوں کا بہت ہی قریبی واسطہ تھا اور بعثت نبویؐ کے وقت بازنطین کی قانونی شرح ۴ سے ۸ فی صدی تھی حتیٰ کہ سمندری تجارت کے لئے قرض کی شرح بھی ۱۲ فی صدی سا مانہ سے زیادہ نہ تھی، پانچ سو سال گزرنے پر بھی گیارھویں صدی میں یہ شرح بڑھ کر صرف سولہ (۱۶) فی صدی تک پہنچی غارکہ کل براہِ وسط شرح ۱۰ فی صدی رہی۔

مندرجہ بالا حقائق کے پیش نظر یہ نتیجہ نکالنا بعید از قیاس نہیں ہو سکتا کہ عرب میں بھی کم و بیش اتنی ہی شرح رائج رہی ہوگی جتنی بازنطین میں تھی اور اس طرح یہ کہا جاسکتا ہے کہ بعثت نبویؐ کے وقت عرب میں عمومی شرح ۳ سے ۱۰ فی صدی تک تھی۔

اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ کیا قرآنی حکام کی روشنی میں یہ شرح بھی عموم قرار پاتی ہے۔ ”وَدَّرُوا مَا بَلَغَ مِنْ الزَّيْنِ وَأُورِثُوا“ اور ”حَرَّمَ الزَّيْنُ“ اور ”فَإِنْ تَبَيَّنَ فَكُفِّرُوا وَنَسُوا لَكُمْ“ کے پیش نظر یہ مانا پڑتا ہے کہ ان آیات میں کم و بیش کی کوئی تخصیص نہیں کی گئی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اگر کم و بیش کی کوئی استثنیٰ نہیں تھی تو آنحضرتؐ کی کوئی حدیث ایسی ضرور ہونا چاہئے تھی جس کی رو سے کم شرح سود حرمت کی زد سے مستثنیٰ قرار پاتی۔ اس کے عکس ہم دیکھتے ہیں کہ حدیث کے رجحان سے حتیٰ کہ فقہاء کی اجتہادیں آدھے سے بھی کسی ایسے استثنیٰ کا امکان نہیں پایا جاتا۔ مزید یہ کہ آنحضرتؐ سے جب حجۃ الوداع کے موقع پر اپنے چچ عباسؓ کا سود سا قسط کیا تھا تو اس میں تھوڑا بہت

دھولی کر لینے کی بھی اجازت نہیں دی تھی، مراکو اور اسپین کے علماء گیارہویں صدی تک تجارتی سود کی ہم فیصد شرح کو بھی ناجائز قرار دیتے تھے ان تمام حقائق کے ساتھ ساتھ یہ امر واقعہ بھی پیش نظر رکھنا چاہئے کہ قبل اسلام کے قریش سود کا لین دین ضرور کرتے تھے، لیکن اسے معیوب بھی سمجھتے تھے، یہی وجہ ہے کہ جب تغیر کعبہ کے لئے قریش نے چنڈہ فراہم کرنا شروع کیا تو رڈی اور سود کی کمائی سے چنڈہ لینے سے انکار کر دیا یہاں بھی انھوں نے کوئی ایسا استثنیٰ نہیں رکھا جس سے یہ ثابت ہوتا کہ کم شرح اور زیادہ شرح میں کوئی امتیاز قابل قبول تھا۔

عملی نقطہ نظر سے اگر دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ شرح میں امتیاز یا استثنیٰ کا تصور اسلام کے اس عالمگیر مزاج کے خلاف ہے جس کے تحت فکر و عمل اور اقدار میں یکسوئی اور ہم آہنگی پیدا ہوتی ہے۔ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ اسلام کم شرح سود کو جائز قرار دیتا ہے اور زیادہ کو ناجائز تو عملی سوال یہ پیدا ہوگا کہ آخر کس شرح تک سود کو جائز قرار دیا جائے، شرح سود کے انحصار متعدد عوامل پر ہے جو مختلف ممالک میں مختلف ہوتے ہیں اور اسی لحاظ سے سود کی مرکزی شرح (BANK RATE) بھی ہر جگہ مختلف ہوتی ہے۔ منصفانہ اور قانونی شرح کا تصور ایک زمانے میں بینک آف انگلینڈ کے لئے واجب العمل رہا ہے چنانچہ انیسویں صدی کے وسط میں پانچ فیصد سے زیادہ کو ناجائز قرار دیا گیا تھا لیکن رسد و طلب کے تقاضوں سے مجبور ہو کر اس تصور میں رد و بدل کرنا پڑی حتیٰ کہ آج سے ۱۰۸ سال پہلے، اسی بینک کی مرکزی شرح سات فیصدی کر دی گئی، اور دیگر بینکوں کے لین دین کی شرح اس سے کافی بڑھ گئی۔ اب اگر ہم یہ فرض کر لیں کہ ہندوستان کے فقہاء ۱۰۱۰ء کی صدی شرح کو (سمبر سے مرکزی شرح پانچ فیصدی ہے) جائز قرار دیں تو ہندوستان کا مسلمان چلی (جنوبی امریکہ) سے کس طرح بین دین کر سکے گا جبکہ وہاں کی موجودہ مرکزی شرح تقریباً پندرہ فیصدی ہے اور لین دین کی اس سے ڈیڑھ گنی تک، امریکہ جیسے متمدن اور ترقی یافتہ ملک میں صرف قاتی قرضوں پر موجودہ شرح سود ۲۲ فیصدی لانہ سے ۲۲ فیصدی سامانہ تک قانونی قرار دی گئی ہے۔ اس طرح منصفانہ اور قانونی شرح کا دعویٰ ایک ایسا پُر فریب دعویٰ ہے جس کو تسلیم کرنے کے بعد بھر ادبی سے اپنی شرح بھی غیر قانونی اور غیر منصفانہ نہیں قرار پائے گی، اور اسی لئے یہ بات قرین قیاس ہے کہ حرمت ربا کے احکام سود کی ہر شرح پر حاوی ہیں۔

بی۔ ہوگا، گریہ بھی و صبح کر دیا جائے بیشتر پسماندہ ممالک میں شرح سود پر کمزور کرنے کے لئے قانونی

اقدام کئے گئے ہیں، برما میں قانونی شرح ۱۲ سے ۱۸ فی صد تک ہے، تھائی لینڈ میں پندرہ فی صدی ہندوستانی اوسط ۱۲ فی صدی، حیدرآباد میں ۹ فی صدی، مدراس میں ۵ ۱/۲ فی صدی، یوپی میں ۲۴ فی صدی، پاکستان میں ۱۲ تا ۱۸ فی صدی اور کوریا میں پچھلے چالیس سال سے بیس فی صدی ہے۔ اسی طرح جنوبی امریکہ کی بیشتر ریاستوں میں قانونی شرح کم و بیش ۱۲ فی صدی ہے، رہ گئی وہ شرح جو فی الواقع وصول کی جاتی وہ ان شرحوں سے بالکل مختلف ہے، اس کے اندازہ کے لئے مندرجہ ذیل فہرست پیش کی جاتی ہے اور اس کے ساتھ ہی مرکزی شرح میں تنازع کی جدول بھی دی ہوئی ہے۔

جدول ۱

اتفاقی	عمومی	زیادہ سے زیادہ قانونی شرح	فی صدی سالانہ مرکزی شرح	
۶۰ - ۴۰	۳۶ - ۲۵	۱۵	۵	تھائی لینڈ
۱۰۰ - ۵۰	۳۰ - ۲۴	۱۸ - ۱۲	۴	برما
	۵۰ - ۱۲	۱۲	۴ ۱/۵	بھارت
		۱۸ - ۱۲	۴	پاکستان (مغربی)
	۳۰ -	۲۵ - ۱۲	۴	” (مشرقی)
		- ۲۰	-	کوریا
۱۰۰	۶۰ - ۱۸	۱۲	۱۲ - ۱۰	لاطینی امریکہ (اوسط)
۲۰۰	- ۵۰	-	۳	انڈونیشیا
	۴۰ - ۲۵	-	۵	مصر
۲۰۰	۵۰ - ۲۰	-	۴	ایران
	۴۰ - ۲۰	-	-	اردن
۱۰۰	-	-	-	سودان

مرکزی شرح فی صدی سالانہ

	۲	پرتگال
	۳	مغربی جرمنی
	۴	برما، برطانیہ کینیڈا، پاکستان
	۵	مصر
	۶	ایران، فلپین
	۷	ملايا، نیوزی لینڈ
	۷.۵	ترکی
حوالہ ۱۔	۹.۵	پیرد
COMMERCE BOMBAY	۱۰	ایکویڈور
21.4.63 16 11.63		چلی
8.2.64	۱۴.۵	

ادپردیئے ہدئے تختہ سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ ہر ہر مقام پر کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ سود میں کتنی فرق ہے، یہ کمی بیشی سود کے معاشی قانون کا لازمی تقاضہ ہے، اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر شرکت کی کمی بیشی رحمت و حرمت کا معیار قرار دیا گیا تو مسلم سوسائٹی کو یک، یہ یعنی بحران سے دوچار ہونا پڑے گا جس میں ہر ہر جدیدین دین کی قدریں مختلف ہوں گی۔

سود مفرد اور سود مرکب | بیجا نہ ہوگا اگر بعض ان دعووں پر بھی روشنی ڈالی جائے جو سود کی حلت کے لئے پیش کئے جاتے ہیں، اور جن میں موجودہ سود کو رہا سے ممتاز کیا جاتا ہے، ان میں سے ایک دعوے یہ ہے کہ لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً سود مرکب کی طرف اشارہ کرتا ہے جو حرام قرار دیا گیا ہے البتہ اگر یہ سود مفرد ہو جائے تو جائز ہے۔ یہ دین کی ہی غلطی سے ناقابل قبول ہے، ایک تو یہ کہ سود مفرد اور مرکب میں روح کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں ہے، پھر یہ کہ اس طرح سود مفرد کی بھاری سے بھاری شہادتیں اور

سود مرکب کی نیل سے قلیل شرح ناجائز قرار پائے گی، پھر اس سے بھی کسی طرح صرف نظر نہیں کیا جائیگا ہے کہ آج بنکوں میں عام طور سے سود مرکب کے حساب سے عین دین ہوتا ہے، حالانکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو ربا مفرد حساب کے تحت ہی اضعافاً مضاعفہ ہو جاتا ہے چہ جائیکہ مرکب۔

ذیل کی مثالوں سے سود مطلق، سود مفرد، سود مرکب کی صحیح حیثیت کی وضاحت ہو سکے گی۔
 زمینے بخر سے دس ہزار روپیے، اس تہہ پر قرض لے کر وہ اس کے بدلے ۱۲ ہزار روپیے واپس کرے گا، یہ اضافہ بخر دہنا ہے اور ربا ہے۔

لیکن اگر اس کے بجائے یہ شرط ہو کہ زمین اس دس ہزار پر ۴ فی صدی سالانہ کے حساب سے سود ادا کرے گا تو سود مفرد کے حساب سے

پہلے سال ۴۰۰ روپیہ ہوگی۔ دوسرے سال ۸۰۰ روپیہ ہوگی

تیسرے سال ۱۲۰۰ چوتھے سال ۱۶۰۰

۴ سال میں یہ رقم ربا ہر سال اضعافاً مضاعفہ ہوتی رہے گی۔

اس کے برعکس سود مرکب کی رو سے اگر پہلے سال ۴۰۰ سود ۴۰۰ روپیہ ہوگا تو دوسرے سال ۸۱۶ کیونکہ اس میں ۴۰۰ روپیہ کے سود پر بھی ۴ فی صدی کے حساب سے سود لگایا جائے گا۔ اور یہی آخری شکل ہے جس پر آج کے بنکاری نظام میں عمل کیا جاتا ہے۔

بہت سی مثالیں | صدیوں پہلے سے سود پر بھگت کرنے والے، ہرگز معیشت منصفانہ شرح پر زور دیتے رہے ہیں لیکن اس کے باوجود اس میں اس قدر نظر ترقی چھوڑ ہے کہ غلطی معاملات میں یہ سب سے مباحثہ نسوں محض ہو چکے ہیں، درج تک قی طور پر یہ فیصلہ نہیں کیا جا سکا کہ آخر منصفانہ شرح ہے کیا، ورنہ تو یہ سب کہ ہم ہر سال شرح کو موثری نقدی نظر سے منصفانہ قرار دے سکتے ہیں جو قرض دار اس سے، اگر اس کے ایسی صورت میں نہ ہو کہ منصفانہ کی اصطلاح بن کر رہ جاتی ہے، اور اس میں کسی خاص حد کی تحدید نہیں کی جا سکتی، لہذا ایسا شخص جو قرض کی رقم سے پانچ سو فی صدی نفع حاصل کرتا ہے، اس کی سود کی شرح بھی بخوش منصف کر سکتا ہے، لیکن اس شخص کے لئے جو خسارہ اٹھاتا ہے، ایک فی صدی کی شرح بھی

غیر منصف نہ ہوتی ہے، اس طرح شرح سود کی مستحکمیت اور اس کے منصفانہ ہونے کا دارم مدار قرض کے سرمایہ کی توقع بخشی کے تاج ہے، اور دنیا میں شاید ہی ایسا ہوتا ہو کہ کوئی سے دو ادارے میں دی قرضے سے مساوی منافع حاصل کر سکتے ہوں، ایسے حالات میں سب کے لئے ایک معقول شرح سود متعین کرنا۔ اتنا ہی نامعقول ہے جتنا زیادہ شرح کا تعین، آخر کیا وجہ ہے کہ قرض دینے والا اس شخص سے بھی سو پر پانچ روپے وصول کرے جو اس رقم سے صرف پچیس روپے بناتا ہے اور اس سے بھی جو تلوے کر دو سو بناتا ہے۔ منصفانہ شرح کا اس طریقہ پر تعین دراصل زیادہ تر قرض خواہوں سے بے انصافی ہے اس طرح ہر قرض دہ بعض سے کم اور بعض دوسروں سے زیادہ قربانی دینے پر مجبور ہے، منصفانہ شرح کا تعین صرف اسی وقت ممکن ہو سکتا ہے جب بازار میں مساوات ہو یہ مقصد شرکت سے تو حاصل ہو سکتا ہے۔ سود خوری سے نہیں۔

1. JOHN DAY AN ECONOMIC HISTORY OF AETHERS UNDER ROMAN DOMINATION (1942 COLUMBIA UNIVERSITY PRESS PP 59.00)
2. IBID
3. JOHNSON & WEST, BYZANTINE EGYPT... ECONOMIC STUDIES PRINCETON UNIVERSITY 1949 PP 167-68
4. JOHNSON & WEST سابقہ PP 168-70
5. IBID
6. POSTAN AND RICK, THE CAMBRIDGE ECONOMIC HISTORY OF EUROPE VOL II 1952 CANT UNIVERSITY PRESS, LONDON P 109.
7. POSTAN AND RICK OP. CIT. P 334
8. IBID
9. POSTAN OP. CIT P. 306
10. HENRY PIRENNE, ECONOMIC AND SOCIAL HISTORY OF MEDIEVAL EUROPE ENGLISH TRANSLATION BY I. E. CLEGG, HARVEST BOOK U.S.A P. 130
11. H. PIRENNE OP. CIT. P. 131
12. POSTAN AND RICK OP. CIT. P. 349
13. H. PIRENNE OP. CIT. P. 134
14. HERBERT HEATON, THE ECONOMIC HISTORY OF EUROPE, REVISED EDITION 1948 HARPER BRS. NEW YORK P. 377

15. SALO WITTMAYER BARON, A SOCIAL AND RELIGIOUS HISTORY OF THE JEWS, SECOND ED. 1951 COLUMBIA UNIVERSITY N.Y. VOL IV P 342

۱۶ لکھ بعد کے ۱۱ میں شرٹ میں تیزی سے تخفیف ہونا شروع ہوئی پروفیسر وپسٹن کے بقول انگلینڈ میں پندرہویں صدی میں غیر فعال شریک (SLEEPING PARTNER) کو اس کے سرمایہ پر دس فی صدی حاصل ہو رہا تھا۔ (حوالہ سابق صفحہ ۲۱۷) ۱۵۷۱ء تک انگلینڈ یا بالینڈ میں ۲۰۳۰۰۰ پانچ فی صدی سود پر قرض حاصل کیا جاسکتا تھا لایہ کہ حالات نازک ہو گئے ہوں یا حکومت خود بہت زیادہ قرض لینا شروع کر دے اسی طرح بینک آف انگلینڈ بھی کٹوتی ہوں پر پانچ فی صدی دیتے جبکہ اینٹروپ بورس میں سو لہویں صدی میں شرح ۸ سے بارہ فی صدی تک تھی اور لندن کے سنہ ۱۶۷۰ء میں ۶ فی صدی لیتے تھے۔

۱۶۷۰ء میں خزانہ عامرہ نے سود کی ادائیگی موقوف کر دی یکس ۱۶۹۲ء میں خود ہی ایک قانون پاس کیا جس کی رو سے ۱۲ لاکھ پونڈ کے ایک قرض پر آئندہ فی صدی سود فیت کا اعلان کیا اور قرض دہندہ کو بینک قائم کر کے کا حق دیا۔ ۱۷۷۰ء تک قرض کی رقم سود دہا کر دو گنی ہو گئی، لیکن شرح کم ہو کر ۳ فی صدی رہ گئی (ہیٹن حوالہ سابق صفحہ ۳۷۵) سترہویں صدی میں ۱۰ لاکھ روپے کرنے والوں میں سنہ ۱۷۰۰ء سے بڑے کاروبار کا ہلانے لگے۔

بہر حال سو لہویں صدی میں دس فی صدی اور اٹھارہویں صدی میں پانچ فی صدی سود کو گوارہ کر لیا گیا یہ ایسی بات ہے جس نے رائے عامہ کو نئے رخ پر لگانے میں موثر حصہ لیا چنانچہ اس کے اثر سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ۱۸۵۰ء میں سہ ہجرت سے متعلق وہ قانون بھی ختم ہو گیا جس میں وقتاً فوقتاً استثنیٰ پیدا کیا جاتا رہا۔ (LIPSON, THE GROWTH OF ENGLISH SOCIETY) مئی چہارم ۱۹۵۹ء لندن ۸۶

۱۸۳۰ء تک پانچ فی صدی سے زیادہ سود لینا سہ ہجرت کے قانون کے تحت منع تھا، اس طرح ایک عرصے تک مرکزی سرکار ۱۸۴۲ء میں ۱۲ فی صدی رہی ۱۸۴۲ء کے بعد مال خرینک نے تجارت کی حالت اور ملزاتی محفوظات کی مقدار کے ساتھ شرح سود میں کمی بیشی کی پالیسی اختیار کی، اگر کبھی حالات نازک ہوتے تھے تو بینک فزٹوں اور کٹوتیوں DISCOUNTS پر ۳۲ فی صدی سے شرح بڑھا کر ۷۶ یا ۸۱ فی صدی تک کر دیتی تھی۔ ہیٹن صفحہ ۵۸۸-۵۸۹

17. MAX MULLER (EDITOR, SACRED BOOKS OF THE EAST. VOL XLI 1886 CLARENDON PRESS, OXFORD. P 178

۱۸ لکھ یہ قانون ان فرہنگوں کے لئے ہے جن کی ضمانت نہ ہو، برہمن کے لئے ۱۱-۱۲ شرح ۲ فی صدی ہے، کھتری کے لئے ۳ فی صدی، دیو دیس کے لئے ۷ فی صدی اور شودر کے لئے ۵ فی صدی مقرر ہے۔

19. WILLER DURANT, THE STORY OF CIVILIZATION (OUR ORIENTAL HERITAGE) PLB 1954 SIMON AND SCHUSTER, N.Y.

20. S.W. BARON OP. CIT. VOL I P 214

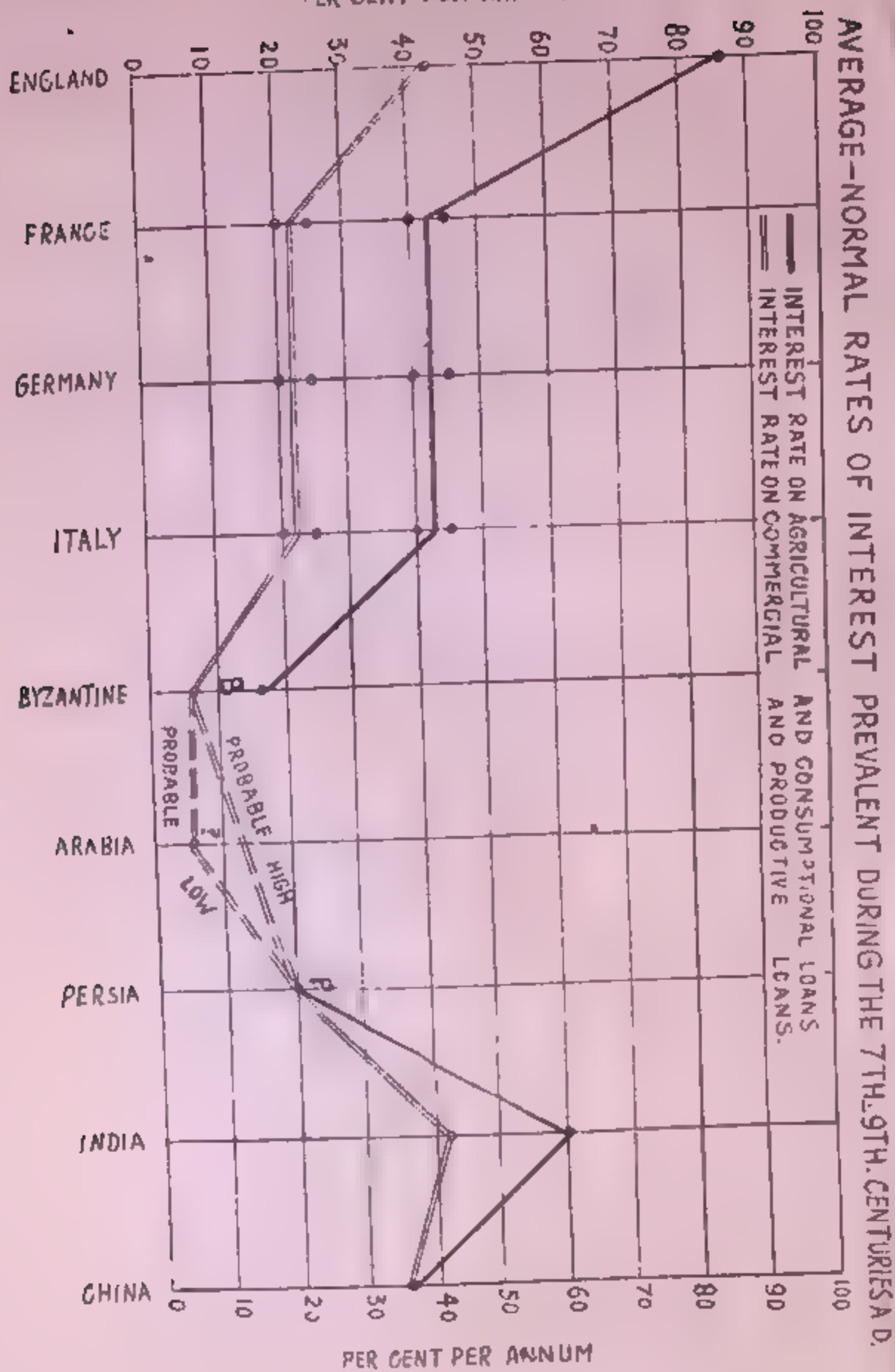
21. S.W. BARON OP. CIT P 348

22. POSTAN AND RICK OP. CIT. P 286

23. PASSIM

24. U TUN WAI, INTEREST RATES OUTSIDE THE ORGANIZED MARKETS (IMF STAFF PAPERS VOL VI. NOV 57. P ۲۰

PER CENT PER ANNUM



تسطہ ہشتم :-

واقعاتِ سیرِ نبویؐ میں توفیقی تضاد اور اس کا حل

از

جناب مولوی سخی النبی صاحب عوی، رام پور

۸۶۷ھ

مکی	جولین	مدنی
۱۔ غزوہ خیبر۔ بروایت ابن اسحق ۲۔ وادی القری	۱۶ اکتوبر ۶۲۷ء پنجشنبہ	۲ جمادی ۳۔ مسرت زید بن حارثہ بچا نبی جسمی
صفر	۲۷ نومبر بدھ	رتیب
ذیقعہ ۱	۲۷ دسمبر یکشنبہ	شعبان
ربیع ۲	۲ جنوری ۶۲۹ء دوشنبہ	رمضان
جمادی	یکم فروری چهارشنبہ	شوال
ربیع ۲	۲ مارچ پنجشنبہ	ذیقعدہ
رمضان	۱ اپریل دوشنبہ	ذوالحجہ

غزوہ یثرب
۶۔ ذیقعدہ

شعبان	دو شنبہ	محرم ششم
رمضان	۳۱ رسی چہار شنبہ	صفر
شوال	۲۹ جون پنج شنبہ	ربیع ۱
ذیقعدہ	۲۹ جولائی شنبہ	ربیع ۲
ذوالحجہ	۲۶ اگست یک شنبہ	جمادی ۱
		غزوہ مودہ

۸۶۷ھ

۱۔ غزوہ خیبر: یہاں میں اس کی توفیق پر نور کیا جا رہا ہے۔

۲۔ سریہ تریبلین حارثہ: بجانب تریبلین: اس واقعہ کے متعلق داندی ادیان سعد کا بیان ہے کہ یہ جمادی اول ثریٰ سنہ ۸۶۷ کا واقعہ ہے مگر غالباً اس کا تعلق سنہ ۸۶۷ سے ہے کتاب میں اس کے وجہ بیان کئے گئے ہیں۔

۳۔ عُمرة القضا: اس کے متعلق ران کیا ہوا ہے کہ یہ ذیقعدہ سنہ ۸۶۷ کا واقعہ ہے، ابن حبیب نے اس کی تاریخ روایت کی دو شنبہ ۲ ذیقعدہ سنہ ۸۶۷ بیان کی ہے جس میں صرف ایک روز کا فرق محسوس ہوتا ہے، کیوں کہ موسیٰ صراحت کے اعتبار سے یہ ایام گراما کا واقعہ تھا، مگر یہ یوم کے بموجب جمادی اول اگست ۸۶۷ سے مطابق ہوتا ہے۔

غزوہ خیبر

محرم سنہ ۸۶۷ جمادی سنہ

صلح حدیبیہ کے بعد قریش کا فتنہ تو ایک حد تک دب گیا تھا، لیکن یہودی سازشیں بددلی جاری تھیں۔ مدینہ سے جلا وطنی کے بعد بنو نضیر کے یہودیوں کی بڑی تعداد اگرچہ شام چلی گئی تھی، لیکن نہ م سربراہ اور نہ خاندان خیبر ہی میں رہ پڑے تھے۔ یہاں سے ان کی فتنہ پردازیاں ہنوز جاری تھیں، جن کی خندق کا باعث

جو بظاہر امام مالکؒ اور ابن اسحقؒ کی تصریحات کا آمیزہ معلوم ہوتے ہیں، بہر حال اس سے یہ نتیجہ
نہ روز نکلتا ہے کہ اس غزوے کی ابتداء سنہ ۶۳۸ء میں ہو گئی تھی۔ جس کی تکمیل ابن اسحقؒ کے قول کے بموجب محرم
بلکہ صفر سنہ ۶۳۹ء میں ہوئی، اس خیال کی تصدیق کہ اس مہم کا آغاز ذوالحجہ میں ہو گیا تھا، بخاری کی تصریحات
سے بھی ہوتی ہے، جس کو میں ابھی پیش کر دیں گا، بہر صورت امام مالک، ابن حزم، ابن اسحق اور ان کے بعد
ان کے جملہ متعلقین کے نزدیک غزوہ خیبر کا زمانہ آخر سنہ یا اداکل سنہ ۶۳۸ء ہے گویا بالفاظ دیگر ذوالحجہ سنہ
یا محرم سنہ ۶۳۹ء میں یہ مہم شروع ہو گئی تھی، بخلاف اس کے واقعی اور ابن سعد نے یہ صراحت کی ہے، کہ یہ واقعہ جمادی الاول
سنہ ۶۳۸ء کا ہے، گویا سنہ کے تقریباً وسط کا، جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے، کہ اس غزوے کے متعلق بھی دو ابتدائی
دست دہیز موجود تھیں جن میں سے ایک امام مالکؒ اور ابن اسحقؒ کا ماخذ تھی، اور دوسری واقعی کا۔

واقعی کے نزدیک غزوہ خیبر صلح حدیبیہ سے تقریباً چھ ماہ بعد کا واقعہ ہے، جو تاریخی طور پر درست معلوم
ہوتا ہے، بخلاف اس کے ابن اسحقؒ کے نزدیک یہ واقعہ حدیبیہ سے صرف ایک یا دو ماہ بعد کا ہے، جس کی وجہ
بہر اس کے اور کچھ نہیں کہ اس کو اس غزوے کی تاریخ "محرم سنہ ۶۳۸ء" پہنچی تھی، حدیبیہ ذیقعدہ سنہ کا واقعہ ہے،
اس بنا پر اصولاً ان کو یہ نتیجہ نکلتا ہے، حالانکہ دو تقریبی نقطہ نظر سے واقعی اور ابن اسحقؒ کی روایتوں
(یہ محرم اور جمادی) یک کرنا غلط یا بے فائدہ نہیں۔

جدوں تقیم برزہ ڈالنے سے پہلے چلتا ہے کہ سنہ ۶۳۸ء میں مکی ذوالحجہ اور مدنی جمادی اول دونوں ساتھ ساتھ
ہوئے تھے، اور ان دونوں کی ابتداء ۱۲ ستمبر سنہ ۶۳۸ء کو ہوئی تھی، اس بنا پر ان دونوں ائمہ میرت کے دستاویز
یک ہی زمانے کی طرف اشارہ کر رہے ہیں، بلکہ واقعی کے بیان سے ابن اسحقؒ کی اتنی تائید نہیں ہوتی، جتنی امام
مالک کے سن خیال کی تصدیق ہوتی ہے، کہ یہ واقعہ آخر سنہ ۶۳۸ء کا ہے۔

دہر گزر چکا ہے، کہ خود ابن اسحقؒ نے غزوہ ذی قرد کو جمادی الاولیٰ کا واقعہ بیان کیا ہے، جس کے
متعلق بخاریؒ کی صراحت یہ ہے، کہ:-

یہ وہ غزوہ ہے جو خیبر سے تین دن پہلے آنحضرتؐ کی دونوں کو لوٹنے کے سلسلہ میں ہوا تھا۔^۳

۱۔ واقعی ۶۳۸ء - یہ اشارہ ہے غزوہ بنی نضیر کے متعلق جو اصل کتاب میں صراحت کے ساتھ لکھا ہے۔ ۲۔ بخاری، باب غزوہ ذی قرد۔

یہ گویا ابن اسحاق کی طرف سے واقعہ کی ایک طرح تاخیر ہے، کہ غزوہ خیبر کا واقعہ بھی جمادی سے تھا، قطع نظر اس سے خود موسیٰ اور واقعاتی شہادتیں بھی اس بات کے حق میں ہیں، کہ غزوہ خیبر صلیح حدیبیہ (ذی قعدہ مطابق مارچ، اپریل) سے بہت بعد کا واقعہ ہے۔

تقریباً تمام سیرت کی کتابوں میں یہ روایتیں موجود ہیں، کہ فتح خیبر کے بعد مسندِ نبوی کے ہاتھ ہزار ہا من خشک کھجوروں کے ذخائر لگے تھے۔ علاوہ ازیں آنحضرتؐ نے حضرت صفیہ سے نکاح فرمایا، تو اس کی دعوتِ دلیہ میں حاضرین کے سامنے خشک کھجوریں (تمر) گھی اور پنیر پیش کیا گیا، خیبر کی سب سے قیمتی اور لذیذ پیداوار یہی کھجوریں تھیں جن کو گھی اور پنیر کے ساتھ، ایک چمڑے کے دسترخوان پر ڈھل دیا گیا تھا، اور لوگ ہر سو کرکھارہے تھے۔ اس سے قدرتی طور پر یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ فتح خیبر کے زمانے میں کھجوروں کی فصل بھٹی، اور یہ میوہ بہ افراط دستیاب ہو سکتا تھا، حجاز میں خشک کھجور کا موسم ستمبر و اکتوبر ہے، جو شہر میں مکی محرم اور مدنی جمادی کے بالکل مطابق تھا، چونکہ ان کھجوروں کے ساتھ گھی اور پنیر بھی پیش کیا گیا تھا، صرف خشک کھجوروں کے ساتھ کھایا جاتا ہے، نہ بنا پران کو تازہ نورس یا گدڑ کھجوریں تصور نہیں کیا جاسکتا۔

ابن سعد کی اس بات کو اگر ماں لیا جائے، کہ غزوہ خیبر صلیح حدیبیہ کے متصل ہوا تھا، تو یہ دعوتِ دلیہ کی دعوت میں ہونا چاہئے، ہوتا زہ اور گدڑ کھجوروں کا زمانہ ہوتا ہے، علاوہ انہیں اس غزوے میں وحیہ بن خنیفہ، ابلہ کی موجودگی ثابت ہے جن کو آنحضرتؐ نے اپریل ۶۲۵ء میں قیصر کے پاس سفارت پر بھیجا تھا جہاں وہ کچھ عرصے قیصر کے منتظر میں رہا اور جب قیصر سے ملاقات ہو گئی تو واپس آئے، اس سے منیٰ ہر ہے کہ یہ واقعہ منیٰ جون کا نہیں ہو سکتا۔

۹۶۸ھ

مکی	جولین	مدنی
محرم ۵	۲۶ ستمبر ۶۲۹ء شنبہ	جمادی ۲
صفر	۲۵ اکتوبر چهار شنبہ	رجب

ربیع ۱	۲۲ نومبر جمعہ	شعبان
ربیع ۲	۲۳ دسمبر شنبہ	رمضان
جہادی ۱	۲۲ جنوری ۶۳۲ دوشنبہ	شوال
۱۔ سر یہ عمرو بن عاص ذاتِ مسلاسل	۲۰ فروری ۶۳۲ شنبہ	ذیقعدہ
۲۔ فتح مکہ روا کی پہاڑ شنبہ ۱۰ رمضان (ابن سعد) فتح مکہ جمعہ ۲۰ رمضان	۲۳ مارچ پنجشنبہ	ذوالحجہ
۳۔ غزوہ حنین شنبہ ۶ شوال ۴۔ غزوہ خندق	۲۰ اپریل جمعہ	محرّم ۹
۵۔ غزوہ بدر ۱۲ شوال	۲۰ مئی یکشنبہ	صفر
۶۔ غزوہ خیبر ۱۲ شوال	۱۸ جون دوشنبہ	ربیع ۱
۷۔ غزوہ تبوک ۱۲ شوال	۱۸ جولائی ۶۳۲ چہر شنبہ	ربیع ۲
۸۔ غزوہ موتہ ۱۲ شوال	۱۶ اگست پنجشنبہ	جہادی ۱

۹۷۸ھ

کتاب میں ۹۷۸ھ کے مندرجہ ذیل واقعات پیش کئے گئے ہیں۔

۱۔ سر یہ عمرو بن عاص، ذاتِ مسلاسل : اس سر یہ کے متعلق یہ صراحت ملتی ہے کہ یہ

جمادی الاخریٰ سنہ میں غزوہ موتہ کے بعد شام کے سرحدی علاقے کی طرف روانہ کیا گیا تھا جس سے یہ دھوکا ہوتا ہے کہ یہ غزوہ موتہ سے صرف ایک ماہ بعد کا واقعہ ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ سر یہ غزوہ موتہ سے تقریباً چھ ماہ بعد کی جمادی الاخریٰ میں روانہ کیا گیا تھا، کیونکہ اس سر یہ کے زمانے میں اس بڑا کی سرحدی تھی کہ ایک بار عمرو بن عاص صبح کو غفلت مکہ نہ کر سکے تھے، مکی جمادی الاخریٰ فردی سنہ کو شروع ہوا تھا۔

۲۔ فتح مکہ: اس تفصیلی بحث برہان میں ملاحظہ ہو۔

۳۔ غزوہ حنین: ابن سعد نے اس غزوے کی تاریخ روئی ہفتہ ۶ شوال سنہ بیان کی ہے۔

جو مکی تقویم کے بموجب بالکل صحیح بیٹھتی ہے اس غزوے کا موسم بھی صحیح ثابت ہوتا ہے۔

۴۔ غزوہ طائف: یہ واقعہ حنین کے فوراً بعد کا ہے۔

۵۔ عمرہ حجراتہ: ابن سعد نے اس واقعے کی تاریخ بیان کی ہے وہ نہ کی تقویم پر پوری اُرتی

ہے۔ مدنی پر۔ معلوم ہوتا ہے کہ مؤرخین اسلام کو کہیں سخت دھوکا ہوا ہے، کتاب میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

فتح مکہ

رمضان سنہ مکی

فتح خیبر اور انضام مذک و ددی اقریٰ کے بعد اسلامی ریاست کی سیاسی برتری کے آثار واضح ہو چکے تھے، اور اس کے مادی اور روحانی اثرات کا یہ عالم تھا کہ قبصر کسریٰ کی سرحدیں خطرے میں پڑ چکی تھیں، مگر دیش کے تقریباً تمام قبائل نے اسلامی فوجیت تسلیم کر لی تھی اور خود بخود اسلامی وفاق میں داخل ہوتے چلے جا رہے تھے، خود قریش کا سمجھ دار طبقہ ماکل۔ اسلام تھا، چنانچہ خالد بن ولید اور عمرو بن عاص جیسے شمشیر زن اور سردار مدینے پہنچ چکے تھے۔

مکہ کی نیم مذہبی حکومت "روز بروز مکہ بزدل تھی، اور اہل مکہ خوف، مایوسی، اور مذہب کی اذیتوں میں مبتلا تھے، جس کو مسلمانوں کی آنکھیں دیکھ رہی تھیں، اور یہ بات پورے یقین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے، کہ اگر سنہ میں مسلمان عربیں مکہ میں داخل نہ ہو جاتیں، تو جلد یا بدیر اہل مکہ طائف و ادول کا طرح خود درخواستِ نصہ پیش کرتے، جنہوں نے سنہ میں بخوشی اپنی قسمیوں کو اسلام کے حوالے کر دیا تھا، بہر حال مؤرخین فتح مکہ کی

جو وجہ بیان کرتے ہیں وہ یہ ہے :

معاہدہ حدیبیہ کی رو سے تمام قبائل عرب کو یہ اختیار دیدیا گیا تھا، کہ وہ حسب پسند اسلامی ذوق " میں داخل ہو جائیں، یا قریش کے ساتھ رہیں، جس کے نتیجے میں بنو خزیمہ مسلمانوں کے ساتھ ہو گئے تھے، اور بنو بکر سے قریش کی دوستی کو ترجیح دی تھی، ان دونوں قبائل میں پرانی دشمنی چل آتی تھی، جو اسلامی جنگوں کی وجہ سے کچھ عرصے کے لئے دب گئی تھی، صبح حدیبیہ کے بعد جب کچھ امن ہوا، تو سب کے وسط میں یہ دشمنی پھر ابھری اور جھگڑے شروع ہو گئے، جس میں قریش نے اسلحہ اور جنگی ساز و سامان دے کر بنو بکر کی حمایت کی، اور بہت سے قریشی جوانوں نے رخصتہ کا رانہ جنگ میں حصہ لیا، خواہ چونکہ اسلام کے اتنی دیر نہ تھی، اور سب کی حفاظت مسلمانوں کے ذمے تھی۔ اس سے حدیبیہ کا معاہدہ خود بخود ٹوٹ گیا، اور مدینہ سے مسلمان کر دیا گیا، کہ اب اس معاہدے کی کوئی قیمت نہیں، قریش کو یہ معلوم ہوا، تو انھوں نے ابوسفیان کو نجد بدر معاہدہ کے لئے مدینہ بھیجا، مگر یہ مشن کامیاب نہ ہو سکا۔ معاہدہ حدیبیہ کی شکست غالباً اوائل رمضان شمسہ میں ہوئی تھی، چنانچہ سورہ براءۃ کی ابتدائی آیات میں اس کی صدائے بازگشت موجود ہے :-

"اعلان براءۃ ہے، اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ان لوگوں کے لئے جن کے ساتھ تم نے معاہدہ کیا تھا، سو چار مہینے ملک میں چلو پھرو، اور جان لو، کہ تم اللہ کو عاجز کرنے والے نہیں اور اللہ منکروں کو رسوا کرتا ہے"۔

علماء اسلام میں اختلاف ہے، کہ یہ چار مہینے کون سے ہیں، کچھ گمان غالب یہ ہے، کہ یہاں رمضان شمسہ سے لے کر ذوالحجہ شمسہ تک کا زمانہ مراد ہے، اس سے کہ اس سال حج باوجود اسد می استقبال کے مشرکین ہی کی زیر نگرانی ہوا تھا۔ اور اس میں وہ تمام مراسم ادا ہوئے تھے، جو پہلے سے چلے آ رہے تھے، مشرکین کا یہ آخری حج تھا۔

۱۔ طبری ۳/ ۱۱۱ - ابن ہشام ۲/ ۳۲ - نیردیکھے ابن سعد ۲/ ۹۷ - ۳۸/ ۳۸ - ابن سعد ۲/ ۹۷ -

۲۔ ۹: ۲۱، میرا گمان ہے کہ یہ آیات نوحہ مکہ سے تھیں، حال ہو چکی تھیں جن میں معاہدہ حدیبیہ کی شکست کا اعلان تھا، کیوں کہ اس معاہدے کو توڑنے بغیر کسی سے نفرت کسی بھی قسم کی فوجی کارروائی ممکن نہ تھی۔

اس کے بعد پھر انہیں، جازت نہ تھی، کہ وہ داخلِ حرم ہو سکیں۔

”اور بے شک مشرک: پاک ہیں تو یہ لوگ اپنے اس سان کے بعد مسجدِ حرام کے اندر نہ جائیں گے۔“
اس آیت میں الفاظ ”اپنے اس سال کے بعد“ (بَعْدَ عَامٍ هَذَا) خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔
جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مہلت سالِ رواں کے ختام تک کے لئے تھی، کئے پر فوج کشی رمضان میں ہوئی تھی۔
اور اس رمضان سے چار ماہ بعد سال ختم ہو رہا تھا، اس لئے یہ سبکدوشیات ہو جاتا ہے کہ مندرجہ بالا آیت میں ۲
چار ماہ کی اجازت مذکور ہے اس سے کون سا ماہ نہ مر دے، نیز یہ کہ کئے پر منہ مکی ”رمضان میں ہو رہا تھا،“
یہ بیان نگاروں کا بیان ہے کہ: ”رمضان سنہ کو جبکہ ہر مسلمان سپاہی روزہ دار تھا، مسلمانوں
کی تقریباً دس ہزار فوج مدینے سے نکلی درعازم گم ہوئی، بن اسحق کا بیان ہے:

”در آن خطرات، رمضان کو نہ گئے، تو آپ: روزہ نہ کھا، اور آپ کے ساتھ سب ساتھیوں

کے روزے تھے، یہاں تک کہ گدی پہنچے، جو عسکان اور آماج کے درمیان ہے۔“

یہ فوج جب کئے میں داخل ہونے والی تھی، نوکٹے کے رئیس ہوسفیان نے حتمی طور پر، اس وقت پورے
شہر کے واحد سرد براہ تھے، اسدی تفوق کے سامنے تسلیم نہ کر دیا۔ در میں طرح بلا کسی باضابطہ مزاحمت
کے مشرکین کو بکایہ سب سے بڑا فائدہ مسخر ہو گیا۔

۱۹-۱۰-۱۱-۱۲-۱۳-۱۴-۱۵-۱۶-۱۷-۱۸-۱۹-۲۰-۲۱-۲۲-۲۳-۲۴-۲۵-۲۶-۲۷-۲۸-۲۹-۳۰-۳۱-۳۲-۳۳-۳۴-۳۵-۳۶-۳۷-۳۸-۳۹-۴۰-۴۱-۴۲-۴۳-۴۴-۴۵-۴۶-۴۷-۴۸-۴۹-۵۰-۵۱-۵۲-۵۳-۵۴-۵۵-۵۶-۵۷-۵۸-۵۹-۶۰-۶۱-۶۲-۶۳-۶۴-۶۵-۶۶-۶۷-۶۸-۶۹-۷۰-۷۱-۷۲-۷۳-۷۴-۷۵-۷۶-۷۷-۷۸-۷۹-۸۰-۸۱-۸۲-۸۳-۸۴-۸۵-۸۶-۸۷-۸۸-۸۹-۹۰-۹۱-۹۲-۹۳-۹۴-۹۵-۹۶-۹۷-۹۸-۹۹-۱۰۰-۱۰۱-۱۰۲-۱۰۳-۱۰۴-۱۰۵-۱۰۶-۱۰۷-۱۰۸-۱۰۹-۱۱۰-۱۱۱-۱۱۲-۱۱۳-۱۱۴-۱۱۵-۱۱۶-۱۱۷-۱۱۸-۱۱۹-۱۲۰-۱۲۱-۱۲۲-۱۲۳-۱۲۴-۱۲۵-۱۲۶-۱۲۷-۱۲۸-۱۲۹-۱۳۰-۱۳۱-۱۳۲-۱۳۳-۱۳۴-۱۳۵-۱۳۶-۱۳۷-۱۳۸-۱۳۹-۱۴۰-۱۴۱-۱۴۲-۱۴۳-۱۴۴-۱۴۵-۱۴۶-۱۴۷-۱۴۸-۱۴۹-۱۵۰-۱۵۱-۱۵۲-۱۵۳-۱۵۴-۱۵۵-۱۵۶-۱۵۷-۱۵۸-۱۵۹-۱۶۰-۱۶۱-۱۶۲-۱۶۳-۱۶۴-۱۶۵-۱۶۶-۱۶۷-۱۶۸-۱۶۹-۱۷۰-۱۷۱-۱۷۲-۱۷۳-۱۷۴-۱۷۵-۱۷۶-۱۷۷-۱۷۸-۱۷۹-۱۸۰-۱۸۱-۱۸۲-۱۸۳-۱۸۴-۱۸۵-۱۸۶-۱۸۷-۱۸۸-۱۸۹-۱۹۰-۱۹۱-۱۹۲-۱۹۳-۱۹۴-۱۹۵-۱۹۶-۱۹۷-۱۹۸-۱۹۹-۲۰۰-۲۰۱-۲۰۲-۲۰۳-۲۰۴-۲۰۵-۲۰۶-۲۰۷-۲۰۸-۲۰۹-۲۱۰-۲۱۱-۲۱۲-۲۱۳-۲۱۴-۲۱۵-۲۱۶-۲۱۷-۲۱۸-۲۱۹-۲۲۰-۲۲۱-۲۲۲-۲۲۳-۲۲۴-۲۲۵-۲۲۶-۲۲۷-۲۲۸-۲۲۹-۲۳۰-۲۳۱-۲۳۲-۲۳۳-۲۳۴-۲۳۵-۲۳۶-۲۳۷-۲۳۸-۲۳۹-۲۴۰-۲۴۱-۲۴۲-۲۴۳-۲۴۴-۲۴۵-۲۴۶-۲۴۷-۲۴۸-۲۴۹-۲۵۰-۲۵۱-۲۵۲-۲۵۳-۲۵۴-۲۵۵-۲۵۶-۲۵۷-۲۵۸-۲۵۹-۲۶۰-۲۶۱-۲۶۲-۲۶۳-۲۶۴-۲۶۵-۲۶۶-۲۶۷-۲۶۸-۲۶۹-۲۷۰-۲۷۱-۲۷۲-۲۷۳-۲۷۴-۲۷۵-۲۷۶-۲۷۷-۲۷۸-۲۷۹-۲۸۰-۲۸۱-۲۸۲-۲۸۳-۲۸۴-۲۸۵-۲۸۶-۲۸۷-۲۸۸-۲۸۹-۲۹۰-۲۹۱-۲۹۲-۲۹۳-۲۹۴-۲۹۵-۲۹۶-۲۹۷-۲۹۸-۲۹۹-۳۰۰-۳۰۱-۳۰۲-۳۰۳-۳۰۴-۳۰۵-۳۰۶-۳۰۷-۳۰۸-۳۰۹-۳۱۰-۳۱۱-۳۱۲-۳۱۳-۳۱۴-۳۱۵-۳۱۶-۳۱۷-۳۱۸-۳۱۹-۳۲۰-۳۲۱-۳۲۲-۳۲۳-۳۲۴-۳۲۵-۳۲۶-۳۲۷-۳۲۸-۳۲۹-۳۳۰-۳۳۱-۳۳۲-۳۳۳-۳۳۴-۳۳۵-۳۳۶-۳۳۷-۳۳۸-۳۳۹-۳۴۰-۳۴۱-۳۴۲-۳۴۳-۳۴۴-۳۴۵-۳۴۶-۳۴۷-۳۴۸-۳۴۹-۳۵۰-۳۵۱-۳۵۲-۳۵۳-۳۵۴-۳۵۵-۳۵۶-۳۵۷-۳۵۸-۳۵۹-۳۶۰-۳۶۱-۳۶۲-۳۶۳-۳۶۴-۳۶۵-۳۶۶-۳۶۷-۳۶۸-۳۶۹-۳۷۰-۳۷۱-۳۷۲-۳۷۳-۳۷۴-۳۷۵-۳۷۶-۳۷۷-۳۷۸-۳۷۹-۳۸۰-۳۸۱-۳۸۲-۳۸۳-۳۸۴-۳۸۵-۳۸۶-۳۸۷-۳۸۸-۳۸۹-۳۹۰-۳۹۱-۳۹۲-۳۹۳-۳۹۴-۳۹۵-۳۹۶-۳۹۷-۳۹۸-۳۹۹-۴۰۰-۴۰۱-۴۰۲-۴۰۳-۴۰۴-۴۰۵-۴۰۶-۴۰۷-۴۰۸-۴۰۹-۴۱۰-۴۱۱-۴۱۲-۴۱۳-۴۱۴-۴۱۵-۴۱۶-۴۱۷-۴۱۸-۴۱۹-۴۲۰-۴۲۱-۴۲۲-۴۲۳-۴۲۴-۴۲۵-۴۲۶-۴۲۷-۴۲۸-۴۲۹-۴۳۰-۴۳۱-۴۳۲-۴۳۳-۴۳۴-۴۳۵-۴۳۶-۴۳۷-۴۳۸-۴۳۹-۴۴۰-۴۴۱-۴۴۲-۴۴۳-۴۴۴-۴۴۵-۴۴۶-۴۴۷-۴۴۸-۴۴۹-۴۵۰-۴۵۱-۴۵۲-۴۵۳-۴۵۴-۴۵۵-۴۵۶-۴۵۷-۴۵۸-۴۵۹-۴۶۰-۴۶۱-۴۶۲-۴۶۳-۴۶۴-۴۶۵-۴۶۶-۴۶۷-۴۶۸-۴۶۹-۴۷۰-۴۷۱-۴۷۲-۴۷۳-۴۷۴-۴۷۵-۴۷۶-۴۷۷-۴۷۸-۴۷۹-۴۸۰-۴۸۱-۴۸۲-۴۸۳-۴۸۴-۴۸۵-۴۸۶-۴۸۷-۴۸۸-۴۸۹-۴۹۰-۴۹۱-۴۹۲-۴۹۳-۴۹۴-۴۹۵-۴۹۶-۴۹۷-۴۹۸-۴۹۹-۵۰۰-۵۰۱-۵۰۲-۵۰۳-۵۰۴-۵۰۵-۵۰۶-۵۰۷-۵۰۸-۵۰۹-۵۱۰-۵۱۱-۵۱۲-۵۱۳-۵۱۴-۵۱۵-۵۱۶-۵۱۷-۵۱۸-۵۱۹-۵۲۰-۵۲۱-۵۲۲-۵۲۳-۵۲۴-۵۲۵-۵۲۶-۵۲۷-۵۲۸-۵۲۹-۵۳۰-۵۳۱-۵۳۲-۵۳۳-۵۳۴-۵۳۵-۵۳۶-۵۳۷-۵۳۸-۵۳۹-۵۴۰-۵۴۱-۵۴۲-۵۴۳-۵۴۴-۵۴۵-۵۴۶-۵۴۷-۵۴۸-۵۴۹-۵۵۰-۵۵۱-۵۵۲-۵۵۳-۵۵۴-۵۵۵-۵۵۶-۵۵۷-۵۵۸-۵۵۹-۵۶۰-۵۶۱-۵۶۲-۵۶۳-۵۶۴-۵۶۵-۵۶۶-۵۶۷-۵۶۸-۵۶۹-۵۷۰-۵۷۱-۵۷۲-۵۷۳-۵۷۴-۵۷۵-۵۷۶-۵۷۷-۵۷۸-۵۷۹-۵۸۰-۵۸۱-۵۸۲-۵۸۳-۵۸۴-۵۸۵-۵۸۶-۵۸۷-۵۸۸-۵۸۹-۵۹۰-۵۹۱-۵۹۲-۵۹۳-۵۹۴-۵۹۵-۵۹۶-۵۹۷-۵۹۸-۵۹۹-۶۰۰-۶۰۱-۶۰۲-۶۰۳-۶۰۴-۶۰۵-۶۰۶-۶۰۷-۶۰۸-۶۰۹-۶۱۰-۶۱۱-۶۱۲-۶۱۳-۶۱۴-۶۱۵-۶۱۶-۶۱۷-۶۱۸-۶۱۹-۶۲۰-۶۲۱-۶۲۲-۶۲۳-۶۲۴-۶۲۵-۶۲۶-۶۲۷-۶۲۸-۶۲۹-۶۳۰-۶۳۱-۶۳۲-۶۳۳-۶۳۴-۶۳۵-۶۳۶-۶۳۷-۶۳۸-۶۳۹-۶۴۰-۶۴۱-۶۴۲-۶۴۳-۶۴۴-۶۴۵-۶۴۶-۶۴۷-۶۴۸-۶۴۹-۶۵۰-۶۵۱-۶۵۲-۶۵۳-۶۵۴-۶۵۵-۶۵۶-۶۵۷-۶۵۸-۶۵۹-۶۶۰-۶۶۱-۶۶۲-۶۶۳-۶۶۴-۶۶۵-۶۶۶-۶۶۷-۶۶۸-۶۶۹-۶۷۰-۶۷۱-۶۷۲-۶۷۳-۶۷۴-۶۷۵-۶۷۶-۶۷۷-۶۷۸-۶۷۹-۶۸۰-۶۸۱-۶۸۲-۶۸۳-۶۸۴-۶۸۵-۶۸۶-۶۸۷-۶۸۸-۶۸۹-۶۹۰-۶۹۱-۶۹۲-۶۹۳-۶۹۴-۶۹۵-۶۹۶-۶۹۷-۶۹۸-۶۹۹-۷۰۰-۷۰۱-۷۰۲-۷۰۳-۷۰۴-۷۰۵-۷۰۶-۷۰۷-۷۰۸-۷۰۹-۷۱۰-۷۱۱-۷۱۲-۷۱۳-۷۱۴-۷۱۵-۷۱۶-۷۱۷-۷۱۸-۷۱۹-۷۲۰-۷۲۱-۷۲۲-۷۲۳-۷۲۴-۷۲۵-۷۲۶-۷۲۷-۷۲۸-۷۲۹-۷۳۰-۷۳۱-۷۳۲-۷۳۳-۷۳۴-۷۳۵-۷۳۶-۷۳۷-۷۳۸-۷۳۹-۷۴۰-۷۴۱-۷۴۲-۷۴۳-۷۴۴-۷۴۵-۷۴۶-۷۴۷-۷۴۸-۷۴۹-۷۵۰-۷۵۱-۷۵۲-۷۵۳-۷۵۴-۷۵۵-۷۵۶-۷۵۷-۷۵۸-۷۵۹-۷۶۰-۷۶۱-۷۶۲-۷۶۳-۷۶۴-۷۶۵-۷۶۶-۷۶۷-۷۶۸-۷۶۹-۷۷۰-۷۷۱-۷۷۲-۷۷۳-۷۷۴-۷۷۵-۷۷۶-۷۷۷-۷۷۸-۷۷۹-۷۸۰-۷۸۱-۷۸۲-۷۸۳-۷۸۴-۷۸۵-۷۸۶-۷۸۷-۷۸۸-۷۸۹-۷۹۰-۷۹۱-۷۹۲-۷۹۳-۷۹۴-۷۹۵-۷۹۶-۷۹۷-۷۹۸-۷۹۹-۸۰۰-۸۰۱-۸۰۲-۸۰۳-۸۰۴-۸۰۵-۸۰۶-۸۰۷-۸۰۸-۸۰۹-۸۱۰-۸۱۱-۸۱۲-۸۱۳-۸۱۴-۸۱۵-۸۱۶-۸۱۷-۸۱۸-۸۱۹-۸۲۰-۸۲۱-۸۲۲-۸۲۳-۸۲۴-۸۲۵-۸۲۶-۸۲۷-۸۲۸-۸۲۹-۸۳۰-۸۳۱-۸۳۲-۸۳۳-۸۳۴-۸۳۵-۸۳۶-۸۳۷-۸۳۸-۸۳۹-۸۴۰-۸۴۱-۸۴۲-۸۴۳-۸۴۴-۸۴۵-۸۴۶-۸۴۷-۸۴۸-۸۴۹-۸۵۰-۸۵۱-۸۵۲-۸۵۳-۸۵۴-۸۵۵-۸۵۶-۸۵۷-۸۵۸-۸۵۹-۸۶۰-۸۶۱-۸۶۲-۸۶۳-۸۶۴-۸۶۵-۸۶۶-۸۶۷-۸۶۸-۸۶۹-۸۷۰-۸۷۱-۸۷۲-۸۷۳-۸۷۴-۸۷۵-۸۷۶-۸۷۷-۸۷۸-۸۷۹-۸۸۰-۸۸۱-۸۸۲-۸۸۳-۸۸۴-۸۸۵-۸۸۶-۸۸۷-۸۸۸-۸۸۹-۸۹۰-۸۹۱-۸۹۲-۸۹۳-۸۹۴-۸۹۵-۸۹۶-۸۹۷-۸۹۸-۸۹۹-۹۰۰-۹۰۱-۹۰۲-۹۰۳-۹۰۴-۹۰۵-۹۰۶-۹۰۷-۹۰۸-۹۰۹-۹۱۰-۹۱۱-۹۱۲-۹۱۳-۹۱۴-۹۱۵-۹۱۶-۹۱۷-۹۱۸-۹۱۹-۹۲۰-۹۲۱-۹۲۲-۹۲۳-۹۲۴-۹۲۵-۹۲۶-۹۲۷-۹۲۸-۹۲۹-۹۳۰-۹۳۱-۹۳۲-۹۳۳-۹۳۴-۹۳۵-۹۳۶-۹۳۷-۹۳۸-۹۳۹-۹۴۰-۹۴۱-۹۴۲-۹۴۳-۹۴۴-۹۴۵-۹۴۶-۹۴۷-۹۴۸-۹۴۹-۹۵۰-۹۵۱-۹۵۲-۹۵۳-۹۵۴-۹۵۵-۹۵۶-۹۵۷-۹۵۸-۹۵۹-۹۶۰-۹۶۱-۹۶۲-۹۶۳-۹۶۴-۹۶۵-۹۶۶-۹۶۷-۹۶۸-۹۶۹-۹۷۰-۹۷۱-۹۷۲-۹۷۳-۹۷۴-۹۷۵-۹۷۶-۹۷۷-۹۷۸-۹۷۹-۹۸۰-۹۸۱-۹۸۲-۹۸۳-۹۸۴-۹۸۵-۹۸۶-۹۸۷-۹۸۸-۹۸۹-۹۹۰-۹۹۱-۹۹۲-۹۹۳-۹۹۴-۹۹۵-۹۹۶-۹۹۷-۹۹۸-۹۹۹-۱۰۰۰-۱۰۰۱-۱۰۰۲-۱۰۰۳-۱۰۰۴-۱۰۰۵-۱۰۰۶-۱۰۰۷-۱۰۰۸-۱۰۰۹-۱۰۱۰-۱۰۱۱-۱۰۱۲-۱۰۱۳-۱۰۱۴-۱۰۱۵-۱۰۱۶-۱۰۱۷-۱۰۱۸-۱۰۱۹-۱۰۲۰-۱۰۲۱-۱۰۲۲-۱۰۲۳-۱۰۲۴-۱۰۲۵-۱۰۲۶-۱۰۲۷-۱۰۲۸-۱۰۲۹-۱۰۳۰-۱۰۳۱-۱۰۳۲-۱۰۳۳-۱۰۳۴-۱۰۳۵-۱۰۳۶-۱۰۳۷-۱۰۳۸-۱۰۳۹-۱۰۴۰-۱۰۴۱-۱۰۴۲-۱۰۴۳-۱۰۴۴-۱۰۴۵-۱۰۴۶-۱۰۴۷-۱۰۴۸-۱۰۴۹-۱۰۵۰-۱۰۵۱-۱۰۵۲-۱۰۵۳-۱۰۵۴-۱۰۵۵-۱۰۵۶-۱۰۵۷-۱۰۵۸-۱۰۵۹-۱۰۶۰-۱۰۶۱-۱۰۶۲-۱۰۶۳-۱۰۶۴-۱۰۶۵-۱۰۶۶-۱۰۶۷-۱۰۶۸-۱۰۶۹-۱۰۷۰-۱۰۷۱-۱۰۷۲-۱۰۷۳-۱۰۷۴-۱۰۷۵-۱۰۷۶-۱۰۷۷-۱۰۷۸-۱۰۷۹-۱۰۸۰-۱۰۸۱-۱۰۸۲-۱۰۸۳-۱۰۸۴-۱۰۸۵-۱۰۸۶-۱۰۸۷-۱۰۸۸-۱۰۸۹-۱۰۹۰-۱۰۹۱-۱۰۹۲-۱۰۹۳-۱۰۹۴-۱۰۹۵-۱۰۹۶-۱۰۹۷-۱۰۹۸-۱۰۹۹-۱۱۰۰-۱۱۰۱-۱۱۰۲-۱۱۰۳-۱۱۰۴-۱۱۰۵-۱۱۰۶-۱۱۰۷-۱۱۰۸-۱۱۰۹-۱۱۱۰-۱۱۱۱-۱۱۱۲-۱۱۱۳-۱۱۱۴-۱۱۱۵-۱۱۱۶-۱۱۱۷-۱۱۱۸-۱۱۱۹-۱۱۲۰-۱۱۲۱-۱۱۲۲-۱۱۲۳-۱۱۲۴-۱۱۲۵-۱۱۲۶-۱۱۲۷-۱۱۲۸-۱۱۲۹-۱۱۳۰-۱۱۳۱-۱۱۳۲-۱۱۳۳-۱۱۳۴-۱۱۳۵-۱۱۳۶-۱۱۳۷-۱۱۳۸-۱۱۳۹-۱۱۴۰-۱۱۴۱-۱۱۴۲-۱۱۴۳-۱۱۴۴-۱۱۴۵-۱۱۴۶-۱۱۴۷-۱۱۴۸-۱۱۴۹-۱۱۵۰-۱۱۵۱-۱۱۵۲-۱۱۵۳-۱۱۵۴-۱۱۵۵-۱۱۵۶-۱۱۵۷-۱۱۵۸-۱۱۵۹-۱۱۶۰-۱۱۶۱-۱۱۶۲-۱۱۶۳-۱۱۶۴-۱۱۶۵-۱۱۶۶-۱۱۶۷-۱۱۶۸-۱۱۶۹-۱۱۷۰-۱۱۷۱-۱۱۷۲-۱۱۷۳-۱۱۷۴-۱۱۷۵-۱۱۷۶-۱۱۷۷-۱۱۷۸-۱۱۷۹-۱۱۸۰-۱۱۸۱-۱۱۸۲-۱۱۸۳-۱۱۸۴-۱۱۸۵-۱۱۸۶-۱۱۸۷-۱۱۸۸-۱۱۸۹-۱۱۹۰-۱۱۹۱-۱۱۹۲-۱۱۹۳-۱۱۹۴-۱۱۹۵-۱۱۹۶-۱۱۹۷-۱۱۹۸-۱۱۹۹-۱۲۰۰-۱۲۰۱-۱۲۰۲-۱۲۰۳-۱۲۰۴-۱۲۰۵-۱۲۰۶-۱۲۰۷-۱۲۰۸-۱۲۰۹-۱۲۱۰-۱۲۱۱-۱۲۱۲-۱۲۱۳-۱۲۱۴-۱۲۱۵-۱۲۱۶-۱۲۱۷-۱۲۱۸-۱۲۱۹-۱۲۲۰-۱۲۲۱-۱۲۲۲-۱۲۲۳-۱۲۲۴-۱۲۲۵-۱۲۲۶-۱۲۲۷-۱۲۲۸-۱۲۲۹-۱۲۳۰-۱۲۳۱-۱۲۳۲-۱۲۳۳-۱۲۳۴-۱۲۳۵-۱۲۳۶-۱۲۳۷-۱۲۳۸-۱۲۳۹-۱۲۴۰-۱۲۴۱-۱۲۴۲-۱۲۴۳-۱۲۴۴-۱۲۴۵-۱۲۴۶-۱۲۴۷-۱۲۴۸-۱۲۴۹-۱۲۵۰-۱۲۵۱-۱۲۵۲-۱۲۵۳-۱۲۵۴-۱۲۵۵-۱۲۵۶-۱۲۵۷-۱۲۵۸-۱۲۵۹-۱۲۶۰-۱۲۶۱-۱۲۶۲-۱۲۶۳-۱۲۶۴-۱۲۶۵-۱۲۶۶-۱۲۶۷-۱۲۶۸-۱۲۶۹-۱۲۷۰-۱۲۷۱-۱۲۷۲-۱۲۷۳-۱۲۷۴-۱۲۷۵-۱۲۷۶-۱۲۷۷-۱۲۷۸-۱۲۷۹-۱۲۸۰-۱۲۸۱-۱۲۸۲-۱۲۸۳-۱۲۸۴-۱۲۸۵-۱۲۸۶-۱۲۸۷-۱۲۸۸-۱۲۸۹-۱۲۹۰-۱۲۹۱-۱۲۹۲-۱۲۹۳-۱۲۹۴-۱۲۹۵-۱۲۹۶-۱۲۹۷-۱۲۹۸-۱۲۹۹-۱۳۰۰-۱۳۰۱-۱۳۰۲-۱۳۰۳-۱۳۰۴-۱۳۰۵-۱۳۰۶-۱۳۰۷-۱۳۰۸-۱۳۰۹-۱۳۱۰-۱۳۱۱-۱۳۱۲-۱۳۱۳-۱۳۱۴-۱۳۱۵-۱۳۱۶-۱۳۱۷-۱۳۱۸-۱۳۱۹-۱۳۲۰-۱۳۲۱-۱۳۲۲-۱۳۲۳-۱۳۲۴-۱۳۲۵-۱۳۲۶-۱۳۲۷-۱۳۲۸-۱۳۲۹-۱۳۳۰-۱۳۳۱-۱۳۳۲-۱۳۳۳-۱۳۳۴-۱۳۳۵-۱۳۳۶-۱۳۳۷-۱۳۳۸-۱۳۳۹-۱۳۴۰-۱۳۴۱-۱۳۴۲-۱۳۴۳-۱۳۴۴-۱۳۴۵-۱۳۴۶-۱۳۴۷-۱۳۴۸-۱۳۴۹-۱۳۵۰-۱۳۵۱-۱۳۵۲-۱۳۵۳-۱۳۵۴-۱۳۵۵-۱۳۵۶-۱۳۵۷-۱۳۵۸-۱۳۵۹-۱۳۶۰-۱۳۶۱-۱۳۶۲-۱۳۶۳-۱۳۶۴-۱۳۶۵-۱۳۶۶-۱۳۶۷-۱۳۶۸-۱۳۶۹-۱۳۷۰-۱۳۷۱-۱۳۷۲-۱۳۷۳-۱۳۷۴-۱۳۷۵-۱۳۷۶-۱۳۷۷-۱۳۷۸-۱۳۷۹-۱۳۸۰-۱۳۸۱-۱۳۸۲-۱۳۸۳-۱۳۸۴-۱۳۸۵-۱۳۸۶-۱۳۸۷-۱۳۸۸-۱۳۸۹-۱۳۹۰-۱۳۹۱-۱۳۹۲-۱۳۹۳-۱۳۹۴-۱۳۹۵-۱۳۹۶-۱۳۹۷-۱۳۹۸-۱۳۹۹-۱۴۰۰-۱۴۰۱-۱۴۰۲-۱۴۰۳-۱۴۰۴-۱۴۰۵-۱۴۰۶-۱۴۰۷-۱۴۰۸-۱۴۰۹-۱۴۱۰-۱۴۱۱-۱۴۱۲-۱۴۱۳-۱۴۱۴-۱۴۱۵-۱۴۱۶-۱۴۱۷-۱۴۱۸-۱۴۱۹-۱۴۲۰-۱۴۲۱-۱۴۲۲-۱۴۲۳-۱۴۲۴-۱۴۲۵-۱۴۲۶-۱۴۲۷-۱۴۲۸-۱۴۲۹-۱۴۳۰-۱۴۳۱-۱۴۳۲-۱۴۳۳-۱۴۳۴-۱۴۳۵-۱۴۳۶-۱۴۳۷-۱۴۳۸-۱۴۳۹-۱۴۴۰-۱۴۴۱-۱۴۴۲-۱۴۴۳-۱۴۴۴-۱۴۴۵-۱۴۴۶-۱۴۴۷-۱۴۴۸-۱۴۴۹-۱۴۵۰-۱۴۵۱-۱۴۵۲-۱۴۵۳-۱۴۵۴-۱۴۵۵-۱۴۵۶-۱۴۵۷-۱۴۵۸-۱۴۵۹-۱۴۶۰-۱۴۶۱-۱۴۶۲-۱۴۶۳-۱۴۶۴-۱۴۶۵-۱۴۶۶-۱۴۶۷-۱۴۶۸-۱۴۶۹-۱۴۷۰-۱۴۷۱-۱۴۷۲-۱۴۷۳-۱۴۷۴-۱۴۷۵-۱۴۷۶-۱۴۷۷-۱۴۷۸-۱۴۷۹-۱۴۸۰-۱۴۸۱-۱۴۸۲-۱۴۸۳-۱۴۸۴-۱۴۸۵-۱۴۸۶-۱۴۸۷-۱۴۸۸-۱۴۸۹-۱۴۹۰-۱۴۹۱-۱۴۹۲-۱۴۹۳-۱۴۹۴-۱۴۹۵-۱۴۹۶-۱۴۹۷-۱۴۹۸-۱۴۹۹-۱۵۰۰-۱۵۰۱-۱۵۰۲-۱۵۰۳-۱۵۰۴-۱۵۰۵-۱۵۰۶-۱۵۰۷-۱۵۰۸-۱۵۰۹-۱۵۱۰-۱۵۱۱-۱۵۱۲-۱۵۱۳-۱۵۱۴-۱۵۱۵-۱۵۱۶-۱۵۱۷-۱۵۱۸-۱۵۱۹-۱۵۲۰-۱۵۲۱-۱۵۲۲-۱۵۲۳-۱۵۲۴-۱۵۲۵-۱۵۲۶-۱۵۲۷-۱۵۲۸-۱۵۲۹-۱۵۳۰-۱۵۳۱-۱۵۳۲-۱۵۳۳-۱۵۳۴-۱۵۳۵-۱۵۳۶-۱۵۳۷-۱۵۳۸-۱۵۳۹-

فوجوں کے داغے سے پہلے اعلان کر دیا گیا تھا کہ جو شخص حرم میں داخل ہو جائے، یا ابوسفیان کے گھر
پنہ لے لے یا خود اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے، اس کو امن ہے،

کسی شخص پر یہ پابندی نہ تھی، کہ فوراً تبدیلِ مذہب کرے، صفوان بن امیہ کے ساتھ جو ابوسفیان
کے وزیر کا مرتبہ رکھتے تھے، جب اس میں پیش کیا گیا، تو انھوں نے غور و فکر کے لئے مہلت مانگی، آپ نے فرمایا،
”چراہ“ یعنی وہی پورے سالِ رواں کی مہلت جو سب کو دی گئی تھی،

کعبہ کے مذبح و دشمن تھے، نکال دیئے گئے۔ ابوجہ (۳۶۰) مورتیوں تھیں، توڑ ڈال گئیں، سبکی
باوجود اس کے کعبہ کی توہیت اور حج کا انتظام حسبِ عرس، مشرکین کے ہند میں ہندو، بنو نضیر بن کعبہ
میں کہ اس سال حج پُرانے مرسمی کے ساتھ داہوا، طبری میں ہے:

”در س سال حج ان مرسم پر ہوا، جن پر عرب کریم پیچھے آئے تھے۔“

معلوم ہوتا ہے کہ یہ آخری موسم حج تھا، جس میں بنو فقیہ کے سردار نے مقامِ حجر پر چڑھے ہو کر اعلانِ نسی کر
درائے والے محرم کے بعد صفر اور ذی الحجہ کے درمیان ایک نسی کا مہینہ بڑھ کر پُرانی رسموں کو آخری بار دہرایا تھا،
بن اسحق، دقادی اور دوسرے مصنفین اس عزد و پردہ نگاری کی تاریخ، ارمضان شنبہ بیان کرتے ہیں
ابن اسحق کا بیان اور پر گزر چکا ہے:

ابن سعد کے بیان کے بموجب س رور چہ رشنہ تھا، طبقہ میں ہے:

”در رسول اللہ چہار شنبہ کے دن دس رمضان کو منسک، بعد روانہ ہوئے۔“

دسٹنفیڈ کی قمری تقویم کے بموجب، رمضان شنبہ کو بجائے چہار شنبہ کے دو شنبہ آتا ہے جو

روایات سے مطابقت نہیں کرتا، جس سے نتیجہ نکلتا ہے، کہ یہ رمضان قمری نہیں، قمری کی رمضان تھا، چنانچہ

کی رمضان یکشنبہ ۲ مئی سن ۶۱۰ کو شروع ہوا، جس کے حسب سے ۱۰ مارچ شنبہ آتا ہے، گوینہ بک من

کا فرق جو قابلِ لحاظ نہیں، یہ مدینے سے روئے کی تاریخ تھی، مگر بن سعد نے تسخیرِ مکہ کی تاریخ سے لے کر

۱۱۶/۳ - طبری ۱۱۶ - بیہقی سن ۹۸۱ - بن ہشام ۴۰۲ - ابن ہشام ۵۵۰ - ۵۶۰

دیر بکری ۲/۸۵، ۸۶، طبری ۳۹۳ - ۳۹۴ - ۳۹۵ - ۳۹۶

مکی تقویم کے اعتبار سے قطعاً صحیح ثابت ہوتی ہے۔ طہفہ میں ہے:

”اور مکہ جمعے کے دن ۲۰ رمضان کو فتح ہوا اور رسول اللہ نے وہاں پندرہ دن قیام فرمایا۔“

ابن اسحاق نے بھی یہی تاریخ بیان کی ہے، مگر اس میں جمعہ کا دن مذکور نہیں ہے۔ بہر صورت یہ تاریخ قطعاً

درست ہے، کیونکہ جب مکہ رمضان کو کیشنبہ ہوگا، تو ۲۰ کو جمعہ ہونا یقینی ہے، اس پر اتنا اندازہ اور کیجیے، کہ

بن سعد وغیرہ نے مکے میں قیام کی مدت پندرہ دن بیان کی ہے، جس کے حساب سے آنحضرت کو ۶ شوال

منہ کے دن غزوہ حنین کے لئے نکلنا چاہئے، چنانچہ مؤرخین نے حنین کو روانگی کی تاریخ یہی بیان کی ہے۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ جملہ تاریخیں پوری احتیاط کے ساتھ محفوظ چلی آتی ہیں، اور سب کی سب کی تقویم

کے اعتبار سے یکجا رڈ کی گئی ہیں، اب ہمیں اس غزوے کے موسم پر نظر ڈالنا چاہئے۔

روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ مسدس فوجیں جب مدینے سے نکلی تھیں، نو روزہ دار تھیں، اور آنحضرت

نے مقام کدیہ یا قدیبہ پہنچ کر فطار فرمایا تھا، اس کے کھے معنی یہ ہیں، کہ مسدس دنوں میں دینی طور پر بیروزگی تقویم

راج تھی، اس کے مطابق درمیان میں انہی دنوں نے تھے، اس بنا پر میرے نزدیک میویر (MUIR) درود

مسنشرین کا یہ خیال درست نہیں کہ عہدِ رسالت میں زمسن کا مہینہ ہمیشہ موسمِ سرد ہی میں جاتا تھا۔ جس کی تائید

ملا ابن سعد ۲/۹۹، نیرد کیجئے: دیارِ بکری ۲/۸۶ - سہ ابن جریر ۲/۸۰ - سہ ابن سعد ۲/۱۲۱۔

کے میویر کی اصل عبارت ملاحظہ ہو: IT WAS WINTER WHEN THE FAST WAS ORDAINED

AND IT REMAINED SO UNTIL THEY THEN CONTEMPLATED ITS BEING ABOLISHED

KEPT IN THE SAME SEASON IN WHICH CASE THE PROHIBITION TO EAT OR

DRINK DURING THE DAY WOULD NOT EVEN FOR A MONTH, HAVE

INVOLVED ANY EXTREME HARDSHIP IN A COURSE OF TIME BELIEVED

BY THE INTRODUCTION OF THE LUNAR YEAR, RAMADAN GRADUALLY SHIFTED

TILL IT REACHED THE SUMMER SEASON, AND THEN THE PROHIBITION

TO TASTE WATER FROM MORNING TILL EVENING BECAME A

BURDEN HEAVY TO BEAR * MUIR LIFE 1329 193.

یہ روئے سراسر کوپا ہے اور ملاحظہ فرمائیے کہ کئی عہدِ رسالت میں گرمی کی شدت کے باعث اس درجہ غلط کاری کی نہایت

جاسکتے ہیں۔

میں ان کے پاس کوئی دستاویزی شہادت نہیں، بخلاف، اس کے کتب سیرت و احادیث میں متعدد روایتیں ایسی موجود ہیں، جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ ماہِ صیام ہمیشہ موسمِ گرما میں آتا، مستدرکِ حاکم میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ "رسول اللہؐ نمازِ مغرب سے پہلے رطب" (یعنی نورس کھجوروں) سے افطار فرماتے تھے، اگر "رطب نہ ملے تو پھر تمر" (یعنی خشک کھجوروں) سے اور اگر یہ بھی میسر نہ ہوتی تو صرف پانی کے گھونٹوں سے"۔

اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ عہدِ رسالت میں "رمضان" ایسے ایام میں آتا جس میں "تازہ کھجوریں (رطب) چل جاتی تھیں، لیکن اگر یہ نہ چلتیں، پھر خشک کھجوروں یا پانی پر اکتفا فرماتے۔
دوسرے گزچکا ہے کہ حجاز میں رطب کا زمانہ جون جولائی ہے، اس بنا پر یہ بات پورے دھوکے سے کہی جاسکتی ہے کہ رمضان کے مہینے اکثر و بیشتر انہیں ایام میں آتے، اور اگرچہ کبھی کبھی فصلِ کپے میں دیر ہوتی تو اس وقت "تمر" سے، افطار فرماتے۔

ماہِ رمضان کا ایامِ گرما سے نفع، زردی سے روایاتِ بدیہی ہے چنانچہ ایک اور روایت ملاحظہ ہو، ابو درداءؓ فرماتے ہیں:

"ہم گرمی کے موسم میں نبی علیہ السلام کے ساتھ کسی سفر میں تھے، گرمی کی شدت تھی (کہ توڑت آفتاب سے بچنے کے لئے) آدمی اپنے سر پر ہاتھ رکھتے، اس وجہ سے ہم لوگوں میں بھر-بھری بے آرامی اور این رواد کے اندر کوئی روزے دار نہ تھا"۔

معلوم نہیں کہ یہ کس سفر کا قصہ ہے بہر حال خاص نفعِ کمہ کا موسم مندرجہ ذیل روایات سے پوری طرح سامنے آجاتا ہے، سابر سے ایک روایت یوں ہے:

"رسول اللہؐ رمضان کے مہینے میں ایک سفر فرما رہے تھے کہ آپ کے ساتھیوں میں ایک شخص پر سبزہ گراں گزرنے لگا، نو گرمی کی وجہ سے اس کی سواری بک درخت کے نیچے روک دی و آنحضرتؐ کو اس کی اطلاع کی، آپ نے اس کو افطار کا حکم دیا اور ایک برتن منگوا جس کو بک

سے مستدرکِ حاکم ۴۳۲/۱ سے بخاری کتبِ اصوم۔

خود آپؐ نے پانی پیا، اور لوگ دیکھ رہے تھے، لے

یہ واقعہ مقام کدیدہ کا معلوم ہوتا ہے جس کے متعلق ابن عباسؓ کی روایت اس طرح ہے: فرماتے ہیں کہ
”رسول اللہؐ فتح مکہ کے سال رمضان کے مہینے میں نکلے تو آپؐ کا روزہ تھا، جب کدیدہ پہنچے تو
لوگ آپؐ کے گرد جمع ہو گئے، آپؐ نے ایک برتن لیا اور اس سے پانی پیا“ لے

تاکہ دوسرے لوگ بھی انظار کر لیں۔

موطاء میں اسی واقعہ کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:

بعض صحابہ سے روایت ہے کہ جس سال مکہ فتح ہوا، تو آپؐ نے اس سفر کے لئے لوگوں کو حکم دیا
کہ روزہ نہ رکھیں، اور فرمایا کہ دشمنوں کے مقابلہ میں قوی رہو، مگر آنحضرتؐ نے خود روزہ رکھا۔
بوکرؓ کہتے ہیں کہ جس شخص نے مجھ سے یہ روایت بیان کی اس نے بتایا کہ میں نے رسول اللہؐ کو
”عوج“ میں دیکھا کہ وہ پیاس یا گرمی کی وجہ سے اپنے سر پر پانی بہا رہے تھے، اس کے بعد رسول اللہؐ
سے کہا گیا، کہ آپؐ کے روزے کی وجہ سے بیت سے آدمیوں نے روزے رکھ لئے ہیں، تو جب
آپؐ کدیدہ پہنچے تو آپؐ نے ایک برتن منگایا اور پانی پیا۔ اس پر اور لوگوں نے بھی روزے
کھول لئے۔ لے

معلوم ہوتا ہے کہ یہ پوری روایت ابو بکر بن عبد الرحمنؓ نے مشہور صحابی ابو ہریرہؓ سے لی تھی جو اس سفر میں
بڑا پیغمبر اسلامؐ کے ہمراہ تھے، کیونکہ مستدرک میں اس روایت کا مندرجہ ذیل مکرر انہیں کی سند سے بیان
کیا گیا ہے۔

”میں نے رسول اللہؐ کو عوج میں دیکھا کہ آپؐ گرمی کی وجہ سے اپنے سر پر پانی بہا رہے تھے، کیونکہ
آپؐ روزے دار تھے“ لے

ان تمام روایات سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ نہ صرف عید رسالت میں ماہ رمضان ہمیشہ موسم گرما میں

لے مستدرک ۱/۲۳۳ - دیکھئے سندھ ۲۶۰ - لے ابن سعد ۲/۱۰۰

لے مرسل - ما جزی فی الصیام فی السنن - لے مستدرک ۱/۱۳۲ -

آتا بلکہ فتح مکہ کا تعلق بھی شدید گربائی زمانے سے تھا۔

ان مکی شہادتوں کو سامنے رکھ کر جب ہم دستنویز کی تقویم پر نظر ڈالتے ہیں تو فصلی اعتبار سے بعدترین نظر آتا ہے، کیونکہ ان کی تقویم کے بموجب رمضان سنہ دومبر اور جنوری کا متوازی مہینہ تھا، یہاں یہ اور عرض کر دوں کہ نہ صرف دستنویز بلکہ میور کا زاویہ نظر بھی یہی ہے، حتیٰ کہ مولانا شبلی نے جب اس میں غزوے کا تذکرہ کیا تو ان کو بھی جلی عنوان سے فتح مکہ رمضان سنہ مطابق جنوری سنہ ۶۳۰ لکھنا پڑا۔

ظاہر ہے کہ ان تمام غلطیوں کی بنیادی وجہ صرف ایک تھی اور وہ یہ کہ مؤرخین اسلام عرصہ دراز سے مکی تقویم فراموش کر چکے تھے۔

اس جدید نظریہ تقویم کے بموجب رمضان سنہ مکی جون سنہ ۶۳۰ سے مطابق ہوتا ہے۔

۱۰۶۹

مکی	جولین	ہجری
محرم	۱۵ ستمبر سنہ ۶۳۰ شنبہ	جمادی ۲
محرم نسفی صفر	۱۲ اکتوبر یکشنبہ	رجب
صفر	۱۳ نومبر شنبہ	شعبان
ربیع ۱	۱۲ دسمبر چارشنبہ	رمضان
ربیع ۲	۱۱ جنوری سنہ ۶۳۱	شوال
جمادی ۱	۹ فروری بشنبہ	ذیقعدہ

غزوہ تبوک تاریخ روایتی روشنی ار رجب بروایت ابن حبیب	رجب	۹ اپریل شنبہ	ذوالحجہ	حج ابوبکر، اعدان برآست فرض حج، تہنیک تقویم
	شعبان	۹ مئی پنجشنبہ	صفر	
دہسی از تبوک	ربیع الثانی	۴ جون جمعہ	ربیع الثانی	
دہسی از تبوک بروایت ابن حبیب	شوال	۴ جولائی یکشنبہ	ربیع الثانی	
	ذیقعدہ	۵ اگست دوشنبہ	جمادی الثانی	
	ذوالحجہ	۴ ستمبر چہارشنبہ	جمادی الثانی	

۱۰، ۹

۹۔ شنبہ کے صرف تین دفعات پر قلم اٹھایا گیا ہے جو ذیل میں دیئے جاتے ہیں :-

۱۔ سر یہ غلقمہ بن مجرز : اس سر یہ کے منفق یہ نہایت ملتی ہے کہ یہ ربیع الآخر ۹ شنبہ کا واقعہ تھا۔ روایتی تسریحات سے پتہ چلتا ہے کہ اس سر یہ کے دوران میں سپاہی اپنے اپنے لئے لاؤ کھالیتے، جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ واقعہ موسم سرما کا تھا، یہ تاریخ کی معلوم ہوتی ہے، کیوں کہ ربیع الآخر ۹ شنبہ (مدنی) جولائی ۶۳۰ء سے مطابقت ہوتا ہے، اس کے دن ہے میں کتب ذیل تاریخ آخری ۱۳ شنبہ کو شروع ہوا تھا۔

۲۔ حج ابوبکر : اس واقعے کی تاریخ ذیقعدہ ۹ شنبہ بیان کی جاتی ہے جس سے یہ دھوکا ہوتا ہے کہ یہ غزوہ تبوک کے بعد کا واقعہ ہے۔ لیکن دو تقویمی لفظ نظر سے یہ حج غزوہ تبوک سے صرف ایک ماہ پہلے ہوا تھا۔ چنانچہ سورہ بقرہ ۱۹۷ کا تذکرہ یعنی صیامت بقرہ غزوہ تبوک کے ذکر سے پہلے ہے، علاوہ ازیں عکرمہ

نے صاف طور پر بیان کیا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ جب اس رات سے واپس آ گئے تو پیغمبر اسلامؐ غزوہ تبوک کے لئے نکلے تھے۔

۳۔ غزوہ تبوک : اس پر تفصیلی بحث برہان میں ملاحظہ ہو۔

غزوہ تبوک

رجب مکی ۹ سنہ

غزوہ موتہ میں رومیوں اور عسائیوں کی مشترکہ فوجوں نے مسلمانوں کو جو نقصان پہنچایا تھا، وہ اگرچہ کم نہ تھا، لیکن رومی عقاب کی دور میں نظریں عمرائے عرب کے انقلابی توجہ کو بغور دیکھ رہی تھیں، اور غیر مطمئن تھیں، چنانچہ مدینہ میں برابر اس قسم کی خبریں آرہی تھیں، کہ شہابی پڑوسی کسی بڑے حملے کی تیاری میں مصروف ہیں۔ خود تعمیر کے متعلق کہا جاتا ہے، کہ وہ اس وقت تمس یا مشق میں موجود تھا۔

حنین کے مال غنیمت کا صحیح مصرف یہ تھا کہ اس کو مؤثر طور پر شہابی دشمن کے خلاف صرف کر دیا جائے۔ جس کے لئے ایک بڑی فوج رکھا گئی، اس سے تنہا لڑا دیتے آتے ہی، حضرت کا سب سے پہلا کام یہ تھا، کہ عام چنڈے کے اعلان کے ساتھ دوست اور نو معاہد قبائل سے رضا کاروں کی بھرتی شروع کر دی جائے۔ ابن اسحق، دروداؤدی کا بیان ہے، کہ اس پہلے میں حضرت عثمانؓ نے ایک ہزار اشرفیاں مع اس تجارتی مال کے جو شام جارہا تھا، تادم کی تھیں، حضرت عمرؓ نے اپنے پورے سہارا کا نصف اور حضرت ابو بکرؓ نے جو کچھ حاضر تھا، سب کا سب پیش کر دیا تھا۔ اس سے بعد دوسرے لوگوں کے عطیات کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

قبائل عرب نے بھی آپؐ کے ساتھ پورا تعاون کیا اور اس کثرت سے شرکت کی درخواستیں آئیں کہ باریمداری کا تذکرہ کیا، خود سپاہیوں کو سواریاں دینا ممکن نہ تھا۔ حتیٰ کہ سرکار کے نام تک درج نہ ہوسکے۔ مؤرخین کہتے ہیں، کہ اس لشکر کی مجموعی تعداد تیس ہزار تھی، جن میں دس ہزار گھوڑے اور فوج کے دستے تھے۔

لے غزوہ حنین اس غزوے سے صرف آٹھ ماہ پہلے کا واقعہ ہے۔ لے ابن سعد ۲/۱۱۹۔ لے قرآن، لے بخاری میں کعب بن مالک سے روایت ہے جو اس غزوے میں شریک نہ ہو سکے تھے کہ .. "والمسلمون مع رسول الله" کثیر ولا یجدہم کتاب حلفظ"۔ یہ تحفہ تھوڑا مبالغہ آیز معلوم ہوتا ہے

یہ تعداد اتنی بڑی تھی، کہ غالباً سرزمین عرب نے اتنی عظیم فوج پہلے نہ دیکھی تھی، غور کیجئے کہ میدانِ بدر میں مسلمانوں کی تعداد لگ بھگ تین سو تھی، لیکن اس سے صرف چھ ساڑھے چھ سال بعد تنوگنی ہو گئی، یعنی تیس ہزار۔

ماسوا اس کے مشن میں حکومتِ مدینہ نے سرحدی قبائل کے دل جیت لینے کے لئے عمرو بن عاص کی سرکردگی میں جوہم روانہ کی تھی، وہ بہمد وجوہ کامیاب تھی، اور محسوس ہوتا ہے، کہ ایک پانچواں کالم ان قبائل میں بھی مرتب ہو چکا تھا، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ آنحضرتؐ جب تبوک پہنچے، تو ردی فوج کا نام و نشان نہ تھا، اس بنا پر آنحضرتؐ تبوک ہی میں رُک گئے، اور یہیں سے مختلف مقامات پر چھوٹے بڑے دستے روانہ فرمائے، جو سب کامیاب ہوئے، بجز سُرخ کی سب سے اہم بندرگاہ اس زمانے میں ایلہ (عقبہ) تھی۔ اس بندرگاہ کے حاکم نے سوادے کے ذریعہ اسلامی دولت مشترکہ (COMMON WEALTH) سے وابستگی حاصل کر لی۔

خالد بن ولید نے دومتہ الجندل جاکر اکیس سو چوبیس ہاں کا فرمان روا تھا۔ گرفتار کیا اور پیغمبر اسلامؐ کے حضور میں پیش کر دیا۔ اس طرح پورے شمالی عرب نے پہلی بار اسلامی تفوق کی جھلک اپنی آنکھوں سے دیکھ لی۔ اس غزوے کی تاریخ روانگی متفقہ طور پر رجب ۹ سنہ ۱ اور داپسی رمضان یا شوال ۹ سنہ بیان کی جاتی ہے۔ اور اگرچہ ابن اسحاق اور داقدی کے یہاں کچھ زیادہ تاریخی صراحت نہیں، لیکن ابن حبیب کے ماخذ نے اس کو یقیناً یوم و تاریخ بیان کیا ہے۔

”اور آنحضرتؐ اس کے لئے دو شنبہ کے دن یکم رجب کو نکلے اور آخر شوال میں واپس ہوئے“^۱ و مستفید کی تقویم کے بموجب یہ رجب اکثر نومبر کا متوازی مہینہ تھا، یعنی موسمِ سرما کے آغاز کا زمانہ جس کے حساب سے داپسی جنوری میں ہونا چاہیے۔

سرولیم میور (MUIR)، اور مولانا شبلیؒ کا بھی یہی خیال ہے، چنانچہ میور نے اکتوبر اور نومبر ۱۲۰۰ء کے درمیان ”رجب ۹ سنہ مطابق نومبر“ اس غزوے کی تاریخ روانگی قرار دی ہے۔ اس کے مقابلے میں سیرت کی جملہ روایتیں اس بات کے حق میں ہیں، کہ اس غزوے کا موسم گرم تھا۔ کعب بن مالکؓ کہتے ہیں:-

”اور رسول اللہؐ نے یہ لشکر کشتی سخت گرمی کے زمانے میں کی تھی“^۲

۱۔ MUIR 1934 P 441, 442 - ۲۔ سنہ ۱۲۰۰ء - ۳۔ ابن حبیب/۱۱۵ -

۴۔ MUIR 1934 P 439 - ۵۔ سنہ ۱۲۰۰ء - ۶۔ ابن ہشام/۱۲۶ -

اور آگے چل کر مزید نشان دہی اس طرح کرتے ہیں :-

”یہ غزوہ اس وقت ہوا، جب پھل اچھے ہو جاتے ہیں۔“

ابن اسحاق نے نہری وغیرہ کی سند سے اس کے موسمی نقشے کی تصویر اس طرح کھینچی ہے :-

”ادریہ لوگوں کی تلکدستی اور خشک سالی کا زمانہ تھا، اور شدید گرمی پڑ رہی تھی جبکہ پھل خوش آئند ہو جاتے ہیں، اور لوگ اپنے باغوں اور سایہ کو پسند کرتے ہیں۔“

قطع نظر ان روایات کے خود قرآن مجید نے منافقین کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں کہ :-
”گرمی میں نہ نکلو۔“

جس کا جواب یہ دیا گیا کہ :-

”جہنم کی آگ سب سے زیادہ گرم ہے۔“

ان تمام موسمی شہادتوں سے نتیجہ نکلتا ہے، کہ یہ ہم نومبر، دسمبر اور جنوری کے مہینوں کی ہرگز نہ تھی، بلکہ ایسے موسم کی تھی، جس میں پھل اچھے ہو جاتے ہیں، گرمی میں تیزی اور شدت آ جاتی ہے۔ لویں چلنے لگتی ہیں۔ اور درختوں کے سایہ یا عث تسکین ہو جاتے ہیں، غزوہ تبوک کے ”رجب“ کو مذکورہ موسم سے مطابق ہونا چاہئے۔
پہری جدولوں کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس سال کی رجبہ اپریل، مئی سنہ کے متوازی تھا۔ جو روایتی موسم سے عین مطابق ہے۔

ابن حبیب نے اس غزوے کی تاریخ روانگی دد شنبہ یکم رجب بیان کی ہے جو تقویمی حساب سے بالکل ٹھیک معلوم ہوتی ہے، کیونکہ از روئے حساب یکم رجب شنبہ کو شروع ہو رہا ہے، اور دو شنبے کی چاند رات تھی۔ مگر جیسے یہاں یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ یہ ایک تاریخ تیس ہزار نوٹ کی بیک وقت روانگی کی نہیں ہو سکتی، بلکہ اس کے ابتدائی دستوں کی ہوگی، اس خیال کی تصدیق ابن سعد اور مواہب کی اس روایت سے ہوتی ہے، جس میں بتایا گیا ہے، کہ یوم خروج بخشبہ کا دن تھا، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مختلف دستے آگے پیچھے روانہ ہوتے رہتے تھے، آخر میں یہ بھی واضح کرنا ہے، کہ حج ابو بکر میں جو میرے خیال کے مطابق اس سے

۱۔ ابن ہشام ۲/۷۱ - ۳۔ ابن ہشام ۲/۵۹ - ۴۔ لا شعرو فی الحج - ۵۔ تاریخ جہنم احمد حسن۔

ٹھیک پہلے مہینے میں ہوا تھا، حاجیانِ مدینہ کی تعداد کا تخمینہ ہوتا ہے اس میں بجز ابو بکرؓ اور علیؓ کے کسی اور بڑی شخصیت کا نظر نہ آتا، شاید اس وجہ سے تھا کہ آنحضرتؐ کے اپنے رفقاء کے اسی غزوہ تبوک کی تیاریوں میں مصروف تھے۔

مکی	عیسوی تاریخ دیوم	مدنی
محرم ۱۰	۳۱ اکتوبر ۱۹۶۲ء پنجشنبہ	رجب
صفر	۲ نومبر شنبہ	شعبان
ربیع ۱	۳۱ دسمبر یکشنبہ	محضان
ربیع ۲	۳۱ دسمبر شنبہ	شوال
جمادی ۱	۲۹ جنوری ۱۹۶۳ء پنجشنبہ	ذیقعدہ
جمادی ۲	۲۸ فروری جمعہ	ذوالحجہ
رجب	۲۹ مارچ پنجشنبہ	محرم ۱۱
شعبان	۲۸ اپریل شنبہ	صفر
محضان	۲۷ مئی پنجشنبہ	ربیع ۱
شوال	۲۶ جون جمعہ	ربیع ۲
ذیقعدہ	۲۵ جولائی شنبہ	جمادی ۱
ذوالحجہ	۲۴ اگست دو شنبہ	جمادی ۲

۲۔ سریہ خالد بن ولیدؓ میں -
۳۔ وفات ابراہیم بن رسول اللہ
۴۔ سورج گرہن ۲۸ جنوری ۱۹۶۲ء

سے ہے پیش کر دیں گا۔

ابن سعد کا بیان ہے کہ آنحضرتؐ ۲۵ ذیقعدہ کو ہفتے کے دن مدینے سے روانہ ہوئے تھے، ^۱ و ^۲ سفیلہ نے ذیقعدہ سنہ کی پہلی تاریخ کو چار شنبہ قرار دیا ہے، جس کی رو سے ۲۵ کو ٹھیک ہفتہ ہی آتا ہے جو روایت کے عین مطابق ہے۔

جب یہ قافلہ مراظہران پہنچا تو دو شنبہ تھا۔

”اور دو شنبے کے دن مراظہران میں تھے کہ سورج سرف میں غروب ہوا ^۳ ابن عباسؓ اور جابرؓ کی روایت کے مطابق یہ ذوالحجہ کی ۴ تاریخ تھی، جابر فرماتے ہیں: ”آنحضرتؐ ۴ ذوالحجہ کو تشریف لائے ^۴ تھے

عبداللہ بن عباسؓ کا بیان ہے:

”اور آنحضرتؐ نے حج کی تعمیل فرمائی، تو آپؐ ۴ ذوالحجہ کو تشریف لائے ^۵ تھے

گو یادو شنبہ ۴ ذوالحجہ کے مطابق تھا، و سفیلہ کی تقویم کے مطابق اگرچہ یہ دونوں بیانات صحیح ہیں، کیونکہ از روئے حساب ذوالحجہ سنہ کی پہلی تاریخ کو جہو تھا، اس لئے دو شنبے کو ذوالحجہ کی ۴ تاریخ ہی ہونا چاہئے، لیکن روایات سے ثابت ہوتا ہے، کہ اس سال ۳ جمعوں کو ہوا تھا، یعنی جمعہ کے دن ۹ تاریخ تھی، جس کی رو سے دو شنبہ کو بجائے ۴ کے پانچ تاریخ ہونا چاہئے، اس کے یہ معنی ہیں کہ مکہ معظمہ میں ذوالحجہ کا چاند ۲۹ کو تسلیم کر کے بجائے جمعہ کے پچھٹے کی پہلی تاریخ قرار دی گئی تھی، اور ۳ سی حساب سے او کیا گیا تھا، یہ ایک دن کا فرق، ایسا نہیں جو قمری مہینوں میں نیا یا کوئی خاص اہمیت رکھتا ہو،

۱۔ بر سعد ۲/۲۴ - ۲۔ ایضاً - ۳۔ بر سعد ۲/۱۲۶ - ۴۔ ایضاً -

۵۔ مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے جن کو سلم نجوم میں کافی دسترس تھی، اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ نجومی حساب کی رو سے ۹ کو جہو نہیں پڑتا، مگر ان غایاں ہے کہ اس میں شریعت کی قدرت کاملہ سے ممکن ہے کہ بے قعدہ رویت ہوئی ہو، تاکہ غیر مسلم کا یہ حج جمعہ کے مقدس دن میں ہو سکے، میری رائے میں یہاں یہ بحث کسی طرح مناسب نہیں کیوں کہ قمری مہینہ بریلوی کے تحت لکھا ہے اور عدم تسلیم پر ہے۔

حجۃ الوداع کی تاریخ کی عظمت اور اہمیت کی آئینہ دار اگر کوئی شے ہے، تو وہ آنحضرتؐ کا خطبہ حج ہے، جس کا ایک ایک لفظ عالم انسانیت کو نئی روشنی اور نیا درسِ حیات دیتا ہے، اس کے جستہ جستہ کڑے کتبِ سیرت و احادیث میں موجود ہیں، جن میں سے کچھ صرف ایک حصے کا یہاں تذکرہ کرنا ہے، جس کا تعلق تیسرے تقویم سے تھا۔ مکی تقویم جو اجرامِ پرستی کا سرچشمہ بن گئی تھی، اگرچہ سنہ میں بذریعہ قرآن منسوخ ہو چکی تھی، لیکن پچھلے اپنے اس خطبے میں بھی اس کا ذکر فرمایا۔ اور ان الزمان قد استبدّ اکھيثة يوم خلق الله السموات والارض“ فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا :

”سال کے بارہ مہینے ہیں، جن میں چار مہینے قابلِ احترام ہیں، تین متواتر مہینے، ذیقعدہ، ذوالحجۃ اور محرم اور چوتھا جب مفر، جو جمادی اور شعبان کے درمیان میں ہے۔“ ۱

اس ابتدائی جملے یعنی ”ان الزمان قد استبدّ“ کا مفہوم بالعموم یہ سمجھا جاتا ہے، کہ اس سال قمری دس دنوں تقویمیں ایک ہی نقطہ پر جمع ہو گئی تھیں، اور ذوالحجۃ کا مہینہ دونوں حسابوں سے ایک ہی نامنے میں آ پڑا تھا، لیکن جیسا کہ تحریر کیا جا چکا ہے، یہ خیال غلط ہے۔

نقشہ تقویم کو سامنے رکھ کر قمری محرم کو طحہ فرمائیے، جو اس سال ۲۹ مارچ یعنی اعتدالِ زمینی کے عین متصل شروع ہو رہا ہے، یہ بات مسئلہ ہے کہ قدیم اہل بابل، اہل ایران، اور شاید جزیری عرب کے باشندے اور تمام باشندگانِ ہند اعتدالِ زمینی سے سال کا آغاز کرتے تھے، جس کا رواج ہندوستان میں آج تک چلا آ رہا ہے، یہودیوں کے مذہبی سببہ تکوین کا پہلا مہینہ ”نيسان“ بھی اسی نقطہ سے شروع ہوتا تھا، اور گمانِ غالب یہ ہے، کہ قدیم عربوں میں بھی ایک سببہ کا آغاز اعتدالِ زمینی سے کیا جاتا تھا۔ جبکہ سورج برج حمل میں داخل ہوتا، کیوں کہ عربوں کا بھی یہی خیال تھا، کہ آفرینشِ عالم اعتدالِ زمینی میں ہوئی تھی۔ ابنِ قتیبہ کا بیان ہے :

”اور کہتے ہیں، کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شے کو اس وقت پیدا کیا جبکہ سورج برج حمل میں تھا، اور زمانہ

اعتدال تھا، اور دن اور رات مساوی تھے، تو فصلوں کی ابتداء صیف سے ہوئی اور اسی کو

لوگ فصلِ بہار کہتے ہیں، اور جب کبھی سورج برج حمل میں ہوتا ہے۔ تو اس سے دینیکے سے ایک

سال گزر جاتا ہے۔“ ۲

سلسلہ میں قمری محرم ہر گرامی نقطہ اعتدال زمینی پڑ گیا تھا، اس لئے آنحضرتؐ کا یہ ارشاد۔
 "ان الزمان قد استدار کھٹیتہ یومہ خالق اللہ السموات والارض" اسی سنہ کی طرف اشارہ
 معلوم ہوتا ہے، اس سے یہ مراد لینا کہ آنحضرتؐ کے نزدیک واقعی آسمان امتدین کی تخلیق اسی زمانے میں ہوئی تھی،
 شدید ترین غلطی ہے، اور اس سے بڑی غلطی یہ تصور ہے، کہ اس زمانے میں شمسی اور قمری تقویم ایک ہو گئی تھی۔
 جیش اسامہ اور رحمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ربیع الاول سنہ مدنی

دس سال کی بے اندازہ جہانی، درذہنی کشمکش کے بعد پیغمبرِ سامنے نے نزہ نفسانی کے لئے اگرچہ ایک نئی زمین
 اور نئے آسمان کی تعمیر کردی تھی، جس کے سایہ میں پورے عام انسانیت سما سکتا تھا، لیکن اس کی دعوت پر ابھی صرف
 جزیرہ نمائے عرب نے لبیک کہا تھا، اس کی وجہ یہ نہ تھی، کہ یہ دعوت دنیا کے قانون تک پہنچی نہ تھی، لیکن ہر کام
 کے لئے کچھ وقت کی ضرورت ہوتی ہے۔

یہ سچ ہے کہ اس دس سال میں اسلامی تحریک جو مقبوضت حاصل کی تھی، وہ صرف جزیرہ نمائیک محدود تھی، مگر
 یہ قبولِ عام بھی ایسا نہ تھا، جو دوسروں کو متاثر نہ کر سکے، پھر کے ہر ذرہ میں، ایک نئی چمک، نئی دمک اور نئی لگن
 اور تڑپ پیدا ہو گئی تھی، جو سب کو لفظ آ رہی تھی۔

فتح خیبر کے بعد اسلامی ریاست کے دربار میں ایک بے نظیر منظر رونما ہوا، جس نے اہل بیتؑ کو یقین دلایا تھا، اس وقت
 کے کرتا، دھڑا، ریگستانی سمندر کے حدید توتوں کو بند پڑ دیکھ رہا تھا، چنانچہ سلسلہ کے انداز میں خود قیصر اور
 قیصر کی پروردہ، صر و شام کی ریاستیں، اسلامی سفارتوں کو باریاب کر کے اس کے وجود کو تسلیم کر چکی تھیں۔

معلوم ہوتا ہے، کہ اسلام کا اثر بڑی سرعت سے شمال کی طرف بڑھ رہا تھا، کیونکہ مستبد طبقے کی عقیدیں مرن
 اس وقت تسلیم ہوتی ہیں، جب کوئی عظیم خطرہ سر پر منہ لانے لگتا ہے، سنہ کی ابتدا میں ہار شن غمیر کو قتل
 کر کے جو اسلامی سفارت پر ہتھیار لگے ہوئے تھے، اور سنہ میں فردہ بن عمر کو رزموان کو سولی دے کر جنھوں نے
 اعجازِ اسلام کر دیا تھا، اور کاربردِ ناب مکتوبہ کسی پہنچتے تہ بکا ثبوت نہیں دیا تھا، اور ان شہیدوں کے

خون سے خود انھوں نے وہ شاہ راہ تعمیر کر دی تھی، جس پر اسلامی فوجیں بہ آسانی گامزن ہو سکتی تھیں، سینا میں
 شنبہ میں غزوہ موتہ اور شنبہ میں غزوہ تبوک دونوں مہموں کو رومیوں کی اسی بے عقلی کا نتیجہ قرار دیا جاسکتا ہے۔
 شنبہ کے موسم بہار کا بڑا حصہ اگرچہ انصرام حج (حجۃ اوداع) میں صرف ہو چکا تھا، مگر مسلمان فوجیں
 تیار کھڑی تھیں کہ جہادِ روم پر جانے کا کس وقت حکم ملتا ہے، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس سے دہی چھینے بعد اس کی
 تیاری کا بگل بج گیا،

ابن سعد کا بیان ہے کہ صفر شنبہ کے آخری ہفتے میں دو شنبے کے دن آنحضرتؐ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ
 وہ جہادِ روم پر جانے کی تیاری کریں۔

”کہتے ہیں کہ جب دو شنبے کا دن آیا، اور صفر کی پندرہ راتیں باقی تھیں تو آنحضرتؐ نے
 جہادِ روم کی تیاری کا حکم دیا۔“

معلوم ہوتا ہے کہ اس روایت کے راوی اول کے ذہن میں دو شنبے کی ۲۰ تاریخ تھی، لیکن دستنویز
 (WUSTENFELDS) کی تقویم کے بموجب دو شنبہ ۲۸ کو پڑتا ہے،

اس سے صرف ایک دن پہلے یعنی چہار شنبہ کے روز یکا یک پیغمبر اسلامؐ کی طبیعت نامساں ہونا شروع ہوئی
 ابن سعد کا بیان ہے کہ،

”جب چہار شنبہ کا دن آیا، تو بخار اور دردِ سر کی ابتداء ہوئی۔“

ابن سعد کے رواۃ کے نزدیک یہ چہار شنبہ ۲۹ صفر کو پڑتا تھا۔

”کہتے ہیں کہ چہار شنبہ کے دن صفر کی ۲ راتیں باقی تھیں کہ امّ المؤمنین یموٰۃؓ کے مکان میں
 علالت شروع ہوئی۔“

مگر جیسا کہ کہا جا چکا ہے، دو شنبے کی ۲۸ تاریخ تھی، اس لئے چہار شنبہ کی بجائے ۲۹ کے ۳۰ ہونا چاہئے
 یہ غالباً راوی کی حسابی غلطی ہے۔ بہر حال تمام رفتار تیار یوں میں مصروف ہو گئے، اور جنت میں فوج اکٹھی ہونا
 شروع ہو گئی۔ جو غالباً عہدِ رسالت میں فوجی رِزاد تھا، اس لئے یہ ممکن نہ تھا، کہ اس پر دو گرام کو کسی طویل عرصے کے لئے

ملتی کر کے فوج کو چھٹی دیدی جائے، چنانچہ آنحضرتؐ نے دوسرے ہی دن یعنی پنجشنبے کے روز خود اپنے دستِ مبارک سے ایک پرچم تیار کیا، اور اُس مہینہ کے سپرد کر کے قیادت ان کے ہاتھ میں دیدی، طبقات میں ہے، "بعد ازاں جب پنجشنبے کی صبح ہوئی، تو خود آنحضرتؐ نے اپنے دستِ مبارک سے اسامہ کے لئے

تھنڈا پانڈھا لے

دستِ ثقیلہ کی جدول کے بموجب پنجشنبہ ۶ ربیع الاول کو پڑتا ہے، لیکن اگر یہ تسلیم کر لیا جائے، کہ ربیع الاول کا چاند بجائے ۲۹ کے ۳۰ کو ہوا تھا، یا اہل مدینہ اس کو دیکھ نہ سکے تھے، تو پنجشنبے کی پہلی تاریخ ہوگی، جو روایت کے عین مطابق ہے۔

دوسرے پنجشنبے یعنی ۸ ربیع الاول سالِ ۳ (مطابق ۴ جون ۶۳۲ء) کو آپؐ کی طبیعت زیادہ ناساز ہو گئی، تو آپؐ نے ایک تحریر لکھنا چاہی، میں بیماری کی شدت تھی، اور یہ کام نہ ہو سکا، اس عرصے میں طبیعت کبھی بگڑتی کبھی سنبھلتی۔

تمام اہل سیرت متفق ہیں، کہ اسامہ کی نامزدگی پر لوگوں میں ویسی ہی سرگوشیاں شروع ہو گئی تھیں جیسی ان کے باپ کی سرداری پر، اور کینہ وادب نے پھر یہی کہنا شروع کر دیا تھا، کہ اکابر صحابہ کی موجودگی میں ایک نو عمر شخص کو اتنی اہم فوج کی قیادت مناسب نہیں، تو آپؐ اسی بیماری کی حالت میں مسجد تشریف لائے، اور خطبہ دیا۔ جس کا خلاصہ یہ ہے:

"لوگو! اسامہ کے لشکر کو بڑھاؤ، اور اس میں جا کر ملو، اگر تم اس کے امیر بنوئے پراعتراض کرتے ہو، تو اس سے پہلے تم نے اس کے باپ کی امارت پر بھی اعتراض کیا تھا، اور بے شک اسامہ ہر طرح سرداری کے لائق ہے، اور اس کا باپ بھی لائق تھا۔"

یہ واقعہ ۸ ربیع الاول (مطابق ۶ جون ۶۳۲ء) کا ہے، جبکہ مرضِ اپنی پوری شدت پر تھا، آنحضرتؐ کی خواہش تھی کہ یہ لشکر جلد از جلد روانہ ہو، چنانچہ اسی تاریخ کو اکثر صحابہ آنحضرتؐ سے رخصت ہو کر حرن کو

۱۔ ابن سعد ۲/۱۳۶۔ ۲۔ صحیح حدیث حسنی بہیوت کے لئے محرم کو ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵ کا شمار کرتے ہیں۔

۳۔ ابن سعد ۳/۳۶۔ ۴۔ ابن سعد ۳/۴۱۔

رومانہ ہو گئے، جہاں لشکر پڑا تھا، ابن سعد کا بیان ہے:

”اور یہ واقعہ ہفتے کے دن ۱۰ ربیع الاول کا ہے کہ جو مسلمان اُسامہ کے ساتھ جانیوالے

تھے، آنحضرتؐ سے رخصت ہوئے، یہ

اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ پہلے کے دن یعنی ۶ جون ۱۳۲۲ء کو ریح الاول کی آرازمختی، اور ریح الاول کا چاند بجائے ۲۹ کے ۳۰ کا تسلیم کیا گیا تھا۔ کہتے ہیں کہ اسی روز مرض میں اور ترقی ہو گئی، اور آنحضرتؐ بیہوش ہو گئے، یکشنبہ کے دن مرض پوری شدت پر تھا، دوشنبہ کے دن صبح کو طبیعت قدرے درست ہو گئی۔ آپؐ نے حجرہ کا پردہ اٹھا کر دیکھا، تو لوگ نماز فجر میں مشغول تھے۔ یہ دیکھ کر آپؐ فرط مسرت سے ہنس پڑے۔ لوگوں نے سمجھا، آپؐ باہر آنا چاہتے ہیں، قریب تھا کہ صغین درہم برہم ہو جائیں۔ آپؐ نے اشارے سے روکا۔ یہ جمالِ اقدس کی آخری زیارت تھی، جو فدایانِ نبوت نے کی۔ جوں جوں دن چڑھتا گیا، حالت بگڑتی گئی، بابا ہوش آتا، اور بار بار غشی طاری ہو جاتی، آخر کار رفیقِ اعلیٰ سے ملنے کا وقت آ گیا، لبِ مبارک پہلے، تو لوگوں نے یہ الفاظ سنے :- ”نماز اور غلام“ ۱۷

یہ واقعہ ۱۲ ربیع الاول ۱۰۳۵ھ کو دہشتیہ کے دن دوپہر کے بعد کا ہے (یعنی ۸ جون ۱۶۳۲ء) کا، کہ
اسامہ کا پرچم جو حرم پہنچ چکا تھا، واپس آیا، اور آستانہ نبوت پر نصب کر دیا گیا۔

”صَلُّوا عَلَيَّ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا“

۱۳۶ - ۲۰ ابریل - ۸۴ تنوفی ... حین تراعت استمسی یوم الارشیں (انی عشر)
لیلۃ خلعت من شہر ربیع الاول - ۱۳۷ -

پیغمبر اسلامؐ کا تاریخِ وفات میں اگرچہ اختلاف ہے، اور بعض مؤرخِ کیم ربیع الاول ۱۲ اور بعض ۲ کو ترجیح دیتے ہیں،
 حقیقہً کہ واقفہ کی کتابِ آغازی میں بھی ۱۲ ربیع الاول مذکور ہے، لیکن واقفہ کی مشہور روایت جس کو اکثر علماء نے
 قبول کیا ہے۔ ۱۲ ربیع الاول ہے۔۔۔ من تاریخ پر علماء کی ایک جماعت کثیر کا اتفاق ہے۔ حقیقہً کہ شیعوہ روایت بھی
 اسی کی تائید میں ملتی ہے۔ کلیسیا میں ہے: ثوبقبض ایلانی عشرۃ بسلۃ مضمت من ربیع الاول یوم الاتین
 (ابو القاسم تاریخ) اس سے قطع نظر دو مشنبہ کا دن جو متفق علیہ ہے ۱۲ ربیع الاول کے علاوہ کسی اور تاریخ کو نہیں پڑتا۔
 نہ کیم کو نہ ۲ مار کو لکھنے دو مشنبہ کی، چونکہ اردی ہے جو غلط ہے دو مشنبہ ۸ جون ۱۳۲۲ کو پڑتا ہے۔

رحلت رسول اللہ کی توقیتی جدول

واقعات	مری	جولین
● جہادِ روم کی تیاری کا حکم	۲۸ صفر ۱۱، دوشنبہ	۲۵ مئی ۶۳۲ء
	۲۹ " " شنبہ	۲۶ مئی " "
● علامات کی ابتداء	۳۰ " " چار شنبہ	۲۷ مئی " "
● پرچم سازی	یکم ربیع الثانی	۲۸ مئی " "
	۲ " " جمعہ	۲۹ " " "
	۳ " " ہفت	۳۰ " " "
	۴ " " یکشنبہ	۳۱ مئی " "
	۵ " " دوشنبہ	یکم جون " "
	۶ " " شنبہ	۲ " " "
	۷ " " چار شنبہ	۳ " " "
● واقعہ قرظاں	۸ " " پنجشنبہ	۴ " " "
	۹ " " جمعہ	۵ " " "
● آخری خطبہ	۱۰ " " ہفت	۶ " " "
● مرض کی انتہائی شدت	۱۱ " " یکشنبہ	۷ جون ۶۳۲ء
● رحلت	۱۲ ربیع الثانی ۱۱ دوشنبہ	۸ جون ۶۳۲ء

۱۔ روایت میں ۲۰ تاریخ ہے جو راوی کی حسابی غلطی سے ہوئی ہے۔ ۲۔ روایت میں ۲۵ تاریخ ہے جو راوی کی حسابی غلطی معلوم ہوئی ہے۔
 ۳۔ دیکھیں مذکورہ ۱۹۱ء کی روایت میں ۲۰ تاریخ ہے۔ ۴۔ روایت میں ۲۵ تاریخ ہے۔ ۵۔ روایت میں ۳۰ تاریخ ہے۔ ۶۔ روایت میں ۳۵ تاریخ ہے۔
 یہ فرض کر لیا جائے کہ اہل مدینہ نے اس وقت تک اس واقعہ کی خبر نہیں سنی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت ہوئی۔ جو روایات کے عین مطابق ہیں۔
 ۷۔ بعض روایات میں ۱۱ تاریخ ہے۔ ۸۔ روایت میں ۱۲ تاریخ ہے۔ ۹۔ روایت میں ۱۳ تاریخ ہے۔ ۱۰۔ روایت میں ۱۴ تاریخ ہے۔ ۱۱۔ روایت میں ۱۵ تاریخ ہے۔
 جو بالکل غلط ہے۔ ۱۲۔ روایت میں ۱۳ تاریخ ہے۔ ۱۳۔ روایت میں ۱۴ تاریخ ہے۔ ۱۴۔ روایت میں ۱۵ تاریخ ہے۔ ۱۵۔ روایت میں ۱۶ تاریخ ہے۔

اعتذار و استدراک

ان مقالات کی اشاعت کچھ ایسے حالات میں ہوئی ہے کہ (دفتر برہان بھیجنے سے پہلے) نہ تو میں ان پر نظر ثانی کر سکا، اور نہ ان کا مقابلہ اصل مآخذوں سے کیا جاسکا، پھر ان کی کتابت و طباعت میں جو غلطیاں ہوئیں وہ مزید برآں ہیں۔

اب جبکہ ان کا ایک ایک حرف پڑھا جا رہا ہے، اور تصحیح کا کام جاری ہے، مستودات کے ساتھ اصل کتابیں بھی سامنے ہیں، تو اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ متعدد مقامات تشنہ زد گئے ہیں، بیسیوں حوالے جنہیں لکھنا ضروری تھا، یا تو ساقط ہو گئے یا نامکمل نظر آتے ہیں، انگریزی، لفظ اور عبارتیں اکثر و بیشتر غلط چھپی ہیں، جگہ جگہ سقوط الفاظ کی غلطیاں بھی موجود ہیں، جن سے عبارتیں بے جوڑ سموم ہوتی ہیں، کئی جگہ حوالے تک غلط، یا مقدم موخر ہو گئے ہیں، یہ تمام باتیں اگر ایک حرف لیتھو کی کتابت اور پروفوں کی تصحیح سے بے پردائی کا نتیجہ ہیں تو دوسری طرف ان کی ذمہ داری میرے محدود وسائل پر بھی مائد ہوتی ہے کہ میں انہیں ٹائپ کرا کے نہیں بھیج سکا۔

خیال تھا کہ اس اشاعت میں ایک مکمل غلط نامہ "دے دیا جائے لیکن تجربے سے ثابت ہوا کہ یہ کام مقالہ لکھنے سے زیادہ دشوار ہے، اس سے قارئین سے استغاثہ کہ اس کتاب کی اشاعت کا انتظار فرمائیں، پھر بھی چار پانچ مقامات کی تصحیح ضروری ہے۔

① مقالہ اول یعنی برہان مسیٰ ص ۳۷ کے صفحہ ۲۸۱ کی سطر ۱۵ میں ڈاکٹر حمید اللہ کے سلسلے میں پوری دو سطر چھپنے سے رہ گئی ہیں۔ درموجودہ عبارت بے جوڑ ہو گئی ہے، ان سطروں کے اضافے سے زیادہ آسان یہ ہے کہ (واقعات کو پرانے مزعومات) سے لے کر پوری سوئس سطر تک قلم زد کر دیا جائے۔

② جس وقت یہ مقالہ لکھا جا رہا تھا پرسیوال کا نظریہ پیش نظر نہ تھا، لیکن اسی دور میں جب یہ نظریہ مل گیا تو دوسرے مقاموں میں اس کے حوالے بھی دیئے گئے ہیں، بدینوجہ اس مقالے کی ایک پوری عبارت بے معنی ہو گئی ہے، قارئین سے استدعا ہے کہ صفحہ ۲۸۸ کی گیارہویں سطر کے آخری حصے ("مگ ان فوس سے")

سے چند رھویں سطر کے جملے (جو شاید پر سوال ہی سے ماخوذ ہے) "نک پوری عبارت قلمزد فرمادیں اور اس کی جگہ صرف ایک جملہ بڑھا دیں یعنی (جس کا خد صہ یہ ہے)"

(۳) اسی منی کی اشاعت کے صفحہ ۲۹۲ کی تیرتویں سطر کے بعد جس سے پہلے وہاں زن کا خیال پیش کیا گیا ہے باقی پورا سیرگرات دلِ خد ہے، یعنی (یہ خیال گرچہ کسی قدر صحیح معلوم ہوتا ہے) سے لے کر (جو میں جاڑت گا) تک چاروں سطریں قلمزد فرمادیکجئے اس میں جو شاہیں پیش کی گئی ہیں غلط ہیں، (۴) اسی مقالے کے صفحہ ۲۹۴ پر ڈاکٹر حمید اللہ کی دو تقریقی جدول پیش کی گئی ہے۔ اس سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ ان کے نزدیک کئی کالم کونسا تھا اور مدنی کونسا۔ قاری ہر سہ میں پہلے کالم پر مدنی تحریر فرمائیں اور دوسرے پر کئی

(۵) کتب پرستہ کی اشاعت کے صفحہ ۲۰۴ کی پہلی سطر میں لکھا گیا ہے کہ (یہ واقعہ غالباً جمعہ ۲ ربیع الاول سنہ ۱۲۸۵ء کا ہے) یہ صرف میراثی میں تھا، مگر اب ایک روایت مل گئی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ واقعہ مذکور بجائے جمعہ کے جمعرات (یکم ربیع الاول) کا تھا۔ اس سے قارئین یہاں (پنجشنبہ یکم ربیع الاول) بنائیں درلفظ غائباً کو کاٹنے کے بعد اس کے نیچے کا پور فٹ نوٹ لے بھی قلمزد فرمادیں، یعنی حاشیہ ملے کی پوری عبارت۔

اسی قسم کی ممکن ہے کہ اور غلطیاں بھی ہوں جس کے متعلق رافہ محدود معذرت خواہ ہے۔

ان مقامات کی یہ تخری قسط ہے اور قوی مبدے کے مطابق عم ن قساط کا مطبوعہ فرمائے کے بعد صحیح شوریہ سے سرزد فرمائیں گے۔

مؤلف: شیخ عبدالباق صاحب

مذکرہ علامت شہید محمد علی شاہ

مترجم: پروفیسر سید ابوالفتح صاحب ندوی مروت

علامہ شہید کے سوانح حیات پر تحقیق نہ رہ "مناقب" کا ترجمہ اس عہد کے خاص کر مہم دیوں

کے خدمات کی تفصیل اور شیخ کے دوسرے عمارت۔ صفحات ۱۲۸

قیمت: مجید ۱/۵۰

مکتبہ بریلان اردو بازار جامع مسجد دہلی

دیارِ غرب کے مشاہدات و تاثرات

سعید احمد اکبر آبادی

(۹)

اگر آپ بیمار ہیں تو حکومت کے قاعدہ اور قانون کے ماتحت تین دن سے زیادہ آپ اپنے مکان پر نہیں رہ سکتے، اس کے بعد لای لہ آپ کو شفا خانہ میں داخل ہونا ہوگا، ورنہ آپ کو دوا، غذا، اور نرسنگ کی وہ تمام سہولتیں ملیں گی جو ہمارے ملک میں صرف دو متمند اصحاب ہی حاصل کر سکتے ہیں، دوا یا غذا میں مجال ہے کہ کوئی کسی قسم کی بھی حادث ہو، گندگی کا کہیں نام نہیں بستی اور کوئی بے پردائی اور فرض ناشتہ می کا گزر نہیں، گرا آج کسی گھر میں کوئی بچہ پیدا ہوا ہے تو جب تک وہ ایک خاص عرصہ تک نہیں پہنچے گا، باپ کا فرض ہوگا کہ ہفتہ میں ایک دن اپنے علاقہ کے ادارہ صحت میں ماکرنہ بچہ کو مونس کرتے رہیں گے، یہاں بچہ کا وزن یا جائے گا اور اس کی تندرستی کی جانچ ہوگی اور اب اس میں جس چیز کی کمی ہوگی اس کی تدریجی غذا یا دوا سے یہ دونوں سے کی جائے گی، بچوں کے لئے نرسریز جو جگہ قائم ہیں ہی، شہر کے مختلف علاقوں میں تھوڑے تھوڑے فصل سے جو یارک اور باغات ہیں ان میں بھی بچوں کے کھیلنے کو دینے اور سیر و تفریح کے سامان ہتیا ہیں، ان بچوں کی نگرانی و ران کی ترست اس ہتمام و ردل سوری سے ہوتی ہے اس کا اندازہ اس سے ہوگا کہ ایک مرتبہ شام کے وقت میں ایک پارک میں بچے پر بیٹھ بولتا تھا، اتنے میں ایک خاتون اپنی بچی کو لے کر وہاں پہنچ گئی ورمیرے قریب کی بچی پر بیٹھ گئی، باؤس نے بچی کو کھانا شروت کیا، تودہ گیند پھینکتی اور بچی اس کے نیچے دوڑتی ورمیر گیند کھڑکیوں کو ترو پھینک دی تھی، کہ بچی نے

گیند پھینکی اور وہ اتفاق سے میری طرف آگئی، میں نے گیند اٹھا کر بچی کو دی جو ڈھائی تین برس سے زیادہ کی نہیں ہوگی تو اُس نے بڑے معصومانہ انداز میں پہلے "تھینک یو" کہا اور پھر گیند لے کر اچھلتی کودتی چلی گئی۔

ہاں تو ذکر فیلوفیلنگ کا ہو رہا تھا، اس سلسلہ میں دو تین واقعات، درجن بیٹھے جو مجھے یاد رہ گئے ہیں اور جن کا میرے قلم پر بڑا اثر ہوا ہے، مارچ ۱۹۶۳ء کے آخری ہفتہ کا ذکر ہے، اسی گڈھ سے مجھے ایک دوست کا خط ملا جس میں انھوں نے میرے ایک بچہ کے متعلق لکھا تھا کہ وہ سخت بیمار ہے، مگر اُس کا انداز بڑی توجہ سے ہو رہا ہے اور ڈاکٹر کو اطمینان ہے کہ وہ اچھا ہو جائے گا، میرے گھر سے برابر خط آنے رہتے تھے، لیکن گھر کے کسی شخص نے مجھ کو پریشانی سے بچانے کے لئے اس بچہ کی علالت کا حال نہیں لکھا تھا، بیک دوست کے خط سے اچانک اطلاع ہوئی تو پریشان ہونا لازمی تھا، اتفاق سے ظفر اسحق صاحب انصاری جن کو مجھ سے نہایت مخلصانہ تعلق اس درجہ کا تھا کہ وہ اپنی ننھی مٹنی اور بڑی پیاری بچی اسماء سے مجھے دادا کہلاتے تھے اُن کو اس خط کی خبر ہوگئی اور انھوں نے اسی دن شام کے چار بجے جبکہ ہم سب وگ کامن روم میں اک ساتھ پارٹی رہتے تھے پروفیسر اسمتھ سے اس کا ذکر کر دیا میں پیلی ہاتھ میں لئے، ایک صوفہ پر بیٹھا ہوا تھا، پروفیسر اسمتھ یہ خبر سنتے ہی فوراً میرے پاس پہنچے اور سدھم کر کے صوفہ پر بیٹھ گئے اور بڑی غمگین اور ہمدردانہ انداز میں بولے، مجھے انصاری سے ابھی آپ کے بچہ کی حالت کا حال معلوم کر کے بڑا دکھ ہوا ہے۔ اس کے بعد انھوں نے بچہ کی بیماری اور اُس کے سدھ کے بارہ میں مختلف سوالات کئے جن کا میں جواب دیتا رہا، آخر میں انھوں نے فرمایا "اگرچہ انسٹیٹیوٹ کی موسم گرما کی تعطیلات کے شروع ہونے میں بھی ڈیڑھ مہینہ باقی ہے اور آپ کا سیمینار ختم بھی نہیں ہوا ہے لیکن اگر آپ دھن جانا چاہتے ہیں، تو بلا تامل کل ہی روانہ ہو جائیے، میں سب انتظامات کر ادوں گا، میں نے انکار کیا تو بولے 'اچھا! پریل کو آپ کا سیمینار ختم ہوگا، آپ ۸ کروانہ ہو جائیے، جب شکریہ کے ساتھ میں نے اس سے بھی معذرت کی اور کہا کہ میرا ارادہ سشن ختم کر کے ہی۔ ار می کو روانہ ہونے کا ہے تو اب انھوں نے کہا "جب آپ نہیں مانتے تو یہی سہی، لیکن جب گھر سے خط آئے مجھ کو بچہ کے حال سے ضرور مطلع کر دیجئے، اسمتھ صاحب نے یہ پرسش حال صرف اپنے تک محدود نہیں رکھی، دوسرے ممبران، شانت کو بھی اپنا شریک بنایا۔ چنانچہ جب تک بچہ کی بالکل صحت یابی کی اطلاع

نہیں آگئی، روزانہ ہر شخص پہلی ملاقات میں بچہ کی خیریت دریافت کرتا تھا، ”اپنا غم تو ہر شخص کھاتا ہے مگر بات اس وقت ہے جب دوسروں کا غم کھائے۔“

کنڈیس آپ کو معلوم ہے ہاکی سردی پڑتی ہے، موسم سرما میں پارہ حرارت درجہ صفر سے بھی کم ہوتی ہے۔ نیچے پہنچ جاتا ہے۔ برف باری سے عجب منظر نظر آتا ہے، عمارتیں، سڑکیں، میدان، درخت، کھجے، بسیں اور کاریں ہر چیز معلوم ہوتا ہے نہایت صاف و شفاف سپید چادر اور صاف ہوئے ہوئے درختوں کے پتے جب برف سے ڈھک جاتے ہیں تو کوئی مثلث، کوئی مربع، کوئی چڑیا اور کبوتر، وہ کوئی بٹی اور بندر کی عجیب عجیب شکلیں اختیار کر لیتے ہیں اور بڑے حسین لگتے ہیں۔ سڑکوں پر ایک ایک دو دو فٹ برف جمی ہوئی ہے، جب یہ برف پگھلتی ہے تو کپڑا اس قدر ہو جاتی ہے کہ چلنا دیکھ رہا ہوتا ہے۔ چونکہ برف پر موٹر کاروں کے چلنے سے ان کے پھسل جانے کا اندیشہ ہوتا ہے اس لئے حکومت کی طرف سے یہ انتظام ہے کہ برف باری کے بند ہوتے ہی بڑے بڑے ٹرک بائرنل آتے ہیں اور دو دو ایک ساتھ لے کر پورے شہر میں اس طرح چلتے ہیں کہ اگلے ٹرک میں جو نسبتاً چھوٹا ہوتا ہے آگے کی جانب ایک طویل دھڑیل سیلچر سا لگا ہوتا ہے یہ سیلچر زمین پر سے برف کھرچ کھرچ کر ایک مشین کے ذریعہ کچلے ٹرک میں پھینکا جاتا ہے، جب پورا ٹرک بھر جاتا ہے، تو جگہ جگہ ڈمپ بنے ہوئے ہیں۔ ان میں برف کو جمع کر دیا جاتا ہے، اس طرح ان ڈمپس میں برف کے پہاڑ بنتے چلے جاتے ہیں، لیکن تمام سڑکیں ہتھوڑی دیر میں ایسی صاف ہو جاتی ہیں کہ برف کا کوئی نشان نہ رہتا۔ پورے موسم سرما میں صرف ایک شہر مونٹریل میں اس طرح لاکھوں ٹن برف صاف کی گئی ہوگی اور اس پر لاکھوں ڈالر خرچ آئے ہوں گے۔

برف باری کے دوران میں تو نہ سردی ایسی کچھ زیادہ محسوس ہوتی ہے اور نہ ہوائیں ہی کچھ تیز دندنہتی ہیں، لیکن اس کے بعد موسم یکایک بہت شدید اور سخت ہو جاتا ہے اور اس پر برفانی ہواؤں کی آندھیاں جو چلتی ہیں تو بس! کچھ نہ پوچھئے، خدا کی پناہ۔ لوگ جوتوں پر ایک اور جوتہ جوڑ کا ہوتا ہے، اور ”بارانی جوتہ“ (OVER SHOE) کہلاتا ہے استعمال کرتے ہیں، ہاتھوں میں دستاں، غوما چمڑے کے اور دبیز پہنتے ہیں اور کانوں پر ”گوش پوش“ رکھتے ہیں جسے وہاں ایرمٹ (EAR MUFF) کہتے ہیں۔

کہتے ہیں، سر کی حفاظت وپی سے کی جاتی ہے اور پھر قل اور اور گرم کوٹ پر چسٹریا اور کوٹ کے سوا تو چارہ ہی نہیں، جیسا کہ ابھی عرض کیا بڑے بارانی جوتہ کا یہ فائدہ ضرور ہوتا ہے کہ پاؤں تک بستر ہونے سے بچ جاتا ہے۔ لیکن اگر ان جوتوں کے ساتھ کبھی برف پر چلنے کی نوبت آجائے تو پھر پھسلنے کا بڑا اندیشہ رہتا ہے اور بہاں آدمی پھسل کر گر نہیں کرے تاخ سے ہڈی ٹوٹی، چنانچہ اس موسم میں ٹانگ کی ہڈی کے ٹوٹنے کے واقعات اکثر پیش آتے ہیں۔ در لوگ بھی کچھ عادی سے ہو گئے ہیں۔ لڑکے اور لڑکیاں برف پر کھیلتے ہیں، اسکیٹنگ کرتے ہیں۔ جو ن کا محبوب ورگیا کہ قومی کھیل ہے، دھڑام سے گرتے ہیں ہڈیاں ٹوٹی ہیں، مگر پرواہ نہیں کرتے، شفاف نہ میں دنس ہوئے، ڈیڑھ دو مہینے کے بعد ہڈی جڑ گئی اور چلنے پھرنے کے قابل ہو گئے تو پھر وہی کھیل کھیلنے لگے، میں ہوٹل سے سٹیوٹ جس راستہ سے آتا تھا اس میں بڑے نشیب و فراز اور پیچ و خم تھے اور برف باری کے دنوں میں بس اوقات برف پر چلنا پڑتا تھا، میرے لئے یہ ایک نیا تجربہ تھا اس سے مشورہ میں تو کچھ حیرت ہوئی اور پاؤں ڈرتے ڈرتے پڑتے تھے، اور کئی مرتبہ لڑکھڑا کر گرنے سے بال بال بچا بھی، لیکن اس کو برف کی آب و ہوا اور فضا کا اثر کہتے یا میری اسپورٹس مین اسپرٹ جو واقعی میرے اندر موجود ہے! کہ پھر مجھے بھی سادہ دلی ہو گئی، اب نہ صرف یہ کہ مجھے برف پر چلنے میں تامل نہیں ہوتا تھا، بلکہ اس میں مستغرق تھا، جس مزہ بہت ہی خراب ہو کر اسکیٹنگ کروں، لیکن چونکہ مشق نہیں تھی اس لئے باز رہا۔ سب سٹی کے زمانہ میں بالی ادرنٹ ہال میرے محبوب کھیل رہے ہیں وہ بڑے منسلک تو میں کلکتہ کے زمانہ تک کھیلنا رہا ہوں، کلکتہ میں جب تھا تو اپنی موٹر خود پلاتا تھا۔ لائسنس اب تک ہے مگر موٹر تو نہیں تو کس کو بکا۔ مونٹر میں گڑب گڑب اسکیٹنگ میں نے خود نہیں کیا۔ بس اتوار کے دن جب کبھی موقع ملتا میں دیکھ ضرور آتا تھا۔

ہر چند کہ سردی یہاں ہی شدید ہوتی ہے کہ جنوب مشرق بن گئی ہے، لیکن یہ سردی آپ کے لئے صرف اس وقت ہے جب کہ آپ نہ کہ بہار کی میدان با پارک میں یعنی کھلی جگہ میں ہوں، ورنہ بجلی کی روشنی اور گیس کی علاج پورے ملک میں سسٹمز میڈیگ ارجنٹ ہے جو ہر گھر، ہر دفتر، ہر دکان، درہر تجارت کے ہر حصہ میں ہے۔ اس میں بگڑیٹھ ہوتا ہے۔ آپ حسب ضرورت حرارت کم یا زیادہ کر سکتے ہیں، اس انتظام کے

مجھے لطف آتا تھا، غرض کہ وہاں چوبیس گھنٹہ بند پڑا رہا، صحت مضرب ہے، سردی سے حفاظت تو ہو جاتی ہے لیکن دوسرے آزار لگ جاتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ہندوستان، اور پاکستان کی جو خواتین زیادہ چٹنے پھرنے کی عادی نہیں ان کی صحت پر کناڈا کی آب و ہوا کا اچھا نہیں بلکہ بُرا اثر ہوا ہے اور ان کے چہروں پر وہ شدہ نظر نہیں آتی جس کی وہاں توقع ہو سکتی تھی۔

جی ہاں، تو ذکر اسی فیلو فیننگ کا تھا۔ ہوا یہ ایک روز شب کے گیارہ بجے کا ٹل ہو گا۔ میں مطالعہ سے فارغ ہو کر سو جانے کا ارادہ کر رہا تھا۔ کہ میں نے کسی قدر ٹکی سردی محسوس کی، مگر وہ کچھ سمجھ میں نہیں آئی۔ اتنے میں نے کمرہ کے دروازہ پر دستک سنی، مسہری سے اُٹھا اور دروازہ کھولا تو دیکھا ہنگری کی ایک خاتون جو میری طرح اس ہوٹل میں مستقل رہتی تھیں، کھڑی ہوئی ہیں، اس نادقت و رخصت عادت و رسم کو دیکھ کر مجھے حیرت بھی ہوئی اور نشوونما بھی، انھوں نے پہلے تو نہ دقت آنے کی مجھ سے معذرت کی اور پھر بولیں، "سٹر اگرا بادی؛ شاید آپ کو معلوم نہیں مشین میں خرابی ہو جانے کی وجہ سے ہم یہ ہوٹل کا نظم گرم سازی خراب ہو گیا ہے، اور اس وجہ سے سردی محسوس ہو رہی ہے، منیجر کو اطلاع کر دی گئی ہے، مگر اس درست ہوتے ہوئے دیر لگے گی، میں آپ سے یہ کہنے آئی ہوں کہ میرے پاس میٹر موجود ہے، میں وہ آپ کے کمرہ میں کرگائے دیتی ہوں۔ میں سے کہیں "شکریہ! مگر آپ۔" جو بدمعاش میرے پاس ایک اور بے ضرورت ہوئی تو میں وہ استعول کروں گی" میں نے کہا "تو بہت اچھا۔ میں خود آپ کے کمرہ میں چلتا ہوں میں نے آؤں گا۔ اُس نے کہا "جی ہیں۔ میں خود لوں گی! چٹا پنچہ لگی ہوئی تھی اور میٹر نہ کر میرے کمرہ میں مسہری کے پاس ایک سوچا ہوا تھا اُس میں لگا دیا اور انتظار رکھتی رہی، جب گرم ہو گیا تو شب بھر کمرہ رو پس ہوئی، اسی طرح کا ایک اور واقعہ سی ہوٹل میں ایک مرتبہ یہ پیش آیا کہ میں حسب معمول اپنے صبح کو مسٹونٹ لے کر دھرم پور کے ایک مکان میں رہتا تھا، وہاں ایک مقدار میں رکھا تھا، بدیہہ اس سردی کی خبر یا ٹیلٹا کے جوہر سے کر رہا ہوں اس سے میں تقاضا کی کہ میں ترمیم اور نظم و نسق میں رہا کہ یہ کہتے آئندہ آپ دیکھیں گے اس طرح باتوں، تو میں کہتے ہی اہم قومی بین الاقوامی، سماجی اور مذہبی معاملات و مسائل زیر گفتگو بن جائیں گے۔

جاتے کے لئے اپنے کمرہ سے باہر نکلا اور اتفاق سے اس وقت میرے چیسٹر کا ایک بٹن ٹوٹا ہوا تھا، میں نے اس کی پروا نہیں کی، یونہی چل پڑا، ایک قانون جو اس ہٹل میں مستقل مقیم تھی اور اکثر ناشتہ اور ڈنر پر اس سے ملاقات اور گفتگو رہتی تھی وہ سامنے سے آرہی تھی اس نے چیسٹر کا بٹن ٹوٹا ہوا دیکھا تو اس کی طرف اشارہ کر کے بولی "ارے یہ کیا؟" میں نے کہا "کوئی مضائقہ نہیں ہے" اس نے کہا "جی نہیں لبرل معلوم ہوتا ہے، آپ ابھی واپس چلے، چنانچہ میں کمرہ میں واپس آیا اور چیسٹر اس کو دیا، وہ گئی اور اپنے کمرہ میں بٹن ٹانگ کر اسے لاکر میرے حوالہ کیا، میں نے شکریہ ادا کیا تو اس نے کہا میں نے یہ اس سے کیا ہے تاکہ آپ یہ محسوس نہ کریں کہ آپ پردیس میں ہیں۔"

اجاب کو معلوم ہے میں نے گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا اور ہر دس اور کانٹا کچھا ہے، یعنی میرا تعلق مسلم درسگاہوں سے بھی رہا ہے اور غیر مسلم اداروں سے بھی اور مسلم اداروں میں تعلیم قدیم کی درس گاہیں اور تعلیم جدید کے ادارے دونوں شامل ہیں، مگر مجھے حد درجہ ندامت و شرمندگی سے اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ آپس میں جو شک و حسد، غیبت و بدگوئی، درگاہی، بجھائی میں نے مسلمان اداروں میں دیکھی ہے وہ غیر مسلم اداروں میں نہیں دیکھی، دلی کے مشہور سینٹ اسٹیفنس کالج کایس و ب میں بھی رہا اور چھ برس تک استاد بھی، حق یہ ہے کہ جو دماغی سکون و طہین تندرستی کا کالج در دلی یونیورسٹی کی فضا میں نصیب ہو وہ کلکتہ مدرسہ میں نہیں ملا، اور ب علی گڑھ میں وہ ناپید ہے۔ دیوبند میری دہلی کی بڑی روحانیت اور خلاق کامرکز تھا، مگر اب وہ بھی کام جونی و مطلب برآری کا گھر بنتا جا رہا ہے، مجھے اب تک یاد ہے، ۱۹۴۷ء کی ہر ستمبر کو جب آزادی ملک کے صدقہ میں میرا گھر بار سب کچھ ٹوٹا اور برباد ہوا، اور ساتھ ہی میں نے ان دنوں میں جو وحشت، انجیز و انسانیت سو رہا تھا دیکھے ورنے ان سب کو میرے دل پر نہایت ہی اثر کیا، شریعت کہ میں یہ محسوس کرنے لگا تھا کہ اب انسان اور انسانیت دونوں کا خاتمہ ہو گیا ہے اور میں جن لوگوں کے دریاں رہ رہا ہوں وہ وحشی درندہ اور پتھر پتھر سے بنے انسانوں کے نمونے ہیں، یہ ہے، لیکن ان دنوں میں سینٹ اسٹیفنس کالج کے پرنسپل ڈر دس پرنسپل نے میری فاضلہ جو پروردگار کے مقرر کردہ مدرسہ میں اور عورتوں کی غلو جو مذہب پرانہ پکھیل کر کے اس کا مجھ پر غیر معمولی اثر ہو کر ان لوگوں کو کچھ بہ محسوس ہوا کہ انہیں انسانیت میں سے ہیں۔

بلکہ اب بھی باقی ہے، یہ حال تو اپنے ملک کا تھا، یہ ہر جا کر یہ چیز اور زیادہ محسوس ہوئی، ہمارے ہاں آئے دن طلباء کے ہنگامے اور مظاہرے ہوتے رہتے ہیں، اساتذہ مختلف طریقوں سے اپنی بے چینی کا اظہار کرتے رہتے ہیں، اور ہماری یونیورسٹیوں کے حدود و اربعہ سیاست کی دراندازی سے محفوظ نہیں ہیں، چنانچہ ماہرین تعلیم کو اُس کا اصرار ہے کہ آزادی کے بعد سے اب تک، اگرچہ یونیورسٹیوں کی تعداد وہ چند ہو گئی اور تعلیم کا بجٹ بھی کہیں سے کہیں پہنچ گیا ہے، لیکن تعلیم کامیاب نہیں ہو سکا ہے اور نتائج خراب خواہ پیدا نہیں ہو رہے ہیں، اس کے برعکس ان ملکوں کا حال یہ ہے کہ جو جس کام پر لگا ہوا ہے اُس سے اُس کو پوری دل چسپی ہے، اور پورے انہماک اور یکسوئی کے ساتھ اسے انجام دے رہا ہے اس ماحول اور فضا کا خود مجھ پر یہ اثر ہوا کہ وہاں کے آٹھ مہینوں کے قیام میں میں نے اپنے فرائض منبسی ادا کرنے کے علاوہ مطالعہ اور تصنیف و تالیف کا اتنا کام کیا ہے کہ غالباً وہاں دوسریس میں بھی نہیں کر سکتا، انگریزی اور عربی کی پچاس ساٹھ کتابیں، از دل تا آخر پڑھ ڈالیں، اپنی پچیسے دنوں میرے دو تحقیقی مقالے 'الصبا ہون' اور 'الامیون' جو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے سہ ماہی مجلہ "نکر و نظر" میں شائع ہوئے ہیں، یہ میں نے دیں لکھے تھے اور اس سلسلہ میں انسٹیٹیوٹ کے احباب کی مدد سے جرمنی اور فرانسیسی زبانوں کی کتابوں سے استفادہ کیا تھا، علاوہ ان میں اپنی کتاب "سدام کا ثقافت و تشریح" کے لئے میں نے نوٹ لےئے جو تصوفیات سے کم نہیں ہیں، پھر بعض اور مقامات جو میرے پیش نظر ہیں ان کے سلسلہ میں بھی کچھ کام کیا، غرض کہ اُس ماحول اور آب و ہوا میں رہ کر خود بخود کام کرنے کا جذبہ اور طبیعت میں آدگی اور یکسوئی پیدا ہوتی ہے۔

فرصت شناسی اور محنت | فیلوفیننگ کے علاوہ ان لوگوں کا ایک نمایاں وصف فرصت شناسی اور محنت ہے، یہاں ہفتہ میں پانچ دن کام کرنے کے ہیں اور دو دن یعنی ہفتہ اور اتوار تو چھٹی کے پانچ دنوں میں لوگ اس طرح کام کرنے ہیں کہ محال نہیں اوقات کا ایک لمحہ بھی گپ شپ یا غیر ضروری باتوں میں صرف ہو سکے، یہ دو دن جو چھٹی کے ہیں تو اُس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ وہاں نوکر اور خدمت گزار وغیرہ نہیں ہیں اُس لئے ان دو دنوں میں سے ایک دن گھر کے سب مرد و عورت گھر کی صفائی، کپڑوں کی دھوئی، پاشی و دیگر ضرورتیں کر لیتے ہیں، اور کو بیچ کے وقت گرجا میں جاتے اور باقی وقت سیر و تفریح میں گزارتے ہیں۔

جسے ہم ہواخوری کہتے ہیں اور وہ (OUTING) اس کو سیر و تفریح میں بڑا دخل ہے، اس کو بھی خصوصاً اور دل جمعی سے اسی طرح انجام دیتے ہیں جس طرح وہ کام کرتے ہیں، وہاں کی مدت قیام میں مجھے متعدد دفتروں اور واردوں میں مختلف ضرورتوں سے جانا ہوا، اور آپ کو یہ سن کر تعجب ہوگا کہ کسی جگہ پانچ منٹ سے زیادہ صرف نہیں ہوئے، اس پر خوش اخلاقی کا یہ عالم کہ کسی دفتر میں کسی جگہ حائی، آپ جس کام کے لئے گئے ہیں اُس کا پانچارج مرد ہو یا عورت پہلے آپ کا مسکراتے ہوئے گڈ مارنگ سے استقبال کرے گا اور پھر آپ کا کام پوچھے گا، کام کے ہو جانے پر جب آپ اُس کا شکریہ ادا کریں گے تو پھر خندہ پیشانی سے وہ اس کا جواب دے گا، محنت اور جفاکشی اُس درجہ کی ہے کہ بڑے سے بڑے آدمی کو کسی کام میں عار نہیں ہے۔ ہمارے انسٹیٹوٹ میں ڈاکٹر والسن جولا بیریرین تھے انہیں دیکھ کر حیرت ہوتی تھی، کت بوں کے بہت بھاری بھاری ہنڈل وہ نہایت بے تکلفی سے ایک منزل سے دوسری منزل میں لے کر ایک کمرہ سے دوسرے کمرہ میں اٹھائے پھرتے تھے، یہاں کا معیار زندگی کتنا اونچا اور چیزیں کس قدر گراں ہیں؟ ہر شخص جانتا ہے، لیکن اس کے باوجود خوش حالی عام ہے، ہر شخص مطمئن اور خوش ہے۔ اُس کی وجہ یہی ہے کہ یہ لوگ محنت اور جفاکشی کے عادی ہیں، ہر ایک اپنے کام سے شغف اور دل چسپی رکھتا ہے۔ کسی کو کسی کام میں عار اور زنگ نہیں ہے گھر میں جتنے آدمی ہیں سب محنت کرتے اور کماتے ہیں، کوئی کسی پر بوجھ نہیں ہے، اونچی کلاس کے لوگوں تک لڑکے کالج کی تعطیلات میں کسی کا رخانہ وغیرہ میں عارضی نوکری کے لئے نکل جاتے ہیں جسے وہاں

VACATION JOB کہتے ہیں۔ اس کے دوران مڑے ہوتے ہیں، ایک بڑے تعلیم کے ساتھ ان کو زندگی کا عملی تجربہ بھی ہوتا ہے اور خود کمانے کے باعث ان میں خود اعتمادی پیدا ہوتی ہے اور دوسرے یہ کہ والدین کو اس سے مدد پہنچتی ہے، امریکہ اور کنڈا میں سب سے زیادہ۔ نگ جس چیز کی ہے وہ لیبر یعنی مزدوری ہے، اس بنا پر مزدور کی قدر بھی زیادہ ہے، اس م کے وقت کسی شیر خوار بچہ کے دل ہاں کو کسی تقریب میں یا سینہ میں جانا ہے تو اس پاس کسی عورت کو بلا یا اور بچہ اُس کے سر پر رکھ کے چسے گئے، دونوں واپس آئے، اور عورت دو تیس ڈالر جیب میں ڈال گھری ہوئی۔

رستہ راہوں میں جو لوگ (مرد کم اور عورتیں زیادہ) کھانا کھاتے ہیں سینہ گھروں، کمرے اور جو عورتیں

صرف اور کٹ رکھنے کا کام کرتی ہیں، اور اسی طرح جو لڑکیاں بڑی بڑی دکانوں پر سیلین کا کام کرتی ہیں، ان میں صرف غریب طبقہ کی عورتیں نہیں ہوتیں، بلکہ اچھے خالصے کھاتے پیتے گھروں کی بھی خواتین ہوتی ہیں تین چار گھنٹے اس طرح کام کرتی ہیں، درمیان چکیس ڈالر روزانہ کماتی ہیں، یہ سو بھائی بالکل غیر طبقاتی تر نہیں ہے، لیکن اس میں شبہ نہیں کہ یہاں صفتیت کے پردے زیادہ دیر اور موئے نہیں ہیں، کسی کی نف ہری ہیئت، وضع اور طور و طریق سے یہ پتہ چلانا مشکل ہے، کہ وہ میرے یا غریب، کسی کا رخاں کا مالک ہے یا اس کا ملازم، دونوں اگر ایک جگہ بیٹھے ہوں تب بھی ان میں تمیز کرنا مشکل ہے، میرے ہوٹل میں تین چار دن کے لئے ایک جوڑا آکر ٹھہرا ان کے ساتھ ان کا شو فر بھی تھا۔ میں نے دیکھا کہ میاں بیوی اور ان کا یہ شو فر تینوں ایک ہی میز پر بیٹھ کر ایک ساتھ شہ کرتے اور کھانا کھاتے تھے، اور آپس میں گفتگو بھی بے تکلفی سے کرتے تھے، پھر لباس بھی یکساں ہی تھا، ہمارے ہوٹل کا مالک میرے خیال میں تین چار ہزار ڈالر ماہانہ کی آمدنی سے کم کا ہرگز نہیں ہو گا، لیکن اس کے باوجود اس کا ایک بھائی کھانا پکاتا اور یہ خود کھانا کھاتا تھا، اور اوتار کے دن صبح سے شام تک بالکل مزدوروں کی طرح ملگ کر یہ پورے ہوٹل کی صفائی کرتے تھے۔

مولانا عبدالرشید صاحب عثمانی

مولانا سید عبدالرحمن صاحب سبیل

مکمل لغات القرآن (۶ جلدیں میں) مؤلف:

اُردو زبان میں لغت قرآن کے موضوع پر ایک جامع مکمل اور مستند کتاب، ایک مدرس سے کتاب کو پڑھ کر قرآن مجید کا بہترین درس دے سکتا ہے، دریک عام اُردو خوان قرآن شریف کا ترجمہ بہت اچھی طرح کر سکتا ہے، درس کے مضامین کو بخوبی سمجھ سکتا ہے، نہایت قرآن کے ساتھ ہی افراط قرآن کی ایک مکمل فہرست دیدی گئی ہے جس سے ایک لفظ کو دیکھ کر تمام نفلوں کے حوالے بڑی سہولت سے نکالے جاسکتے ہیں۔

جلد چہارم: ص ۳۸۶ قیمت ۶/۵ مجلد ۷

جلد اول: ص ۳۳۴ قیمت ۵/۵ مجلد ۶

جلد پنجم: ص ۵۰۰ قیمت ۶/۵ مجلد ۵

جلد دوم: ص ۳۳۰ قیمت ۵/۵ مجلد ۶

جلد ششم: ص ۳۲۶ قیمت ۴/۵ مجلد ۵

جلد سوم: ص ۳۰۸ قیمت ۴/۵ مجلد ۵

پوری کتاب کے مجموعی صفحات ۲۱۸۴ بڑی تقطیع قیمت ۳۱/۵۰ مجلد ۵

مکمل جہ برہان اردو بازار احمدیہ مدرسہ جدید دہلی

قسط پانزدہم۔

تیسرے کا سیاری اور سماجی ماحول

جناب ڈاکٹر محمد عمر صاحب استاذ جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی

(سلسلہ کے لئے دیکھئے برہان اگست ۱۹۶۲ء)

بکرید یا عید الفصحی | اُس دن بادشاہ عید گاہ پر اونٹ کی قربانی کرتا تھا، عید الفصحی طرح اس دن بھی لوگ سچ دھج کر عید گاہ کو نماز ادا کرنے کے لئے جاتے تھے، نماز کے بعد گلے شہ اور واپس آ کر گھروں میں قربانیاں کرتے۔ بادشاہ کا دربار عام ہوتا، رقص و سرود کی محفلیں منعقد ہوتی تھیں، اندریں پیش کی جاتیں، تہنیت نامے پڑھے جتے اور مبارک باد دی جاتی۔

عیدین سے متعلق تیسرے کے اشعار میں حفظ ہوں :-

عید آمدہ تک رہے گا گلا ۛ ہو چکی عید تو گلے نہ ملا
گلے مل عید قرباں کو سمجھوں کے ۛ ہمارا آہ ! تم کا ٹو گلا مت
اب عید بھی بغیر ملے اس کے ہے دہ ۛ رہتا تھا جو ہماریے گلے ہی لگا ہمیش
کرتے ہیں پس از سالے دل شاد گلے لگ کر ۛ سو تیرہ دن اب بھی اب ترک ہے عبدوں کا
گلے روز سے اب دید داد دید ہے ۛ گلے سے ہمارے ہو عید ہے

محرم | مسلمانوں کا تیسرا سال محرم کی پہلی تاریخ سے شروع ہوتا ہے، لہذا یہ خوشی کا موقع ہوتا ہے تھا، مگر

ملہ برائے تفصیل، ناظرین متنبہ رہیں۔ ص ۷۷، ۷۹، ۸۲، ۸۸، ۸۳، ۸۵، ۸۶، ۹۰، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲

واقعہ کربلا نے اس ماہ کو عام طور پر پسند نوں کے لئے اور بالخصوص شیعہ حضرات کے لئے غم و اندوہ کے مہینہ میں تبدیل کر دیا۔ بقول ڈونلڈسن "شیعوں کے تمام رسوم و رواج میں محرم اپنی نمایاں اہمیت رکھتا ہے۔ یہ باوجودیکہ محل بادشاہ سستی تھے مگر انہوں نے اس رسم کی ادائیگی پر کسی قسم کی پابندی سبھی کی نہیں کی تھی۔ اپنے سخت مذہبی رجحانات کے تحت اور رنگ زیب نے حالاں کہ اپنے تمام ملک محرومہ میں محرم کے جشن پر پابندی لگادی تھی۔ مگر اس کی وفات کے بعد شمالی ہندوستان میں یہ رسم بطور پر اور دربار مغلیہ میں خاص طور پر شیعوں کا اقتدار بڑھ جانے کی وجہ سے ہر سال محرم کا جشن بڑے جوش و خروش سے منایا جاتا تھا۔" ۱

۱۹۳۷ء تک اسی دھوم دھام سے ہندوستان میں محرم کا جشن منایا جاتا تھا، مگر اس کے جشن میں وہ بات باقی نہیں رہی، چوں کہ حالات سازگار نہیں رہے، کھنوی کی مو ثمرت کے ضمن میں تعزیر داری کا تفصیلی ذکر آئے گا۔

محرم اور اس سے متعلقہ رسموں سے شیعہ حضرات کی عقیدہ مندی اور ادائیگی کا بخوبی اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے جو حضرت مرزا مظہر جان جاناں شہید کے ساتھ پیش آیا۔ ساتویں محرم کو شدے نکالے جاتے تھے، خاص و عام اُن کا بہت احترام کرتے تھے اور چوں کہ مرزا مظہر جان جاناں تعزیر داری کو بخوبی سمجھتے تھے، اور انہوں نے شدوں کے احترام کے لئے کثرت ہونا من سب نہ سمجھ پاتا انہیں شیعہ حضرات نے شہید کر دیا تھا، مرزا علی سلطان نے اس واقعہ کا تبصیر بیان کی ہے یہ:

"کہتے ہیں بہتم روزِ شورو کرب بامیہ اپنے گھر میں سر راہ بیٹھے تھے، اور کوئی سردار مدبولہ کو بھی آیا ہوا تھا، سڑے اُن کی حادثات کے، کہنا گدگد شدوں کا اُن کے زیرِ بام۔ ہوا، اُس روپیے نے کھڑے ہو کر سینہ زدن شروع کر دیا، اور مولف سردار سے ہو کر میرزا کے مذکور جس طرح بیٹھے تھے اسی طرح بیٹھے رہے، بعد تبستم ہو کے فرار نے گئے کہ رورہ سو برس جس مقصد کے کو ہو چکے ہوں ہر سال سے زیادہ کرنا کیا پخت ہے، اور مریوں کو سدم و تسلیم کرنا نہایت

۱ DONALDSON: THE SHIITE RELIGION (LONDON, 1933) P 277

THE SHIA OF INDIA (LONDON, 1933) P 164

MUIR: ANNALS OF THE EARLY CALIPHATE.

۲۱۰۰ سنہ ۱۱۰۰ھ میں - - - - - (کافی) ۲۳ - ۱۱۰۳ - ۱۱۰۴ - ۱۱۰۵ - ۱۱۰۶ - ۱۱۰۷ - ۱۱۰۸ - ۱۱۰۹ - ۱۱۱۰ - ۱۱۱۱ - ۱۱۱۲ - ۱۱۱۳ - ۱۱۱۴ - ۱۱۱۵ - ۱۱۱۶ - ۱۱۱۷ - ۱۱۱۸ - ۱۱۱۹ - ۱۱۲۰ - ۱۱۲۱ - ۱۱۲۲ - ۱۱۲۳ - ۱۱۲۴ - ۱۱۲۵ - ۱۱۲۶ - ۱۱۲۷ - ۱۱۲۸ - ۱۱۲۹ - ۱۱۳۰ - ۱۱۳۱ - ۱۱۳۲ - ۱۱۳۳ - ۱۱۳۴ - ۱۱۳۵ - ۱۱۳۶ - ۱۱۳۷ - ۱۱۳۸ - ۱۱۳۹ - ۱۱۴۰ - ۱۱۴۱ - ۱۱۴۲ - ۱۱۴۳ - ۱۱۴۴ - ۱۱۴۵ - ۱۱۴۶ - ۱۱۴۷ - ۱۱۴۸ - ۱۱۴۹ - ۱۱۵۰ - ۱۱۵۱ - ۱۱۵۲ - ۱۱۵۳ - ۱۱۵۴ - ۱۱۵۵ - ۱۱۵۶ - ۱۱۵۷ - ۱۱۵۸ - ۱۱۵۹ - ۱۱۶۰ - ۱۱۶۱ - ۱۱۶۲ - ۱۱۶۳ - ۱۱۶۴ - ۱۱۶۵ - ۱۱۶۶ - ۱۱۶۷ - ۱۱۶۸ - ۱۱۶۹ - ۱۱۷۰ - ۱۱۷۱ - ۱۱۷۲ - ۱۱۷۳ - ۱۱۷۴ - ۱۱۷۵ - ۱۱۷۶ - ۱۱۷۷ - ۱۱۷۸ - ۱۱۷۹ - ۱۱۸۰ - ۱۱۸۱ - ۱۱۸۲ - ۱۱۸۳ - ۱۱۸۴ - ۱۱۸۵ - ۱۱۸۶ - ۱۱۸۷ - ۱۱۸۸ - ۱۱۸۹ - ۱۱۹۰ - ۱۱۹۱ - ۱۱۹۲ - ۱۱۹۳ - ۱۱۹۴ - ۱۱۹۵ - ۱۱۹۶ - ۱۱۹۷ - ۱۱۹۸ - ۱۱۹۹ - ۱۲۰۰ - ۱۲۰۱ - ۱۲۰۲ - ۱۲۰۳ - ۱۲۰۴ - ۱۲۰۵ - ۱۲۰۶ - ۱۲۰۷ - ۱۲۰۸ - ۱۲۰۹ - ۱۲۱۰ - ۱۲۱۱ - ۱۲۱۲ - ۱۲۱۳ - ۱۲۱۴ - ۱۲۱۵ - ۱۲۱۶ - ۱۲۱۷ - ۱۲۱۸ - ۱۲۱۹ - ۱۲۲۰ - ۱۲۲۱ - ۱۲۲۲ - ۱۲۲۳ - ۱۲۲۴ - ۱۲۲۵ - ۱۲۲۶ - ۱۲۲۷ - ۱۲۲۸ - ۱۲۲۹ - ۱۲۳۰ - ۱۲۳۱ - ۱۲۳۲ - ۱۲۳۳ - ۱۲۳۴ - ۱۲۳۵ - ۱۲۳۶ - ۱۲۳۷ - ۱۲۳۸ - ۱۲۳۹ - ۱۲۴۰ - ۱۲۴۱ - ۱۲۴۲ - ۱۲۴۳ - ۱۲۴۴ - ۱۲۴۵ - ۱۲۴۶ - ۱۲۴۷ - ۱۲۴۸ - ۱۲۴۹ - ۱۲۵۰ - ۱۲۵۱ - ۱۲۵۲ - ۱۲۵۳ - ۱۲۵۴ - ۱۲۵۵ - ۱۲۵۶ - ۱۲۵۷ - ۱۲۵۸ - ۱۲۵۹ - ۱۲۶۰ - ۱۲۶۱ - ۱۲۶۲ - ۱۲۶۳ - ۱۲۶۴ - ۱۲۶۵ - ۱۲۶۶ - ۱۲۶۷ - ۱۲۶۸ - ۱۲۶۹ - ۱۲۷۰ - ۱۲۷۱ - ۱۲۷۲ - ۱۲۷۳ - ۱۲۷۴ - ۱۲۷۵ - ۱۲۷۶ - ۱۲۷۷ - ۱۲۷۸ - ۱۲۷۹ - ۱۲۸۰ - ۱۲۸۱ - ۱۲۸۲ - ۱۲۸۳ - ۱۲۸۴ - ۱۲۸۵ - ۱۲۸۶ - ۱۲۸۷ - ۱۲۸۸ - ۱۲۸۹ - ۱۲۹۰ - ۱۲۹۱ - ۱۲۹۲ - ۱۲۹۳ - ۱۲۹۴ - ۱۲۹۵ - ۱۲۹۶ - ۱۲۹۷ - ۱۲۹۸ - ۱۲۹۹ - ۱۳۰۰ - ۱۳۰۱ - ۱۳۰۲ - ۱۳۰۳ - ۱۳۰۴ - ۱۳۰۵ - ۱۳۰۶ - ۱۳۰۷ - ۱۳۰۸ - ۱۳۰۹ - ۱۳۱۰ - ۱۳۱۱ - ۱۳۱۲ - ۱۳۱۳ - ۱۳۱۴ - ۱۳۱۵ - ۱۳۱۶ - ۱۳۱۷ - ۱۳۱۸ - ۱۳۱۹ - ۱۳۲۰ - ۱۳۲۱ - ۱۳۲۲ - ۱۳۲۳ - ۱۳۲۴ - ۱۳۲۵ - ۱۳۲۶ - ۱۳۲۷ - ۱۳۲۸ - ۱۳۲۹ - ۱۳۳۰ - ۱۳۳۱ - ۱۳۳۲ - ۱۳۳۳ - ۱۳۳۴ - ۱۳۳۵ - ۱۳۳۶ - ۱۳۳۷ - ۱۳۳۸ - ۱۳۳۹ - ۱۳۴۰ - ۱۳۴۱ - ۱۳۴۲ - ۱۳۴۳ - ۱۳۴۴ - ۱۳۴۵ - ۱۳۴۶ - ۱۳۴۷ - ۱۳۴۸ - ۱۳۴۹ - ۱۳۵۰ - ۱۳۵۱ - ۱۳۵۲ - ۱۳۵۳ - ۱۳۵۴ - ۱۳۵۵ - ۱۳۵۶ - ۱۳۵۷ - ۱۳۵۸ - ۱۳۵۹ - ۱۳۶۰ - ۱۳۶۱ - ۱۳۶۲ - ۱۳۶۳ - ۱۳۶۴ - ۱۳۶۵ - ۱۳۶۶ - ۱۳۶۷ - ۱۳۶۸ - ۱۳۶۹ - ۱۳۷۰ - ۱۳۷۱ - ۱۳۷۲ - ۱۳۷۳ - ۱۳۷۴ - ۱۳۷۵ - ۱۳۷۶ - ۱۳۷۷ - ۱۳۷۸ - ۱۳۷۹ - ۱۳۸۰ - ۱۳۸۱ - ۱۳۸۲ - ۱۳۸۳ - ۱۳۸۴ - ۱۳۸۵ - ۱۳۸۶ - ۱۳۸۷ - ۱۳۸۸ - ۱۳۸۹ - ۱۳۹۰ - ۱۳۹۱ - ۱۳۹۲ - ۱۳۹۳ - ۱۳۹۴ - ۱۳۹۵ - ۱۳۹۶ - ۱۳۹۷ - ۱۳۹۸ - ۱۳۹۹ - ۱۴۰۰ - ۱۴۰۱ - ۱۴۰۲ - ۱۴۰۳ - ۱۴۰۴ - ۱۴۰۵ - ۱۴۰۶ - ۱۴۰۷ - ۱۴۰۸ - ۱۴۰۹ - ۱۴۱۰ - ۱۴۱۱ - ۱۴۱۲ - ۱۴۱۳ - ۱۴۱۴ - ۱۴۱۵ - ۱۴۱۶ - ۱۴۱۷ - ۱۴۱۸ - ۱۴۱۹ - ۱۴۲۰ - ۱۴۲۱ - ۱۴۲۲ - ۱۴۲۳ - ۱۴۲۴ - ۱۴۲۵ - ۱۴۲۶ - ۱۴۲۷ - ۱۴۲۸ - ۱۴۲۹ - ۱۴۳۰ - ۱۴۳۱ - ۱۴۳۲ - ۱۴۳۳ - ۱۴۳۴ - ۱۴۳۵ - ۱۴۳۶ - ۱۴۳۷ - ۱۴۳۸ - ۱۴۳۹ - ۱۴۴۰ - ۱۴۴۱ - ۱۴۴۲ - ۱۴۴۳ - ۱۴۴۴ - ۱۴۴۵ - ۱۴۴۶ - ۱۴۴۷ - ۱۴۴۸ - ۱۴۴۹ - ۱۴۵۰ - ۱۴۵۱ - ۱۴۵۲ - ۱۴۵۳ - ۱۴۵۴ - ۱۴۵۵ - ۱۴۵۶ - ۱۴۵۷ - ۱۴۵۸ - ۱۴۵۹ - ۱۴۶۰ - ۱۴۶۱ - ۱۴۶۲ - ۱۴۶۳ - ۱۴۶۴ - ۱۴۶۵ - ۱۴۶۶ - ۱۴۶۷ - ۱۴۶۸ - ۱۴۶۹ - ۱۴۷۰ - ۱۴۷۱ - ۱۴۷۲ - ۱۴۷۳ - ۱۴۷۴ - ۱۴۷۵ - ۱۴۷۶ - ۱۴۷۷ - ۱۴۷۸ - ۱۴۷۹ - ۱۴۸۰ - ۱۴۸۱ - ۱۴۸۲ - ۱۴۸۳ - ۱۴۸۴ - ۱۴۸۵ - ۱۴۸۶ - ۱۴۸۷ - ۱۴۸۸ - ۱۴۸۹ - ۱۴۹۰ - ۱۴۹۱ - ۱۴۹۲ - ۱۴۹۳ - ۱۴۹۴ - ۱۴۹۵ - ۱۴۹۶ - ۱۴۹۷ - ۱۴۹۸ - ۱۴۹۹ - ۱۵۰۰ - ۱۵۰۱ - ۱۵۰۲ - ۱۵۰۳ - ۱۵۰۴ - ۱۵۰۵ - ۱۵۰۶ - ۱۵۰۷ - ۱۵۰۸ - ۱۵۰۹ - ۱۵۱۰ - ۱۵۱۱ - ۱۵۱۲ - ۱۵۱۳ - ۱۵۱۴ - ۱۵۱۵ - ۱۵۱۶ - ۱۵۱۷ - ۱۵۱۸ - ۱۵۱۹ - ۱۵۲۰ - ۱۵۲۱ - ۱۵۲۲ - ۱۵۲۳ - ۱۵۲۴ - ۱۵۲۵ - ۱۵۲۶ - ۱۵۲۷ - ۱۵۲۸ - ۱۵۲۹ - ۱۵۳۰ - ۱۵۳۱ - ۱۵۳۲ - ۱۵۳۳ - ۱۵۳۴ - ۱۵۳۵ - ۱۵۳۶ - ۱۵۳۷ - ۱۵۳۸ - ۱۵۳۹ - ۱۵۴۰ - ۱۵۴۱ - ۱۵۴۲ - ۱۵۴۳ - ۱۵۴۴ - ۱۵۴۵ - ۱۵۴۶ - ۱۵۴۷ - ۱۵۴۸ - ۱۵۴۹ - ۱۵۵۰ - ۱۵۵۱ - ۱۵۵۲ - ۱۵۵۳ - ۱۵۵۴ - ۱۵۵۵ - ۱۵۵۶ - ۱۵۵۷ - ۱۵۵۸ - ۱۵۵۹ - ۱۵۶۰ - ۱۵۶۱ - ۱۵۶۲ - ۱۵۶۳ - ۱۵۶۴ - ۱۵۶۵ - ۱۵۶۶ - ۱۵۶۷ - ۱۵۶۸ - ۱۵۶۹ - ۱۵۷۰ - ۱۵۷۱ - ۱۵۷۲ - ۱۵۷۳ - ۱۵۷۴ - ۱۵۷۵ - ۱۵۷۶ - ۱۵۷۷ - ۱۵۷۸ - ۱۵۷۹ - ۱۵۸۰ - ۱۵۸۱ - ۱۵۸۲ - ۱۵۸۳ - ۱۵۸۴ - ۱۵۸۵ - ۱۵۸۶ - ۱۵۸۷ - ۱۵۸۸ - ۱۵۸۹ - ۱۵۹۰ - ۱۵۹۱ - ۱۵۹۲ - ۱۵۹۳ - ۱۵۹۴ - ۱۵۹۵ - ۱۵۹۶ - ۱۵۹۷ - ۱۵۹۸ - ۱۵۹۹ - ۱۶۰۰ - ۱۶۰۱ - ۱۶۰۲ - ۱۶۰۳ - ۱۶۰۴ - ۱۶۰۵ - ۱۶۰۶ - ۱۶۰۷ - ۱۶۰۸ - ۱۶۰۹ - ۱۶۱۰ - ۱۶۱۱ - ۱۶۱۲ - ۱۶۱۳ - ۱۶۱۴ - ۱۶۱۵ - ۱۶۱۶ - ۱۶۱۷ - ۱۶۱۸ - ۱۶۱۹ - ۱۶۲۰ - ۱۶۲۱ - ۱۶۲۲ - ۱۶۲۳ - ۱۶۲۴ - ۱۶۲۵ - ۱۶۲۶ - ۱۶۲۷ - ۱۶۲۸ - ۱۶۲۹ - ۱۶۳۰ - ۱۶۳۱ - ۱۶۳۲ - ۱۶۳۳ - ۱۶۳۴ - ۱۶۳۵ - ۱۶۳۶ - ۱۶۳۷ - ۱۶۳۸ - ۱۶۳۹ - ۱۶۴۰ - ۱۶۴۱ - ۱۶۴۲ - ۱۶۴۳ - ۱۶۴۴ - ۱۶۴۵ - ۱۶۴۶ - ۱۶۴۷ - ۱۶۴۸ - ۱۶۴۹ - ۱۶۵۰ - ۱۶۵۱ - ۱۶۵۲ - ۱۶۵۳ - ۱۶۵۴ - ۱۶۵۵ - ۱۶۵۶ - ۱۶۵۷ - ۱۶۵۸ - ۱۶۵۹ - ۱۶۶۰ - ۱۶۶۱ - ۱۶۶۲ - ۱۶۶۳ - ۱۶۶۴ - ۱۶۶۵ - ۱۶۶۶ - ۱۶۶۷ - ۱۶۶۸ - ۱۶۶۹ - ۱۶۷۰ - ۱۶۷۱ - ۱۶۷۲ - ۱۶۷۳ - ۱۶۷۴ - ۱۶۷۵ - ۱۶۷۶ - ۱۶۷۷ - ۱۶۷۸ - ۱۶۷۹ - ۱۶۸۰ - ۱۶۸۱ - ۱۶۸۲ - ۱۶۸۳ - ۱۶۸۴ - ۱۶۸۵ - ۱۶۸۶ - ۱۶۸۷ - ۱۶۸۸ - ۱۶۸۹ - ۱۶۹۰ - ۱۶۹۱ - ۱۶۹۲ - ۱۶۹۳ - ۱۶۹۴ - ۱۶۹۵ - ۱۶۹۶ - ۱۶۹۷ - ۱۶۹۸ - ۱۶۹۹ - ۱۷۰۰ - ۱۷۰۱ - ۱۷۰۲ - ۱۷۰۳ - ۱۷۰۴ - ۱۷۰۵ - ۱۷۰۶ - ۱۷۰۷ - ۱۷۰۸ - ۱۷۰۹ - ۱۷۱۰ - ۱۷۱۱ - ۱۷۱۲ - ۱۷۱۳ - ۱۷۱۴ - ۱۷۱۵ - ۱۷۱۶ - ۱۷۱۷ - ۱۷۱۸ - ۱۷۱۹ - ۱۷۲۰ - ۱۷۲۱ - ۱۷۲۲ - ۱۷۲۳ - ۱۷۲۴ - ۱۷۲۵ - ۱۷۲۶ - ۱۷۲۷ - ۱۷۲۸ - ۱۷۲۹ - ۱۷۳۰ - ۱۷۳۱ - ۱۷۳۲ - ۱۷۳۳ - ۱۷۳۴ - ۱۷۳۵ - ۱۷۳۶ - ۱۷۳۷ - ۱۷۳۸ - ۱۷۳۹ - ۱۷۴۰ - ۱۷۴۱ - ۱۷۴۲ - ۱۷۴۳ - ۱۷۴۴ - ۱۷۴۵ - ۱۷۴۶ - ۱۷۴۷ - ۱۷۴۸ - ۱۷۴۹ - ۱۷۵۰ - ۱۷۵۱ - ۱۷۵۲ - ۱۷۵۳ - ۱۷۵۴ - ۱۷۵۵ - ۱۷۵۶ - ۱۷۵۷ - ۱۷۵۸ - ۱۷۵۹ - ۱۷۶۰ - ۱۷۶۱ - ۱۷۶۲ - ۱۷۶۳ - ۱۷۶۴ - ۱۷۶۵ - ۱۷۶۶ - ۱۷۶۷ - ۱۷۶۸ - ۱۷۶۹ - ۱۷۷۰ - ۱۷۷۱ - ۱۷۷۲ - ۱۷۷۳ - ۱۷۷۴ - ۱۷۷۵ - ۱۷۷۶ - ۱۷۷۷ - ۱۷۷۸ - ۱۷۷۹ - ۱۷۸۰ - ۱۷۸۱ - ۱۷۸۲ - ۱۷۸۳ - ۱۷۸۴ - ۱۷۸۵ - ۱۷۸۶ - ۱۷۸۷ - ۱۷۸۸ - ۱۷۸۹ - ۱۷۹۰ - ۱۷۹۱ - ۱۷۹۲ - ۱۷۹۳ - ۱۷۹۴ - ۱۷۹۵ - ۱۷۹۶ - ۱۷۹۷ - ۱۷۹۸ - ۱۷۹۹ - ۱۸۰۰ - ۱۸۰۱ - ۱۸۰۲ - ۱۸۰۳ - ۱۸۰۴ - ۱۸۰۵ - ۱۸۰۶ - ۱۸۰۷ - ۱۸۰۸ - ۱۸۰۹ - ۱۸۱۰ - ۱۸۱۱ - ۱۸۱۲ - ۱۸۱۳ - ۱۸۱۴ - ۱۸۱۵ - ۱۸۱۶ - ۱۸۱۷ - ۱۸۱۸ - ۱۸۱۹ - ۱۸۲۰ - ۱۸۲۱ - ۱۸۲۲ - ۱۸۲۳ - ۱۸۲۴ - ۱۸۲۵ - ۱۸۲۶ - ۱۸۲۷ - ۱۸۲۸ - ۱۸۲۹ - ۱۸۳۰ - ۱۸۳۱ - ۱۸۳۲ - ۱۸۳۳ - ۱۸۳۴ - ۱۸۳۵ - ۱۸۳۶ - ۱۸۳۷ - ۱۸۳۸ - ۱۸۳۹ - ۱۸۴۰ - ۱۸۴۱ - ۱۸۴۲ - ۱۸۴۳ - ۱۸۴۴ - ۱۸۴۵ - ۱۸۴۶ - ۱۸۴۷ - ۱۸۴۸ - ۱۸۴۹ - ۱۸۵۰ - ۱۸۵۱ - ۱۸۵۲ - ۱۸۵۳ - ۱۸۵۴ - ۱۸۵۵ - ۱۸۵۶ - ۱۸۵۷ - ۱۸۵۸ - ۱۸۵۹ - ۱۸۶۰ - ۱۸۶۱ - ۱۸۶۲ - ۱۸۶۳ - ۱۸۶۴ - ۱۸۶۵ - ۱۸۶۶ - ۱۸۶۷ - ۱۸۶۸ - ۱۸۶۹ - ۱۸۷۰ - ۱۸۷۱ - ۱۸۷۲ - ۱۸۷۳ - ۱۸۷۴ - ۱۸۷۵ - ۱۸۷۶ - ۱۸۷۷ - ۱۸۷۸ - ۱۸۷۹ - ۱۸۸۰ - ۱۸۸۱ - ۱۸۸۲ - ۱۸۸۳ - ۱۸۸۴ - ۱۸۸۵ - ۱۸۸۶ - ۱۸۸۷ - ۱۸۸۸ - ۱۸۸۹ - ۱۸۹۰ - ۱۸۹۱ - ۱۸۹۲ - ۱۸۹۳ - ۱۸۹۴ - ۱۸۹۵ - ۱۸۹۶ - ۱۸۹۷ - ۱۸۹۸ - ۱۸۹۹ - ۱۹۰۰ - ۱۹۰۱ - ۱۹۰۲ - ۱۹۰۳ - ۱۹۰۴ - ۱۹۰۵ - ۱۹۰۶ - ۱۹۰۷ - ۱۹۰۸ - ۱۹۰۹ - ۱۹۱۰ - ۱۹۱۱ - ۱۹۱۲ - ۱۹۱۳ - ۱۹۱۴ - ۱۹۱۵ - ۱۹۱۶ - ۱۹۱۷ - ۱۹۱۸ - ۱۹۱۹ - ۱۹۲۰ - ۱۹۲۱ - ۱۹۲۲ - ۱۹۲۳ - ۱۹۲۴ - ۱۹۲۵ - ۱۹۲۶ - ۱۹۲۷ - ۱۹۲۸ - ۱۹۲۹ - ۱۹۳۰ - ۱۹۳۱ - ۱۹۳۲ - ۱۹۳۳ - ۱۹۳۴ - ۱۹۳۵ - ۱۹۳۶ - ۱۹۳۷ - ۱۹۳۸ - ۱۹۳۹ - ۱۹۴۰ - ۱۹۴۱ - ۱۹۴۲ - ۱۹۴۳ - ۱۹۴۴ - ۱۹۴۵ - ۱۹۴۶ - ۱۹۴۷ - ۱۹۴۸ - ۱۹۴۹ - ۱۹۵۰ - ۱۹۵۱ - ۱۹۵۲ - ۱۹۵۳ - ۱۹۵۴ - ۱۹۵۵ - ۱۹۵۶ - ۱۹۵۷ - ۱۹۵۸ - ۱۹۵۹ - ۱۹۶۰ - ۱۹۶۱ - ۱۹۶۲ - ۱۹۶۳ - ۱۹۶۴ - ۱۹۶۵ - ۱۹۶۶ - ۱۹۶۷ - ۱۹۶۸ - ۱۹۶۹ - ۱۹۷۰ - ۱۹۷۱ - ۱۹۷۲ - ۱۹۷۳ - ۱۹۷۴ - ۱۹۷۵ - ۱۹۷۶ - ۱۹۷۷ - ۱۹۷۸ - ۱۹۷۹ - ۱۹۸۰ - ۱۹۸۱ - ۱۹۸۲ - ۱۹۸۳ - ۱۹۸۴ - ۱۹۸۵ - ۱۹۸۶ - ۱۹۸۷ - ۱۹۸۸ - ۱۹۸۹ - ۱۹۹۰ - ۱۹۹۱ - ۱۹۹۲ - ۱۹۹۳ - ۱۹۹۴ - ۱۹۹۵ - ۱۹۹۶ - ۱۹۹۷ - ۱۹۹۸ - ۱۹۹۹ - ۲۰۰۰ - ۲۰۰۱ - ۲۰۰۲ - ۲۰۰۳ - ۲۰۰۴ - ۲۰۰۵ - ۲۰۰۶ - ۲۰۰۷ - ۲۰۰۸ - ۲۰۰۹ - ۲۰۱۰ - ۲۰۱۱ - ۲۰۱۲ - ۲۰۱۳ - ۲۰۱۴ - ۲۰۱۵ - ۲۰۱۶ - ۲۰۱۷ - ۲۰۱۸ - ۲۰۱۹ - ۲۰۲۰ - ۲۰۲۱ - ۲۰۲۲ - ۲۰۲۳ - ۲۰۲۴ - ۲۰۲۵ - ۲۰۲۶ - ۲۰۲۷ - ۲۰۲۸ - ۲۰۲۹ - ۲۰۳۰ - ۲۰۳۱ - ۲۰۳۲ - ۲۰۳۳ - ۲۰۳۴ - ۲۰۳۵ - ۲۰۳۶ - ۲۰۳۷ - ۲۰۳۸ - ۲۰۳۹ - ۲۰۴۰ - ۲۰۴۱ - ۲۰۴۲ - ۲۰۴۳ - ۲۰۴۴ - ۲۰۴۵ - ۲۰۴۶ - ۲۰۴۷ - ۲۰۴۸ - ۲۰۴۹ - ۲۰۵۰ - ۲۰۵۱ - ۲۰۵۲ - ۲۰۵۳ - ۲۰۵۴ - ۲۰۵۵ - ۲۰۵۶ - ۲۰۵۷ - ۲۰۵۸ - ۲۰۵۹ - ۲۰۶۰ - ۲۰۶۱ - ۲۰۶۲ - ۲۰۶۳ - ۲۰۶۴ - ۲۰۶۵ - ۲۰۶۶ - ۲۰۶۷ - ۲۰۶۸ - ۲۰۶۹ - ۲۰۷۰ - ۲۰۷۱ - ۲۰۷۲ - ۲۰۷۳ - ۲۰۷۴ - ۲۰۷۵ - ۲۰۷۶ - ۲۰۷۷ - ۲۰۷۸ - ۲۰۷۹ - ۲۰۸۰ - ۲۰۸۱ - ۲۰۸۲ - ۲۰۸۳ - ۲۰۸۴ - ۲۰۸۵ - ۲۰۸۶ - ۲۰۸۷ - ۲۰۸۸ - ۲۰۸۹ - ۲۰۹۰ - ۲۰۹۱ - ۲۰۹۲ - ۲۰۹۳ - ۲۰۹۴ - ۲۰۹۵ - ۲۰۹۶ - ۲۰۹۷ - ۲۰۹۸ - ۲۰۹۹ - ۲۱۰۰ - ۲۱۰۱ - ۲۱۰۲ - ۲۱۰۳ - ۲۱۰۴ - ۲۱۰۵ - ۲۱۰۶ - ۲۱۰۷ - ۲۱۰۸ - ۲۱۰۹ - ۲۱۱۰ - ۲۱۱۱ - ۲۱۱۲ - ۲۱۱۳ - ۲۱۱۴ - ۲۱۱۵ - ۲۱۱۶ - ۲۱۱۷ - ۲۱۱۸ - ۲۱۱۹ - ۲۱۲۰ - ۲۱۲۱ - ۲۱۲۲ - ۲۱۲۳ - ۲۱۲۴ - ۲۱۲۵ - ۲۱۲۶ - ۲۱۲۷ - ۲۱۲۸ - ۲۱۲۹ - ۲۱۳۰ - ۲۱۳۱ - ۲۱۳۲ - ۲۱۳۳ - ۲۱۳۴ - ۲۱۳۵ - ۲۱۳۶ - ۲۱۳۷ - ۲۱۳۸ - ۲۱۳۹ - ۲۱۴۰ - ۲۱۴۱ - ۲۱۴۲ - ۲۱۴۳ - ۲۱۴۴ - ۲۱۴۵ - ۲۱۴۶ - ۲۱۴۷ - ۲۱۴۸ - ۲۱۴۹ - ۲۱۵۰ - ۲۱۵۱ - ۲۱۵۲ - ۲۱۵۳ - ۲۱۵۴ - ۲۱۵۵ - ۲۱۵۶ - ۲۱۵۷ - ۲۱۵۸ - ۲۱۵۹ - ۲۱۶۰ - ۲۱۶۱ - ۲۱۶۲ - ۲۱۶۳ - ۲۱۶۴ - ۲۱۶۵ - ۲۱۶۶ - ۲۱۶۷ - ۲۱۶۸ - ۲۱۶۹ - ۲۱۷۰ - ۲۱۷۱ - ۲۱۷۲ - ۲۱۷۳ - ۲۱۷۴ - ۲۱۷۵ - ۲۱۷۶ - ۲۱۷۷ - ۲۱۷۸ - ۲۱۷۹ - ۲۱۸۰ - ۲۱۸۱ - ۲۱۸۲ - ۲۱۸۳ - ۲۱۸۴ - ۲۱۸۵ - ۲۱۸۶ - ۲۱۸۷ - ۲۱۸۸ - ۲۱۸۹ - ۲۱۹۰ - ۲۱۹۱ - ۲۱۹۲ - ۲۱۹۳ - ۲۱۹۴ - ۲۱۹۵ - ۲۱۹۶ - ۲۱۹۷ - ۲۱۹۸ - ۲۱۹۹ - ۲۲۰۰ - ۲۲۰۱ - ۲۲۰۲ - ۲۲۰۳ - ۲۲۰۴ - ۲۲۰۵ - ۲۲۰۶ - ۲۲۰۷ - ۲۲۰۸ - ۲۲۰۹ - ۲۲۱۰ - ۲۲۱۱ - ۲۲۱۲ - ۲۲۱۳ - ۲۲۱۴ - ۲۲۱۵ - ۲۲۱۶ - ۲۲۱۷ - ۲۲۱۸ - ۲۲۱۹ - ۲۲۲۰ - ۲۲۲۱ - ۲۲۲۲ - ۲۲۲۳ - ۲۲۲۴ - ۲۲۲۵ - ۲۲۲۶ - ۲۲۲۷ - ۲۲۲۸ - ۲۲۲۹ - ۲۲۳۰ - ۲۲۳۱ - ۲۲۳۲ - ۲۲

عقل کی خفت ہے۔ یہ گفتگو بحسنہ وہ لوگ جو کہ علم اور شدوں کے ساتھ تھے، انہوں نے سنی اور تعصب کی مرزائے مذکور کے امام باڑوں میں اور محفلوں میں دو تین شب گفتگو رہی، آخر شب شہادت کو، کہ عبارت شب دہم عاشورہ سے ہے، کوئی شخص ان کے دروازے پر آیا اور ان کو باہر بلوایا۔ جب باہر آئے تو بے گفتگو ایک چوٹ طہنچے کی نذر کی، اور کام ان کا پورا کر کے نلوہ راہ اپنے گھر کی لی، سن بھی ان کا قریب سو برس کے تھا، لیکن استقلال طبیعت سے پھر اپنے تئیں کوٹھے کے اوپر پہنچایا۔ ۱۱۹۳ھ تھی کہ اُس روشن ساز مسائل صدیقی نے اور اُس معتقلہ پرواز احکام فاروقی نے اس آئینہ زنگار آلود دنیا سے منہ پھیر لیا اور سفر خلفائے راشدین کے منازل کے طریقت پر کیا۔ "عاش حمیداً مات شہیداً" سے تاریخِ دوات نکلتی ہے۔ ۱

محاسن مرثیہ خوانی | ماہِ محرم کے پہلے دس دنوں میں امام باڑوں میں مجلسیں منعقد ہوتی تھیں اور مرثیے پڑھے جاتے تھے جن میں شہدائے کربلا کا ذکر و مذکور ہوتا تھا، دہلی میں کئی ایسے امام باڑوں کا ذکر ملتا ہے، اکبر ثانی نے شاہِ مردان کے مزار کے قریب دہلی میں ایک امام بارگاہ تعمیر کروایا تھا جہاں ہر سال ماہِ محرم میں مسلمان اکٹھا ہوتے اور مرثیہ خوانی کیا کرتے تھے۔ ۲ موجودہ زمانے میں بھی شیخہ حضرات وہاں مجلسیں منعقد کرتے ہیں۔ ان امام باڑوں کے علاوہ دہلی کے بازاروں میں بھی کچھ مخصوص مقام تھے جہاں مقرر لوگ منبروں پر کھڑے ہو کر مناقبِ شہدائے کربلا بیان کرتے تھے۔ درگاہِ قلی خاں ان الفاظ میں چوکِ سعد اللہ خاں کا منظر پیش کرتا ہے۔ ۳

"روایانِ معتبر مثل اربابِ علم چندیں جا کر سی ہائے چوبین از قبیل منابر نصب کردہ مناسب ہر ماہ و ہر روز مثلاً در ماہِ رمضان المبارک فضائلِ سوم و در ذی الحجۃ احکامِ مناسک حج و عمرہ و در ماہِ محرم مقدماتِ روضۃ الشہداء یاد اے فصیح کردہ ذہن نشین عوام می کنند و ایں جماعت را بہ رقت می آرند و مبلغ معتد بہ باین تقریب تحصیل می نمایند" ۴

۱۔ گلشنِ ہند (لاہور) ص ۱۵۹-۱۶۰، اس سلسلہ میں مزید معلومات کے لئے ملاحظہ ہو۔ مقالاتِ مظہری۔ ص ۶۱۔

معلوماتِ مظہری۔ ص ۱۴۰۔ نتائجِ الافکار (قدرت اللہ گوپامی) ص ۶۴۵۔ عقیدہ ثریا۔ ص ۵۶۔

۳۔ مفتاح التواریخ۔ ص ۲۷۶۔ ۴۔ مرقعِ دہلی۔ ص ۱۵۔

اٹھارہویں صدی میں مرثیہ خوانی کا اتنا رواج ہو گیا تھا کہ اس نے ایک مستقل فن کی صورت اختیار کر لی تھی، اس زمانے میں سرزمینِ دہلی میں کئی مشہور و نامور مرثیہ خواں پیدا ہوئے اور انھوں نے فنِ مرثیہ خوانی کو نقطہٴ عروج پر پہنچا دیا، مثلاً جاوید خاں کے دیوان کا لڑا، مسکین، غمگین، حزن، فیض اللہ، شیخ سلطان، ابوتراب، مرزا ابراہیم، مرزا درویش، حسین، جانی حجام، اور محمد نعیم وغیرہ۔ سنی مسلمان بھی مرثیہ خوانی کی مجلسیں منعقد کرتے تھے، خواجہ میر درد کے ہاں بھی مجلس ہوتی تھی۔ اس زمانے میں اردو شاعری کے دیگر اصنافِ سخن کے علاوہ، جن کا ذکر بعد میں کیا جائے گا۔ مرثیہ نویسی کی صفت و رجبہ کمال پر پہنچ گئی تھی۔ حالاں کہ میر نے بھی مرثیے لکھے مگر سودا نے اس صنف کو جامعیت کے درجے تک پہنچا دیا۔

بقول اظفری حسن نامی ایک شخص ایران سے ہندوستان آیا تھا، وہ ٹڈہ مجلس سے مرثیے پڑھا کرتا تھا۔ میرا نامی کے بارے میں تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ بڑے جوش و خروش اور رقت آمیز لہجے میں مرثیے پڑھا کرتے تھے، چنانچہ مرثیہ پڑھتے ہی منبر پر ان کا انتقال ہو گیا تھا۔^۳ تعزیروں کے سامنے شربت، ریوڑی، الاچی دانہ اور ملیدہ رکھ کر فاتحہ ہوتی تھی، شہادت کی شب کو کوٹھڑوں میں حلو ا بھر کر عکوں کے سامنے رکھتے تھے اور دوسری صبح کو غرباء و مساکین میں وہ حلو تقسیم کیا جاتا تھا۔ عشرہ محرم میں پکا ہوا کھانا مسکینوں اور غریبوں میں تقسیم ہوتا تھا۔ ان رسومات کی ادائیگی میں سنی مسلمان اپنے شیو بھائیوں سے کسی طرح بھی پیچھے نہ رہتے تھے، حافظ رحمت خاں عشرہ محرم کا بہت احترام کرتا تھا۔

(باقی)

- ۱۔ مرقع دہلی ص ۵۲ - ۵۱ - دیگر مرثیہ خوانوں کے متعلق اُس زمانے کے تذکرہ شعراءِ اردو ملاحظہ ہوں،
 ۲۔ تذکرہ طبقات الشعراء ہند - ص ۸۱ - یہ کتاب اُسی زمانے میں لکھی گئی تھی اور زمانہ تصنیف ۱۱۴۶ھ ہے، اس کا ایک قلمی نسخہ یونین جرنل میں ہے۔ اس پر مگر نے کتب خانہ شاہانِ دہلی کی فہرست میں اس کا ذکر کیا ہے۔
 ۳۔ واقعاتِ اظفری - ص ۸۶ - ۵۵ تذکرہ شعراءِ اردو (حسین) ص ۵۱ -
 ۴۔ رسالہ تعزیر داری و شہادہ العزیز دہلی (نظمی) ص ۱۰ - ۱۲ - ۲۱ - ۲۲ - چہار گلزار شجاعی (ق) ص ۵۲۵ -
 ۵۔ واقعاتِ عالم شاہی - ص ۲۴ - کاشف الاستار (میر حمزہ) قلمی - ص ۳۶۸ -

مکمل لغت القرآن

(پچھ جلدوں میں)

قرآن کریم کے الفاظ کی شرح اور اس کے معانی و مطالب کے حل کرنے اور سمجھنے کے لئے اردو میں اس سے بہتر اور جامع کوئی لغت آج تک شائع نہیں ہوئی۔ اس عظیم الشان کتاب میں الفاظ قرآن کی مکمل اور دل پذیر شرح کے ساتھ تمام متعلقہ کجیوں کی تفصیل بھی ہے۔ ایک مدرس اس کتاب کو پڑھ کر قرآن مجید کا بہترین درس دے سکتا ہے اور ایک عام اردو خواں اس کے مطالعہ سے نہ صرف قرآن شریف کا ترجمہ بہت اچھی طرح کر سکتا ہے بلکہ اس کے مضامین کو بھی بخوبی سمجھ سکتا ہے اور اہل علم و تحقیق کے لئے اس کے علمی مباحث لائق مطالعہ ہیں۔ "لغات قرآن" کے ساتھ الفاظ قرآن کی مکمل اور آسان فہرست بھی دی گئی ہے جس سے ایک لفظ کو دیکھ کر تمام لفظوں کے حوالے بڑی سہولت سے نکالے جاسکتے ہیں۔ "مکمل لغات قرآن" اپنے انداز کی لاجواب کتاب ہے جس کے بعد اس موضوع پر کسی دوسری کتاب کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

جلد اول	صفحات ۳۳۴	بڑی تقطیع	غیر مجلد چار روپے آٹھ آنے
جلد دوم	۳۳۶	"	مجلد پانچ روپے آٹھ آنے
جلد سوم	۳۳۲	"	غیر مجلد پانچ روپے
جلد چہارم	۳۸۶	"	مجلد پچھ روپے
جلد پنجم	۵۰۰	"	غیر مجلد چھ روپے
جلد ششم	۳۶۴	"	مجلد سات روپے آٹھ آنے
			غیر مجلد چار روپے آٹھ آنے
			مجلد پانچ روپے آٹھ آنے

(پوری کتاب کے مجموعی صفحات ۲۶۱۲)

مکتبہ برہان اردو بازار جامع مسجد دہلی ۹۰

نومبر ۱۹۶۲ء

تاریخ اسلام مکمل کورس

تاریخ اسلام کا یہ سلسلہ جو تاریخ ملت کے نام سے مشہور ہے اور مقبول عوام و خواص ہو چکا ہے۔ مختلف خصوصیتوں کے لحاظ سے نہایت ممتاز ہے۔ زبان کی سلاست، ترتیب کی دل نشینی اور جامعیت اس کی اسی خصوصیتیں ہیں جو آپ کو اس سلسلہ کی دوسری کتابوں میں نہیں ملیں گی۔ خلفاء اور سلاطین کی شخصوں زندگی کے سبق آموز واقعات کو اس میں اہتمام کے ساتھ اُجاگر کیا گیا ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ کے بعد تاریخ اسلام کے تمام ضروری اور مستند حالات سامنے آجاتے ہیں۔

اسکولوں اور کالجوں کے نصاب میں داخل ہونے کے لائق کتاب

جلد اول نبی عربی ایک پڑھانے والے جلد ششم خلافت عباسیہ و مظہم اُپارنیہ پڑھانے والے
جلد دوم خلافت راشدہ تین پڑھانے والے جلد ہفتم تاریخ مصر تین پڑھانے والے
جلد سوم خلافت بنی امیہ تین پڑھانے والے جلد ہفتم خلافت عثمانیہ تین پڑھانے والے
جلد چہارم خلافت بنی عباس دو پڑھانے والے جلد ہفتم تاریخ مغللیہ ایک پڑھانے والے
جلد پنجم خلافت عباسیہ طویل تین پڑھانے والے جلد دہم سلاطین ہند تین پڑھانے والے
جلد یازدہم سلاطین ہند دوم تین پڑھانے والے

قیمت بکمل سیٹ غیر مجلد اکتیس روپے آٹھ آنے مجلد ہفتیس روپے

مکتبہ برہان جامع مسجد دہلی ۶